سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۸۸

ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ

کا

فوجی نظام

ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ خصوصاً مسلمان بادشاہوں کے دور کے فوجی و حربی نظام
کی تفصیل تحریر کی گئی ہے

مرتبہ

سید صباح الدین عبدالرحمن

معارف پریس اعظم گڑھ میں چھپی

طبع دوم — سنہ ۱۹۸۱ء — کتبہ سید اقبال احمد

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر (۸۸)

ہندوستان کے عہد وسطیٰ

کا

فوجی نظام

ہندوستان کے عہد وسطیٰ خصوصاً مسلمان بادشاہوں کے دور کے فوجی و حربی نظام

کی تفصیل تحریر کی گئی ہے،

مرتبہ

سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم، اے

باہتمام

مولانا مسعود علی صاحب ندوی

معارف پریس اعظم گڈھ میں چھپی

کتبہ اقبال احمد

قیمت آٹھ روپئے

سنہ ۱۹۶۰ء

ا

۴۸۶

فہرست مضامین

ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام

پیشِ لفظ

از

ڈاکٹر سیّد محمود، سابق وزیر تعلیم، بہار و امور خارجہ حکومتِ ہند

وصدر دار المصنفین

دار المصنفین کو علامہ شبلیؒ سے علمی وراثت میں تاریخ ہندوستان کا کام بھی ملا، علامہ شبلیؒ کی "مضامینِ عالمگیر" نے عالمگیریات پر تحقیق کرنے والوں کو ایک خاص نقطۂ نظر دیا، گو علامہ مرحوم نے اپنے اس خاص نقطۂ نظر کو ثابت کرنے میں، اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں پر اعتراضات کئے، لیکن ان کا یہ خاص نقطۂ نظر مسلمانوں میں بہت مقبول ہوا، پھر اُن کے مضامین، جہانگیر، زیب النسا، عبد الرحیم خانخاناں اور ہندوستان پر اسلامی تمدن کے اثرات بہت اچھے تھے، اور بہت مقبول ہوئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا، اور اُن کی شہرۂ آفاق کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" اردو زبان میں ہمیشہ زندہ رہے گی، اور اس کا مطالعہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے مفید ہوگا، اُن کا مقالہ "مسلمانوں کے عہد میں ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی" بھی بہت ہی اہم اور کارآمد ہے، پھر ان ہی کی تحقیقات سے ہم کو پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ تاج محل کا معمار خالص ہندوستانی تھا، اور اس کا نام نادر العصر استاد احمد معمار لاہوری تھا، ہندوستان کی تاریخ کے سلسلہ میں "ہندوستان کی اسلامی درسگاہیں" اور رقعاتِ عالمگیر اور مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر بھی دار المصنفین کی اہم مطبوعات ہیں،

علامہ سید سلیمان ندوی نے ۱۹۳۲ء میں تاریخ ہند کی تدوین اور ترتیب کے سلسلہ مین ایک لمبی اسکیم پیش کی تھی اور انکا ارادہ تھا کہ دارالمصنفین کی طرف سے ہندوستان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر ۱۹ جلدین شائع کی جائین لیکن ادارہ کی مالی دشواریوں کی وجہ سے یہ کام خاطرخواہ انجام نہ پاسکا، پھر بھی یہاں کے رفقاء نے حسب ذیل کتابیں لکھین:

(۱) تاریخ سندھ (۲) بزم تیموریہ (۳) بزم مملوکیہ (۴) بزم صوفیہ (۵) ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک.

مجھکو بھی ہندوستان کی تاریخ سے تھوڑی بہت دلچسپی رہی ہے، اس لئے میری بھی خواہش ہوئی کہ دارالمصنفین اپنے اس اہم علمی کام کو جلد از جلد پورا کرے، اور میرے مشورہ سے اس کا ایک پنج سالہ پلان بنایا گیا، جس میں حسب ذیل دس جلدین رکھی گئیں،

(۱) ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام (۲) ہندوستان عربوں کی نظر میں (۳) و(۴) ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی تمدنی اور تہذیبی تاریخ، دو جلدوں میں (۵) ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کے مشاہیر (۶) ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا نظام عدل (۷، ۸) تغلقوں، خلجیوں، اور لودیوں کے علمی تاریخ. (۹) ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی تاریخ، ہندو مسلمان مورخین کی نظر میں (۱۰) گجرات کی تمدنی تاریخ،

یہ فہرست مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کو بھی دکھلائی گئی تھی، اور انھون نے اس کو پسند فرمایا، اور اس کی ترتیب کے سلسلہ مین اپنی وزارتِ تعلیم سے مالی امداد دینے کا وعدہ بھی فرمایا، اس کے بعد ایک درخواست بھی دی گئی جس میں مذکورۂ بالا دس جلدوں کی پوری تفصیل بتا کر امداد مانگی گئی، اور اس درخواست پر دفتری کارروائی ہو رہی تھی کہ مولانا ہم کو داغِ مفارقت دے کر سوگوار چھوڑ گئے، یہ درخواست پھر "وزارتِ ثقافت اور سائنٹفک ریسرچ" میں منتقل ہو گئی،

اس وزارت کی طرف سے امداد کی جتنی توقع تھی، وہ نہ ملی، پھر بھی یہ کام شروع کر دیا گیا، اور اس سلسلہ کی پہلی کتاب "ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام" اس وقت ناظرین کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کتاب کسی لمبی تمہید کے بغیر شروع کی گئی ہے، اور شروع ہی میں یہ کہا گیا ہے کہ موجودہ دور میں جب کہ بری، بحری اور ہوائی لڑائیوں کا فن انتہا کو پہونچ گیا ہے، ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کے فوجی نظام کا مطالعہ محض ایک دفترِ پارینہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ انسان کی کی وہ فطرت اور وہ قواعد جن پر جنگ مبنی ہوتی ہے، بدلتے نہیں، اسی لئے نہایت قدیم زمانہ کی معرکہ آرائیوں سے بھی قیمتی سبق سیکھے جا سکتے ہیں، اس کتاب میں ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی جو فوجی اور حربی تفصیلات پیش کی گئی ہیں، اُن سے بھی بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے،

گو یہ کتاب خالص فوجی اور جنگی نقطۂ نظر سے نہیں لکھی گئی ہے، کیونکہ مصنف کوئی ماہرِ جنگ نہیں، بلکہ مورخ ہیں، اسی لئے اس کے مباحث بھی مورخانہ ہیں،

اس کتاب کی سب سے قابلِ قدر چیز اس کا خوشگوار متین اور سنجیدہ لب و لہجہ ہے، ہندوستان کی بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اُس کے عہدِ وسطیٰ کی جب کبھی تاریخ لکھی گئی تو اس میں رنگ آمیزی ہوئی، مسلمان مورخوں نے مسلمانوں کے دورِ حکومت میں جو تاریخیں لکھیں، ان میں ان کی فتح و کامرانی کا غرور اور غلبہ کا نشہ چھایا ہوا نظر آتا ہے، اور انھوں نے واقعات قلمبند کرنے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا، اور جس طرح ایرانی اہلِ قلم کے شعر و ادب میں غیر معمولی مبالغہ آرائی نظر آتی ہے، اسی طرح جو تاریخیں ایرانی طرز پر لکھی گئیں، ان میں بھی مبالغے نظر آتے ہیں، مثلاً کہیں دو چار ہندو مشرف باسلام ہوئے تو یہ مورخین لکھتے ہیں کہ تمام علاقے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اسی طرح مندروں کے انہدام کے اکا دکا واقعہ کو اس طرح پیش کرتے ہیں جس کو پڑھنے کے بعد یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ ہندوستان کے تمام مندر بالکل منہدم کر دیئے گئے تھے، انگریزوں نے مسلمان مورخوں کی اس مبالغہ آرائی سے پورا فائدہ اٹھا کر اس دور کی

حکومت کی جو تاریخیں قلمبند کیں، ان میں ہندوؤں کے اشتعال کو بڑھانے کے لئے پورا مواد فراہم کر دیا، اور اسی کا اثر ہے کہ موجودہ دور میں ہندوؤں کے قلم سے جو تاریخیں نکل رہی ہیں، ان میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کو پڑھ کر مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی تاریخ نویسی ایک ایسے چکر میں پڑ گئی ہے جس کے برے نتائج پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں، لیکن اگر ہماری تاریخ نویسی میں صحت مندانہ پہلو کا زیادہ لحاظ رکھا جائے تو ہماری بہت سی ذہنی اور سیاسی بیماریوں کا علاج ہو جائے، مجھکو خوشی ہے، کہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی زیر نظر کتاب میں وہ تمام صحت مندانہ پہلو موجود ہیں، جو اس عہد کی تاریخ نویسی کے لئے ضروری ہیں'

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے ناقدین ان پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ انھوں نے یہاں آکر خوں ریز جنگ کی، غارت گری کی، یہاں کے امن پسند باشندوں کو تہ تیغ کیا، مندروں کو منہدم کیا، جزیہ لگایا، ان حکمرانوں کے حامی ان الزامات کی تردید کرتے ہیں، اور اب تک مورخوں کی ساری سرگرمیاں ان ہی سطحی باتوں میں ضائع ہوتی رہی ہیں، لیکن ان حکمرانوں نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا یا کیا کرنا چاہئے تھا یا کیا نہ چاہئے تھا، اس کو سیکڑوں برس کے بعد موجودہ معیار کے مطابق بحث کا موضوع بنا کر اپنے خاص خاص جذبات کا اظہار کرنا کوئی علمی یا تاریخی خدمت نہیں، جو ہو چکا اسکو ہم حوادث زمانہ سمجھ کر نظر انداز کر دیں، دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں گذری جس کے کارنامے تنقیدوں اور تنقیصوں سے بالاتر کہے جا سکتے ہیں، لیکن اچھا مورخ وہی ہے جو تاریخ لکھتے وقت یہ سوچے کہ اس کے قلم کی لغزش اور اس کے اپنے جذبات کے اظہار سے کیا نقصان پہونچنے کا امکان ہے، یہ فرض ہندوستان کی تاریخ نویسی کے وقت اور اہم ہو جاتا ہے، خصوصاً جب اس کا لکھنے والا ہندو ہو یا مسلمان، اگر ہندو مورخ اس عہد کے صرف ہندوؤں ہی کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، عمرانی اور اقتصادی کارنامے لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، تو وہ حق بجانب ہیں، بشرطیکہ اس دور کے مسلمان

حکمرانوں پر تنقید کرتے وقت ایسی باتیں نہ لکھیں جن سے اُن کے ہم مذہبوں کے مذہبی جذبات اور خود دارانہ احساسات کو ٹھیس لگے، اسی طرح مسلمان مورخین اس عہد کی تاریخ قلمبند کرتے وقت صرف مسلمانوں کے روشن کارناموں کو اچھالیں تو یہ بھی قابلِ اعتراض نہیں، بشرطیکہ وہ اپنے ہم وطنوں کے متعلق ایسی رائے کا اظہار نہ کریں جس سے ان کو تکلیف پہونچے، اس طرح تاریخ نویسی کا دائرہ تنگ تو ضرور ہو جاتا ہے لیکن اس سے بہتر ہے کہ ایک دوسرے کی تاریخ لکھی جائے لیکن تحقیقات کے پردے میں باہمی نفرت پیدا کرکے یہاں کے سیاسی اور قومی زندگی کو نقصان پہنچایا جائے، اگر ہندو اور مسلمان مورخوں کے قلم سے اُن کے صرف ہم مذہبوں ہی کے روشن پہلو سامنے آتے رہے، تو کچھ دنوں کے بعد ہندوستان کی تاریخ نویسی میں خود اعتدال، توازن اور صحت مندانہ پہلو پیدا ہو جائے گا،

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن دارالمصنفین میں گذشتہ پچیس سال سے ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کر رہے ہیں، اور وہ اب تک بہت سی کتابوں کے مصنف ہو چکے ہیں، بزم تیموریہ، بزم مملوکیہ، بزم صوفیہ اور ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک، ان ہی کی تصانیف ہیں، ان تمام کتابوں میں ان کا لب ولہجہ بہت ہی پسندیدہ رہا ہے، اور مجھ کو خوشی ہے کہ یو پی کی حکومت نے اُن کی کتاب "ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک" پر ایک ہزار روپے انعام دیا ہے، یہ کتاب واقعی انعام کی مستحق تھی کیونکہ اس میں ہندوستان کی تاریخ کے مطالعہ کا ایک خاص نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے، جس کے پڑھنے کے بعد ہندو مسلمانوں کے تعلقات خوشگوار ہو سکتے ہیں،

یہی اسپرٹ زیر نظر کتاب "ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام" میں کارفرما ہے، یہ موضوع بڑا مشکل، صبر آزما، اور پیچیدہ تھا، لیکن کتاب کے پڑھنے سے اندازہ ہوگا کہ بڑی محنت، مشقت، دیدہ ریزی اور تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہے جس کے لئے سید صباح الدین عبدالرحمن ضرور داد کے مستحق ہیں، ناظرین خود بھی اس کا اندازہ کریں گے، تفصیلات بیان کرتے وقت وہ پُرخار اور دشوار گذار وادی سے اس

طرح گذرے ہیں کہ ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی تاریخ نویسی کا ایک نیا موقف سامنے آجاتا ہے، اور جس اسپرٹ سے یہ کتاب لکھی گئی ہے، اس طرح اور مورخین بھی اس عہد کی تاریخ لکھتے رہیں، تو ہماری سیاسی اور قومی بیماریاں دور ہوجائیں،

اس کتاب کا مواد اکٹھا کرنے میں جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے تقریباً بائیس تیئس برس صرف کئے ہیں، اور گو یہ ایک سال میں لکھی گئی لیکن اس پر ریسرچ تقریباً ۲۲-۲۳ برس سے کرتے رہے، اس لئے آخر میں ہم مصنف کو پھر داد دیتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب محققانہ اور پر از معلومات ہونے کے علاوہ اپنی اسپرٹ کے لحاظ سے اردو زبان کی اہم کتابوں میں شمار کئے جانے کے لائق ہے، اس کتاب کی اشاعت پر ہم دارالمصنفین کو بھی مبارکباد پیش کرتے ہیں،

سیّد محمود

۲۰- تغلق کریسنٹ، نئی دہلی،

۲۲ر فروری ۱۹۶۰ء

تمہید

ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی تمدنی تاریخ کی تالیف عرصہ سے دارالمصنفین کے پیشِ نظر تھی، اور اس سلسلہ میں اُس نے بعض کتابیں بھی شائع کیں، مگر اس کام کی تکمیل میں مالی دشواریاں حائل تھیں، حکومتِ ہند نے ازراہِ قدردانی ایک سال کے لئے کچھ امداد منظور کی، جس سے تھوڑی سی سہولت پیدا ہوگئی ہے، اس کے لئے دارالمصنفین حکومتِ ہند اور اس کے وزیر امورِ ثقافت و سائنٹفک ریسرچ عزت مآب عالیجناب ہمایوں کبیر کی علم نوازی کا شکر گذار ہے،

ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی بزم آرائیوں پر تو بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن رزم کشا اور حربی نظام کا صفحہ بالکل خالی تھا، چنانچہ اس موضوع پر اردو کیا فارسی میں بھی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، اسلئے اس کی تاریخ ابتدا ہی سے دارالمصنفین کے پیشِ نظر تھی، اور ہمارے رفیق کار سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب عرصہ سے اس کی تیاری میں مصروف تھے، جس کو انھوں نے اب مرتب کرکے پیش کیا ہے، انھوں نے اس کی تالیف میں جو غیر معمولی محنت کی ہے، اور جن جن گوشوں سے مواد فراہم کرکے یہ رزم نامہ مرتب کیا ہے اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہوگا،

یہ کتاب فوجی نظام پر ہے، اس لئے قدرۃً اس میں اس دور کے بہت سے اہم تاریخی واقعات اور دلچسپ تمدنی حالات بھی آگئے ہیں، اور رزم میں بزم کی جھلک نظر آجاتی ہے، اردو میں اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب ہے، اس لئے یقین ہے کہ اہلِ علم میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی، کتاب

کی ضخامت کو کم کرنے کے لئے کچھ تفصیلات اور بعض اصطلاحات حذف کر دی گئی ہیں، اس سے اگر ناظرین کو کہیں کوئی کمی محسوس ہو، تو اس میں وہ مصنف کو معذور سمجھیں گے، انشاء اللہ آیندہ تاریخ ہند کا سلسلہ جاری رہے گا، اور امید ہے کہ حکومتِ ہند بھی اس کی تکمیل تک اپنی امداد جاری رکھے گی،

اس کتاب کی ترتیب میں مؤلف کو مختلف کتب خانوں کی چھان بین بھی کرنا پڑی ہے، ان کتبخانوں کے منتظمین نے اُن کی جو امداد کی ہم اس کے شکر گذار ہیں، مسلم یونیورسٹی کے عکسی نسخہ آداب الحرب و الشجاعہ سے جو استفادہ کیا گیا ہے، اس کے لئے ہم لوگ جناب خلیق احمد نظامی، ریڈر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی کے ممنون ہیں،

کتابت و طباعت کی جو غلطیاں رہ گئی ہیں، ان کا اغلاط نامہ لگا دیا ہے، پھر بھی جن غلطیوں پر نظر نہیں پڑ سکی ہے، امید ہے کہ ناظرین اپنے ذوق سے اُن کی تصحیح کر لیں گے،

شاہ معین الدین احمد ندوی

ناظم شعبۂ علمی دار المصنفین و ڈائرکٹر شعبۂ تحقیق و تالیف تاریخ ہند

۵ر مارچ ۱۹۶۰ء

دیباچہ

یہ کتاب حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت اور رہنمائی میں شروع کی گئی تھی، مگر افسوس کہ یہ اس وقت تکمیل کو پہونچی جب وہ اس عالم میں موجود نہیں ہیں، اس لئے رسمی طریقہ پر نہیں بلکہ دلی طور پر یہ کتاب اُن ہی کے نام سے معنون کی جاتی ہے، اس میں جو خامیاں ہوں وہ میری خامی کا نتیجہ ہیں، اور جو خوبی نظر آئے وہ حضرت الاستاذ کا فیض ہے،

مؤلف

۵ر مارچ ۱۹۶۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عہدے

عام روایت کے برخلاف یہ کتاب کسی لمبی تمہید کے بغیر شروع کی جارہی ہے۔ تمہید میں عموماً موضوع کی اہمیت ظاہر کی جاتی ہے، لیکن زیر نظر کتاب کے موضوع کی اہمیت کسی طویل تمہید کی محتاج نہیں، ممکن ہے خیال ہو کہ موجودہ دور میں جب کہ بری، بحری اور ہوائی لڑائیوں کا فن انتہائے کمال کو پہنچ گیا ہو ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کے فوجی نظام کا مطالعہ محض ایک دفترِ پارینہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن کچھ دفترِ پارینہ ایسے بھی ہیں، جن سے داغہائے سینہ تازہ ہوتے ہیں، پیشِ نظر کتاب میں جو کچھ قلمبند کیا گیا ہے اُس کو بھی ایسے ہی دفترِ پارینہ سمجھنا چاہیئے، کیونکہ جن حکومتوں کے فوجی نظام کا ذکر کیا جائے گا، اُن کی داستانِ رزم کے ساتھ ہندوستان کی تمدنی بزم کی تاریخ بھی وابستہ رہی ہے، اگر ایک طرف ان فوجوں نے بڑی بڑی لڑائیاں لڑیں تو دوسری طرف اُن کے فوجی سرداروں کے ذریعہ ہندوستان کی تہذیبی، تمدنی، ثقافتی، علمی اور معاشرتی زندگی بھی جگمگا اٹھی، اس لئے ان فوجوں کی نوعیت، اُن کی ترتیب و تنظیم، اُن کے طریقۂ جنگ اور دوسری تفصیلات کا مطالعہ نہایت ضروری اور اہم ہے، بلکہ یقین ہے کہ دلچسپی سے بھی خالی نہ ہوگا،

کسی فوج کے نظام میں فوجی عہدے بہت اہم ہوتے ہیں، کیونکہ اُن ہی کے ذریعہ سے فوج کی پوری تنظیم و ترتیب ہوتی ہے، اس لئے کتاب کا آغاز اُن ہی کے ذکر سے کیا جاتا ہے،

اعلیٰ کمانڈر بادشاہ | بادشاہِ وقت خود فوج کا اعلیٰ سردار ہوتا تھا، حکومت کی تمام فوج اسی کے ماتحت ہوتی تھی، وہ دوسرے فوجی عہدیداروں کی طرح میدانِ جنگ میں بھی شریک ہوتا تھا، غزنویوں کے عہد سے لیکر تیموریوں کے آخری دور تک کوئی حکمراں ایسا نہیں گزرا جس نے جنگ میں شرکت نہ کی ہو، شمس الدین التمش کا حریف یعنی سندھ کا آزاد حکمراں ناصر الدین قباچہ، ابراہیم لودی اور شیر شاہ سوری تو میدانِ جنگ ہی میں جاں بحق ہوئے،

یا شہزادے | اگر بادشاہ کسی سبب سے میدانِ جنگ میں شریک نہ ہو سکتا تھا تو شہزادے اس کی قائم مقامی کرتے، سلطان غیاث الدین بلبن کا محبوب فرزند شہزادہ محمد سلطان مغلوں سے لڑتا ہوا مارا گیا[1] سلطان جلال الدین خلجی کے لڑکے ارکلی خاں نے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ اودھ کے حاکم ملک چھجو کی بغاوت فرو کی[2] سلطان علاء الدین خلجی کے لڑکے خضر خاں نے راجپوتانہ کی مہم کی رہنمائی کی[3] سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں شہزادہ جونا خان نے تلنگانہ اور ارنگل فتح کئے[4] سلطان محمد تغلق نے اپنے بھانجے خسرو ملک کی ماتحتی میں ایک بڑی فوج تمام معزز افراد کے ساتھ قراجیل کی مہم پر روانہ کی[5]

تیموری دور میں شہزادوں کو اس وقت تک کوئی منصب ہی نہیں ملتا تھا، جب تک وہ کسی مہم میں شریک نہ ہوتے تھے، شہزادہ سلیم اکبر کا بہت ہی چہیتا بیٹا تھا لیکن وہ بھی میواڑ کے رانا کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا گیا اکبر کا دوسرا لڑکا شہزادہ مراد تو دکن کے فوجی کیمپ ہی میں مرا، جہانگیر کے زمانہ میں شہزادہ خرم نے میواڑ اور دکن کی متواتر لڑائیوں میں جو نمایاں کام کئے، وہی اس کے تخت و تاج کے حاصل کرنے میں معاون ہوئے شہزادہ پرویز، میواڑ، مانڈو، خاندیس، اور برار کی مہموں پر بھیجا گیا، شاہجہاں کی حکومت میں دارا قندھار

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۰۹ [2] ایضاً ص ۱۸۲، [3] تاریخ مبارک شاہی از یحییٰ سرہندی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، ص ۷۷، [4] تاریخ مبارک شاہی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ص ۹۴،۹۳، و تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۴۴۴ [5] تاریخ فرشتہ نولکشور پریس جلد اول ص ۱۳۵

کی مہم پر ۱۰ منصب داروں کے ساتھ گیا،[51] دکن کی تسخیر کے لئے شہزادہ شجاع بھی بھیجا گیا، اسی عہد میں بیجا پور، گولکنڈہ، بلخ اور قندھار کی مہموں میں شاہی فوج کی کمان شہزادہ اورنگ زیب کے ہاتھ میں تھی، شہزادہ مراد جب بلخ و بدخشاں کے لئے روانہ کیا گیا، تو سلطنت کے ۲۲۰۰ فوجی سردار اس کے ساتھ تھے، اورنگ زیب کے عہد میں شہزادہ معظم نے ۱۶۶۴ء میں مرہٹوں اور بیجاپور کے خلاف فوج کشی کی، ۱۶۸۳ء میں شہزادہ اعظم پرتگالیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے گووا بھیجا گیا، ۱۷۰۱ء میں شہزادہ کام بخش دکن کی مہم پر روانہ کیا گیا،

جانشینی کی جنگ میں شہزادے اپنی ہی کمان میں فوج کو لے کر میدان میں اُترتے تھے، اُن میں بہت سے لڑتے ہوئے مارے بھی گئے، شہزادہ ہندال ہمایوں کی حمایت میں قندھار کے محاصرہ میں جنگ کرتا ہوا مارا گیا، دارا میدانِ جنگ میں تو نہیں لیکن جنگ کے بعد گرفتار ہو کر قتل ہوا، اورنگ زیب کے لڑکوں میں اعظم شاہ اور کام بخش کی جانیں لڑائی ہی میں تلف ہوئیں، بہادر شاہ اول کے بعد شہزادہ عظیم الشان، رفیع الشان، جہان شاہ اور فرخندہ اختر جنگ ہی میں مارے گئے،

معزز عہدیدار

اس زمانہ میں سلطنت کا انتظامی اور فوجی نظام کچھ ایسا ملا جلا تھا، کہ بعض اوقات فوجوں کی کمان اُن معزز عہدیداروں کے بھی سپرد کردی جاتی تھی، جو سول یعنی انتظامی فرائض انجام دیتے تھے، مثلاً سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں الغ خاں جب امیر حاجب تھا، تو وہ ۶۴۴ھ میں کوہ جود اور نندنہ کی مہم میں شاہی لشکر کی باگ اپنے ہاتھ میں لیکر روانہ ہوا،[52] اور جب ناصر الدین محمود کا نائب مملکت ہوگیا، تو بھی اہم مہمات میں فوجیں اس کی نگرانی میں بھیجی جاتی تھیں، علاء الدین خلجی کے زمانہ میں نصرت خاں وزیر تھا، لیکن گجرات اور نہروالہ کی تسخیر اُسی نے کی،[53]

انتظامی معاملات میں علاء الدین خلجی کا نائب ملک کافور تھا، لیکن جب دیوگیر شاہی فوج بھیجی گئی تو

---

[51] عمل صالح از محمد صالح کنبوہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جلد دوم ص ۳۱۳، [52] طبقات ناصری بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۲۰۹، [53] برنی ص ۲۴۱-۲۳۹،

ملک کافور ہی اس کا سر لشکر تھا[1]، قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے عہد میں ملک دینار ظفر خان گجرات کا والی مقرر ہوا تو اسی کی فوجی رہنمائی میں گجرات کے سارے علاقے فتح کئے گئے[2]، اسی کے عہد میں خسرو خاں وزیر بھی تھا اور سر لشکر بھی، تمام ملکی معاملات اسی کے مشورے سے طے پاتے تھے، اور فوجیں بھی اسی کے ماتحت بھیجی اور بڑی بڑی مہموں پر اسی کی نگرانی میں لشکر روانہ کیا جاتا تھا[3]، فیروز شاہ کے عہد میں خانجہاں تاتار خاں ملک نائب باربک ابراہیم خاں، عماد الملک بشیر سلطانی رزم و بزم دونوں میں اپنے سپاہیانہ کمال اور دانشمندانہ تدبر کا جوہر دکھلاتے تھے[4]، فیروز شاہ نے لکھنوتی میں جنگ کی تو لڑائی کے میدان میں فیروز شاہ کا مشیر کار ملک دیلان تیس ہزار سواروں کے ساتھ میمنہ کا سردار مقرر کیا گیا تھا[5]،

غرض انتظامی اور فوجی عہدیداروں کی خدمات ضرورت کے وقت بزم و رزم دونوں میں حاصل کی جاتی تھیں، ہر صوبہ کا گورنر جو اقطاع دار یا مقطع، یا والی یا نائب وزیر کہلاتا تھا، اپنے علاقہ کا فوجی کمانڈر بھی ہوتا تھا،

تیموری دور میں بھی انتظامی عہدیدار فوجی خدمات انجام دیتے رہے، ہمایوں اور اکبر کے عہد میں بیرم خاں وکیل السلطنت[6] یعنی وزیر اعظم کے عہدہ پر مامور تھا، لیکن میدان جنگ میں اسی کی نبرد آزمائی کی وجہ سے تیموری سلطنت کی بنیاد مستحکم ہوئی، بیرم خاں کے بعد خانخاناں منعم خاں وکیل السلطنت ہوا، تو انتظامی امور کے ساتھ فوجی مہم میں بھی شریک ہوتا تھا، چنانچہ اکبر نے اپنے چھٹے سال جلوس میں جب مشرقی اضلاع پر لشکر کشی کی تو اس کے ساتھ منعم خاں بھی تھا[7]، شمس الدین محمد خاں آتکہ وکیل السلطنت کے عہدہ پر فائز ہوا تو ابوالفضل کا بیان ہے،

---

[1] برنی ص ۳۲۶ [2] ایضاً ۳۸۰ [3] ایضاً صفحہ ۳۹۱، [4] تاتار خاں لکھنوتی کی جنگ میں تیس ہزار بہادر سواروں کے ساتھ قلب لشکر میں متعین تھا، اور وہی سر لشکر تھا [5] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف بنگال ایشیاٹک سوسائٹی تیسرا مقدمہ [6] ماثر الامرا، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جلد اول ص ۳۷۵ [7] اکبر نامہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جلد دوم ص ۱۴۷

"تنظیم معاقد مالی و ملکی و انصرام مہام سپاہی و رعیت برائے ازیں خود گرفتہ محفل آرائے عتبۂ اقبال شد" (اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۴۹)

جہانگیر کے زمانہ میں شریف خاں وکیل ہوا، تو اس کو امیر الامراء کا بھی خطاب ملا، اور وہ دربار کا سب سے زیادہ جلیل القدر امیر سمجھا جاتا تھا، جہانگیر کے چوتھے سال جلوس میں شہزادہ پرویز دکن کی مہم پر ملک عنبر کے خلاف بھیجا گیا تو اس کے ساتھ امیر الامراء وکیل السلطنت شریف خان بھی تھا،[۱]

شاہجہانی عہد کے وکیل السلطنت آصف خاں نے بیجاپور میں عادل شاہیوں کے خلاف شاہی فوج کی رہنمائی کی،[۲]

صوبہ کا حاکم اعلیٰ جو سپہ سالار، یا صوبہ دار یا ناظم کہلاتا تھا، اپنے صوبہ کا اعلیٰ فوجی کمانڈر بھی ہوتا تھا، سپہ سالار کے بہت سے فرائض کی تفصیل آئین اکبری میں ہے، ان فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی تھا، کہ وہ فوجوں کا نگہبان ہوتا تھا،

"جانشین خدیو عالم است، سپاہ صوبہ و رعیت فرمان پذیر او" (آئین اکبری ص ۱۹۵)

جب کبھی آس پاس کے علاقہ میں بغاوت ہو جاتی تو اس کو وہی اپنی نگرانی میں فرو کرتا، یا قرب وجوار میں کوئی فوجی مہم بھیجی جاتی تو اسی کی رہنمائی میں بھیجی جاتی، ضرورت کے وقت مدبر اور آزمودہ کار ناظم دار السلطنت میں طلب کرلئے جاتے، اور دور دراز علاقوں کی اہم فوجی مہم پر بھیجے جاتے،

عارض بادشاہ اور شاہزادوں کے بعد غزنوی دور میں اعلیٰ فوجی عہدہ دار صاحب دیوان یا عارض کہلاتا تھا، وہ جنگی اور حربی امور میں بادشاہ کا خاص مشیر ہوتا تھا، اس کی حیثیت وزیر جنگ کی ہوتی جس کا رتبہ وزیر اعظم سے کچھ ہی کم تھا، لشکر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اسی پر ہوتی تھی؛ وہ ہر سال فوجی معائنہ

---

[۱] اقبال نامۂ جہانگیری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۳۶-۳۷، [۲] بادشاہ نامہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی از عبد الحمید لاہوری ص ۱۲، ۴۱۱۔

کرتا تھا، اور سلطنت کی تمام فوجیں آراستہ و مسلح ہو کر اس کے سامنے سے گذرتی تھیں، اس موقع پر اکثر سلطان بھی موجود رہتا تھا،

عارض کے پاس ایک رجسٹر ہوتا تھا جس میں فوج کی حاضری، بیماری اور موت کی تفصیل درج رہتی تھی، اس کی ایک نقل دیوانِ رسالت میں بھی حوالہ کے لئے رکھی جاتی تھی، سلطان جب کسی مہم پر جاتا تھا، تو عارض فوجی کیمپ میں لشکریوں اور اُن کے جانوروں کے خورد و نوش کا سامان اور دوسری ضروریات بھی پورا کرتا تھا، نقل و حمل میں سہولتیں بہم پہنچانا بھی اس کے ذمہ ہوتا، جنگ کے بعد مالِ غنیمت کا بھی وہ محافظ ہوتا تھا، جو سلطان کے سامنے حسب مراتب تمام لشکریوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا،

عارض کا مددگار نائب عرض ہوتا جو تنخواہیں تقسیم کرتا تھا، ہر صوبہ کی فوج کے لئے ایک عارض، اور ایک نائب عارض ہوتا، دونوں مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتے، احتیاطاً صوبہ کے عارض کا ایک لڑکا دارالسلطنت میں ضمانت کے طور پر روک لیا جاتا تھا[۱]،

غلاموں، خلجیوں اور تغلقوں کے زمانہ میں عارض کا عہدہ تو قائم رہا لیکن اُس کی حیثیت کچھ بدل گئی، عارض جو کبھی عرضِ ممالک[۲] یا دیوانِ عرض[۳] یا سرِ لشکر ملک کہلاتا تھا، قریب قریب وہی فرائض انجام دیتا تھا جو غزنویوں کے عہد میں اُس کے ذمے تھے، مگر وہ وزیرِ حرب نہ رہا، اگرچہ جنگ کے سلسلہ میں مجلس مشاورت میں ضرور شریک رہتا تھا، وہ خود کوئی حکم صادر نہ کرتا، بلکہ بادشاہ کے احکام کو عمل میں لاتا تھا، وہ جب خود کسی کو مقرر یا برطرف کرنا چاہتا، تو بادشاہ کی اجازت کے بغیر نہ کرتا، کسی مہم کے لئے لشکر تو وہ تیار کرتا تھا، مگر سرِ لشکر بادشاہ مقرر کرتا تھا، یہ عہدہ ہر زمانہ میں بہت ہی معزز سمجھا جاتا تھا، اور اس پر ہمیشہ بڑے معزز امراء مامور کئے جاتے تھے، سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں اس عہدہ پر امیر خسرو

---

[۱] بیہقی جلد اوّل بحوالہ محمود آف غزنہ، مؤلفہ ڈاکٹر محمد ناظم ص ۱۳۸، ۱۳۷ [۲] برنی ص ۲۴، ۲۳، ۴۸، ۱۹۷، ۲۴، ۱۷۴،

[۳] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۳۴۴، ۴۸، ۲۹ و برنی ص ۱۱۴، ۶۰، ۴۷۷، ۳۶۰،

کے نانا عماد الملک فائز تھے، اُن کا لقب عرض ممالک کے بجائے راوت عرض[1] تھا، بلبن کو اُن پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ فوج کے سلسلہ میں جو چاہتے تھے کرتے تھے، بلبن مداخلت نہ کرتا تھا،[2] لیکن خود عماد الملک کو اپنے عہدہ کی ذمہ داری کا غیر معمولی احساس تھا، چنانچہ ایک موقع پر اپنے لشکریوں اور ماتحتوں کو مخاطب کر کے کہا:

"میں بادشاہوں کی ملک داری کا نگہبان، معاون اور مددگار ہوں کیونکہ انھوں نے اپنی ساری فوج میرے ہاتھ میں دیدی ہے، اور فوج کے تمام معاملات (حل وعقد قبض وبسط) میرے سپرد ہیں، اگر میں لشکر کے کام میں غفلت کروں، اور لشکریوں کی فراہمی کی شب وروز فکر میں نہ رہوں، اور اُن کو اپنے بھائیوں اور لڑکوں سے بہتر نہ سمجھوں تو دنیا میں حرام خور کہلاؤں گا اور قیامت کے روز خداوند تعالیٰ کے سامنے شرمندہ ہوں گا۔"

(برنی - ص ۱۱۶)

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں عارض کا لقب عماد الملک ہی ہو گیا تھا، اس عہدہ پر سلطان کا ایک غلام بشیر مامور تھا جس نے اپنے اعلیٰ کردار اور اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے سلطان کے مزاج میں بڑا اثر حاصل کر لیا تھا، اسی لئے اس عہدہ کا بڑا اعزاز اور وقار تھا، عماد الملک محل میں جہاں اور جب چاہتا آ جا سکتا، اور سلطان سے ہر قسم کی گفتگو کر سکتا تھا، جس کو چاہتا جاگیر دلواتا، جس کو چاہتا معزول کرا دیتا، اس کے ساتھ پانچ ہزار سوار

[1] ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی انگریزی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو کے ص ۲۹ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مرہٹی اور گجراتی زبان میں راوت کے معنی "سوار" "گھوڑا رکھنے والا" ہیں، راوت عرض غالباً اضافت مقلوبی کے ساتھ عرض راوت ہو، رسالہ اسلامک کلچر حیدر آباد دکن (اکتوبر ۱۹۳۷ء) کے ایک مقالہ نگار کا خیال ہے کہ راوت ہندوؤں کی ایک قوم ہے، عماد الملک نسلی حیثیت سے راوت تھے، اس لئے راوت عرض کہلاتے تھے۔ [2] بلبن عماد الملک کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ "در دیوان عرض او مطلق العنان باشد" (برنی ص ۱۱۵)

اور پہلوان برابر رہتے تھے، اور وہ خود بھی شاہی لشکر کی فلاح وبہبود میں برابر کوشاں رہتا، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے، (ص ۴۳۰)

"سر لشکر جیوش حضرت فیروز شاہ بود، برائے غم خوارگی زمرۂ حشم وفرقہ خدم کوشش بسیار می نمود، در مدت چہل سال بر ہیچ یاری ذرہ ظلم نکردہ"

عارض کا مددگار نائب عارض کہلاتا ہے[۱]

میر بخشی یا بخشی الممالک تیموری دور میں عارض کا عہدہ میر بخشی یا بخشی الممالک کہلاتا تھا، اس کے فرائض کی نوعیت عارض ہی جیسی تھی لیکن یہ عہدہ عزت ووقار کے لحاظ سے بہت اہم ہوتا گیا، اس لئے فرائض میں بھی کچھ اضافہ ہوتا رہا۔

عارض کی طرح وہ لشکریوں کی بھرتی کرکے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا، سپاہیوں کی حاضری، غیر حاضری، رخصت، تنخواہوں کی حقیقت یادداشت تعلیقہ، لشکریوں کی برطرفی، علالت، اور موت، احدیوں کی تصحیح، سواروں کی چہرہ نویسی وغیرہ[۲] کی ساری تفصیلات اسی کے دفتر میں جو توجیہ کہلاتا،[۳] موجود رہتی تھیں، اہل کشک یعنی شاہی محل کے محافظوں کا بھی نگراں میر بخشی ہی ہوتا تھا،[۴]

جب منصب داری نظام قائم ہوا تو تمام منصب داروں کی فہرست میر بخشی ہی کے پاس ہوتی، اسی کی وساطت سے ہر منصب دار بادشاہ کے حضور میں پیش کیا جاتا،[۴] اسی لئے وہ شاہی دربار میں بادشاہ کے تخت کے دائیں جانب کھڑا رہتا، کبھی کبھی وہ شاہی محل کے اندر بھی گفت وشنید کے لئے طلب کیا جاتا، فوجی خدمات کے سلسلہ میں جو جاگیریں دی جاتی تھیں، ان میں شاہی فرمان پر دیوان کے ساتھ بخشی کی مہریں بھی ثبت کی جاتیں، اسی طرح "پرادنچے" اور "برات" پر بھی اُس کی مہریں ہوتی تھیں،[۵]

---

[۱] برنی ص ۲۰۴ [۲] آئین اکبری جلد اول دفتر دوم آئین ۴ و ۵، نولکشور پریس [۳] اکبر نامہ جلد سوم ص ۲۸۱، [۴] دستور الانشاء، مؤلفہ یار محمد، مطبوعہ کلکتہ ص ۱۰۳ [۵] آئین اکبری جلد اول دفتر دوم، آئین ۱۱، ۱۲،

ہر منصب دار کے لشکری اور گھوڑے، تصحیحہ، چہرہ نویسی اور داغ کے معائنہ کے لئے میر بخشی کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں[۵۱]، ان کاموں کو انجام دینے کے لئے میر بخشی کے ماتحت بخشی، داروغہ، امین اور مشرف معاون ہوتے ہیں[۵۲]۔

جب کوئی لشکر میدان جنگ کو جاتا تو میر بخشی میدانِ جنگ کا نقشہ تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا، اور لشکر کے ہر بازو پر منصبداروں کو وہیں متعین کر دیتا[۵۳]۔

فوجی کیمپ کے ساتھ بھی بخشی ہوتا، اراکین دربار اور منصب دار اسی کی اجازت سے بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوتے[۵۴]۔

کوچ کرتے وقت راستہ کی ساری دقتیں میر بخشی ہی کے ذریعہ سے دور کی جاتیں، جہانگیر جب احمد آباد سے آگرہ آرہا تھا، تو دریائے مہی میں کشتیاں دستیاب نہ ہو سکیں، چنانچہ میر بخشی خواجہ ابو الحسن نے تین دن میں ایک پل بنوا دیا، جس کے ذریعہ لشکریوں نے دریا کو عبور کیا[۵۵]۔

کبھی میر بخشی فوجی مہم کی بھی رہنمائی کرتا، مثلاً اکبر کے میر بخشی شہباز خاں نے قلعہ سوانہ (جودھپور) کی تسخیر کی، پھر صوبہ بہار میں راجہ گج پتی کے خلاف لشکر کشی کی تو جگدیش پور اور شیر گڈھ کے قلعہ کو فتح کیا، اسی مہم میں قلعہ رہتاس کو بھی زیر نگیں کیا، رانا پرتاب کے خلاف بھی وہ جا کر لڑا[۵۶]، اکبر کے میر بخشی شیخ فرید نے تو اپنے ایک دلیرانہ کارنامہ سے تیموری سلطنت کے وارثوں کی قسمت ہی بدل دی، اکبر بستر مرگ پر تھا کہ میرزا عزیز کوکا اور راجہ مان سنگھ نے شہزادہ خسرو کی بادشاہت کا اعلان کرنا چاہا، لیکن شیخ فرید شہزادہ سلیم کی قیامگاہ پر پہنچا، اور اس کو بادشاہ تسلیم کر کے مبارکباد پیش کی، تمام امراء نے شیخ فرید ہی کا اتباع کیا، شہزادہ سلیم

---

۵۱ آئین اکبری جلد اول، دفتر دوم آئین ۷، ۸ ۔ ۵۲ مرآۃ احمدی مطبوعہ بمبئی جلد دوم ص ۸۱،

۵۳ دستور الانشاء ص ۲۰۱ ۔ ۵۴ آئین اکبری، آئین دفتر اول، آئین ۷، ۵۵ تزک جہانگیری نولکشور

پریس ص ۲۴۴، ۵۶ مآثر الامراء جلد دوم ص ۶۰۱ - ۶۰۵،

سریرآرائے سلطنت ہوا تو شیخ فرید کو صاحب السیف والقلم کا خطاب دے کر اس کو اپنی حکومت کا بھی میر بخشی بنایا، اور اسی کی نگرانی میں شہزادہ خسرو کے تعاقب کے لئے شاہی فوج بھیجی[۱]،

شاہجہاں نے بلخ کی تسخیر کے لئے شہزادہ مراد کو روانہ کیا، تو اس مہم میں میر بخشی اصالت خاں شاہی فوج کے دست راست کی طرح کا نگراں تھا[۲]، میدان جنگ میں لشکر کے ہر بازو میں ایک ایک بخشی بھی ہوتا تھا،

میر بخشی کے مددگار و معاون مختلف بخشی ہوتے تھے، جو بخشی دوم و بخشی سوم کہلاتے تھے، جن کے فرائض میر بخشی ہی کے حکم سے متعین ہوتے تھے، احدیوں کا ایک علیحدہ بخشی ہوتا تھا[۳]، جہانگیر کے زمانہ میں ایک عہدہ بخشی حضور کا بھی تھا، جو غالباً ہمیشہ بادشاہ کے ہمرکاب رہتا تھا، شاہی شاگرد پیشہ کے لئے بھی ایک بخشی ہوا کرتا تھا[۴]، جس کے لئے کوئی معزز درباری منتخب کیا جاتا تھا،

میر بخشی کا عہدہ وکیل السلطنت کے بعد سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا، اس کی حیثیت دیوان سے کم نہ ہوتی تھی، عام طور سے کسی بڑے معزز منصب دار کو اس عہدہ پر مامور کیا جاتا تھا جس کے بعد وہ کسی صوبہ کا ناظم یا سپہ سالار بنا دیا جاتا، یا دیوان ہی مقرر ہو جاتا، وہ صاحب سیف اور صاحب قلم دونوں ہوتا، فرخ سیر کے زمانہ میں حسین علی خاں میر بخشی کے عہدہ پر مامور ہوا تو اس کے فوجی کارناموں کے صلہ میں اس کو امیر الامراء بہادر فیروز جنگ کا خطاب اور ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب عطا کیا گیا، اور وہ سلطنت کے انتظامی اور فوجی معاملات کے تمام جزو کل پر حاوی رہا[۵]،

سپہ سالار | غزنویوں کے دور میں عارض کے بعد دوسرا اعلیٰ فوجی عہدیدار سپہ سالار ہوتا تھا جو ہر صوبہ میں علیحدہ مقرر کئے جاتے تھے، محمود غزنوی کے زمانہ میں خراسان کی سپہ سالاری اس کے بھائی نصر

---

[۱] ماثر الامراء جلد دوم ص ۶۳۶، ۲۰۔ [۲] ایضاً جلد اول ص ۱۷۱ [۳] آئین اکبری جلد اول دفتر دوم آئین ۲۰ [۴] مثال کے لئے دیکھو ماثر الامراء جلد اول ص ۱۷۵، ص ۳۱۱ [۵] ماثر الامراء جلد اول ص ۳۲۴،

اور پھر یوسف کے سپرد تھی، بقیہ ہر صوبہ میں ایک ترکمانی سپہ سالار مقرر ہوتا تھا،

سپہ سالار کے ماتحت عہدے

غزنویوں کے عہد میں سپہ سالار سے نیچے حاجب ہوتا تھا، اس کے ماتحت سرہنگ ہوتا تھا جس کی نگرانی میں پانچ سو سوار ہوتے، اس کے بعد قائد کا عہدہ تھا جو ایک سو سوار کا سردار ہوتا تھا، اس کے نیچے خیل تاش ہوتے جن کے ماتحت دس دس سوار رہتے تھے،[۵۱]

عہد سلاطین دہلی کے دوسرے فوجی عہدے

سلاطین دہلی کے زمانہ میں سپہ سالار کا عہدہ اعلیٰ نہیں سمجھا جاتا تھا، دس سواروں کا سردار سرخیل کہلاتا تھا، دس سرخیل ایک سپہ سالار کی نگرانی میں رہتے تھے، دس سپہ سالار ایک امیر کے ماتحت ہوتے تھے، دس امیر ایک ملک اور دس ملک ایک خان کی سرداری قبول کرتے تھے، ایک خان لاکھ سوار، ایک ملک دس ہزار سوار، ایک امیر ایک ہزار سوار، ایک سپہ سالار ایک سو سوار، اور ایک سرخیل دس سوار رکھتا تھا،[۵۲] بادشاہ کی عدم موجودگی میں جو خان کسی مہم میں لشکر کی رہنمائی کرتا وہ سرلشکر کہلاتا،[۵۳] لڑائی کے موقع پر ہر صف کے لئے ایک علحدہ خان رہتا تھا، اگلی صف کا نگراں مقدم یا سرلشکر مقدمہ، میمنہ اور میسرہ کے نگہبان علی الترتیب سر فوج میمنہ اور سر فوج میسرہ کہلاتے تھے،[۵۴] قلب میں خاصہ خیل یعنی بادشاہ کے خاص محافظوں کی نگرانی سرجاندار کرتے تھے، جو قلب کے دونوں بازوؤں پر ہوتے تھے، اس لئے سرجاندار میمنہ اور سرجاندار میسرہ کہلاتے تھے،[۵۵] لشکر کے شاہی غلمان کے سردار امیر غلمان کے ماتحت ہوتے تھے،[۵۶] قربیگ یعنی شاہی علم بردار بھی ایک ممتاز فوجی عہدیدار تھا، جو میمنہ اور میسرہ میں متعین کیا جاتا تھا،[۵۷] سہم الحشم اور شحنہ حشم غالباً پیادوں کے نگراں ہوتے،[۵۸] ہر لشکر کے ساتھ ایک قاضی اور امیر داد یا دادبک بھی ہوتا، قاضی نماز کی امامت کرتا، اور امیر داد یا دادبک

---

[۵۱] بیہقی ص ۲۴۶، ۲۳۲، ۳۲۵، ۱۴۹، ۳۶، ۲۴، ۲۳، وغیرہ بحوالہ محمود آف غزنہ از ڈاکٹر محمد ناظم ص ۱۴۲ [۵۲] تاریخ فیروزشاہی از ضیاء الدین برنی ص ۱۴۵ [۵۳] ایضاً ص ۳۰۶، ۱۴۴ [۵۴] ایضاً ص ۲۶۰ [۵۵] تاریخ مبارک شاہی، ص ۹۲ [۵۶] برنی ص ۳۰ [۵۷] تاریخ مبارک شاہی ص ۴۳ [۵۸] ایضاً ص ۶۲ و برنی ص ۳۰۶،

لشکریوں کے باہمی جھگڑے چکاتا،[1] ہر لشکر کے ساتھ ایک کیفیت نویس بھی ہوتا، جو فوج کی تمام کیفیات بادشاہ کو لکھ بھیجتا تھا،[2] غزنویوں کے زمانہ میں اس کام کا انجام دینے والا صاحب برید کہلاتا تھا، میدان جنگ میں شاہی علم کے محافظ کو علم دار بھی کہتے تھے۔[3]

شاہی اصطبل کا داروغہ امیر اخور یا اخر بک کے لقب سے ملقب ہوتا، وہ فوج کے گھوڑوں کا افسر اعلیٰ بھی سمجھا جاتا، اس عہدہ پر بہت ہی معزز ملک یا خان مقرر ہوتا تھا،[4] ہاتھیوں کے نگران کا خطاب شحنہ پیل تھا،[5] اور اونٹوں کے نگہبان کو شحنہ نفر کہتے تھے،[6] آلات حرب کے محافظ کا لقب سر سلاحدار تھا، شاہی جھنڈوں کا نگران قوربیگ کہلاتا تھا،

تیموریوں کی فوج کا نظم ونسق منصب داری نظام پر قائم تھا لیکن عہدے تقریباً وہی رہے، جو سلاطین دہلی کے عہد میں تھے، البتہ نام اور کام کی نوعیت میں کچھ تھوڑا سا فرق پیدا ہوتا گیا، مثلاً اس دور میں شاہی اصطبل کے نگران کو آختہ بیگی اور ہاتھیوں کے افسر اعلیٰ کو داروغہ فیل خانہ اور اونٹوں کے انچارج کو داروغہ شترخانہ کہتے تھے، البتہ اس عہد میں توپ اور آتشیں اسلحہ کی کثرت ہوئی تو فوج میں اُس کا علحدہ شعبہ قائم کیا گیا، جس کا افسر اعلیٰ میر آتش مقرر ہوا جو داروغہ توپخانہ بھی کہلاتا تھا،

---

[1] برنی ص ۶۱، ۳۰۸، [2] ۳۵ [3] برنی ص ۳۳۱ [4] تغلق نامہ ص ۱۲۹، [4] جلال الدین خلجی تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنے بھتیجے اور داماد الغ خاں کو آخر بک بنایا (برنی ص ۱۷۰) [5] محمود غزنوی کے زمانہ میں ہاتھیوں کے نگراں کو مقدم پیلباناں کہتے تھے [6] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۳۳۷، ۳۴۰،

القاب و امتیازات

غزنویوں کے ابتدائی دور میں سب سے زیادہ معزز لقب امیر کا تھا، غزنیں کے فرمانروا امیر ہی کہلاتے تھے، مثلاً امیر سبکتگین، امیر اسحٰق، امیر بلکاتگین وغیرہ، محمود نے تخت پر بیٹھنے کے بعد جب سلطان کا لقب اختیار کیا تو امیر کا خطاب اس کے لڑکوں کے لئے مخصوص ہوگیا، لیکن مسعود کے زمانہ میں امیر ارکانِ سلطنت اور فوجی سرداروں کا لقب ہوگیا، چنانچہ مسعود کا وزیر حسنک جس نے بہت سے معرکے سر کئے، امیر کے لقب سے ملقب تھا،

غوریوں نے شروع میں اپنے نام کے ساتھ امیر ہی استعمال کیا، مثلاً امیر فولاد غوری شنسبی، امیر بنجی، ابن بہاران شنسبی، امیر سوری، بن محمد وغیرہ لیکن بعد میں ملک کا لقب اختیار کیا مثلاً ملک قطب الدین الحسن بن محمد بن عباس، ملک عز الدین الحسین بن الحسن ابو السلاطین، ملک ناصر الدین الحسین محمد المادینی الخ

معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کے نام کے ساتھ ملک کا لقب استعمال نہیں ہوا، اس کے زمانہ میں ملک اور امیر عام طور سے اراکینِ سلطنت اور فوجی سرداروں کا لقب تھا، اور ملک سب سے زیادہ معزز فوجی خطاب تھا، اور امیر اس سے کچھ کم درجہ کا تھا،

التتمش کے بعد سے خان کا لقب سب سے زیادہ معزز سمجھا جانے لگا، بلبن سے لیکر شیر شاہ تک ہر فرمانروا کے لڑکوں کے نام کے ساتھ خان کا لقب استعمال ہوا، بڑے بڑے انتظامی اور فوجی عہدہ داروں کو بھی اسی لقب سے ملقب کیا جاتا، فوجی سرداروں کے لئے خان سے پہلے کچھ ایسے اسمائے صفت استعمال کئے

جاتے تھے، جن سے اُن کی جنگی شوکت وعظمت اور فوجی دبدبہ کا اظہار ہوتا تھا، مثلاً قتلغ خاں، الغ خاں، کزلک خاں، بغرا خاں، طغرل خاں، الپ خاں، اکت خاں، ظفر خاں، شیر خاں، نصرت خاں وغیرہ کبھی خان کو زیادہ معزز بنا کر خانخاناں کر دیا جاتا، مثلاً خانخاناں اختیار الدین (جلال الدین خلجی کے لڑکے کا لقب تھا) خانخاناں حسام الدین (خسرو خاں) ناصر الدین کے بھائی کا خطاب تھا) خانخاناں بہلول لودی (سلطان بہلول لودی کا تخت نشین ہونے سے پہلے کا خطاب تھا، جو خاندانِ سادات کے بادشاہ محمد شاہ نے دیا تھا) خان خاناں لوحانی اور خانخاناں ہیبت خاں (یہ دونوں سلطان سکندر لودی کے فوجی سردار تھے) کبھی خان کو خانِ اعظم یا خانِ معظم یا خانِ جہاں بنا کر بھی موقر کیا جاتا تھا، مثلاً خانِ اعظم الغ خاں (سلطان بلبن کا بادشاہ ہونے سے پہلے کا لقب تھا) خانِ معظم تاتار خان اور خان جہاں دونوں فیروز شاہ تغلق کے معزز ارکان سلطنت اور فوجی سردار تھے،

ملک خان سے اور امیر ملک سے نسبتہً کمتر درجہ کا لقب تھا، صبح الاعشیٰ کا مصنف محمد تغلق کی فوج کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ لشکر کا اعلیٰ عہدیدار خان ہوتا ہے، اس کے بعد ملک، پھر امیر، پھر سپہ سالار، پھر عام لشکری، مگر کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ فوج کا اعلیٰ عہدیدار خان کا لقب نہ رکھتا تھا، مثلاً معز الدین بہرام شاہ کے زمانہ میں نظام الملک مغلوں کے خلاف فوج لے کر گیا، لیکن وہ خان کے لقب سے ملقب نہیں تھا، علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ملک کافور بہت بڑا فوجی سردار تھا لیکن اُس کے نام کے ساتھ خان کا لقب کبھی استعمال نہیں ہوا، محمد تغلق کے دور میں فیروز کی سرداری میں بہت سے خطے تسخیر ہوئے لیکن اس کا خطاب ملک باربک ہی رہا، مگر ایسی مثالیں کم ہیں، عام طور سے اعلیٰ فوجی عہدیدار خان کے لقب سے ضرور سرفراز کئے جاتے تھے،

سادات، لودیوں، اور سوریوں کے زمانہ میں ملک اور امیر نظر نہیں آتے ہیں، اُن کے دور میں یہ القاب ختم کر دئیے گئے تھے، اور ہر فوجی عہدہ دار خان ہی کے لقب سے ملقب ہوتا تھا،

ہندو بھی خطابات سے سرفراز کئے جاتے تھے، اُن کو راے یا راؤ کا خطاب ملتا تھا، بلبن کے عہد کے ذکر میں مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ

"و رایان و راو گان و مقدمان آمدہ درگاہ را خاکبوس کنانیدندی"

(تاریخ فیروز شاہی ص ۳۱)

علاء الدین خلجی نے دیوگیر کے راجہ رام دیو کو راے رایاں کا خطاب دیا، (تاریخ فیروز شاہی ص ۳۲۶)

بابر کے ساتھ جو فوجی سردار ہندوستان آئے، اُن کے نام کے ساتھ کوئی خاص لقب نہ تھا، اُس نے پانی پت اور کنواہہ کی لڑائیوں میں فتح پانے کے بعد بھی اپنے سرداروں کو کسی خطاب اور لقب سے سرفراز نہیں کیا، لیکن ہندوستان کے بعض امراء کو خطابات دیئے، مثلاً جب ۲۴ء ۱۵ء میں ہندوستان پر تیسری بار حملہ آور ہوا، اور دہلی فتح کئے بغیر کابل واپس چلا گیا تو دولت خاں کے لڑکے دلاور خان کو اس کی فوجی خدمات کے صلہ میں خانخاناں کا خطاب دیا، اسی طرح فتح خان شروانی الملخاطب بہ اعظم ہمایونی کو خانجہان کا کا لقب دیا، اُس کو یہ پسند نہ تھا کہ ہمایوں کا نام اس کے لڑکے کے سوا کسی اور کا ہو، مگر بابر کے لئے خطابات کا عطا کرنا ایک عجیب بات تھی، وہ خود ہی لکھتا ہے،

"ہندوستان میں دستور ہے کہ جن امراء کا مرتبہ دربار شاہی میں بڑھایا جاتا ہے، اُن کو مقررہ خطاب بھی دیئے جاتے ہیں، ان ہی خطابوں میں سے ایک خطاب اعظم ہمایوں ہے، ایک خانجہاں ہے، اور ایک خانخاناں ہے، اس کے (یعنی خواجہ فتح خان سروانی) باپ کا خطاب اعظم ہمایوں تھا، چونکہ شہزادہ کا نام ہمایوں تھا، اس لئے اب خطاب کو میں نے موقوف کردیا، اور فتح خاں سروانی کو خانجہان کا خطاب دیا گیا،

(بابرنامہ اردو ترجمہ ۲۹۹)

ہمایوں نے بھی ہندوستان کے پیشرو مسلمان فرمانرواؤں کی روایت کے مطابق یہاں کے امرا

اور فوجی سرداروں کو خطاب دینے شروع کئے، مثلاً اچہ کے ایک زمیندار کو اس کی خدمات کے صلہ میں خان جہاں کا خطاب دیا، اُس نے اپنے محبوب رفیق اور غمگسار بیرم بیگ کو خانخاناں کے لقب سے سرفراز کیا، طبقات اکبری میں ہے:-

"او (یعنی بیرم) در ملازمت حضرت آشیانی بمرتبہ خانخانانی و امیر الامرائی رسیدہ بمنصب اتالیقی شاہزادہ عالی مقدار اکبر شاہ امتیاز یافتہ بود"

ہمایوں کے ہندوستانی فوجی سردار بدستور سابق خان رہے، اور اُس کے باپ کے عہد کے بعض سرداروں کے نام کے آگے بھی خان کے لقب کا اضافہ ہوا، مثلاً عبد اللہ خان اوزبک، شاہ ابو المعالی، علی قلی خان شنبانی، بہادر خاں، حاجی محمد خاں، تردی بیگ خاں،

اکبری دور کے بعد سے خان معزز اور خانخاناں بہت ہی معزز لقب ہوگیا، ہر دور میں ایک خانخاناں ہوتا تھا، مثلاً اکبر کے زمانہ میں خانخاناں بیرم خاں، اس کے بعد خانخاناں منعم خاں اور خانخاناں عبد الرحیم تھے، جہانگیری عہد میں مرزا عبد الرحیم ہی خانخاناں رہا، شاہجہانی حکومت میں مہابت خاں اور یمین الدولہ آصف خان خانخاناں ہوئے، عالمگیری دور میں نواب معظم خاں خانخاناں تھا، جو میر جملہ کے نام سے مشہور تھا، بہادر شاہ اول کے وزیر اور سپہ سالار منعم خاں کا لقب خانخاناں بہادر ظفر جنگ ہوا،

تیموری دور سے پہلے سلاطین کے عہد کی طرح خان کو زیادہ موقر بنانے کے لئے کبھی خانجہاں، خان دوراں، خان زماں، خانِ عالم، خانِ اعظم اور خان معظم کر دیا جاتا تھا، اور توصیفی اسماء کا بھی اضافہ ہوجاتا تھا، مثلاً بلند خاں، دلاور خاں، فدائی خاں، مقرب خان، صف شکن خان، رعد انداز خاں، زبردست خاں، ہمت خاں، وغیرہ،

---

[51] تذکرۃ الواقعات ہمایونی از جوہر انگریزی ترجمہ میجر چارلس اسٹورٹ ص ۴۱ [52] طبقات اکبری جلد دوم ص ۴۲۵

[53] ایضاً جلد دوم ص ۵۲ [54]، [55]، [56]، [57] جوہر ص ۱۳۲، ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۱

ہندوؤں کے خطابات | مغلوں نے ہندوؤں سے بھی فوجی خدمت لی، اور اُن کو فوجی کارگزاری کی بنا پر خطابات بھی دیئے، جو حسب ذیل تھے، (۱) رائے رایان (۲) رائے (۳) راؤ (۴) راجہ، رائے رایان امیرالامرا، اور خانخاناں کے برابر تھا، رائے، راؤ اور راجہ خان کے مساوی تھے، رائے کے ساتھ توصیفی اسماء ملانے کا بھی دستور تھا، مثلاً سربلند رائے[1] اکبر سے عالمگیر تک جن ہندو سرداروں کو خطابات ملے، اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں،

(۱) عہدِ اکبری:

رائے رایان ۔ رائے رایان راجہ بکرماجیت پتر داس،

رائے ۔ رائے بھوج ہاڈا، رائے درگا داس سیسودیہ، رائے دلیپ سنگھ، رائے رائے سنگھ بیکانیری، رائے سرجن ہاڈا، رائے کلیان مل بیکانیری،

راجہ ۔ مرزا راجہ مان سنگھ فرزند راجہ بھاؤ سنگھ کچھواہا، عمدۃ الملک مؤتمن الدولہ راجہ ٹوڈر مل، راجہ رام چند چوہان، راجہ روپ سی کچھواہا، راجہ راج سنگھ کچھواہا، راجہ رائے سال درباری، راجہ رام چند بگھیلا، راجہ رام داس کچھواہہ، راجہ رائے سنگھ جھالا، راجہ شیام سنگھ، راجہ کشن داس، راجہ کلیان جیسلمیری،

(۲) عہدِ جہانگیری:

رائے رایان ۔ عمدۃ الملک رائے رایان راجہ بکرماجیت سندر داس،

رائے ۔ رائے بہاری داس، رائے بنوالی داس، سربلند رائے رام راج، راؤ رتن ہاڈا، رائے مرزا منوہر داس کچھواہہ، رائے مالی داس،

راجہ ۔ راجہ انوپ سنگھ، راجہ باسو، راجہ بھارت بندیلہ، راجہ بدن سنگھ بھدوریہ

---

[1] اقبال نامۂ جہانگیری بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۲۰۴،

راجہ جھجھار سنگھ بندیلہ، راجہ جگت سنگھ، راجہ سارنگ دیو، راجہ سنگرام، راجہ رام داس نروری، راجہ رائے سنگھ سیسودیہ، راجہ سورج سنگھ راٹھور، راجہ کلیان، راجہ گردھر کچھواہا، راجہ گج سنگھ راٹھور، راجہ مان سنگھ،

(۳) عہد شاہجہانی:

راے رایان۔ راے رایان دیانت رائے گجراتی، رائے رایان راؤ رگھناتھ داس سعد اللہ خانی،

راے۔ راے بلو ے چوہان، رائے بہاری مل، راے تلوک چند شیخاوت، راے سنگھ جھالا، رائے کاشی داس

راؤ۔ راؤ امر سنگھ راٹھور، راؤ رام سنگھ چندراوت راؤ دودا سیسودیہ، راؤ روپ سنگھ چندراوت، راؤ ستر سال ہاڈا، راؤ کرن بیکانیری،

راجہ۔ راجہ بتھل داس گوڑ، راجہ بھیم راٹھور، راجہ بہار سنگھ بندیلہ، راجہ پرتاب چند اجینیہ، راجہ ٹوڈر مل فضل خانی، راجہ جے رام بڑگوجر، مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور، راجہ دیبی سنگھ سیسودیہ، راجہ دوارکا داس کچھواہہ، راجہ رائے سنگھ راٹھور، راجہ روپ سنگھ راٹھور، راجہ رام سنگھ کچھواہا، راجہ سیورام گوڑ، راجہ سجان سنگھ بندیلہ، رائے کاشی داس، راجہ مان سنگھ گوالیاری، راجہ مہا سنگھ بھدوریہ،

(۴) عہد عالمگیری

راے رایان۔ راے رایان ملوک چند،

راؤ۔ راؤ انوپ سنگھ

راجہ۔ راجہ جسونت سنگھ، راجہ جے سنگھ کچھواہہ، راجہ اندرمن، راجہ روپ سنگھ، راجہ

پرم دیو سنگھ سیسودیہ، راجہ کبیر سنگھ بھورتیہ، راجہ رام سنگھ، راجہ بھیم سنگھ، راجہ اندر سنگھ، راجہ بہادر سنگھ، راجہ مان سنگھ، راجہ انوپ سنگھ، راجہ اودیت سنگھ، راجہ بابت سنگھ، راجہ ستر سال بندیلہ، راجہ بشن سنگھ، راجہ رام چند، راجہ درگداس راٹھور، راجہ سروپ سنگھ، راجہ شیو سنگھ، راجہ کلیان سنگھ،

مناصب ان خطابات کے علاوہ اکبر نے مختلف فوجی مناصب قائم کئے، جو دوازدہ ہزاری سے دہ باشی تک تھے، سب سے چھوٹا عہدہ دار دہ باشی یا دس سپاہی کا سردار کہلاتا تھا، اسی طرح دس بیس تیس سو دو سو ہزار، دو ہزار اور بعد میں بارہ ہزار تک کے سردار نامزد ہوتے اور منصب دار کہلاتے، ہر تیموری شاہزادہ کے لئے فوجی مہم پر جانا ضروری تھا، اس لئے فوجی سرداروں کی طرح اس کے بھی مناصب مقرر ہوتے تھے،

اکبر کے عہد میں ہفت ہزاری سے اوپر کے مناصب شاہی خاندان کے لئے مخصوص تھے، اکبر نے پہلے شاہزادہ سلیم کو دہ ہزاری، مراد کو ہفت ہزاری اور دانیال کو شش ہزاری منصب عطا کیا لیکن بعد میں سلیم کو دوازدہ ہزاری، مراد کو نہ ہزاری اور دانیال کو ہفت ہزاری بنایا، اور دوسرے مناصب کا اعزاز امرا اور فوجی سرداروں کے لئے تھا، شروع میں اکبر کے اعلیٰ فوجی عہدیدار پنج ہزاری سے زیادہ مناصب پر فائز نہیں ہوئے لیکن آخر میں راجہ مان سنگھ، میرزا شاہ رُخ، عزیز خاں کوکہ اور خان معظم ہفت ہزاری منصب سے سرفراز کئے گئے،

اکبری دور کے بعد مناصب کی تعداد بڑھتی گئی، جہانگیر کے عہد میں شہزادہ خرم کا منصب سی ہزاری تھا، اور جب جہانگیر اس سے ناخوش ہوا تو اُس نے شہزادہ پرویز کا منصب چہل ہزاری کر دیا، شاہجہان کے عہد میں داراشکوہ کا منصب شصت ہزاری تھا،

امرا اور فوجی سرداروں میں کسی کا منصب ہفت ہزاری سے نہیں بڑھا، البتہ جہانگیر اور شاہجہاں

کے خسر اعتماد الدولہ اور آصف الدولہ دونوں کا منصب نہ ہزاری تھا، وہ شاہی خاندان ہی کے افراد سمجھے جاتے تھے،

اکبر کی حکومت کے آخری دور سے منصب میں کچھ ترمیم اور اضافہ بھی ہوتا گیا، مثلاً پہلے صرف پنجہزاری، چہار ہزاری، سہ ہزاری وغیرہ مناصب تھے لیکن پھر اُن کے ساتھ سوار کے منصب کا بھی اضافہ ہونے لگا، مثلاً پنجہزاری، پنج ہزار سوار، پہلا منصب ذات کہلاتا تھا، اور دوسرا منصب سوار، منصب ذات اصلی منصب ہوتا تھا جس کے حساب سے منصب دار کو جاگیر اور تنخواہیں ملتی تھیں، منصب سوار کی تعداد کے لحاظ سے منصب دار کو سوار رکھنا پڑتا تھا، اس قسم کے منصب کے تین درجے تھے، اوّل، دوم، سوم، اگر سواروں کی تعداد منصب کے اعداد کے برابر ہے مثلاً پنجہزاری پنجہزار سوار تو یہ منصب اوّل درجہ کا شمار کیا جاتا تھا، اگر سواروں کی تعداد منصب کے اعداد سے نصف یا نصف سے زیادہ ہے، مثلاً پنجہزاری چہار ہزار سوار یا پنجہزاری سہ ہزاری سوار تو یہ دوسرے درجہ کا منصب سمجھا جاتا تھا، اور نصف سے بھی کم ہو تو یہ تیسرے درجہ کا منصب ہوتا تھا، سہ ہزاری سے ہفت ہزاری منصب میں ترقی یک ہزار کی ہوتی تھی، مثلاً سہ ہزاری سے چہار ہزاری ہوجاتا تھا، یکہزاری سے دو ہزاری و پنج صدی منصب میں پنج صدی اور اس سے نیچے والے منصب میں یک صدی کی ترقی ہوتی تھی،

جہانگیر کے زمانہ میں سوار کے منصب کے ساتھ دو اسپہ و سہ اسپہ کے امتیاز کا بھی اضافہ ہوا جس سے ایک منصب دار اپنے سواروں کی مقررہ تعداد دو دو اور تین تین گھوڑوں کے ساتھ رکھ سکتا لیکن دراصل یہ ایک مزید امتیاز تھا، اس امتیاز کے ساتھ منصب دار کی تنخواہ بھی دوگنی ہو جاتی، مثلاً پنجہزاری پنج ہزار سوار کو جتنا ماہانہ ملتا، اس کا دوگنا پنج ہزاری پنجہزار دو اسپہ سہ اسپہ کو ملتا، اسی کے صلہ میں منصبدار کو بھی سواروں اور گھوڑوں کی تعداد دوگنی رکھنی پڑتی، جہانگیر کے زمانے میں دو اسپہ سہ اسپہ منصبداروں میں صرف خانخاناں مہابت خان، خانخاناں عبدالرحیم خاں اور خانخاں آصف خاں تھے جن کو ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار

دواسپہ سہ اسپہ کے مناصب تھے، جہانگیر نے دواسپہ سہ اسپہ کا منصب اپنے شہزادوں کو نہیں دیا، لیکن شاہجہانی عہد میں یہ مناصب شہزادوں کے بڑے بڑے اعداد کے ساتھ ملتے رہے، مثلاً دارا شکوہ کو شصت ہزاری چہل ہزار سوار سی ہزار دواسپہ سہ اسپہ، شاہ شجاع کو بیست ہزاری پانزدہ ہزار سوار دواسپہ سہ اسپہ، اورنگ زیب کو بست ہزاری پانزدہ ہزار سوار دواسپہ سہ اسپہ اور مراد کو پانزدہ ہزاری، دوازدہ ہزار سوار، ہشت ہزار دواسپہ سہ اسپہ کے مناصب ملے یمین الدولہ آصف خانخاناں کو نہ ہزاری نہ ہزار سوار دواسپہ سہ اسپہ کا منصب ملا، اور خان دوراں بہادر نصرت جنگ، سعید خاں بہادر ظفر جنگ، اور اسلام خاں جمدۃ الملک کو ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار پنجہزار دواسپہ سہ اسپہ کے مناصب حاصل تھے، دواسپہ سہ اسپہ کے اصلی اعداد کے مطابق گھوڑے اور سوار رکھے جاتے، تو دونوں کی تعداد ناقابل یقین حد تک بڑھ جاتی، اس لئے شاہجہاں نے دواسپہ اور سہ اسپہ سواروں کی تعداد بھی مقرر کردی، شہزادوں کو استثناء کر کے عام منصبدار اپنے منصب سوار کا ⅓ یا ¼ یا ⅕ حصہ رکھتے، جیسا کہ "سوار" کے باب میں اس کی تصریح کی جائے گی، اورنگ زیب کے عہد میں محمد معظم شاہ عالم اور محمد کام بخش دونوں کو چہل ہزاری چہل ہزار سوار کے مناصب تھے، امراء میں سب سے زیادہ امتیازی مناصب خان جہاں امیر الامراء اور راجہ جے سنگھ کو دیئے گئے، جن کو ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار دواسپہ سہ اسپہ حاصل تھے،

اکبری عہد میں پنج صدی منصبدار اور اس سے اوپر کے منصبدار امیر کہلاتے، اور پنجہزاری منصبدار امرائے کبار میں شمار ہوتے، اور خان کے لقب سے ملقب ہوتے، شاہجہانی عہد میں ہزاری منصبدار اور اوپر کے منصبدار امیر کہلانے کے مستحق تھے، ہفت ہزاری و نہ ہزاری منصبدار **نوئینان والا مکان** **امرائے عالی شان** کے القاب سے یاد کئے جاتے، اور مخصوص امرائے کبار کو خانخاناں کا لقب ملتا، جو منصبدار صوبہ میں متعین ہوتے، وہ **"تعیناتیان"** کہلاتے، اور دار السلطنت میں رہنے والے ہمیشہ حاضر رکاب رہتے، وہ ارکان سلطنت بن کر دربار کی شان و شوکت بڑھانے میں معاون ہوتے، وہ

پوشاک پہن کر گھر سے باہر نکلتے کبھی ہاتھی کبھی گھوڑے اور کبھی پالکی پر سوار رہتے، اُن کے ساتھ سواروں اور پیدل فوجیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ بھی رہتا، جو سواری کے آگے آگے راستہ سے لوگوں کو ہٹاتے، اور مورچھل ہلاتے چلتے، بعض خدمت گاروں کے ہاتھوں میں پیکدان اور پانی کی صراحی بھی ہوتی، یہ منصبدار روزانہ صبح کو دس بجے حاضر ہوتے، جب بادشاہ دربار میں بیٹھتا، پھر شام کو چھ بجے تسلیمات کے لئے اُن کی حاضری ہوتی، دربار میں اُن کے اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ یہ تھا کہ شاہی تخت کے پاس شاہزادے ایک ایک اور ڈیڑھ ڈیڑھ گز کے فاصلے پر ہوتے، پھر اوّل درجہ کے امرا کی جگہ تین سے پندرہ گز کے فاصلے پر ہوتی، اور ان کے بیٹھنے کی جگہ پانچ سے بیس گز کی دوری پر ہوتی، دوسرے درجہ کے امرا پہلے درجہ کے امرا سے تین گز دور رہتے، اسی طرح تیسرے درجہ کے امرا دس یا بارہ گز اور دور ہوتے، یہ امرا تسلیمات بجالاتے وقت اپنا ہاتھ زمین تک لے جاکر سر تک اٹھاتے، بادشاہ تختِ رواں، یا ہاتھی یا پالکی پر بیٹھ کر شہر کے قرب وجوار یا شکار میں جاتا، تو اس کے ساتھ وہ منصبدار اور سوار جلو میں چلتے جن کی حاضری کشک یعنی چوکی میں ہوتی، اس وقت دھوپ سے بچنے کے لئے صرف بادشاہ ہی کے لئے چتر ہوتا، کوئی اور اپنے سر پر سایہ ڈال رکھنے کی اجازت نہیں رکھتا تھا،

اس منصبداری نظام کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ فوجوں کے دستے تو بہت سے قائم ہو گئے لیکن کوئی منصب دار جاگیر دار بن کر کسی علاقہ کا مالک یعنی فیوڈل لارڈ نہ بن سکا، اُن کو چھوٹے چھوٹے علاقے اور پرگنے بطور جاگیر ضرور دیے جاتے تھے، وہ اُن کا انتظام کرتے، اُن کی مال گذاری وصول کرتے، اور اپنی مقررہ فوجی تعداد کے مصارف اور تنخواہیں بھی اسی سے پوری کرتے لیکن یہ لازمی نہ تھا کہ یہ جاگیر اُن کی ذاتی اور موروثی بن جاتی، اُن کو قانونی طور پر یہ اختیار نہ تھا کہ جاگیر کی مالگذاری کو جس طرح چاہیں خرچ کریں، وہ درحقیقت شاہی ملازم ہوتے، اور قانونی طور پر انھیں جو تنخواہ ملتی، وہ رقم شاہی خزانہ کی ہوتی،

لے آئین اکبری ص: ۱۷۱، ۲۲

منصبدار کسی علاقہ یا صوبہ کا حاکم بنا کر بھیجا جاتا اور وہاں اس کے مقررہ سوار اور لشکری بھی ہمرکاب رہتے لیکن وہ آسانی سے ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں تبدیل ہوتا رہتا، اس طرح اس میں کسی ایک علاقہ کے حکمراں کی حیثیت سے بغاوت کے جراثیم پیدا ہونے کا احتمال زیادہ نہیں ہوتا، پھر اس کے سوار اور لشکری اس کو اپنا آقا نہیں بلکہ صرف سردار سمجھتے، اس کے ماتحت فوجی اپنے کو بادشاہ وقت ہی کا ملازم تصوّر کرتے، بادشاہ ضرورت کے وقت منصبداروں کے ذریعہ سوار اور لشکری تو آسانی سے بھرتی کرا لیتا لیکن منصبدار اُن پر اپنی بالادستی قائم کرنے سے معذور و مجبور رہتے، البتہ مغل سوار یا مغل لشکری مغل منصبدار کی طرف زیادہ مائل ہوتے، اسی طرح پٹھان یا راجپوت لشکری پٹھان اور راجپوت منصبداروں سے اپنے کو قریب تر پاتے لیکن ضرورت کے وقت مغل منصبدار پٹھانوں کے خلاف یا راجپوت منصبدار مغلوں اور پٹھانوں کے خلاف استعمال ہوتے رہے،

مناصب کے اتنے مختلف مدارج ہونے کا فائدہ یہ بھی تھا، ہر منصبدار اپنے منصب کی ترقی کی خاطر اپنے فرائض کو بہتر سے بہتر انجام دینے کی کوشش میں لگا رہتا، اس طرح غیر ارادی طور پر بھی ایک بڑی مرتب منظم اور مستحکم فوج تیار ہوتی رہی، البتہ جب کبھی مرکزی قوت میں تھوڑی سی بھی کمزوری پیدا ہو جاتی تو بڑے بڑے امراء اور منصب دار اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سرتابی کرنے پر آمادہ ہو جاتے، پھر اُن کی سرکشی سے خطرناک نتائج پیدا ہوتے، اس کے علاوہ اصولاً تو تابینان (منصبدار کے ماتحت لشکری) بادشاہ وقت کے ملازم تھے لیکن مرکزی قوت کی کمزوری کے ساتھ منصبدار اُن پر اپنی بالادستی قائم کرنے پر کامیاب ہو جاتے، تو یہ تابینان منصبدار کے ماتحت ہونے کی وجہ سے آسانی سے اُن کے زیر اثر ہو جاتے، پھر وہ بادشاہ سے دور اور منصب دار سے زیادہ قریب تر ہو کر ان ہی کے آلۂ کار بن جاتے، اگر کوئی بڑا منصب دار سواروں کو بھرتی کرنے میں اپنے اثرات زیادہ کام میں لاتا تو یہ سوار زیادہ تر اسی کو اپنا سردار اور آقا تسلیم کرتے، گو بادشاہ وقت ایسے منصب داروں کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش

سے غافل نہ رہتا اور اگر غفلت کو راہ دی جاتی تو پھر مرکز سے گریز کرنے کے رجحانات پیدا ہوتے رہتے منصبداروں کو کمزور رکھنے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ مناصب خاندانی ہونے نہیں دیے جاتے، پھر یہ کوئی ضروری نہ تھا کہ باپ جس منصب پر فائز ہوتا، اُس کے مرنے کے بعد اُس کا لڑکا بھی اسی منصب پر مامور کیا جاتا، لڑکے کو منصب کے مختلف مدارج طے کرنا لازمی تھا، پھر ان منصبداروں کی قوت اس لئے بھی بڑھنے نہ پاتی کہ اُن کے مرنیکے بعد اُن کا مال ضبط ہوکر شاہی خزانہ میں داخل ہو جاتا، پھر اُن کے وارثوں کو واپس ملتا، گو جہانگیر اور اُس کے بعد کے دور میں اس قانون میں وقتاً فوقتاً ترمیم ہوتی رہی جب کسی خصوصی رعایت کی بنا پر کسی منصب دار کی جاگیر موروثی ہو جاتی تو پھر ایسے جاگیردار منصب دار بعض اوقات تکلیف دہ بن جاتے، یا گھوڑوں کے داغ اور تصحیحہ میں تساہل کو راہ دیا جاتا تو پھر سواروں کو اپنے گھوڑوں کی تعداد دکھانے میں فریب دینے کا پورا موقع مل جاتا جس سے لشکر کی کارکردگی پر بھی اثر پڑتا، لیکن مجموعی حیثیت سے تیموریوں کی فوجی تنظیم میں منصبداری نظام کامیاب اور موثر رہا، اور ان منصبداروں نے بڑے بڑے جنگی کارنامے انجام دیئے، جن سے تیموری حکومت کی شوکت وسطوت میں اضافہ ہوتا رہا، البتہ جب حکومت کمزور ہوئی تو فوجی نظام ہی پر کیا منحصر سارے نظام میں ابتری پیدا ہو گئی،

انعامات ان مناصب کے علاوہ فوجی سردار مختلف قسم کے انعامات سے بھی سرفراز کئے جاتے تھے،

تیموریوں سے پہلے فوجی سرداروں کو اُن کے کارناموں کے صلہ میں کوئی جاگیر یا علاقہ یا کوئی بڑا عہدہ دیا جاتا تھا، اور ان میں امتیازی شان پیدا کرنے کے لئے اُن کو جھنڈے بھی دیئے جاتے تھے صبح الاعشیٰ کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک خان سات جھنڈے استعمال کرسکتا تھا، اور امیر کو تین جھنڈے استعمال کرنے کی اجازت تھی،

تیموری دور میں بھی فوجی سرداروں کو جاگیر، علاقے اور عہدے دیئے جانے کا دستور قائم رہا، اُس کے ساتھ اور شاہانہ عنایتوں سے بھی نوازا جاتا تھا، مثلاً جب کوئی فوجی سردار کسی مہم پر جاتا یا وہاں سے فاتح

وکامران واپس آتا تو اس کو مناصب کے علاوہ مختلف قسم کے انعامات بھی دیئے جاتے، جو حسب ذیل ہوتے

(۱) نقد رقم (۲) خلعت جس میں چارقب، سقرلاتی لباس، عبائے زردوزی قبائے طلا دوزی و دستار

زردوزی، طرۂ مروارید، کمربند مسلسل مروارید، جیغہ (ایک مرصع زیور جس کو پگڑی میں باندھتے تھے) کلغی مرصع،

سرپیچ (ایک جڑاؤ چیز جو پگڑی میں لگائی جاتی تھی) بالابند، ارکلان، تسبیح مرصع وغیرہ ہوتی (۳) ہتھیار مثلاً

شمشیر مرصع، جمدھر مرصع، خنجر مرصع، پھول کٹارہ وغیرہ (۴) فیل واسپ بازین مطلا یا نقرہ و با یراق

مطلا و نقرہ (۵) نقارہ لوازم شاہی میں داخل تھا لیکن تیموریوں نے اپنے فوجی سرداروں کو بھی یہ امتیاز

عطا کیا، یہ اعزاز عموماً دوہزاری منصب سے اوپر والے فوجی سرداروں کو حاصل ہوتا تھا جب بادشاہ خود

لشکر کے ساتھ ہوتا تھا تو اُس کے نقارہ کے سوا کسی اور کا نقارہ نہیں بجتا تھا، اس کے محل اور قیامگاہ

کے حدود میں بھی کسی کا نقارہ نہیں بجایا جا سکتا تھا، البتہ جہانگیر کے زمانے میں نورجہاں کے باپ اعتمادالدولہ

کے لئے یہ مخصوص رعایت تھی کہ اس کا نقارہ پایۂ تخت میں بھی بجا کرتا تھا[۱]، (۶) علم و نشانات میں علم اور

چتر توق تو بادشاہ کے لئے مخصوص تھے لیکن تمن توق اور جھنڈا فوجی سرداروں کو اعزاز کے طور پر استعمال

کرنے کی اجازت دیجاتی،

ماہی مراتب بھی ایک امتیازی نشان تھا، جو بادشاہ اور امراء کی سواری کے آگے آگے ہاتھی پر چلا

کرتا تھا، اس پر مچھلی کی شکل بنی رہتی تھی، اور کبھی اس میں سونے اور چاندی کی گیندیں بھی منسلک ہوتی تھیں

منصب داری نظام کی سیکولرزم

منصب داری نظام کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ منصب دیتے وقت مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز نہیں کیا جاتا، بلکہ صلاحیت اور کارکردگی کا لحاظ کر کے مناصب دیئے

جاتے، اسی لئے مسلمان منصب داروں کے علاوہ اکبری عہد میں ہندو منصبدار ۲۵، جہانگیر کے زمانے میں ۴۶،

شاہجہاں کے دور میں ۱۱۲، اور عالمگیر کے عہد میں ۹۶، رہے، ان میں پانصدی اور اس سے نیچے کے منصبداروں

---

[۱] تزک جہانگیری ص ۱۵۰،

کی تعداد شامل نہیں ہے، اکبر کے عہد میں ہفت ہزاری سب سے بڑا منصب تھا، جو سب سے پہلے راجہ مان سنگھ ہی کو حاصل ہوا، ہندوؤں میں ہفت ہزاری منصب دار جہانگیری عہد میں ایک، شاہجہانی دور میں دو، اور عالمگیری عہد میں تین رہے،

یہ مناصب دیتے وقت ہندو منصب داروں پر اسی طرح اعتماد کیا جاتا، جس طرح مسلمان منصبداروں پر ہوتا ہے، ۹۷۹ھ میں اکبر گجرات کی مہم پر گیا تو راجہ بہارا مل کو وکیل بنا کر چھوڑ گیا، اسی کے زمانہ میں راجہ پتر داس دیوان کُل مقرر ہوا[1]، شاہ جہاں کے عہد میں رائے رایاں دیانت رائے گجراتی دیوان تن ہوا، اور اپنی مختلف خدمات کے سلسلہ میں راجہ بکرماجیت کا خطاب پایا[2]، جو بہت زیادہ معزز خطاب تھا، اسی طرح علامی سعد اللہ خاں کے بعد رائے رایان رگھناتھ داس شاہ جہاں کا دیوان اعلیٰ رہا، اور شاہ جہاں کے بعد عالمگیر نے اس کو اسی عہدہ پر برقرار رکھا[3]،

ہندو منصب داروں کو بڑا سے بڑا عہدہ دینے میں تامل نہ کیا جاتا، مثلاً اکبر کے زمانہ میں راجہ اسکرن کچھواہہ اکبر آباد کا صوبہ دار مقرر ہوا، راجہ بھگوان داس پنجاب، زابلستان، بہار، اور اس کا لڑکا راجہ مان سنگھ بہار اور بنگال کا ناظم مقرر ہوا[4]، شاہجہاں کے زمانہ میں راجہ بٹھل داس اکبر آباد کا صوبہ دار مقرر ہوا[5]، اسی عہد میں راجہ جے سنگھ کچھواہا دکن کا صوبہ دار بنایا گیا، عالمگیری عہد میں راجہ جسونت سنگھ جمرود (کابل)[6] اور رائے رایان موک چند مالوہ کے صوبہ دار ہوئے، فرخ سیر کے عہد میں مہاراجہ اجیت سنگھ گجرات اور اجمیر کا صوبہ دار ہوا،

راجپوتوں سے جتنی اہم لڑائیاں لڑی گئیں، ان میں مغل بادشاہ بلاتکلف اپنے راجپوت سرداروں کو بھی بھیجتے، رانا پرتاب کے خلاف اکبر کی جو لڑائی ہوئی اس میں راجپوت کے نسلی، قومی اور مذہبی جذبات

---

[1] ماثر الامرا، جلد دوم ص ۱۴۰، [2] تزک جہانگیری ص ۲۰۰، [3] ماثر الامرا جلد دوم، ص ۲۸۲،

[4] ماثر الامرا، جلد دوم ص ۱۳۰، ۱۷۰، ۱۶۰، [5] ایضاً ص ۲۵۳،

[6] " " " ۳۰۶،

ابھرے اور ابھارے گئے، لیکن اکبر کے راجپوت سردار رانا پرتاب کے خلاف مہم میں بلا تکلف شریک ہوتے رہے۔ اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں، راجہ رام ساہ، سال بھان پرتاب سنگھ، رائے لون کرن جگناتھ اور مادھو سنگھ، منتخب التواریخ کے مؤلف ملا عبدالقادر بدایونی اس جنگ میں شریک تھے، انھوں نے اس کے چشم دید حالات قلمبند کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ اس لڑائی میں دونوں طرف راجپوت اتنے تھے کہ اُن میں سے دوست اور دشمن کا پہچاننا مشکل ہوگیا تھا، ان ہی کا بیان ہے کہ شاہی فوج کی کمان مان سنگھ کے ہاتھ میں تھی وہ قلب میں ہاتھی پر سوار تھا، اور مسلمان فوجی سردار کے علاوہ راجہ لون کرن حاکم سانبھر کے علاوہ دوسرے راجپوت سردار بھی اس کی معیت میں تھے، ہراول میں نوجوان راجپوت آگے آگے تھے، ہراول سے بھی آگے جوزہ ہراول میں سید ہاشم بارہہ کی نگرانی میں اسّی سے زیادہ منتخب راجپوت متعین تھے، لیکن اسی جنگ میں رانا پرتاب کی فوج کے ایک بازو کی سرداری حکیم سور افغان کر رہا تھا، جو غالباً رانا کا ساتھ اس لئے دے رہا تھا کہ سوری خاندان کا بدلہ مغل حکمراں سے لے کر رہے، ملا بدایونی کا بیان ہے کہ اس لڑائی میں رانا کی طرف سے راجہ رام ساہ نے جو بہادری اور شجاعت دکھائی وہ احاطۂ تحریر میں نہیں لائی جا سکتی ہے لیکن اس موقع پر راجہ مان سنگھ نے بھی اپنی نبرد آزمائی کا پورا جوہر دکھایا، پہلے دونوں طرف سے ہاتھی لڑنے لگے، راجہ مان سنگھ اپنے ہاتھی کا مہاوت خود بن گیا، اور ایسی ثابت قدمی کا ثبوت دیا، کہ اس سے زیادہ تصوّر میں نہیں آسکتا ہے، رانا کا ایک بہت ہی قوی ہیکل ہاتھی رام پرشاد نامی دو شاہی ہاتھیوں کی طرف لپکا اور اُن سے ہولناک جنگ کی لیکن یکایک ایک تیر رام پرشاد کے فیلبان کی آنکھ میں لگا جس سے وہ لڑھک کر زمین پر گر پڑا، شاہی فوج کی طرف سے ایک فیلبان بڑی چستی اور چالاکی سے رام پرشاد پر اچک کر چڑھ گیا اور اس کو اپنے قابو میں کر لیا، پھر بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی ملا بدایونی کا بیان ہے،

"رانا کی فوج میں تذبذب پیدا ہوگیا تو پھر مان سنگھ کے بہادر محافظوں نے بڑھ کر ایسی گھمسان کی جنگ کی، کہ اُن کا کارنامہ یاد رکھنے کے لائق ہے، اور مان سنگھ نے اپنی سرداری میں اس دن

جو کچھ کیا اسی سے معلوم ہوا کہ ملا شیری کا حسب ذیل مصرع کیا معنی رکھتا ہے[1]،

ع کہ ہندو می زند شمشیر اسلام[1]

جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں رانا کی اولادوں سے جو لڑائیاں ہوئیں، ان میں بھی راجپوت سردار شریک رہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، اور خود رانا امر سنگھ کے لڑکے اور پوتے مہاراجہ بھیم اور راجہ رائے سنگھ سیسودیہ نے گجرات، گونڈوانہ اور جموں کے راجاؤں اور مرہٹوں کے خلاف مہم میں شرکت کرکے مغل بادشاہوں سے مناصب اور امتیازات حاصل کئے[2]، سیواجی اور عالمگیر کی لڑائیوں میں بھی مذہبی جذبات ابھرے، لیکن سیواجی کے خلاف عالمگیر کی حمایت میں مہاراجہ جسونت سنگھ، راؤ بھاؤ سنگھ ہاڈا، مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ، راجہ رام سنگھ ہاڈا، اور راجہ رائے سنگھ سیسودیہ نے لڑکر اپنی سپہگری اور شجاعت کا پورا ثبوت دیا،

اور اس کی مثالیں تو سینکڑوں ملیں گی کہ جب کوئی ہندو راجہ آگرہ اور دہلی کی مرکزی حکومت سے بغاوت کرتا تو اس کو فرو کرنے کے لئے راجپوت سردار بھی بھیجے گئے، مثلاً راجہ اودے راٹھور عرف موٹا راجہ اکبر کے ۲۸ سنہ جلوس میں مدھوکر بندیلہ کی سرکوبی اور ۳۰ سنہ جلوس میں سروہی کے زمیندار کی تادیب پر مامور ہوا، بیکانیر میں دلیپ سنگھ نے بغاوت کی تو اکبر نے اس کے بھائی راجہ سورج کو اس کے خلاف بھیجا، اکبر چتوڑ کے محاصرہ میں مشغول تھا، تو اس کے مورچہ خاص کا اہتمام رائے رایان راجہ پتر داس کے ذمہ تھا، جہانگیر[3] کے زمانہ میں رائے رایان سندر داس راجہ بکرماجیت نے گجرات کے ہندو راجاؤں سے لڑکر مملکت کی سرحد کو سمندر سے ملا دیا، اسی نے رانا امر سنگھ کے خلاف لشکر کشی میں بڑے کارنامے انجام دیئے، اسی لئے اس کو رائے رایان کا خطاب ملا، اور قلعہ کانگڑہ کی تسخیر کے لئے جو مہم بھیجی گئی، اس میں مسلمان منصبدار اس کے ماتحت رہے، اور اس نے اس کی فتح میں جو کارنامے انجام دیئے اس کے بعد اس کا اعزاز برابر بڑھتا گیا

---

۱ منتخب التواریخ ج دوم ص ۳۳-۲۳۲، ۲ مآثر الامراء جلد دوم ص ۲۹۸،

۳ ایضاً ص ۱۳۹،

اور اس کو عمدۃ الملک کا خطاب ملا[1]، شاہجہانی دور میں راجہ پہاڑ سنگھ بندیلہ اور راجہ بھیم راٹھور ساہوجی بھونسلا کی تادیب کے لئے بھیجے گئے، راجہ پہاڑ سنگھ نے بندیلہ کی سرکوبی کی، راؤ امر سنگھ راٹھور جھجھار سنگھ بندیلہ اور راجہ باسو کی سرکوبی کی مہم میں شریک رہا، راجہ بھارت بندیلہ نے شاہجہاں کے لئے قصبہ وکلور فتح کیا[2] تو اس حسنِ خدمت کے صلہ میں اس کو چہار ہزاری سہ ہزار و پانصد کا منصب ملا، چندرمن بندیلہ کے بھائی نے سرکشی کی تو اُس کو فرو کرنے کے لئے چندرمن بندیلہ ہی بھیجا گیا، رانا امر سنگھ کے بیٹے بہار راجہ بھیم نے گجرات کے زمینداروں کے خلاف لشکر کی، پھر گونڈوانہ کی مہم میں بڑی شیردلی کا ثبوت دیا، اور ہر معرکہ میں اپنی جان کو جان نہیں سمجھا، شہزادہ خرم کی خاطر جہانگیر کے خلاف لڑکر اپنی جان دی، اور حقِ نمک ادا کیا[3]، اس کے کمسن لڑکے کو شاہجہاں نے بیس ہزار روپئے خلعت فاخرہ، سرپیچ، جمدھر مرصع وغیرہ، اور منصب دو ہزاری سوار عطا کر کے راجہ کا خطاب دیا، وہ ۱۴ سنہ شاہجہانی جلوس میں جموں کے راجہ جگت سنگھ کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا[4]، شاہجہانی دور میں رائے سنگھ جھالا نے راجہ جگت سنگھ کی سرکوبی کی، اور راجہ روپ سنگھ راٹھور نے چتور کے قلعہ کے انہدام میں بڑی جانبازی دکھائی، راؤ ستر سال ہاڈا نے قلعہ پرینڈہ کی تسخیر میں نمایاں حصہ لیا،

عالمگیر نے راجہ راج روپ سری نگر کے راجہ کے خلاف بھیجا، راجہ رام سنگھ، کیسر سنگھ بھوریتہ، رگھناتھ سنگھ اور پرم دیو سنگھ سیسودیہ آسام میں اورنگ زیب کی حمایت میں لڑے، پھر مرہٹوں کے خلاف لڑنے والوں میں راجہ جے سنگھ، راجہ جسونت سنگھ، راؤ دلیپ رائے بندیلہ اور رام سنگھ ہاڈا تھے جن کی تفصیل "سوار" کے باب میں آئے گی،

مغل بادشاہ اپنے راجپوت سرداروں کو مسلمانوں کے خلاف بھی مہم پر بھیجنے میں تامل نہ کرتے، اکبر ۹۷۹ھ میں محمد حسین مرزا گجرات سے برسرِپیکار ہوا تو پہلے اُس کے خلاف راجہ مان سنگھ ہی بھیجا گیا؛

---

[1] مآثر الامرا جلد دوم ص ۱۸۲-۱۹۵ [2] ایضاً ص ۹۸ [3] ۲۹۷، [4] ایضاً ص ۲۹۸

اس نے اڑیسہ پر بھی چڑھائی کی جس میں وہاں کا حاکم قتلو خاں مارا گیا[۱] ۹۸۲ھ میں بنگال میں داؤد خاں کے خلاف راجہ ٹوڈر مل بڑی جانبازی سے لڑا، اور اس جنگ کی فتح کا سہرا اسی کے سر رہا، ۹۸۸ھ میں بنگال میں فسادات ہوئے، تو اس کو فرو کرنے کے لئے راجہ ٹوڈر مل ہی بھیجا گیا[۲] ۹۸۹ھ میں اکبر کے سوتیلے بھائی محمد حکیم مرزا نے اس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تو اکبر نے پہلے رائے رائے سنگھ کو بہت سے منصبداروں ہاتھیوں اور سامانِ جنگ کے ساتھ اس کے خلاف بھیجا[۳] پھر خود روانہ ہوا، ۹۹۳ھ میں راجہ مان سنگھ نے بھی حکیم مرزا کے خلاف لشکر کشی کی، اور اس کے دو لڑکوں میرزا افراسیاب اور میرزا کیقباد کو گرفتار کرکے اکبر کے حوالہ کیا[۴] اکبر کے ۲۹ ویں جلوس میں سید دولت نے کھمبائت میں انتشار پھیلایا، تو اس کی سرکوبی کے لئے موٹا راجہ، میدنی رائے، راجہ مکت مان، رام ساہ، اودے سنگھ، رام چندر راٹھور، تلسی داس اور جادوں بہادر وغیرہ بھیجے گئے[۵]

شاہجہاں کے ۲ سنہ جلوس میں خانجہاں نے سرکشی کی تو راجہ پرتھی راج راٹھور اسکے خلاف لشکر کشی کے لئے مامور کیا گیا، وہ اپنے ساتھیوں راجہ بیتھیل داس، راجہ گردھر داس کے ساتھ گھوڑے اڑاتا ہوا دھول پور کے قریب پہونچا، اور خانجہاں کو نرغہ میں لیا، اور بہادر راجپوت کی روایت کے مطابق گھوڑے سے کود کر خانجہاں پر برچھی کا وار کیا، دونوں میں ترکی بہ ترکی خوب مقابلہ ہوا، شاہجہاں نے اس کے صلہ میں راجہ پرتھی راج اور بیتھیل داس کو طویلہ خاص سے گھوڑا اور فیل خانہ سے ہاتھی، اور منصب سہ ہزاری دو ہزاری ذات ہشت صد سوار دے کر اُن کی عزت افزائی کی[۶]

قندھار، بلخ اور بدخشاں کے مسلمان حکمرانوں کے خلاف جو مہم گئی، اس میں راجپوت سردار مسلمان امراء کے ساتھ برابر کے شریک دار رہے، بلخ کی مہم سے واپسی میں مہیش داس راٹھور، روپ سنگھ، اور رام سنگھ

---

[۱] مآثر الامراء جلد دوم ص ۱۶۰، ۱۷۰، [۲] ایضاً ص ۱۲۹، ۱۲۳، [۳] ایضاً ص ۱۵۱، [۴] ایضاً ص ۱۶۱، [۵] اکبر نامہ جلد سوم ص ۴۳۷، [۶] بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری ج ۱ ص ۲۸۰-۲۸۶،

راٹھور کے مناصب میں اُن کی بہادری اور خدمات کے صلہ میں اضافہ کیا گیا،[۱] خود عالمگیر نے راجہ جے سنگھ کچھواہہ اور راجہ نرودہ گور کو شہزادہ شجاع کی تنبیہ کے لئے مقرر کیا، راجہ امر سنگھ نروری کو سرحدی پٹھانوں کے خلاف اور بیجاپور کے مسلمان حکمراں کے خلاف جے سنگھ ہی نے لشکر کشی کی،

ان مہموں میں راجپوت سرداروں کے ماتحت مسلمان امرا اور منصب دار ہوئے، راجہ مان سنگھ اپنے ماتحت مسلمان امرا کی بڑی خاطر و تواضع کرتا، جہانگیر کے عہد میں جب دکن کی مہم پر گیا تو بالا گھاٹ پہونچ کر شاہی لشکر میں قحط پڑ گیا، اس موقع پر راجہ مان سنگھ سو روپے یومیہ پنجہزاری منصب دار اور اسی تناسب سے کل منصب داروں کو تقسیم کرنا شروع کیا، اور ہر شخص کو علٰحدہ علٰحدہ تھیلیوں میں روپے بند کر کے اس کے پاس بھجوا دیتا، یہ سلسلہ تین چار مہینے تک جاری رہا، اس کے علاوہ امبر سے غلہ منگوا کر وہیں کے نرخ سے لشکر میں فروخت کرنے کا انتظام کیا، عام لشکریوں کو ایک وقت کا کھانا اس کے یہاں سے مفت ملتا تھا، راجہ مان سنگھ کوچ کے وقت، یا لشکر جہاں پڑاؤ ڈالتا وہاں مسلمان لشکریوں کے لئے حمام تیار رکھواتا، اور اُن کی نمازوں کے لئے مسجد کی وضع کا خیمہ نبواتا تھا،[۲]

راجپوت منصبدار اور اُن کے لشکری بھی اپنے شاہی آقا کی خاطر پوری جانبازی اور جان سپاری کے ساتھ لڑے، اکبر نے گجرات میں لشکر کشی کی تو میدان جنگ میں اس کی جان بچانے کے لئے راجہ بھگوان داس نے اپنی اور راجہ مان سنگھ کی جان کی بازی لگا دی تھی، راجہ انوپ سنگھ بڑگوجر نے شیر کے شکار میں جہانگیر کی جان خود شیر سے لڑ کر بچائی تھی جس کے صلہ میں اس کو انی رائے سنگھ کا خطاب دیا، انی کے معنی شیر کا مارنے والا ہے، ایک موقع پر جہانگیر نے اپنے دربار میں راجہ انوپ سنگھ بڑگوجر کی کسی بات پر اعتراض کیا جس سے راجہ کو خیال ہوا کہ بادشاہ اس کی وفاداری پر شک کرتا ہے، اُس نے فوراً جمدھر کمر سے نکال کر اپنے پیٹ پر دے مارا، اس دن سے جہانگیر کے دل میں اس کا اعزاز اور اعتبار بہت

---

[۱] بادشاہ نامہ از عبدالحمید لاہوری ج ا ص ۵۵-۲۵-۵ [۲] تجواالامراے ہنود از سعید احمد مارہروی ص ۲۳۰،

بڑھ گیا، اور بڑی ذمہ داری کی خدمتیں اس کے سپرد کرتا رہا، یہاں تک کہ شہزادہ خسرو کی نگرانی قید کے زمانے میں اُسی نے کی۔[1] جہانگیر کو اپنے راجپوت سرداروں پر اتنا اعتماد تھا کہ اس کو برابر خیال رہا کہ وہ اس کی خاطر کبھی میدان جنگ سے منھ نہیں موڑ سکتے، راجہ رام داس کچھواہہ کو جہانگیر نے راجہ کرن کا خطاب دیا تھا، وہ ملک عنبر کے خلاف دکن بھیجا گیا، تو اس کو شکست ہوئی، اور اُس نے میدان چھوڑ دیا، اور جب وہ جہانگیر سے ملا، تو جہانگیر نے اُس سے کہا کہ راجپوتوں میں لڑائی سے بھاگنا سخت عیب ہے، افسوس کہ تجھے راجہ کرن کے خطاب کی بھی شرم نہیں آئی، اور اس کو دربار میں آنے سے منع کر دیا۔[2] شہزادہ خرم نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تو اس کا حلیف راجہ گوپال داس گوڑ تھا، جہانگیر کی فوج نے شہزادہ کا تعاقب کیا تو راجہ گوپال داس اور اس کا بیٹا بلرام خرم کے ساتھ سایہ کی طرح ساتھ رہا، اور پھر ٹھٹھہ کے محاصرہ میں اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھا کر اپنے بیٹے بلرام کے ساتھ حق نمک ادا کرنے کی خاطر فدا ہوگیا۔[3] ۱۶۳۳ء میں شاہجہاں اپنے دربار کے سامنے دو ہاتھیوں کی لڑائی کا کھیل دیکھ رہا تھا کہ یکایک ایک ہاتھی مست ہو کر شہزادہ اورنگ زیب کے گھوڑے کی طرف بڑھا، اور اس کو زمین پر دے مارا، اس موقع پر راجہ جے سنگھ بھی اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر اورنگ زیب کی جان بچانے کے لئے آگے بڑھا، اور نہایت دلیری سے ہاتھی پر برچھا مارا، شاہجہاں کو ان راجپوت سرداروں پر اتنا بھروسہ تھا کہ اس کی جان کے محافظوں کا سردار راجہ مہیش داس راٹھور رہا جو اس کے تخت کے پیچھے کھڑا رہتا، اور سفر میں برابر اس کے ساتھ ہوتا۔[4] سموگڈھ کے میدان میں شہزادہ دارا کی خاطر راجپوت سردار جس طرح لڑے وہ اپنی مثال آپ ہے، اس جنگ میں مکند سنگھ ہاڈا، رتن راٹھور، دیال داس جھالا، ارجن گور اور سبحان سنگھ سیسودیہ اپنے ہمراہ سواروں کے ساتھ اورنگ زیب کی آتش بار توپوں کے سامنے اس طرح بڑھے کہ جیسے ان کی جانیں دارا کی خاطر کوئی قیمت

---

[1] مآثر الامراء جلد دوم ص ۲۳ - ۲۲۱، [2] ایضاً ص ۱۵۶، [3] مآثر الامراء جلد دوم ص ۲۵،

[4] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۶۴۴،

نہیں کھتی تھیں، اس جنگ میں مراد کے ہاتھی کے اردگرد راجپوت سواروں نے اس طرح لڑ کر جانیں دیں کہ ساری زمین اُن کے خون سے ارغوانی بن گئی تھی، راجہ چھتر سال ہاڈا میدانِ جنگ میں یہ قسم کھا کر اترا تھا کہ یا تو فتح ہوگی یا اُس کا سر ہوگا، اس لڑائی میں اس کی جلادت اور جرأت کی تعریف فارسی مورخین نے بھی کی ہے[۱] اسی جنگ میں راجہ روپ سنگھ راٹھور اس جرأت سے لڑا کہ خود اورنگ زیب کو اس کی بہادری کی تعریف کرنی پڑی، اور وہ چاہتا تھا کہ وہ زندہ گرفتار کرلیا جائے تاکہ آئندہ اس کی بہادری سے کام لیا جا سکے، اس نے بڑھ کر انتہائی شجاعت کے ساتھ اورنگ زیب کے ہاتھی کا ایک پاؤں اپنی تلوار سے اڑا دیا، تاکہ اورنگ زیب ہودج سے نیچے گر پڑے لیکن اورنگ زیب کے ایک لشکری نے زیادہ چابکدستی سے کام لے کر راجہ روپ سنگھ راٹھور کا کام تمام کردیا[۲] جب لڑائی انتہائی زور پر ہوتی، تو راجپوت سردار انتہائی بہادری میں اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سے کود پڑتے، اور کمر میں اپنی پگڑی باندھ کر ایک جگہ کھڑے ہو کر تلوار چلانے لگتے، اور ایک انچ پیچھے ہٹنا پسند نہ کرتے، خواہ اُن کی جان کیوں نہ چلی جاتی، اس طریقۂ جنگ کو اُتارا کہا جاتا، مغلوں نے یہ طریقۂ جنگ راجپوت سرداروں ہی سے لیا،

راجپوتوں کی ذاتی، نسلی، اور قومی خوبیوں کی وجہ سے مغل سلاطین ہمیشہ اُن کی روگردانی اور سرتابی کو معاف کر دینے کے لئے تیار رہتے، بلکہ جن کو گھمسان لڑائی کے بعد مغلوب کرتے، ان کے لئے بھی اُن کی آغوش کھلی رہتی، اکبر نے رن تنبھور کو بڑی محنت اور مشکل سے فتح کیا، لیکن جب راجہ سرجن ہاڈا نے سپر ڈالی تو اُس کے ساتھ بڑی شاہانہ نوازش سے پیش آیا، اُس کے دو لڑکے دودا اور بھوج اس کے پاس آئے، تو اُس نے اُن کو خلعت پہنائے، یہاں پر یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب امرا دودا اور بھوج کو خلعت پہنانے کے لئے دربار سے باہر لا رہے تھے، تو ان دونوں کے ایک ہمراہی کو خیال آیا کہ وہ ان کو قید خانے لئے جا رہے ہیں، اس نے فوراً تلوار کھینچ لی، اور تخت شاہی کی طرف بڑھا، اس کو روکنے

---

[۱] ماٰثر الامرا جلد دوم ص ۲۶۳ [۲] ایضاً ص ۵۰،

میں پورن مل، شیخ بہاء الدین مجذوب اور کچھ اور درباری مارے گئے، لیکن پھر وہ خود مارا گیا، سرجن ہاڈا کے لڑکے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں اُن سے بدلہ نہ لیا جائے لیکن اُن کا کوئی قصور نہ تھا اس لئے بہت ہی اعزاز کے ساتھ باپ کے پاس واپس بھیجے گئے، راجہ سرجن پھر منصبداروں میں داخل ہوا، گڈھ جنا اور بوندی کی جاگیریں وقتاً فوقتاً اس کو دی گئیں، اور جب دودا نے اکبر سے سرکشی کی تو خود راجہ سرجن بیٹے کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا،[1]

رانا پرتاب اور اُس کے خاندان سے مغل بادشاہوں کی جنگ کچھ نہ کچھ برابر رہی، لیکن اس خاندان کا جب کوئی فرد شاہی دربار میں آیا، تو بہت ہی اعزاز و اکرام سے نوازا گیا، رانا امر سنگھ کو رانا کا خطاب جہانگیر نے دیا،[2] رانا کے لڑکے جگت سنگھ کو رانا کا خطاب اور پنج ہزاری کا منصب شاہجہاں نے دیا، اور اس کے مرنے کے بعد یہی خطاب اور منصب رانا راج سنگھ کو ملا،[3] خود اورنگ زیب نے رانا کو خلعت عطا کیا، اور اس کا لڑکا راجہ جے سنگھ دربار میں آیا، تو اورنگزیب نے اس کو خلعت، سرپیچ مرصع گھوڑے اور ہاتھی انعام میں دیئے،[4]

پنجاب کے شمالی پہاڑوں کی ریاست مئو اور پٹھان کے راجہ باسو نے اکبر کے خلاف بار بار بغاوت کی لیکن جہانگیر کے عہد میں دربار میں آیا تو جہانگیر نے اس کو منصب سہ ہزاری دو پانصدی سے سربلند کر کے دکن کی مہم پر بھیجا،[5]

جودھپور کا راجہ راؤ امر سنگھ راٹھور سہ ہزاری منصبدار تھا، شاہجہاں کے دربار میں ۱۷ سنہ جلوس میں آیا تو صلابت خاں میر بخشی نے اس کو زمین بوس کرایا کہ یکایک اس نے صلابت خان کو اپنے جمدھر سے ہلاک کر دیا، متھل داس گوڑ کے لڑکے ارجن سنگھ اور دوسرے منصبدار راؤ امر سنگھ پر ٹوٹ پڑے، اس دار و گیر میں وہ مارا گیا، شاہجہاں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ راؤ امر سنگھ نے یہ سب کچھ نشہ کی حالت میں کیا،

---

[1] ماثر الامراء، جلد دوم ص ۱۱۳ [2] ایضاً ص ۲۰۵، [3] ایضاً ۲۰۶، [4] ایضاً ص ۲۰۸، [5] ایضاً ص ۱۶۰،

لیکن امر سنگھ کے نوکروں نے ارجن سنگھ سے انتقام لینے کے لئے بڑا فساد برپا کیا، مگر پانچ مہینے کے بعد راؤ امر سنگھ کا لڑکا دربار میں حاضر ہوا تو شاہجہاں نے اس کو منصب عطا کیا۔[۱]

شاہجہاں نے راجہ اندرمن دھندیرہ کو اس سے ناخوش ہو کر قید کر دیا تھا لیکن ۱۰۶۸ھ میں جب اورنگ زیب دکن سے آگرہ کو روانہ ہوا تو راجہ اندرمن دھندیرہ کو قید سے رہا کر کے منصب ہزاری دو ہزار سوار عطا کیا، اس نے اجین کی لڑائی میں اپنی بے نظیر شجاعت کا ثبوت دے کر اورنگ زیب سے علم و نقارہ کا اعزاز حاصل کیا؛ اُس کے بعد جنگ سموگڈھ میں بھی بڑی بہادری دکھائی، شہزادہ شجاع کی پہلی لڑائی کے بعد بنگال میں متعین ہوا اور وہیں وفات پائی،[۲]

شاہی دربار سے راجہ جسونت سنگھ کے تعلقات کی جو نیرنگیاں رہیں، اس کی تفصیل آگے آئے گی، اجیت سنگھ نے اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ سے برابر ٹکر لی لیکن جب معافی کا خواستگار ہوا تو معاف بھی کر دیا گیا، بہادر شاہ کے دربار میں پہلی بار اجیت سنگھ اپنے قصور کی معافی کے بعد حاضر ہوا تو اس کو منصب سہ ہزاری، خلعت، فیل و شمشیر عطا کئے گئے، اور بہادر شاہ اس کو شہزادہ کام بخش کے خلاف مہم میں ساتھ لے گیا لیکن اجیت سنگھ راستہ ہی میں اس کو چھوڑ کر راجہ جے سنگھ سوائی کے ساتھ جودھ پور چلا گیا، لیکن ۱۱۲۱ھ میں اجیت سنگھ اور جے سنگھ سوائی اور دوسرے راجپوت سردار تیس چالیس ہزار سواروں کے ساتھ اپنے اپنے ہاتھوں کو رومال سے باندھے ہوئے بہادر شاہ کے پاس اظہار ندامت کے لئے آئے تو بہادر شاہ نے سب کے قصور معاف کر کے خلعت، گھوڑے، اور ہاتھی عطا کئے. فرخ سیر کے عہد میں اجیت سنگھ کا مخالفانہ رویہ جاری رہا لیکن اس کا خوشگوار خاتمہ اس طرح ہوا کہ دونوں رشتہ سے منسلک ہو گئے یعنی فرخ سیر کی شادی اجیت سنگھ کی لڑکی سے ہوئی جس کے بعد اجیت سنگھ گجرات کا صوبہ دار مقرر ہوا،[۳]

۱؎ ماثر الامراء جلد دوم ص ۲۳۳، بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۸۸، ۳۸۰ ۲؎ ماثر الامراء جلد دوم ص ۲۶۵، ۶۶ ۳؎ ایضاً جلد ۳، ص ۶۰، ۵۵

اسلحہ

عہد وسطیٰ میں سڑکوں کی کمی اور نقل و حمل کی مشکلات کی وجہ سے ایسے آلاتِ حرب پسند کئے جاتے تھے، جو آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے جا سکیں، اس عہد میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں پہونچنے کے لئے وہی دقتیں پیش آتیں جو براعظم ایشیا کے مختلف ملکوں میں پہونچنے میں پیش آتی ہیں، اس لئے فوج کے سپاہیوں نے ایسے اسلحہ استعمال کئے جنھیں اپنے ساتھ لیجا سکتے تھے یا گھوڑوں یا بار برداری کے جانوروں پر آسانی سے لادے جا سکتے تھے مگر رفتارِ زمانہ کے ساتھ اسلحہ میں کافی ترقی بھی ہوتی گئی اور وزنی ہتھیار کا بھی استعمال کثرت سے ہونے لگا، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، لیکن عام طور سے ایک لشکری کی مردانگی کا اصلی جوہر اس کی شمشیر سے ظاہر ہوتا تھا، اس لئے اس زمانہ کا یہ بہت ہی محبوب اور مقبول ہتھیار سمجھا جاتا تھا، آداب الحرب والشجاعۃ[۱] کے مصنف نے لکھا ہے کہ اگر لشکری کے پاس تمام اسلحہ ہوں اور شمشیر نہ ہو تو اس کے آلاتِ حرب ناقص اور نامکمل ہیں، اور اگر شمشیر کے سوا کوئی

---

[۱] یہ کتاب شریف محمد مبارک شاہ معروف بہ فخر مدبر نے ۶۰۲ھ اور ۶۳۳ھ کے درمیان لکھی اور سلطان التتمش کے نام معنون کی، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے عکسی نسخہ میں اس کا نام آداب الملوک و کفایۃ المملوک ہے لیکن یہ عام طور سے آداب الحرب والشجاعہ کے نام سے مشہور ہے، اسی لئے راقم نے جا بجا یہی نام استعمال کیا ہے، دیکھو برٹش میوزیم کیٹلاگ فارسی مخطوطات جلد دوم ص ۴۸۶، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کیٹلاگ فارسی مخطوطات ص ۴۸۸، انڈیا آفس کیٹلاگ فارسی مخطوطات کالم ۱۴۹۳، مسلم یونیورسٹی کے عکسی نسخہ میں اسلحہ کی تفصیل باب ہفدہم میں ملے گی،

اور ہتھیار نہیں تو اس کا حربی سامان ناقص نہیں اور اس کو نقصان پہونچنے کا کم خطرہ ہوتا ہے، اسی مصنف نے شمشیر زنی کی اہمیت کے ثبوت میں یہ روایت لکھی ہے کہ ایک روز حضرت خالدؓ بن ولید حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو انھوں نے ان سے پوچھا کہ تیر کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے، حضرت خالدؓ نے جواب دیا اچھا ہتھیار ہے، اس سے دشمنوں کو دور رکھکر مغلوب کیا جا سکتا ہے لیکن تیر اندازی میں خطا کے امکانات بہت ہوتے ہیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ نیزہ کے متعلق کیا رائے ہے، حضرت خالدؓ نے جواب دیا کہ لشکریوں کا پشت پناہ ہے لیکن اس سے اکثر دھوکا ہوتا ہے، جب یہ دشمن کے جسم میں چار انگل تک گھس جاتا ہے، تو نیزہ باز اپنے کو غیر محفوظ پاتا ہے، حضرت عمرؓ نے پوچھا اور سیف کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے، حضرت خالدؓ نے جواب دیا یہی وہ چیز ہے جو ماؤں کو اپنے لڑکوں کے لئے رلا دیتی ہے،

تیغ | آداب الحرب کے مصنف نے اپنے زمانہ کی تلوار کی بہت سی قسمیں بتائی ہیں، مثلاً چینی، روسی، خزری، رومی، فرنگی، یمانی، سلیمانی، شاہی، علائی، کشمیری اور ہندی لیکن سب سے زیادہ تیغ ہندی کی تعریف کی ہے،

"اما از ہمہ تیغہا ہندی بہتر و گوہر دار تر و برندہ تر آید"

تیغ ہندی کے مختلف نام تھے، مثلاً پرگس (جو موج دریا بھی کہلاتی تھی) پرالک، تراوتہ، روہینیا مان گوہر، باحری، تورمان، سورمان اور بناہ، ان تلواروں میں موج دریا بہت ہی قیمتی سمجھی جاتی تھی، یہ شاہی خزانہ میں بھی ایک سے زیادہ نہ ہوتی تھی، اہل ہند پرالک، تراوک اور روہینیا ہی زیادہ پسند کرتے تھے، یہ تلواریں سخت ہوتیں اور گہرے زخم لگاتی تھیں، وہ رات کو پانی میں رکھدی جاتیں تو دوسرے دن اُن سے اور بھی کاری زخم لگتا تھا، باحری بھی بڑی جوہر دار تلوار تھی، خراسان اور عراق کے بعض صناعوں نے باحری کی نقل اتارنی چاہی لیکن وہ ہندوستان جیسی تیار نہ کرسکے،

تورمان کا نام ایک ہندو راجہ کے نام پر تھا، جو دسویں صدی عیسوی کے آغاز میں وادی کابل

کا حکمراں تھا، افغان قبائل کے لوگ زیادہ تر تورمان اور سورمان ہی استعمال کرتے تھے، نباہ بہت ہی خطرناک سمجھی جاتی تھی، اُس کی زد سے جو زخم آتا اُس کا مندمل ہونا ممکن نہ ہوتا، یہ نرم لوہے، مس اور چاندی کی دھات سے بنائی جاتی تھی۔

تلواروں کے بعض بہترین صناع دریائے سندھ کے ساحل پر لیہ اور بھکر کے درمیان کروڑ کے پاس حصار گورج کے رہنے والے تھے، وہ فولاد سے تلواریں بناتے تھے جن کے جوہر کھجور کی پتیوں کی طرح ہوتے تھے[1]، راناؤں، ٹھاکروں، اور قبائلی علاقہ کے لوگوں میں یہ تلوار بہت مقبول تھی،

محمود غزنوی کی محبوب تلوار **قلاچوری** تھی جو اتنی لمبی ہوتی تھی کہ نیزہ کی طرح بھی استعمال کی جاتی تھی، اور اُس کے خم کی وجہ سے اُس سے بڑا گہرا زخم لگتا تھا،

تیموریوں کے دور میں تلواروں کی مذکورہ بالا اقسام میں کچھ اور اضافہ ہوا، مثلاً تلوار کی ایک قسم کا نام **عصا شمشیر** تھا جس کو دھوپ اور کھانڈہ بھی کہتے تھے، یہ تلوار بالکل سیدھی، کافی چوڑی اور چار فٹ لمبی ہوتی تھی، اس کا قبضہ گہرا ہوتا، اس کا رکھنا شاہی دبدبہ کے لوازم میں داخل تھا، بادشاہ جب دربار میں آتا تو ایک شخص اس تلوار کو مخمل کے مکلف غلاف میں سیدھے اٹھا کر آگے آگے چلتا تھا، اور جب بادشاہ دربار میں بیٹھ جاتا تو اس کی مسند پر سامنے رکھدی جاتی، کبھی یہ تلوار امراء اور جانباز سپاہیوں کو بطور

---

[1] ان تلواروں کی صنعت سازی کی تفصیل یہ ہے:

"آہنگر کہ تیغ خواہد زد دو خفچہ از آئین پولاد بکشد، بعد ازاں ہر دو را نیک گرم کند و یکے را برراست، تا بد و دیگرے را بچپ تابد، پس در گل گیرد یک شباں روز آنرا در گو نہد و بدمند تا ہر دو خفچہ بگدازند، و بر یک دیگر سخت شود پس از گل بیروں کشد و تیغ زند، و باندام کند، چوں چرخ کند و دارو دہد گوہر او بر مثل برگ خرما کہ بر درخت باشد، ہمچناں پیدا آید"

انعام بھی دی جاتی تھی، ایک اور قسم کی تلوار سروہی کہلاتی، جو راجپوتانہ کے ایک مقام سروہی میں تیار ہوتی تھی، اس سے بڑی کاری ضرب لگتی تھی، اگر سر پر وار کیا جاتا تو کمر تک اتر تی چلی جاتی بعض سیدھی تلواروں کے نام پٹہ، گپتی، اور عصا تھے، چھوٹی تلوار کو نیمچہ شمشیر کہتے تھے[۱]

سپر ہر تلوار کے ساتھ سپر یعنی ڈھال کا ہونا ضروری تھا، جو عام طور سے بیل، نیل گائے، ہرن، ہاتھی، اور گینڈے کے چمڑے سے بنائی جاتی، گینڈے کے چمڑے کی ڈھال بہت قیمتی ہوتی تھی، ہندو، جو چمڑے کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے، عموماً ریشم کی ڈھال بناتے تھے، لوہے کی اکثر ڈھالیں منقّش اور مطلا ہوتی تھیں، بید سے بنی ہوئی ڈھال کو پھری کہتے تھے، ڈھال کی قسموں میں چرواہ اور تلواہ بھی تھیں، اکبر جب میدان جنگ میں شریک ہوتا تو شمشیر بازوں کی ایک جماعت چرواہ اور تلواہ لئے اس کے گرد حصار کئے رہتی تھی، ڈھال کا قطر ۱۷ سے ۲۴ انچ تک ہوتا تھا، میدانِ جنگ میں یہ ہمیشہ بائیں ہاتھ میں ہوتی، اور لڑائی کے بعد کندھے پر لٹکالی جاتی،

کمان سلاطین دہلی کے عہد میں عام طور سے جو کمانیں رائج تھیں، اُن کی حسب ذیل قسمیں تھیں،

چاچی، خوارزمی، پرواچی، غزنیچی، لاہوری، کروری، ہندوی، کوہی،

چاچی کمان سخت ہوتی تھی جس کو زیادہ تر ماوراء النہر کے لشکری استعمال کرتے تھے، خوارزمی کمان کا خانہ تو چھوٹا ہوتا، لیکن اُس کے گوشے یعنی جس میں زہ باندھی جاتی تھی، دراز ہوتے تھے، اس کی زہ یعنی چلّہ یا ڈوری گھوڑے کی کھال سے بنائی جاتی، جو موٹی ہوتی تھی، اور اس کا تیر بھی موٹا ہوتا، لیکن اس کا پیکان چھوٹا ہوتا تھا، اس سے زخم اچھا نہ لگتا تھا، کیونکہ تیر کے بھاری اور پیکان کے ہلکے ہونے سے تیر چھوڑتے وقت اس میں لرزش پیدا ہو جاتی، پراوچی، غزنیچی، لوہوری اور کروہی کمان قریب قریب ایک ہی طرح کی ہوتی تھیں، کوہی کمان پہاڑی بکرے کی سینگ سے بنائی جاتی، ہندی کمان بانس سے تیار کی جاتی

---

[۱] آئین اکبری حصہ اول کے آئین ۳۵ میں بعض تلواروں کی تصویریں ملیں گی،

اور اس کی تانت بھی بانس کی چھال ہی کی ہوتی تھی، اس کا تیر دور تو نہیں جاتا تھا، لیکن نزدیک سے اس سے سخت زخم لگتا، امیر خسرو نے مثنوی نہ سپہر میں کمان کے اقسام میں چاچی کے علاوہ ختائی، لاچی اور ایبک کے نام بھی بتائے ہیں، ختائی اور لاچی غالباً ختا اور لاچین میں تیار ہوتی تھیں،

بعض کمانیں بھینس کی سینگ، لکڑی، بانس، ہاتھی کے دانت اور لوہے کی بھی ہوتی تھیں لیکن کمان کا بالائی حصہ یعنی بیرونی حصہ لکڑی ہی کا ہوتا، جس کو خوبصورت بنانے کے لئے منقش کر دیا جاتا، کمان چار فٹ لمبی، اور دونوں طرف جھکی ہوتی، کمان کی ڈوری یعنی زہ یا چلّہ دونوں طرف باندھ دیا جاتا، جس کو گوشہ یا سفار کہتے تھے، زہ عموماً سفید ریشم کی ہوتی، کبھی نے کے چھلکے اور بھیڑیے، گینڈے، نیل گائے، اور گھوڑے کی کھال کی بھی بنائی جاتی، زہ کے بیچ میں تین یا چار انچ کی گرہ ہوتی، جس کو انگوٹھے سے کھینچتے، اور کھینچتے وقت شہادت کی انگلی ناخن پر ہوتی تھی کہ کھینچنے میں سہولت ہو، یا تیر کے دندانہ پر ہوتی تاکہ گرنے نہ پائے، انگلیوں کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک بڑی اور چوڑی انگوٹھی جیسی زہ گیر ہوتی تھی، یہ حسب حیثیت قیمتی پتھر بلور، ہاتھی دانت، سینگ، مچھلی کے کانٹے، سونے، چاندی یا لوہے کی ہوتی تھی، . . . .

. . . . کبھی زہ گیر کے بجائے انگشت وانے (یعنی انگشتانے) استعمال کرتے تھے، جو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور پہلی انگلی پر چڑھے رہتے تھے[1] زہ گیر اور انگشتانے کے استعمال سے تیر زیادہ سے زیادہ دور پھینکا جا سکتا تھا، تیر اندازی کے استاد اپنی ہر کمان کے لئے دو زہ اور دو انگشتانے رکھتے تاکہ اگر ایک خطا کرے، تو دوسرے سے فوراً کام لیا جائے،

آئین اکبری میں بعض کمانوں کے لئے تخش کمان اور گنٹھا کی اصطلاح بھی استعمال ہوئی ہے تخش کمان

---

[1] انگشتوانے کے متعلق آداب الحرب کے مؤلف نے لکھا ہے،

"چند نوعست غازی وارد میری دار، و ترکی وار، اما بہترین غازی وار باشد تا سر انگشت نزند کہ ہر کسے تیر اندازے استاد نباشد"

چھوٹی کمان کو کہتے تھے کنٹھا بھیلوں کے استعمال میں رہتی تھی، اس کے استعمال کا طریقہ یہ تھا کہ کمان کو پاؤں سے دباکر اور زہ کو ہاتھ سے کھینچ کر تیر اس زور سے پھینکتے تھے کہ ہاتھی کے پیٹ کے اندر گھس جاتا، ایک اور قسم کی کمان گروہہ تھی، جو شاید غلیل کی طرح ہوتی تھی،[۱]

تیر تیر زیادہ تر بید اور کلک کے ہوتے تھے، کلک کا تیر بہت ہلکا ہوتا تھا، اور ایک اچھا تیر انداز اس کو لوہے اور فولاد کے اندر بھی پیوست کر سکتا تھا، نرکٹ سے بھی تیر بنایا جاتا تھا،

پر تیر گدھ اور عقاب کے دم سے بناتے تھے، اور اگر گدھ اور عقاب کی دم نہ ملتی تو شاہین، کلک، کلنگ، سرخاب، بط، چیل، شتر مرغ، بوتیمار، مور، اور شکرے کے پروں سے بھی بنا لیتے تھے، کبھی کبھی ایک تیر میں کئی پر ہوتے تھے جو زہر آلود کر دیئے جاتے تھے،

امیر خسرو نے مثنوی نہ سپہر کے سپہر پنجم میں تیروں کے حسب ذیل اقسام بتائے ہیں:-

ہوائی، زمینی، برگ بید، سوری، گزہ، تیر گز، بیلک،

ہندی تیر شاخ دار بنائے جاتے، جب وہ کسی کے لگتا، اور اس کا پھل جسم میں گھس جاتا، تو اس کے نکالنے میں بڑی زحمت ہوتی، اس پھل کو زہریلا بھی کر دیا جاتا،

تیموریوں کے آخری زمانے میں بعض تیروں کے نام یہ تھے:

گھیر، دو موتہا، طرح ماہ، طرح ہلال، طرح بادام، طرح نوک، طرح بھالا، طرح خار،[۲]

وغیرہ جن کی نوعیت اُن کے ناموں سے ظاہر ہوگی۔

تیر کا پیکان گائے بھینس، اور گدھے کی ہڈیوں سے بناتے اور اس کو بھی زہر آلود کر دیتے تھے، زہر آلود تیر اور پیکان سے جو زخم آتا، وہ مشکل ہی سے اچھا ہوتا، اگر مندمل بھی ہو جاتا تو برسوں تکلیف باقی رہتی،[۲] جس تیر میں پیکان نہ ہوتا، اُس کو تکہ کہتے تھے،[۳] بعض تیر انداز تیروں کو ایک نلکی کے ذریعہ سے پھینکتے تھے،

---

[۱] آئین اکبری آئین ۲۵، آئین فورخانہ میں ان کمانوں کی تصویریں بھی دیکھی جا سکتی ہیں [۲] آداب الحرب [۳] برہان قاطع میں ہے: "نوعے از تیر است کہ بجائے پیکاں گرہے دارد"

جس کو ناوک کہا جاتا تھا، تیرانداز جس میں تیر رکھا کرتے، اس کو ترکش کہتے تھے، ترکش عموماً چمڑے کا ہوتا اس میں ایک چمڑے کی ڈوری لگی رہتی تھی، جس کو تیرانداز اپنے گلے یا کاندھے میں لٹکا لیتا تھا، امراء منقش مخمل کے بھی ترکش رکھتے تھے، ہر تیرانداز ایک پیکان کش بھی ساتھ رکھتا تھا، جس سے وہ ضرورت کے وقت زخمی جسم سے پیکان نکال لیتا تھا[1] اس کو تیر بردار بھی کہتے تھے،

نیزہ یا سنان | عربی، عراقی اور خراسانی نیزے عموماً بید کے ہوتے تھے لیکن سب سے اچھا نیزہ ہندوستان کا ہوتا تھا جو نے سے بنایا جاتا تھا، آداب الحرب میں ہے،

"ہیچ نیزہ بہتر از نے نیزۂ ہندوستان نیست"

نے سے نیزہ بناتے وقت اس کا خیال رکھا جاتا کہ نے کا اندرونی حصہ بھرا نہ ہو، بلکہ خالی ہو کیونکہ ایسا نیزہ ہلکا ہوتا تھا، اس میں لرزش پیدا نہیں ہوتی، بھیڑیے کی پنڈلی اگر نیزہ میں لگا دی جاتی تو اس سے کاری زخم آتا[2]،

نیزہ کی ایک قسم مردگیر ہوتی جو چوگان کی طرح لمبا ہوتا تھا، اس کے سرے پر ایک خم دار پھل ہوتا، حربہ ایک چھوٹا نیزہ تھا جو سلطان کے محافظوں کے پاس رہتا، شل وژوپین بھی ایک قسم کا لمبا نیزہ تھا، جس سے اگر پوری قوت سے ضرب لگا دی جاتی تو سوار مع گھوڑے کے ہلاک ہو جاتا، ہندوؤں اور افغانوں کا ہتھیار تھا، تلوار کے ساتھ یہ ہتھیار بھی ہوتا، جب شل وژوپین کام نہیں دیتا تو تلوار استعمال کی جاتی، پیل کش بھی ایک نیزہ تھا، جس سے ہاتھی کو زخمی کیا جاتا تھا، نیم نیزہ چھوٹا نیزہ ہوتا، خشت نیزہ اور تیر کی

---

[1] برہان قاطع میں ہے،:-

"نوعے از تیر باشد و آن تیریست کوچک و بعضے گویند آلتے ست چوبین د میاں خالی کہ تیر ناوک را درمیان آن گذاشتہ می اندازند" و بعضے گویند ناوک باشد از آہن کہ تیر کوچکے دراں نہند و بعد ازاں در کمان گذاشتہ اند"   [2] آداب الحرب،

ملی جلی قسم تھی،

آئین اکبری میں نیزہ کی کئی قسمیں لکھی ہیں نیزہ، برچھا، سانگ، سینتھی، سیلرہ،

جو نیزہ سواروں کے استعمال میں رہتا تھا، وہ بہت ہی لمبا ہوتا جس کا دستہ بانس کا اور سرا لوہے کا ہوتا تھا، برچھا نیزہ سے وزنی اور تمام تر لوہے کا ہوتا تھا، برچھا پیدل سپاہیوں کے ہاتھ میں رہتا،

آئین اکبری کی تصویر میں سانگ برچھا سے چھوٹا دکھایا گیا ہے، یہ بھی تمام تر لوہے ہی سے بنایا جاتا، اس کا منہ چوپہل یا سہ پہل ہوتا، سینتھی سانگ سے چھوٹا لیکن سیلرہ سینتھی سے بڑا اور سانگ سے چھوٹا ہوتا تھا، ایک چھوٹے قسم کے نیزے کو نیزہ خورد دستی کہتے تھے[۱]

گرز | گرز سلاطین دہلی[۲] اور شاہان مغلیہ دونوں کے عہد میں استعمال کیا جاتا تھا، آئین اکبری کی تصویروں سے پتہ چلتا ہے کہ تیموری عہد میں گرز تقریباً ڈھائی فٹ کا ایک چھوٹا آہنی ڈنڈا ہوتا تھا، جس کے سر پر تین بڑے اور وزنی مدور لٹو ہوتے تھے، دو ادھر ادھر اور ایک بیچ میں، گرز کی ایک قسم شش پر بھی تھی جس کے اوپر ایک بہت وزنی لٹو ہوتا تھا[۳]،

ناچخ | ناچخ گرز ہی کی ایک قسم تھی جس میں تلوار کی دھار بھی ہوتی تھی، یہ شاہی ہتھیار تھا، آداب الحرب میں ناچخ کی تشریح اس طرح کی گئی ہے،

۱؎ نیزہ کی اور قسموں کے نام یہ تھے بلم، گڑاسا، پنج مکھ، پنڈی بلم، لنگے، گرڈھیا، علم وغیرہ، ۲؎ طبقات ناصری ص ۹۹، ۱۳، ۱۱، آداب الحرب، ۳؎ گرز کے بعض نام دھارا اور گرگز بھی تھے، دھارا کے سر پر چھ لٹو ہوتے اور اس کا دستہ ہشت پہل ہوتا، گرگز کے اوپر آٹھ لٹو ہوتے، اور اس کا قبضہ بید کا ہوتا، گرز کا ایک نام چماق بھی تھا، برہان قاطع میں ہے:۔

"گرز آہنین شش پر دہ را گویند و دریں زماں چوبدست سر گرہ دار را می گویند"

سلاطین دہلی کے زمانہ میں گرز کے بعض اقسام عمود اور کوپل تھے،

"سلاح بادشاہانست کہ ہم دوست را شاید ہم دشمن را، دوست را از مہرہ ناچخ زنند و بجائے گرز کار کنند و دشمن را بروے ناچخ زنند، بجائے شمشیر کار کنند[1]"

آئینِ اکبری کے آئین قور خانہ کی فہرست میں ناچخ کا ذکر نہیں،

تبر تبر دیلمیوں کا ہتھیار تھا[2] لیکن عام طور سے ہندوستان میں بھی رائج ہو گیا تھا، یہ گھوڑے کی زین میں آویزاں رہتا تھا، اُس کی شکل کلھاڑی سے ملتی ہے،

آئینِ اکبری میں مختلف قسم کے تبر کی تصویر دی ہوئی ہے، ایک تبر کا پھل مستطیل نما یعنی کلھاڑی کے پھل کی طرح ہوتا تھا، بعض تبر میں پھل کے علاوہ اس کے سر پر نیزہ کی طرح ایک لمبی نوک نکلی ہوتی تھی، اُس کی ایک اور دوسری قسم کو زاغنول (کوے کی چونچ) کہتے تھے، جس کے پھل کے دونوں طرف دھار ہوتی تھی، اگر زاغنول کے دونوں طرف پھل ہوتے، تو وہ زاغ نول کہلاتا تھا، اُس کی ایک طرف کا پھل چوڑا اور دوسری طرف کا نوکیلا ہوتا تھا، تبر دستہ کی لمبائی عموماً ۲۳-۱ انچ ہوتی تھی، جس تبر کا دستہ بہت لمبا ہوتا اس کو تبر نگالہ کہتے تھے، غالباً چھوٹے تبر کی ایک قسم بسولہ بھی تھی، جس کی شکل چھینی سے ملتی ہوتی ہے، اس کے ساتھ ایک یا دو مدور پھالے ہوتے تھے، جن کو چکر بسولہ کہا جاتا، بعض تبر بہت مرصع ہوتے، جو زیادہ تر دربار میں شاہی محافظوں کے ہاتھوں میں دکھائی دیتا، تبر کے لئے چخماخ اور چقماق کی بھی اصطلاح استعمال ہوتی ہے،[3]

پیازی آئینِ اکبری (ص۰۰) میں تبر، زاغنول، چکر بسولہ کے ساتھ پیازی کا بھی نام درج ہے شاید

---

(1) برہان قاطع میں ناچخ کی کچھ اور تشریح ہے،

"تبرزین را گویند، و آن نوعے از تبر است کہ سپاہیاں بہ پہلوے زین اسپ بندند و بعضے گویند، نشانے ست کہ سر آن دو شاخ باشد، و نیزہ کوچک را نیز گویند"

(2) آداب الحرب (3) برہان قاطع ص ۳۲۶، برنی ص ۲۵۳، ۳۲۹، ۴۹۰،

یہ تبر ہی کی کوئی قسم ہو لیکن برہان قاطع میں ہے،

"نوعے از گرز ہم ہست، و آن چنان ست کہ چند گوے فولادی را بچند زنجیر کوتاہ مضبوط کردہ

بدستہ از چوب محکمے نصب کنند و آن را بہ ترکی چوگن گویند"

فلاخن یا فلاسنگ | یہ سنگ اندازی کا آلہ تھا، اس میں ریشم یا رسی کا پھندا ہوتا جس میں وزنی پتھر رکھکر غنیم پر پھینکا جاتا، یہ پتھر جس کے سینہ یا پیشانی سے ٹکراجاتا، وہ یا تو ہلاک یا بڑی طرح زخمی ہو جاتا، رات کے وقت آواز پر اُس سے نشانہ لگایا جا سکتا تھا، تیموری دور میں فلاخن کے لئے گوپھن کی بھی اصطلاح استعمال ہوئی ہے[۵۴]،

کمند | اس سے حصار اور قلعہ کی دیواروں پر چڑھنے میں مدد ملتی تھی، سلطان محمود غزنوی کی فوج کے ایک لشکری نے ایک لڑائی میں دشمن کے ایک سوار اور اس کے گھوڑے کو کمند کے پھندے میں الجھا کر اپنی طرف گھسیٹ لیا تھا جس سے غنیم کی صف میں انتشار پھیل گیا تھا، کمند کا استعمال تیموری دور میں بھی جاری رہا،

کٹارہ | کٹارہ کے متعلق آداب الحرب کے مصنف نے صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ ہندوؤں اور نڈر لوگوں کا ہتھیار ہے،

آئینِ اکبری کی تصویر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تلوار اور خنجر کی ملی جلی شکل کا ایک ہتھیار تھا، اس کا پھل کچھ ٹیڑھا ہوتا تھا جس کی چوڑائی قبضہ کے پاس تین انچ اور سرے پر ایک انچ ہوتی تھی، گرفت میں لینے کے لئے دو الگ الگ دستے ہوتے تھے، جو قبضے کے پاس ایک دوسرے سے مل جاتے، کٹارہ کے لئے کبھی کبھی کٹار اور کبھی کٹاری کی بھی اصطلاح استعمال ہوتی،

دشنہ | آداب الحرب میں ہے،:

---

[۵۴] آداب الحرب [۵۵] خافی خاں جلد دوم ص ۵۵۶)

"سلاح عیار پیشگاں وجاں بازاں ودزداںست"

برہان قاطع میں ہے،:

"نوعے از خنجر است کہ بیشتر مردم لازمی دارند"

چکر | آداب الحرب کے مؤلف نے ہتھیاروں میں چکر کا بھی ذکر کیا ہے، یہ گول فولاد کا آئینہ کے برابر ایک ٹکڑا ہوتا تھا، اس کے وسط میں ایک سوراخ ہوتا تھا، جس میں ہاتھ اور بازو چلا جاتا تھا، بیرونی حصہ تلوار کی دھار کی طرح تیز ہوتا تھا، پھینکتے وقت سوراخ کو گرفت میں رکھتے تھے، جب بلندی سے نیچے آتا تھا، ہر چیز کو کاٹ ڈالتا تھا، یہ دشمن کی گردن اڑا سکتا تھا،

آئین اکبری کے تیموری دور کے ہتھیاروں کے نام یہ دیئے گئے ہیں،

جمدھر | اس کا دستہ تقریباً کٹار کی طرح ہوتا لیکن پھل سیدھا اور چوڑا ہوتا تھا،

خنجر | اس کا پھل کچھ ٹیڑھا اور قبضہ تلوار کے جیسا ہوتا،

خنجر کی اور قسموں کے نام جمکھاک، بانک، کھپوہ، جنبوہ اور نرسنگھ موٹھ، پیش قبض وغیرہ تھے، اُن کی ساخت میں کچھ تھوڑا تھوڑا فرق ہوتا تھا،

کارد | قصاب کی چھری کی طرح ڈھائی فیٹ لمبی ہوتی، اس کا پھل دو انچ چوڑا ہوتا،

گپتی کارد | یعنی وہ بڑی اور لمبی چھری جو چھڑی کے اندر ہوتی،

قمچی کارد | اس کی شکل قمچی یعنی کوڑے کی طرح ہوتی تھی،

چاقو | یعنی وہ چھری جو مڑ کر چوبیں دستے میں رہتی تھی، اُس کے کئی پھل ہوتے تھے،

تفنگ ہاں | یہ غالباً ایک نلکی ہوتی تھی، جس سے منہ سے پھونک کر مٹی یا پتھر کی گولیاں پھینکی جاتی تھیں،

پشت خار | یہ ہاتھ اور بازو کی شکل کا ایک آہنی ہتھیار تھا،

خار ماہی | اس کے دونوں طرف مچھلی کے کانٹے کی طرح کیلیں نکلی رہتی تھیں،

گرہ کشا | یہ نیزہ کی طرح لمبا ہوتا تھا، اس کے سرے پر چاند کی شکل کا ایک پھل ہوتا تھا جس کے اوپر ایک نکلی ہوئی تیز نوک بھی ہوتی تھی،

شصت آویز | آئین اکبری میں اس کی کوئی تصویر نہیں دی ہے۔ غالباً بازہ گیری کی کوئی قسم تھی،

قلعوں اور حصاروں کی تسخیر میں جو آلات خاص طور پر استعمال کئے جاتے تھے، اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں،،

(۱) منجنیق (۲) عرادہ (۳) دبابہ یا خرک (۴) چرخ (۵) کمان رعد (۶) نفط (۷) بان (۸) حقۂ آتش (۹) سنگ مغربی (۱۰) توپ (۱۱) بندوق،

منجنیق | منجنیق کا استعمال زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے، فنیقی، یونانی اور اسرائیلی تاریخوں میں اس کا ذکر کثرت سے آتا ہے، عربوں نے بھی اس کو اپنی لڑائیوں میں برابر استعمال کیا، جرجی زیدان نے تاریخ تمدن اسلام میں اس کی تصریح اس طرح کی ہے،

"یہ ایک لکڑی کا سیدھا پھڑ ہوتا ہے جس کے سرے پر ایک گوبھن نما چیز نکلتی ہے، اس میں پتھر رکھ کر پھڑ کو تسموں کے ذریعہ پیچھے کی جانب کھینچتے ہیں، پھڑ کے نیچے ایک مضبوط کمانی لگی ہوتی ہے، جس وقت کمانی پوری طرح دب جاتی ہے، یکایک اُسے چھوڑ دیتے ہیں، اور وہ پھڑ زور کے ساتھ آگے کو جھکے ہوئے ایک مسطح تختہ پر جا گرتا ہے، اور پتھر نکل کر دور جا پڑتا ہے"،

(تاریخ تمدن اسلام از جرجی زیدان مترجمہ مولوی محمد حلیم ص ۱۹۰)

شاہجہانی عہد کے ایک مصنف محمد صادق اصفہانی کی تشریح یہ ہے:

"زمانہ سابق میں منجنیق آلات حصار گیری میں سب سے اہم آلہ تھا، اس کی شکل ترازو کی طرح ہوتی ہے، ایک پلڑے کو بہت بھاری کر لیا جاتا ہے، ہلکے پلڑے میں پتھر رکھ دیا جاتا ہے، اُسے رسیوں کے ذریعہ سے زمین کے برابر قائم رکھا جاتا ہے، تاکہ بھاری پلڑا اونچا چلا جائے، اب

رسیاں ایک دم کاٹ دی جاتی ہیں جس سے بھاری پلڑا زمین پر آرہتا ہے۔ اور ہلکا پلڑا اونچا ہوجاتا ہے اور جو پتھر اس میں رکھا ہوتا ہے، دور جاکر گرتا ہے۔

(بحوالہ اورنٹیل کالج میگزین لاہور اگست ۳۰ء)

محمد بن قاسم نے جب ۹۳ھ میں دیبل پر حملہ کیا تو اس کے پاس ایک منجنیق تھی جس کا نام عروس تھا، اس کو کام میں لانے کے لئے پانچ سو آدمی کی ضرورت ہوتی تھی، مسعود غزنوی نے ۴۲۱ھ و ۴۳۱ھ میں قلعہ ہانسی کا محاصرہ کیا تو بیہقی کی روایت ہے کہ عروس جو منجنیق کی ایک خاص قسم ہے، قلعہ پر لگائی گئی، اور اس سے پانچ جگہ نقب زنی کی گئی،

(تاریخ بیہقی ص ۶۶۵)

آداب الحرب والشجاعہ کے مصنف نے منجنیق کی کئی قسمیں لکھی ہیں،

(۱) **منجنیق عروس** جو چاروں طرف مار سکتی تھی،

"آن چہار سوے بتواں انداخت"

(۲) **منجنیق دیو** جو غالباً بہت بڑی ہوتی تھی (۳) **منجنیق غوری دار** (۳) **منجنیق رواں** جو ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکے،

عرادہ عرادہ بھی چھوٹے قسم کی منجنیق کو کہتے تھے،

"عرادہ آلۂ جنگ خورد تر از منجنیق"

آداب الحرب کے مصنف نے اس کی بھی چار قسمیں بتائی ہیں،

(۱) **عرادہ یک روئی** جس سے صرف ایک ہی سمت میں سنگ اندازی کی جاتی تھی (۲) **عرادۂ گرداں**، جو گھوم سکے (۳) **عرادۂ خفتہ**، جو صرف ایک جگہ قائم ہو (۴) **عرادۂ رواں** جو ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت کر سکے،

منجنیق اور عرادہ سے قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈالنے کا کام لیا جاتا، ان سے نقب زنی بھی کی جاتی، نقب زنی کرتے وقت دیواروں کی جڑیں کھوکھلی کرکے خالی جگہ پر ستون لگا دیے جاتے، اور لکڑیوں کا انبار رکھکر اور نفط ڈال کر آگ لگا دی جاتی، جس سے دیوار نیچے آرہتی،

خرک یا دبابہ خرک کو عربی میں دبابہ کہتے ہیں، دبابہ ایک متحرک آلہ تھا جو پہیوں کے ذریعہ سے چلایا جاتا تھا، اس کی چھت کھالوں یا سرکہ میں بھیگے نمدوں سے ڈھکی رہتی تاکہ یہ آگ سے محفوظ رہے، کچھ لوگ اس کے اندر بیٹھ جاتے، اور کچھ اسے ڈھکیل کر فصیلوں تک لے چلتے، اور قلعہ کی دیوار منہدم کرنے کی کوشش کرتے، اس کا سرا نوک دار ہوتا تاکہ دیواروں میں شگاف کر سکے، محصورین مدافعت میں اس پر آگ پھینکتے اور جلتی لکڑیوں کے پشتارے ڈال دیتے، تاکہ یہ جل جائے [۱] لیکن آداب الحرب والشجاعۃ میں خرک کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے، ایک لمبی اور وزنی شہتیر میں نوکیلا لوہا لگا دیا جاتا، اور شہتیر بڑی زنجیر یا موٹی رسی میں باندھ کر دو بانسوں کے درمیان لٹکا دی جاتی، کچھ فوجی اس کو پیچھے کھینچتے، اور پھر پوری طاقت سے قلعہ کی دیوار کی طرف پھینکتے، نوکیلے لوہے سے دیوار میں سوراخ ہو جاتا،

چرخ یہ پہیے اور چرخی سے چلنے والی کمان ہوتی تھی، اور جو تیر عام کماندار اپنے کمان سے نہیں پھینک سکتے تھے، وہ چرخ سے پھینکا جا سکتا تھا، چرخ کے ذریعہ نوکدار لوہے کے ٹکڑے اور نوکیلی سلاخیں بھی پھینکی جا سکتی تھیں، مؤید الفضلاء میں ہے،

"چرخ کمان حکمت کہ از آلات حصار گیری است و تیر چرخ بداں اندازند"

فرہنگ جہانگیری میں چرخ کو بان یا حقۂ آتشیں کی مانند کہا گیا ہے،

کمان رعد اس میں فتیلہ کے ذریعہ آگ دی جاتی، اور چھوٹے چھوٹے گولے بھی پھینکے جاتے،

نفط یہ ایک قسم کا روغن ہوتا، جس کو گرم کرکے دشمنوں پر پھینکا جاتا، اس کی ایک قسم روغن اسکندری

---

[۱] تاریخ تمدن اسلام از جرجی زیدان مترجمہ محمد حلیم ردودلوی ص ۱۹۵

بھی ہوتی جس کو گریک فایر (یونانی آگ) بھی کہتے تھے، اس کے اجزا یہ ہوتے، صنوبر کا پسا ہوا گوند، گندھگ اور نفط کبھی شورہ اور گندھک سے بھی تیار کیا جاتا، اور کبھی بید کے کوئلے، نمک، گندھک، رال، لوبان، کافور اور حبشہ کے اون سے بھی ملا کر بنایا جاتا، مجموعۃ الصنائع کے مصنف نے اس کے اجزا یہ بتائے ہیں، نفط فارسی، سندروس، طلق، ہکلس، روغن میں ان سب کو ملا کر دو دن تک بھٹی کی آگ میں پکایا جاتا، ہفتہ بھر چھوڑ دینے کے بعد دیگچی کا منہ کھولا جاتا، مصنف مذکور کا بیان ہے کہ اس روغن کے دو درم دشمن کا شہر پھونک دینے کے لئے کافی ہوتا، اس سے لگی ہوئی آگ کو جس قدر بجھانے کی کوشش کی جاتی، اسی قدر بھڑکتی (تفصیل کے لئے دیکھو اورنٹیل کالج میگزین اگست ۱۹۳۸ء)

بان | ایک لمبے بانس میں لوہے کی ایک نلکی ہوتی تھی، اس نلکی میں آتشین مادہ بھر دیا جاتا تھا، اور اس میں آگ لگا کر تیر کی طرح دشمنوں کی طرف پھینک دی جاتی، جو خوفناک آواز سے اس طرح پھٹتی کہ دشمنوں میں انتشار پھیل جاتا، یہ نلکی عموماً ایک فٹ لمبی ہوتی، اور اس کا قطر دو یا تین انچ ہوتا، اس کو پھینکنے میں بڑی مہارت کی ضرورت ہوتی، کیونکہ یہ اکثر الٹ کر پھینکنے والوں ہی کی صف میں آکر گرجاتی، اور اس سے آدمی یا گھوڑے ہلاک بھی ہوجاتے،

حقۂ آتش | یہ بان ہی کی ایک قسم تھی،

سنگ مغربی | ضیاء الدین برنی نے جابجا تاریخ فیروز شاہی میں (ص ۲۷۲) سنگ مغربی استعمال کیا ہے، فرشتہ نے اس کو منجنیق قرار دیا ہے، لیکن مولانا ابو ظفر صاحب ندوی اپنے ایک مضمون "ہندوستان میں توپ" میں لکھتے ہیں، :

"سنگ مغربی کو فرشتہ نے منجنیق قرار دیا ہے، لیکن اگر واقعی منجنیق تھی تو ضیاء الدین برنی کو اس جدید لفظ کے استعمال کی کیا حاجت تھی، وہ منجنیق ہی استعمال کر سکتا تھا، جیسا کہ جابجا استعمال کیا ہے، میرا خیال ہے کہ درحقیقت یہ توپ تھی جو چھٹی صدی ہجری میں ایجاد ہو چکی تھی اور ساتویں صدی کے آخر

آٹھویں صدی کی ابتدا میں اسپین، افریقہ، مصر اور عربوں میں رائج تھی، چونکہ یہ جدید آلہ اسپین اور افریقہ کے دوسرے ملکوں میں رواج پذیر ہوا، اور ان ممالک کو عربی ممالک میں مغربی کہتے ہیں اس کا نام سنگِ مغربی رکھا جس کو عربی میں مدفع کہتے ہیں[1]"

مولانا نے طبقاتِ بہادر شاہی اور ظفر الوالہ سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ علاء الدین خلجی کے زمانے میں بعض توپ اس قدر وزنی تھی کہ اس کو ایک سو بیل کھینچتے تھے اور جس وقت چلتی تھی تو زمین ہل جاتی تھی، اور ایسی توپیں تعداد میں چار تھیں، مولانا کا خیال ہے کہ توپ کا استعمال عربوں میں چھٹی صدی ہجری میں شروع ہو چکا تھا اس لئے علاء الدین خلجی کے زمانہ میں توپ کا استعمال تعجب خیز نہیں، اور جو عرب یمن، بصرہ، مصر اور ایران سے جنوبی ہند آئے انہی کے ذریعہ وہاں بھی توپیں آئیں،

توپیں آٹھویں صدی ہجری میں دکن کی ہندو ریاستوں کے راجاؤں کے استعمال میں بھی توپیں رہیں، محمد شاہ بہمنی نے ۷۶۷ھ میں بیجانگر کے راجہ کے خلاف جنگ کی تو تحفۃ السلاطین کی روایت کے مطابق راجہ کے پاس تین سو توپوں اور ضرب زن کی گاڑیاں تھیں[2]، بیجانگر کے علاوہ چولا خاندان کے راجاؤں کے پاس بھی چھوٹی بڑی توپیں تھیں، ان ہی میں سے ایک توپ آج کل تنجور (مدراس) کے قدیم قلعہ میں رکھی ہے، جس کا نام راج گوپال ہے، اس توپ کی لمبائی ۲۳ فٹ ۱۰ انچ اور قطر ۳ فٹ ۹ انچ ہے، قیاس ہے کہ یہ جنگِ تالی گوٹہ کے بعد ڈھالی گئی،[3]

بہمنی توپیں محمد شاہ بہمنی (المتوفی ۷۷۶ھ/۱۳۷۵ء) نے اپنے عہدِ حکومت میں مختلف مقامات سے توپیں منگوا کر توپ سازی کا ایک محکمہ قائم کیا، اور مقرب خاں ولد صفدر خاں سیستانی کو اس کا نگراں بنایا، تمام رومی اور فرنگی لشکریوں کو اس کی ماتحتی میں دیا، اس طرح ایک بڑا توپ خانہ تیار بھی ہو گیا،[4]

---

[1] معارف دسمبر ۱۹۲۹ء، [2] تاریخ فرشتہ ص ۲۸۰، [3] تفصیل کے لئے دیکھو معارف دسمبر ۱۹۲۹ء ص ۴۱۹

[4] تاریخ فرشتہ ص ۲۸۰،

آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی کے شروع میں توپوں کا استعمال میدانِ جنگ میں کثرت سے ہونے لگا تھا، ۸۲۵ھ میں احمد شاہ نے بیجانگر کے خلاف جنگ کی تو اس کے پاس فوجیں کم تھیں، اور غنیم کے پاس تقریباً دس لاکھ پیادے، توپچی اور تیر انداز تھے، جو خفیہ طور سے لشکر میں گھس کر کافی نقصان پہنچاتے، سلطان احمد شاہ نے یہ دیکھ کر توپ خانہ کا ایک حصار قائم کیا، یعنی اپنی فوج کے چاروں طرف دو ہزار توپیں اس طرح نصب کیں کہ غنیم قریب نہ آسکتے تھے، یہ طریقہ ترکوں کے یہاں عام طور سے رائج تھا، اس لئے اس کو رومی طرزِ جنگ کہتے تھے[1]،

کشمیری توپیں کشمیر میں سلطان زین العابدین کے آخر زمانہ میں دکن کا توپ خانہ اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ اس کے بڑے لڑکے آدم خاں کو تبت تسخیر کرنے میں توپوں سے بڑی مدد ملی[2]،

گجراتی توپیں گجرات میں احمد شاہ اول کی بعض توپیں اتنی وزنی تھیں کہ ان کو ہاتھی کھینچتے تھے، اور اس کے داروغۂ توپ خانہ کی تنخواہ بھی ہزار تنکہ تھی[3]، محمود بیگڑہ کے پاس ہر قسم کی توپیں تھیں، چانپانیر کا مشہور قلعہ ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا، لیکن محمود بیگڑہ کے توپچیوں نے ایک بڑی توپ سے اس قلعہ کی دیواریں مسمار کیں، اس سلطان کا بحری بیڑہ بھی زبردست تھا، کاٹھیاوار سے لیکر مالابار کی سرحد تک اسی بیڑہ کے ذریعہ حفاظت ہوتی تھی، اسی لئے اس علاقہ میں پرتگیزی اس کے عہد میں قدم نہ جما سکے، ۹۱۳ھ میں پرتگیزیوں نے ایک ساحلی مقام پر ایک قلعہ تعمیر کرانا چاہا تو ایک طرف سے ترکی سلطان نے اپنا جنگی بیڑہ بھیجکر اور دوسری طرف سے محمود بیگڑہ نے ملک ایاز کی نگرانی میں اپنا توپخانہ روانہ کرکے اتنی آتش باری کی کہ پرتگیزیوں کا ایک بڑا جہاز جس میں ایک کرور کا مال تھا توپ کے گولوں سے مجروح ہو کر دریا میں غرق ہو گیا[6]،

---

۱ فرشتہ ص ۳۲۰ ۲ ایضاً ص ۳۴۵ ۳ معارف دسمبر ۱۹۴۹ء ص ۴۱۹ ۴ فرشتہ جلد دوم ص ۲۰۲
۵ فرشتہ جلد دوم ص ۲۰۲، ۶ ایضاً ص ۲۰۴،

سلاطین گجرات میں بہادر شاہ کو توپوں سے عشق تھا، اس نے طرح طرح کی توپیں جمع کی تھیں، اس کو فرنگی خاں اور رومی خاں ترکمانی دو ایسے ماہرین فن مل گئے تھے کہ انھوں نے اس کے لئے ایسی ایسی توپیں ڈھالیں کہ ہندوستان میں پہلے کسی نے نہیں دیکھی تھیں، رومی خاں نے چتوڑ کے قلعہ کو توپوں سے جس طرح تسخیر کیا تھا، وہ ایک بڑا جنگی کارنامہ سمجھا جاتا تھا[51]، اس محاصرہ میں رومی خاں کے پاس لیلیٰ نامی ایک توپ تھی جس کو بہت سے بیلوں کے علاوہ تین سو کہار کھینچتے تھے[52]، بہادر شاہ نے اسی طرح کی ایک توپ اپنے یہاں بھی تیار کرائی جس کا نام مجنوں رکھا[53]، یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ بہادر شاہ کو اپنی توپوں کی بدولت اپنا زوال دیکھنا پڑا، ہمایوں نے گجرات پر اس کے خلاف حملہ کیا، تو رومی خاں کے مشورے سے بہادر شاہ توپوں کا ایک قلعہ بنا کر بیچ میں جا بیٹھا، ہمایوں نے اس کا محاصرہ کرکے اس کی ناکہ بندی ایسی کر دی کہ لشکر میں قحط پڑ گیا، اور بہادر شاہ کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی،

بابری توپیں بابر کے پاس پانی پت کے میدان جنگ میں کافی توپیں تھیں، اور وہ ضرورت کے وقت فوراً نئی توپ بھی ڈھال لیا کرتا تھا، ۹۳۳ھ کے حالات میں لکھتا ہے:

> بیانہ کے قلعہ اور دوسرے قلعوں کے خیال سے جو ہنوز فتح نہیں ہوئے، استاد علی قلی کو ایک بڑی توپ ڈھالنے کا حکم دیا، علی قلی نے بھٹی وغیرہ تیار کرکے مجھکو اطلاع دی، ۲۵ر محرم یوم دوشنبہ کو توپ ڈھلنے کا تماشہ دیکھنے گیا، جہاں توپ ڈھلنے کا سانچا تھا، وہاں آٹھ بھٹیاں لگائی تھیں، ہر بھٹی کے نیچے ایک نالی سانچے تک بنا دی تھی، بھٹیوں کی نالیوں کا منھ کھلتے ہی نالیوں سے مصالحہ پانی کی طرح بہہ کر آیا، لیکن سانچہ پورا نہ بھرا تھا، کہ مصالحہ کا آنا رُک گیا، یا تو بھٹیوں میں کوئی خرابی تھی، یا مصالحہ کم تھا استاد قلی اتنا شرمندہ ہوا کہ اس کا دل چاہتا تھا، کہ پگھلتے ہوئے تانبے میں کود پڑے، لیکن میں نے اس کی دلجوئی اور خلعت دے کر

---

[51] مراۃ سکندری ص ۲۲۴، [52] ایضاً ص ۲۳۲، [53] ظفر الوالہ دفتر اول ص ۲۲۰،

اس کی شرمساری کو دور کیا، قالب خشک ہونے اور مٹی وغیرہ ہٹانے کے بعد خوشی خوشی کہلا بھیجا کہ توپ کے گولہ کا گھر بہت خاصہ ہے، اور اس کو درست کر لینا سہل ہے، اس کو نکال کر درست کرنے کے لئے اوروں کے حوالہ کیا، اور خود باقی کے بنانے میں مشغول ہوا[۱]"

پھر اسی توپ کے بارے میں آگے چل کر لکھتا ہے،

"استاد علی قلی نے وہ توپ ڈھال کر تیار کرلی جس کے گولے کا گھر پہلے ہی ڈھل گیا تھا اور اس کی نال بعد میں درست ہوگئی، ہفتہ کے دن بیسویں تاریخ اس کے چھوڑنے کا تماشا دیکھنے میں بھی گیا، عصر کے وقت اس کو چھوڑا، چھ سو قدم تک گولا پہنچا، استاد کو میں نے خنجر اور خلعت وغیرہ انعام دیا[۲]"

بابر کو کنواہہ اور چندیری میں اس لئے فتح حاصل ہوئی کہ اس کے پاس اس کے مخالفوں کے مقابلہ میں اچھی اچھی توپیں تھیں، آخر زمانے میں بابر نے توپ کا نام ضرب زن رکھا تھا، لیکن یہ عام طور سے لوگوں کی زبان پر چڑھ نہ سکا، بابر کی توپوں کا گولہ شروع میں چھ سو قدم سے زیادہ نہیں جاتا تھا، لیکن آخر میں سولہ سو قدم تک جانے لگا تھا،

ہمایوں کے پاس زیادہ تر وہ توپیں تھیں جو اس کو بہادر شاہ گجراتی کی جنگ میں مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوئیں، جنگ قنوج میں اس کے پاس سات سو توپیں تھیں، اُن میں اکیس بڑی تھیں جن کو سولہ سولہ بیل کھینچتے تھے،

دکنی توپیں | دکن میں عادلشاہی (بیجاپور) نظام شاہی (احمد نگر) اور بریدشاہی (بیدر) ریاستیں قائم ہوئیں تو ان حکمرانوں کے یہاں بھی بڑی بڑی توپیں رہیں، اُن میں سے کچھ توپیں بعض قلعوں میں اب تک محفوظ ہیں،

---

[۱] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۲۹۸ [۲] ایضاً ص ۳۰۴

قلعۂ گلبرگہ کی توپیں گلبرگہ کے نورس برج پر ایک توپ رکھی ہے، جس کو بارہ گزی کہتے ہیں، اس کا طول اٹھارہ ہاتھ ہے، اس کو ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں ملک صندل نے ۱۰۳۴ھ میں بنایا، سکندر برج پر جو توپ رکھی ہوئی ہے، وہ سکندر عادل شاہ کے عہد ۱۰۷۳ھ کی ہے، اسی قلعۂ گلبرگہ کے ایک بُرج پر چار گز کی توپ رکھی ہوئی ہے، جو چار گزی کہلاتی ہے، اس کا گولہ چار من کا ہوتا تھا،

قلعۂ بیجاپور کی توپیں کچھ عادل شاہی توپیں بیجاپور کے قلعہ میں بھی ہیں، اس کے حیدر برج پر دو توپیں رکھی ہیں، ان دونوں کے اچھلنے کی روک کی دیواریں اور گاڑی کے پھرانے اور ہٹانے کی چار کاریاں بھی موجود ہیں، ان میں سے ایک توپ لم چھڑی نامی ۳۰ فٹ آٹھ انچ لمبی ہے، اور اُس کے دہانہ کا قطر ایک فٹ ہے، یہ توپ آہنی کڑیوں سے بنائی گئی ہے، اور اوپر سے لوہے کی موٹی موٹی پٹیوں سے کس دیا گیا ہے، توپ کے طول میں اس طرح کے ڈیڑھ سو حلقے چڑھائے گئے ہیں، اور مضبوطی کے لئے توپ کی گدّی پر دہرے حلقے چڑھائے گئے ہیں، اور دہانہ پر بھی خوبصورتی اور گرفت لگانے کے واسطے چند زائد حلقے لگا دیئے گئے ہیں،

دل کھنڈل عادل شاہی توپ بیجاپور کے ٹلی مرد برج پر رکھی ہوئی ہے، یہ پہلے کسی اور مقام پر تھی، لیکن ۱۰۹۲ھ میں سکندر عادل شاہ کے حکم سے ملک صندل نے اس کو بیجاپور بھیجا،

ایک توپ دوازدہ امام نامی بیجاپور کے میوزیم میں ہے، جو پہلے بیجاپور کے کسی دروازہ پر تھی، اس پر بارہ اماموں کے نام کندہ ہیں، یہ ابراہیم عادل شاہ کے عہد ۹۸۵ھ کی ہے،

بیجاپور کے نعمت برج پر ایک توپ لنڈے قصاب نامی ہے، جو اکیس فٹ سات انچ لمبی ہے، اس کے وسط کا دور چار فٹ چار انچ اور دہانہ کا دور چار فٹ پانچ انچ ہے، خود دہانہ ایک فٹ 1/2 انچ ہے، اس کا وزن ۴۷ ٹن ہے، اس کی ساخت بھی لم چھڑی کی جیسی ہے، اس کے پاس ایک بہت بڑی دوسری ناتمام توپ کا سانچہ پڑا ہوا ہے،

بیجاپور کے شرزہ برج پر ایک مشہور توپ ملک میدان نامی رکھی ہے، لنڈے قصاب کے بعد یہی سب سے بڑی توپ سمجھی جاتی تھی، یہ توپ پنچ رسی ڈھلی ہوئی ہے، اس کا طول تو کم ہے مگر جوف بہت بڑا ہے جس سے دیکھنے میں چھوٹی معلوم ہوتی ہے، اس کا دہانہ اژدہے کے سر جیسا ہے جو جبڑا پھیلائے ہوئے ہے، اس کے دانتوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے دو ہاتھی دہانے کے دائیں اور بائیں طرف بنے ہوئے ہیں، یہ احمد نگر میں محمد بن حسن رومی نے ۹۵۶ھ ۱۵۴۹ء میں نظام شاہ کے عہد میں تیار کی، احمد نگر سے لاکر قلعہ پرینده پر چڑھائی گئی تھی، جو اس زمانہ میں نظام شاہ کے قبضہ میں تھا، ۱۶۳۲ء میں جب محمد عادل شاہ نے اس قلعہ کو فتح کر لیا تو اُس نے اس توپ کو بیجاپور منتقل کرنے کا حکم دیا، جو وہاں سے ایک سو میل دور تھا، اور یہ بھاری اور وزنی توپ اتنے فاصلہ سے بیجاپور لائی گئی اور ۱۰۴۲ھ میں شرزہ برج پر چڑھائی گئی، اس کا وزن چار سو من، طول ۱۴ فٹ چار انچ، دہانہ دو فٹ چار انچ اور کان کے پاس کا قطر دو فٹ دو انچ ہے، اس کا جوف اسقدر وسیع ہے کہ اسمیں آدمی پالتی مار کر بیٹھ سکتا ہے، اس توپ سے گولہ مارنے کے علاوہ وہ کام لیا جاتا تھا، جو آج کل مشین گن سے لیا جاتا ہے یعنی جب غنیم نزدیک آجاتا اور تھوڑے فاصلہ پر ہوتا تو اس میں پیسے بھر کر جو تھیلیوں میں بند ہوتے، دشمن پر چھوڑتے تھے، جس سے اُن کے بدن چھلنی ہو جاتے، اقبال نامۂ جہانگیری (ص ۱۶۳) میں ہے، کہ اس میں دس من اکبری وزن کا گولہ بھی استعمال ہوتا تھا جس کے اسی من خراسانی ہوتے تھے، یہ ایک چبوترہ پر رکھی ہے، اس کے بیچ میں آہنی چول اور وہ چار کاڑیاں بھی ہیں، جن پر اس گاڑی کے پہیئے چکر کھاتے تھے، توپ کے پیچھے نصف دائرہ کی ایک مضبوط دیوار بھی بنی ہوئی ہے، جو توپ کے تصادم کو روکتی تھی، ملک میدان کے بنانے والے محمد بن حسن نے اسی سانچہ کی ایک اور توپ ۹۵۳ھ میں بنائی تھی، اور اس کا نام کڑک بجلی رکھا تھا، ملک میدان اور کڑک بجلی دونوں جنگ تالی کوٹہ میں استعمال ہوئیں لیکن واپسی کے وقت کڑک بجلی دریائے کرشنا میں غرق ہو گئی، ملک میدان کے نام سے ایک توپ قلعہ پرینده

میں بھی ہے اور اس کی جوڑوان توپ کا نام اژدہا پیکر ہے،

قلعہ اوسا کی توپیں قلعہ اوسا میں گیارہ نظام شاہی توپیں ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں، نظام شاہی، مہتری، لہری، شیر دہاں، کالا پہاڑ وغیرہ۔ نظام شاہی توپ، فٹ طویل ہے، اس کے دہانہ کا قطر دس انچ ہے، پتھر کے گولہ کے علاوہ ایک لوہے کا مجوف گولہ اس کے لئے تیار کیا تھا، اس میں ایک سوراخ ہے، لڑائی کے وقت اس میں نشتر، چاقو، قینچی، پیسے وغیرہ بھر کر فیر کرتے تھے، اس کا وزن ۵۵ سیر ہے اس کا بنانے والا محمد حسین رومی تھا۔

برید شاہی توپیں قلعۂ بیدر کے فتح برج پر ایک ڈھلی ہوئی توپ رکھی ہے جس کا نام فتح لشکر ہے، یہ پنچ رسی دھات کی بنی ہوئی ہے، اس دھات کو ہنگراہی کہتے تھے، اس کا طول ½ ۱۱ فٹ، قطر دو فٹ ۳ انچ اور دہانہ کا قطر ایک فٹ دو انچ ہے۔ اس میں ایک من دس یا بیس سیر بارود اور ½ ۵ من کا گولہ دیا جاتا تھا، ۱۰۰۰ھ ہجری میں تیار ہوئی،

قلعۂ بیدر کے ایک دوسرے برج پر ایک توپ ہفت گزی نامی رکھی ہوئی ہے جو علی برید شاہ کے عہد ۹۷۷ھ میں تیار ہوئی، یہ ۱۳ فٹ طویل اور ۳ فٹ مدور ہے، اور پنچ رسی نیلگوں دھات کی ہے، اس پر ایسی جلا ہے کہ انسان اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے،

بیدر کے ٹنڈلہ برج پر محمودی توپ رکھی ہوئی ہے جو ۹۰۵ھ میں بنی۔

قلعہ پرینڈہ کی توپ قلعہ پرینڈہ کے ایک برج پر ایک توپ رکھی ہے، جس کا نام بھی لانڈے قصاب ہے، یہ توپ ڈھلی ہوئی نہیں ہے، بلکہ لوہے کے پتر جوڑ کر بنائی گئی ہے، یہ ۱۸ فٹ دو انچ طویل ہے اس کے کان کے پاس کا دور سات فٹ دو انچ اور دہانہ کا چھ فٹ گیارہ انچ ہے۔

قلعۂ رائچور کی توپ قلعۂ رائچور میں ایک توپ ہے جس کا دنبالہ ٹوٹ گیا ہے، یہ ۲۰ فٹ ۵ انچ طویل ہے، اس کی ساخت اس طرح کی ہے کہ فولادی پٹیاں جا کر اوپر سے فولادی پیچ کس دیئے

گئے ہیں، اس توپ کے نیچے اس کو گھمانے کی جو کل لگی ہے، وہ اب بھی اچھی حالت میں ہے، اتنی بڑی بھاری توپ کو اس کی مدد سے جدھر چاہیں آسانی سے پھرا سکتے ہیں،

قلعہ پرانوڑ کی توپ | ضلع رائچور کے قلعہ پرانوڑ میں ایک توپ خندق میں پڑی ہے، نو ہاتھ لمبی ہے، اس کے دہانہ کا دور ایک ہاتھ ہے، بہت بھاری ہے، اس کا جگہ سے ہلنا بھی مشکل ہے،

قلعہ دولت آباد کی توپ | دولت آباد کے قلعہ میں بھی ایک بھاری توپ ہے، جس کا نام کالا پہاڑ ہے، یہ بارہ فٹ ساڑھے آٹھ انچ لمبی ہے، کان کے پاس کا دور چار فٹ دس انچ اور دہانہ کا دور تین فٹ ۹ ½ انچ ہے،[1]

دولت آباد ہی کے ایک برج پر ایک توپ لکڑی کی گاڑی پر رکھی ہوئی ہے، اس کا نام دھول دہان ہے، اس کا طول ۱۹ فٹ دس انچ، کان کے پاس کا دور ½ ۵ فٹ، دہانہ کا دور چار فٹ آٹھ انچ ہے، یہ ایک ہندو منگل سنگھ کی بنائی ہوئی ہے، اندازاً اس توپ کا وزن دو سو پچانوے من ہے، اس پر کتبہ مرہٹی زبان میں ہے، خیال ہے کہ یہ عہد عالمگیری میں تیار ہوئی،

اکبری توپیں | عہد مغلیہ میں اکبر نے طرح طرح کی توپیں ایجاد کیں، مثلاً

(۱) **برجی توپ**۔ یہ وزنی ہونے کے سبب سے قلعہ کے برجوں پر رکھی رہتی تھی، قلعہ آگرہ کے برج پر یہی توپ نصب تھی،

---

[1] ان توپوں کی مزید تفصیل کے لئے دیکھو ستمبر ۱۹۴۹ء و جنوری ۱۹۵۰ء کا رسالہ معارف (دار المصنفین اعظم گڈھ) کا مضمون "ہندوستان میں توپ" از مولانا ابو ظفر صاحب ندوی، مولینا مرحوم نے یہ مضمون دار المصنفین کے زمانہ قیام میں لکھا تھا اور جب وہ اس کو لکھ رہے تھے، تو عاجز راقم نے بھی اُن کو بعض معلومات فراہم کئے تھے، اور جب یہ مکمل ہوا تو اس عاجز نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اکتوبر ۱۹۳۸ء کے اسلامک کلچر حیدرآباد دکن میں شائع کیا، اسی لئے اس مضمون سے زیر نظر کتاب میں بلا تکلف تفصیلات حاصل کر لی گئی ہیں،

(۲) فیل کش — یہ اتنی وزنی ہوتی کہ اس کو ہاتھی کھینچتے تھے،

(۳) گاؤکش — بعض اس قدر بھاری ہوتی کہ اس کو ایک ہزار بیل کھینچتے تھے، لیکن ایسی ہلکی بھی ہوتی کہ بیل کی دو یا چار جوڑیاں اس کو کھینچ لیتی تھیں،

(۴) مردم کش — یہ اتنی ہلکی اور چھوٹی ہوتی کہ ایک آدمی سر پر اٹھا کر ادھر ادھر لے جا سکتا تھا، اس کا نام نرنال بھی تھا، بادشاہ کی ہمرکابی میں ایسی ہی توپیں رہتی تھیں جن کو حاضر توپ کہتے تھے،

مشین گن | ایک ایسی توپ بھی ایجاد ہوئی جس کو مشین گن کہہ سکتے ہیں، اس میں چھوٹی چھوٹی سترہ توپیں ایک ساتھ اس طرح منسلک رہتی تھیں کہ ایک فتیلہ سے سب کے منہ کھل جاتے، اور بیک وقت سترہ فیر ہوتے، ان میں بعض تو ایسی ہلکی ہوتی جو کسی بلند جگہ پر یا دو شہتیروں کو کھڑا کرکے ان پر نصب کردی جاتی، بعض گاڑی پر رہتی جو قلعہ شکنی میں زیادہ کام آتی، اس کو ہاتھی یا بیل کھینچتے، بعض اتنی ہلکی ہوتی کہ ضرورت کے وقت گاڑی پر رکھ دی جاتی، اور پھر اس سے علیحدہ کرکے بھی استعمال کی جاتی، یہ تمام قسمیں ڈھلی ہوئی ہوتی تھیں، اس قسم کی توپوں کی ساخت میں برابر ترقی ہوتی گئی، ایک فرانسیسی ۱۶۶۹ء میں آیا تو اس نے ارغن نامی ایک توپ دیکھ کر لکھا کہ اس میں ۲۰ نالیں بیک وقت ایک فلیتہ سے سر ہوتی ہیں بعض ایسی توپیں بھی تھیں جن کے ٹکڑے الگ ہو سکتے تھے، اور ضرورت کے وقت گاڑیوں پر رکھ کر ان کو جوڑ لیا جاتا تھا،

اکبری عہد میں ۲۵-۳۰ سیر سے لے کر بارہ من کے وزن تک کے گولے استعمال کئے جاتے تھے[۱] لیکن واضح رہے کہ اس عہد میں ایک من آج کل کے ۲۵ سیر کے قریب ہوتا تھا،

جہانگیری توپیں | جہانگیر کے زمانے میں توپوں کا استعمال بکثرت ہونے لگا تھا، اس کی فوج بنگال

---

[۱] آئین اکبری جلد اول ص ۸۳ [۲] تزک جہانگیری جشن ہفتم

میں عثمان کے خلاف صف آرا ہوئی تو شاہی فوج میں چار سو توپچی تھے[۱] اسی طرح قلعہ کانگرہ کی تسخیر میں پانچ سو توپچیوں نے کام کئے[۲] اس کے عہد میں آگرہ میں ایک توپ تھی جس کا نام ظفر بخش تھا، اس کو سلطان محمد بن عبد الغفور دہلوی نے ۱۰۳۷ھ میں بنایا اس کا وزن ۴۴۶ من چھ سیر تین پاؤ تھا،

شاہجہانی توپیں | شاہجہانی عہد میں داراشکوہ نے لاہور میں دو بڑی توپیں تیار کرائیں جو ایک من ۵ سیر کے گولے پھینک سکتی تھیں، ان کے نام فتح مبارک اور کشور کشا تھے، دہلی سے دارا کے پاس جو دو بڑی توپیں بھیجی گئی تھیں، اُن کے نام قلعہ کشا اور مریم تھے، قلعہ کشا کا طول ۲۵ فٹ تھا، اس میں اسی فی صدی تانبا اور باقی ٹین تھا، شاہجہانی عہد میں جہاں کشا نامی توپ کا طول ۱۰ فٹ اور دور ۵ فٹ اور دہانہ ایک فٹ سے زیادہ تھا، یہ ڈھاکہ میں ۱۶۳۷ء میں ڈھالی گئی،

عالمگیری توپیں | اورنگزیب نے بیرونی ماہرین فن کو بلا کر اعلیٰ درجہ کی توپیں تیار کرائیں، اُن میں سے محمد حسین عرب نے قلعہ شکن نامی ایک بڑی توپ تیار کی جس کا طول ۱۰ فٹ ۲½ انچ ہے، کان کے پاس کا دور سات فٹ دو انچ، دہانے کا دور پورے پانچ فٹ ہے، اور دہانہ ایک فٹ دو انچ کا ہے، اس کا گولہ ایک من تھا، یہ قلعہ دولت آباد میں چینی محل کے پاس اب تک رکھی ہوئی ہے، اور اب مینڈھا توپ کہلاتی ہے، کیونکہ اس کا سر مینڈھے کی طرح ہے،

اس عہد کا مشہور فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر لکھتا ہے، کہ ایک جنگ میں عالمگیر کی فوج میں ستر بڑی توپیں تھیں، اُن میں سے بعض کو ۲۰ جوڑی بیل کھینچتے تھے، اور سڑک خراب ہونے کی صورت میں ہاتھی استعمال کرتے تھے، خاص قسم کی چھوٹی چھوٹی پیتل کی خوبصورت توپیں گاڑیوں میں بادشاہ کے ساتھ جلوس میں چلتی تھیں، ان کو دو گھوڑے کھینچتے تھے[۳]

محمد شاہی توپیں | محمد شاہ دہلی نے کرنال کی جنگ میں بعض ایسی توپیں استعمال کیں جن کو ایک ہزار

---

۱ اقبال نامہ جہانگیری ص ۲۰۷، ۳ سفرنامہ برنیر اردو ترجمہ

بیل کھینچتے تھے[۵۰]

گجنال | جس توپ کو ایک ہاتھی آسانی سے کھینچ سکتا تھا، اس کو گجنال کہتے تھے،

شترنال | بعض توپیں اونٹوں کی پیٹھ پر لادی جاتی تھیں اور وہ شترنال کہلاتی تھیں،

زنبورک | ہلکی توپ کی ایک قسم کا نام زنبورک تھا، جو یا تو زنبور کے نام کی مناسبت سے قد میں چھوٹی ہوتی تھی، یا اس کی مار زنبور کے ڈسنے کی طرح تکلیف دہ ہوتی تھی، یہ اونٹوں کی پیٹھ پر رکھ کر چھوڑی جاتی تھی، اس کا گولہ ایک سیر وزن کا ہوتا، زنبورک کے متعلق برنیر لکھتا ہے کہ یہ اونٹوں پر اس طرح کسی رہتی تھی جس طرح ہمارے چھوٹے جہازوں پر ربیکلے بندھے رہتے ہیں اور جو وزن میں دو دو بندوقوں کے برابر ہوتی تھی،[۵۲]

شاہین | شاہین نام کی توپ بھی ہلکی اور چھوٹی ہوتی تھی، برنیر نے بعض چھوٹی چھوٹی ہمرکاب توپوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو بادشاہ کے ساتھ شکار وغیرہ میں ساتھ ہوتی تھیں، وہ سب مضبوط اور خوبصورت رنگین تختوں پر چڑھی ہوتی تھیں، جن کے ساتھ گولے بارود کے لئے ایک آگے اور ایک پیچھے دو دو پیٹیاں تھیں، اور اُن کی سجاوٹ کے لئے مختلف وضع کی سرخ جھنڈیاں لگی رہتی تھیں، اُن میں دو دو عمدہ گھوڑے جتے رہتے تھے، جن کو ایک سوار ہانکتا، اور ایک تیسرا گھوڑا اور ایک سپاہی مدد کے لئے ساتھ رہتا تھا،[۵۳]

دھماکہ | یہ بھی ایک چھوٹی اور ہلکی توپ تھی،[۵۴]

رہکلہ | رہکلہ بھی ایک چھوٹی توپ تھی، اصطلاح میں کبھی یہ لفظ توپ کی گاڑی کیلئے استعمال ہوتی رہی ہے،

بادیج | عالمگیر نامہ (ص ۹۰۸) میں توپ کی ایک قسم بادیج بتائی گئی ہے ارون نے اپنی کتاب آرمی آف دی انڈین موغلز میں اس کو (Catapult) کہا ہے،

چھوٹی توپوں کے نام رام جنگی، سنگ زاد اور جادر وغیرہ بھی تھے،

---

۵۰ معارف دسمبر ۱۹۳۸؁ء [۵۱] سفرنامہ برنیر ص ۳۹۱، اردو ترجمہ [۵۲] ایضاً ص ۳۹۲ [۵۳] [۵۴] آئین اکبری ص ۱۱۵،

ہوائی توپ | خافی خاں نے منتخب اللباب جلد دوم (ص ۲۲۶) میں ہوائی توپ کی بھی ایک اصطلاح استعمال کی ہے، جو درخت یا مچان پر رکھ کر چھوڑی جاتی تھی،

دیگ | توپ کی ایک قسم دیگ بھی ہے، برہان قاطع میں ہے،

"توپ بزرگ را نیز گویند کہ بدان گلولہ بر قلعہ اندازند"

بعض انگریزوں نے اس کو دستی بم سے بھی تعبیر کیا ہے، جو عموماً لڑائی شروع ہوتے وقت غنیم پر پھینک دیئے جاتے تھے،

بڑی بڑی توپوں کے خاص خاص نام رکھے جاتے تھے، مثلاً غازی خاں، شیر دہاں اور جنگ ابار برج شکن، آتش دہاں، عالم ستاں وغیرہ کچھ نام اوپر بھی لکھے گئے ہیں،

توپ چھوڑنے والے رعدانداز، برق انداز، دیگ انداز وغیرہ بھی کہلاتے،

بندوق | بڑی بڑی توپوں کے استعمال کے ساتھ ظاہر ہے کہ بندوقوں کا استعمال بھی عام ہوگا لیکن میدان جنگ میں بندوق ادنیٰ درجہ کا جنگی ہتھیار سمجھا جاتا تھا، جو عموماً ادنیٰ پیدل سپاہیوں کے پاس رہا کرتا تھا، عام لشکری بندوق سے زیادہ کمان و تیر ہی کو زیادہ پسند کرتے تھے، اکبر نے طرح طرح کی بندوقیں تیار کرائی تھیں، بعض بندوقیں باروو سے پوری بھردی جاتیں، اور چلانے پر بالکل نہیں پھٹتیں، بعض بندوقیں فتیلہ کو حرکت دیئے بغیر صرف ماشے کو جنبش دینے سے آگ پکڑ لیتی، اور چل جاتی تھیں، بڑی بندوق دو گز اور چھوٹی سوا گز کی ہوتی، بڑی بندوق کی گولیاں وزن میں پچیس ٹانک اور چھوٹی کی پندرہ ٹانک ہوتیں،

بندوق کی چرخی | اکبری دور سے پہلے ایک تنومند آدمی لوہے کے آلات سے سخت محنت کے بعد بندوق کو کسی قدر صاف کر لیتا تھا لیکن اکبر کے زمانہ میں ایک ایسی چرخی

ایجاد ہوئی، جس کو صرف ایک بیل گردش دیتا تھا، اور تھوڑی دیر میں سولہ بندوقوں کی نالیں صاف ہوجاتی تھیں[۵۱]، اسی دور میں ملا فتح اللہ شیرازی نے ایک ایسی چرخی ایجاد کی، جس سے ایک ساتھ بارہ بندوقیں بھری جاسکتی تھیں[۵۲]،

---

۵۱ آئین اکبری جلد اول ص ۴۰

۵۲ مآثر الامراء جلد اول ص ۱۰۴

لباس

عہدِ مغلیہ سے پہلے جنگی پوشاکوں کے خاص خاص نام آداب الحرب اور تاریخوں میں یہ مذکور ہیں،

زرہ | یہ ایک آہنی کرتا ہوتا تھا، زرہ کی ایک خاص قسم داؤدی تھی جس کو علاء الدین خلجی نے چتوڑ کے محاصرہ میں استعمال کیا تھا،

خود | سر میں پہنا جاتا تھا

جوشن | سینہ کے اوپر لگایا جاتا تھا،

دستوانہ | ہاتھوں میں پہنا جاتا تھا،

غلطاق | آہنی کرتا ہوتا،

خفتان | چمڑے کا کرتا ہوتا، جو نیچے پہنا جاتا،

برگستواں | برہان قاطع میں ہے کہ

پوششے باشد کہ در روز جنگ پوشند و اسپ را نیز پوشند،

عہدِ مغلیہ کے جنگی لباس کا صحیح اندازہ ان تصویروں سے ہوتا ہے جو آئین اکبری میں درج ہیں، ان میں سے ہم خاص خاص کی تفصیل ذیل میں لکھتے ہیں،

دلبغہ | یہ خود ہی کی ایک قسم تھی جس سے سر، چہرہ اور ناک محفوظ کرلی جاتی تھی، یہ شاید چغتائی ترکی لفظ ہے، دلبغہ اور خود لوہے کے ہوتے تھے، خود کی ایک قسم جھلم بھی ہوتی تھی،

کوگھی | یہ ہندی لفظ ہے شاید سرہی کا کوئی لباس ہو، اروِن نے اپنی انگریزی کتاب "آرمی آف دی انڈین مغلز" میں لکھا ہے کہ بارش یا تلوار کی زد سے بچنے کے لئے یہ ایک کپڑا ہوتا جو سر پر باندھا جاتا تھا،

زرہ کلاہ | جس کو مغفر بھی کہتے تھے، مغفر ایک جالی دار آہنی چیز ہوتی تھی جو کلاہ کے نیچے اور خود کے اوپر سے گردن اور پیٹھ تک لٹکی ہوتی تھی،

بکتر یا گبتر | یہ آہنی کرتہ ہوتا تھا جس کے نیچے کبھی کبھی ریشم کا بنا ہوا جامہ فتاحی بھی پہن لیا جاتا تھا،

چہار آئینہ | یہ سینہ، پیٹھ اور ہر دو جانب کیلئے چار آہنی ٹکڑے ہوتے تھے، جو چمڑے سے منسلک رہتے تھے،

زرہ | یہ آہنی کوٹ گھٹنوں تک ہوتا تھا، اُس کی دونوں آستینیں فولادی ہوتی تھیں، غالباً زرہ کے اوپر بکتر اور چہار آئینہ پہنے جاتے تھے،

جیبہ یا جکیبہ | آئین اکبری میں اس کی کوئی تصویر نہیں، یہ بھی شاید کوئی آہنی جبہ تھا،

جوشن | اس آہنی پوشاک سے سینہ اور شکم محفوظ کئے جاتے تھے،

کوٹھی | یہ جوشن کے نیچے ایک لمبا آہنی کرتا ہوتا تھا، سر کا حصہ بھی کرتے کیساتھ ہوتا تھا، اس کا گلا حصہ کھلا رہتا تھا،

صادقی | جوشن ہی کی طرح ایک لباس تھا، اس کے پہننے کے بعد کاندھوں پر گچھے لٹکتے تھے،

انگرکھہ | یہ ایک ڈھیلا ڈھالا لمبا چوڑا کرتا ہوتا تھا، جو تلوار کی زد سے جسم کو محفوظ رکھتا تھا،

بھنجھ | شاید بغیر آستین کی کوئی مرزئی تھی،

چہرہ زرہ آہنی | چہرہ کو محفوظ رکھنے کے لئے آہنی چہرہ ہوتا تھا،

سلح تبائی | کوئی آہنی قبا مراد ہو،

گھوگھوہ | آئین اکبری کی تصویر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک آہنی لبا کرتہ تھا جس کے ساتھ کلاہ منسلک رہتی تھی، اور چہرہ کھلا رہتا تھا،

چہل قد یا جلیقط | یہ ایک صدری تھی جو بکتر کے اوپر پہنی جاتی تھی،

دستوانہ | آہنی دستانہ تھا،

راگ | آئینِ اکبری کے حاشیہ (ص ۸۲) پر اس کو ایک آلۂ جنگ بتایا گیا ہے، لیکن اُس کی جو تصویر دی گئی ہے اس کو دیکھ کر آلۂ جنگ کہنا صحیح نہیں، لیکن اروِن نے اس لفظ کی تصحیح کرکے اس کو ہندی لفظ رانک بنایا ہے اور جس طرح دست کی تصغیر دستک ہے، اسی طرح ران کی تصغیر رانک ہے، تصویر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ران سے ٹخنے تک کی حفاظت کے لئے ایک آہنی پوشاک تھی،

کنٹھ سوبھا | ہندی لفظ ہے، گلے کی کوئی چیز تھی،

موزۂ آہنی | لوہے کی جرابیں مراد ہے،[۱]

لیکن آج کل کے لشکریوں کی طرح اس عہد میں کوئی ایک قسم کی وردی نہیں ہوتی تھی اس لئے بعض اوقات میدانِ جنگ میں دوست و دشمن کے امتیاز کرنے میں لشکریوں کو بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا،

---

[۱] مزید تفصیل کے لئے دیکھو آئینِ اکبری، مطبوعہ نولکشور پریس ص ۱۹ - ۱۷

سوار

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی فوج میں عام طور سے تین حصے ہوتے تھے،

(۱) سوار (۲) ہاتھی (۳) پیدل،

اسلحہ کی ترقی کے ساتھ بندوقچیوں اور توپچیوں کا بھی اضافہ ہوا،

سواروں کی اہمیت فوج کا بہترین حصہ عموماً سواروں پر مشتمل ہوتا تھا، ازمنۂ وسطیٰ کا ایک فوجی اپنی مردانگی اور شجاعت کا مظاہرہ گھوڑے کی پیٹھ ہی پر سے کرتا تھا، ایک سوار جب جنگی لباس میں ملبوس اور تمام ضروری اسلحہ سے مسلح ہو کر آراستہ وپیراستہ گھوڑے پر نکلتا تو اس کو اپنی اس امتیازی شان میں پندار محسوس ہوتا، اور غیر لشکری بھی اس کو عزت کی نظر سے دیکھتے، چنانچہ اس خصوصی وقار کا اظہار بعض سلاطین کے سکون میں بھی ہوتا تھا، مثلاً سلطان شمس الدین التمش کے بعض سکون میں ایک سوار اپنی پوری جنگی شہامت کے ساتھ نبرد آزما دکھائی دیتا ہے، لشکر کے بڑے سے بڑے عہدہ دار کیلئے ایک اچھا شہسوار ہونا ضروری تھا، اس زمانہ میں جنگ کی نوعیت بھی کچھ ایسی تھی کہ رو برو اور بالمقابل لڑائی کے لئے سوار ہی مفید ہو سکتے تھے، اس کے علاوہ دور دراز مقامات کی تسخیر اور فوج کی نقل وحرکت میں سواروں کے ذریعہ سے جو سہولت میسر ہوتی تھی، وہ لشکر کے کسی اور حصہ سے نہ ہوتی، اسی لئے لشکر میں سواروں کی تعداد نسبتاً زیادہ رہتی، اور ان ہی کی پامردی اور شجاعت پر فتح وکامرانی کا انحصار زیادہ تر ہوتا، اسی لئے سلاطین دہلی اور مغل بادشاہ دونوں کو اپنے سواروں پر ناز رہا، اور وہ فوج کے گلدستہ ہوتے،

سلاطین دہلی کے سوار تیموری عہد کے پہلے کے سواروں کا لباس، عموماً زرہ، خود، جوشن اور دستوانہ ہوتا، اور آلات میں تلوار، سپر، کمان اور تیر ہوتا، کبھی وہ گرز، سناں، نیزہ اور ناچخ لے کر بھی اپنی شجاعت کا جوہر دکھاتے،

محمود غزنوی کے زمانہ میں ہر سوار کے پاس دو گھوڑے ہوتے تھے[1] شہاب الدین غوری نے خسرو ملک کے خلاف لاہور پر یلغار کی ہے تو فرشتہ کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ بیس ہزار دو اسپہ و سہ اسپہ سوار تھے،

"سلطان شہاب الدین محمد غوری از راہ دیگر با بست ہزار سوار دو اسپہ و سہ اسپہ جریدہ وسبک از غزنیں یلغار کردہ بکنار آب لاہور آمدہ"[2]

اس سے یہی مراد ہو سکتی ہے کہ شہاب الدین غوری کے ہر سوار کے پاس دو یا تین گھوڑے ہوتے تھے، لیکن سلاطین دہلی کے زمانہ میں سہ اسپہ سواری کی مثال بالکل ہی نہیں ملتی ہے، علاء الدین خلجی کے عہد میں بھی دو ہی قسم کے سوار تھے، ایک تو وہ جن کے پاس ایک گھوڑا رہتا تھا، دوسرے وہ جن کے پاس دو گھوڑے ہوتے تھے[3] (برنی ص ۳۰۳) دوسرے گھوڑے کے لئے علیحدہ الاؤنس مقرر ہوتا تھا،

تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف مولانا ضیاء الدین برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین دہلی

---

[1] بیہقی جلد اص ۳۱۲، بحوالہ ڈاکٹر محمد ناظم [2] فرشتہ جلد اول ص ۵۲ نولکشور پریس [3] ڈاکٹر اشتیاق قریشی نے اپنی کتاب "ایڈمنسٹریشن آف سلطنت آف دہلی" میں لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی کے سواروں کی تین قسمیں تھیں، مرتب، یک اسپہ دو اسپہ، مرتب کے پاس کوئی گھوڑا نہ ہوتا، ایک اسپہ ایک گھوڑا، اور دو اسپہ دو گھوڑے رکھتا، مرتب سب میں معزز ہوتا، دو اسپہ سے یک اسپہ زیادہ معزز سمجھا جاتا لیکن اس رائے سے راقم کو اتفاق نہیں برنی کی مبہم عبارت کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اور پیچیدہ بنا دیا ہے،

کے زمانے میں عام طور سے ایک خان ایک لاکھ سوار، ایک ملک دس ہزار سوار، ایک امیر ایک ہزار سوار، ایک سپہ سالار ایک سو سوار اور ایک سرخیل دس سوار رکھتا تھا، (ص ۱۴۵)

منگولوں کی متواتر یورشوں کو روکنے کے لئے علاء الدین خلجی کو ایک لشکر جرار تیار کرنے کی ضرورت ہوئی تو سواروں کے گھوڑوں کی خریداری کے لئے اس کے پاس شاہی خزانے میں کافی رقم نہ تھی، اس لئے پہلے تو اُس نے ضروری اشیاے زندگی اور اجناس کی قیمتوں میں کمی کر کے اقتصادی خوش حالی قائم کرنے کی کوشش کی، پھر گھوڑوں کی قیمت کا نرخ بھی کم کرایا، چنانچہ اول قسم کے گھوڑے کی قیمت ۱۰۰ تنکے سے ۱۲۰ تنک، دوم قسم کے ۸۰ سے ۹۰ تنک، سوم قسم کے ۶۵ سے ۷۰ تنک اور ٹٹو کی ۱۰ سے ۲۵ تنک رکھی گئی،[1] اس شاہی نرخ کی خلاف ورزی پر قتل اور جلا وطنی کی سزا دیجاتی تھی، علاء الدین ہر چالیس روز کے بعد یہ تحقیق کیا کرتا تھا کہ شاہی نرخ میں کوئی فرق تو نہیں ہے[2] سوداگروں کو بازار میں گھوڑے فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی، حکومت اُن سے براہ راست خریداری کر لیتی تھی[3] لشکریوں کو گھوڑے کی قیمت شاہی خزانہ سے ادا کی جاتی تھی[4] اس طرح ہر سوار براہ راست بادشاہ کا ملازم تھا کسی لشکری کا گھوڑا میدان جنگ میں مارا جاتا تو اس کو دوسرا گھوڑا حکومت ہی کی طرف سے فراہم کیا جاتا[5] گھوڑوں اور بازار کی اشیاء کی قیمت پر قابو پا لینے کے بعد علاء الدین خلجی کے پاس چار لاکھ پچہتر ہزار سوار کی ایک جرار فوج تیار ہو گئی تھی،

لیکن علاء الدین کے ان ضوابط و قوانین کی پابندی اس کے بعد کے دور میں نہیں کی گئی، مختلف سلاطین اپنی سہولتوں اور ضرورتوں کے لحاظ سے قواعد بناتے اور اُن پر عمل کرتے، محمد تغلق خان، ملک، امیر اور اقطاع داروں کو بڑی بڑی جاگیریں دیا کرتا، جو حسب مراتب ضرورت کے وقت سوار مہیا کیا کرتے تھے، بڑی بڑی مہموں میں محمد تغلق خود بھی سوار بھرتی کر لیا کرتا تھا، مثلاً خراسان کی مہم میں تین لاکھ

---

۱ برنی ص ۳۱۳ ۲ ایضاً ص ۳۱۴ ۳ و ۴ ایضاً ص ۳۱۳ ۵ ایضاً ص ۳۲۸

ستر ہزار سواروں کی بھرتی دیوان عرض کے ذریعہ سے کرائی اور گھوڑوں کی قیمت اور سواروں کی تنخواہیں شاہی خزانہ سے دیں. یہانتک کہ شاہی خزانہ بالکل خالی ہوگیا[۱] فیروز شاہ کے زمانہ میں یا تو اقطاع دار (صوبے کے حاکم) سوار فراہم کرتے یا دیوان عرض بھرتی کرتے تھے، فیروز شاہ باضابطہ فوج وجہ دار کے گھوڑوں کی قیمت شاہی خزانہ سے ادا نہیں کرتا تھا، بلکہ اس کے لئے جاگیریں مقرر کر رکھی تھیں، بے ضابطہ فوج غیر وجہ دار کے گھوڑوں کی قیمت شاہی خزانہ سے ملتی تھی[۲] لودیوں کے زمانہ میں جاگیر کا رواج تھا، ہر جاگیر دار سوار مہیا کرتا تھا، اور وہی اُن کو تنخواہ بھی دیا کرتا تھا، شیر شاہ نے جاگیر داری بالکل ختم کردی تھی؛ [۳] وہ خود لشکری بھرتی کرکے ان کو مختلف صوبوں میں تعینات کردیتا تھا، اس طرح ہر فوجی سوار اپنے کو بادشاہ کا ملازم سمجھتا تھا، اور فوجی امراء کو محض سردار، شیر شاہ کے دور میں ایک سپاہی کی تنخواہ میں اس کے گھوڑے کی قیمت اور خوراک بھی شامل ہوتی تھی، اسی لئے فوج کے تمام گھوڑے شاہی ملکیت سمجھے جاتے تھے

گھوڑوں کی فراہمی

سلاطین دہلی بہتر سے بہتر گھوڑوں کی فراہمی کا پورا اہتمام رکھتے تھے، عربی، ترکی، تاتاری اور دیسی گھوڑے لشکریوں کے لیے برابر منگائے جاتے تھے، بلبن کہا کرتا تھا کہ

"آراستگی ملک ہندوستان از پیل و اسپ است" (برنی ص ۵۳)

[۴] اس کی پائگاہ میں یعنی (جہاں گھوڑوں کی نسلیں تیار ہوتی تھیں) ہر قسم کے گھوڑے تھے، وہ سندھ سے بہروچ اور تاتاری گھوڑے منگایا کرتا تھا، پھر سامانہ، بھٹنڈہ، بھٹنیر وغیرہ سے چیدہ چیدہ ہندی گھوڑے منگواتا تھا، اس کا خود بیان ہے کہ ان گھوڑوں کی وجہ سے اس کے لشکریوں کو اچھے اور سستے گھوڑے اتنی فراوانی سے مل جاتے کہ مغلوں کے دیار سے گھوڑے درآمد کرنے کی حاجت باقی نہیں رہ گئی تھی[۵]. علاء الدین خلجی کی پائگاہ میں اچھی نسل کے ستر ہزار گھوڑے تھے[۶]، اگر کسی کو اچھی نسل کا گھوڑا دیا جاتا

---

۱ برنی ص ۷۷، ۲ عفیف ص ۲۲۱ ۳ الیٹ جلد ۴ ص ۴۱۲، ۴ ایضاً ص ۴۲۵ ۵ برنی ص ۵۳

۶ ایضاً ص ۲۶۲،

تو یہ بہترین تحفہ سمجھا جاتا۔ محمد تغلق ہر سال دس ہزار اچھی نسل کے عربی گھوڑے تحفے میں تقسیم کیا کرتا تھا۔ فیروز شاہ تغلق کی سلطنت میں پانچ بڑی بڑی پائگاہیں تھیں، جن میں خاص خاص نسل کے گھوڑے پیدا کئے جاتے تھے۔[۵۱]

سواروں کی نبرد آزمائی سواروں کی کارکردگی، زیرکی، ہوشمندی، چالاکی، چستی، پھرتی، اور نبرد آزمائی ہی پر عموماً لڑائی کی فتح و کامرانی کا دار و مدار ہوتا تھا۔ راجہ پتھورا کے خلاف ترائین کی لڑائی میں شہاب الدین غوری کو اس لئے فتح حاصل نہ ہو سکی کہ پتھورا کے دو لاکھ سواروں کے مقابلہ میں اس کے سوار موثر نہ ہو سکے۔ لیکن اسی جنگ میں ایک سوار کی غیر معمولی جرأت اور شجاعت نے ہندوستان کی تاریخ کا رُخ ہی بدل دیا، میدانِ جنگ میں شہاب الدین اپنے سواروں کے ساتھ ایسی مردانگی کے ساتھ لڑ رہا تھا کہ دوست و دشمن سب ہی اس کی ثنا خوانی کر رہے تھے،

فرشتہ کا بیان ہے،

"سلطان ...... شمشیر از نیام کشیدہ باتفاق لشکر قلب بر سپاہ خصم تاختہ آغاز کارزار کردہ"

برآن تن کہ زد خنجر سخت کوش | درآمد سرش پلے کوبان زدوش

بہر سو کہ شمشیر او کار کرد | یکے را دو کردہ دورا چار کرد

چنانچہ دوست و دشمن بر میدان داری دخنجر گزاری او آفرین کردہ مراسم تحسین بجائے آوردند۔" (جلد اوّل ص ۵۷)

سلطان شہاب الدین کے افغان اور خلجی سردار راجپوتوں کے دباؤ سے منتشر ہو رہے تھے اور سلطان کا پورا لشکر راجپوتوں کی طویل صفوں کی گود میں آگیا تھا لیکن اس خطرہ اور انتشار کا

---

[۵۱] عفیف ص ۳۴۰،

خیال کئے بغیر سلطان دشمنوں کے بیچ میں گھس گیا، پہلے تو تلوار سے لڑا، پھر نیزہ لیکر گوبند رائے (یا کھنڈے راے) سپہ سالار دہلی کے ہاتھی کی طرف بڑھا، اور قریب پہنچکر ہاتھی پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کے دانت ٹوٹ گئے لیکن گوبند رائے (کھنڈے راے) نے بھی سنبھل کر ہاتھی کی پیٹھ پر سے سلطان شہاب الدین غوری کے بازو پر تلوار کا ایک کاری زخم لگایا، اور قریب تھا کہ سلطان غش کھاکر گھوڑے سے نیچے گر جائے کہ ایک خلجی سوار بڑی برق رفتاری سے سلطان کے پیچھے گھوڑے کی پیٹھ پر کود کر بیٹھ گیا، اور سلطان کو اپنی گود میں سنبھال کر میدان جنگ سے لے اُڑا، اس کا میدان جنگ چھوڑنا تھا کہ اُس کے سپاہیوں نے میدان چھوڑ دیا، لیکن اگر خلجی سوار کی شجاعت کام نہ کرتی تو سلطان معرکۂ کارزار میں شہید ہو جاتا،[1]

شہاب الدین غوری ایک سال کے بعد اپنی فوج کی از سر نو تنظیم کرکے پھر پتھورا کے خلاف معرکہ آرا ہوا اس کی فوج میں ایک لاکھ سے زیادہ سوار تھے، جدھر سے اُن کا گذر ہوتا، تیروں اور نیزوں کا بن نظر آنے لگتا تھا، پتھورا کے پاس بھی تین لاکھ سوار بےشمار پیادے اور ہاتھی تھے، ترائین کے میدان میں شہاب الدین غوری کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ دیکھ کر اس طرح بھڑکتے تھے جس سے سواروں کو قدم جما کر لڑنے میں بڑی دقت ہوتی تھی، دوسری جنگ سے پہلے سلطان نے گھوڑوں کو اس طرح سدھایا کہ مٹی اور لکڑی کے قوی ہیکل ہاتھی کے مجسّمے بنوائے، اور اُن کو عماری اور برگستوان کے ساتھ ایک میدان میں لا کھڑا کیا، اور پھر سواروں کو ان نقلی اور مصنوعی ہاتھیوں کے آس پاس گھوڑے دوڑانے کو کہا اس طرح گھوڑے ہاتھیوں کے کچھ ایسے عادی ہوگئے کہ ان سے اُن کا خوف جاتا رہا،[2]

شہاب الدین غوری کے لشکری اس مرتبہ سر بکف ہو کر میدان جنگ میں شریک ہوئے

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۱۹ [2] فتوح السلاطین ص ۵۔۷۴، مدراس اڈیشن،

وہ طے کر کے آئے تھے کہ اپنی جانبازی اور پامردی سے سر دے کر جاں بحق ہو جائیں گے لیکن پیٹھ نہ دکھائیں گے اس لئے حریف کی کثرت تعداد سے بالکل خوفزدہ نہ تھے، جنگ کے آغاز سے پہلے سلطان نے اپنے سواروں کو چار حصوں (میمنہ، میسرہ، خلف و اقدام) میں تقسیم کر دیا، یہ سوار مسلح ہو کر جس طرح صف آرا ہوئے اس کی تصویر عصامی نے اس طرح کھینچی ہے،

شنیدم دریں بار با شہریار | رسیدہ سوارے صد و سی ہزار
ہمہ زیر پولاد و آہن نہاں | ہیوناں شان غرق برگستواں
چو شد از دو سہ لشکر آراستہ | ز جولان شاں گرد برخاستہ

سلطان نے ان سواروں کو حکم دیا کہ جب لڑائی شروع ہو تو آگے نکل نکل کر غنیم کے جنگی ہاتھیوں اور سواروں پر حملہ کریں اور جب وہ بڑھیں تو پیچھے ہٹ کر ہر طرف منتشر ہو جائیں، اور اپنے تیروں اور تلواروں اور نیزوں سے دشمن پر کاری ضرب لگائیں چنانچہ یہی ہوا، سلطان کے جانباز اور تربیت یافتہ سوار اپنے صبار فتار اور نڈر گھوڑوں پر آگے بڑھتے، پھر پیچھے ہٹ کر پلٹ پلٹ کر غنیم کے بازوؤں کی صفیں الٹ دیتے تھے، پتھورا کے عظیم الجثہ جنگی ہاتھی چنگھاڑیں مار مار کر ادھر ادھر منتشر ہونے لگے، اُن کے جھولوں میں جو آئینے لگے ہوئے تھے وہ سورج کی کرنوں سے چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے لیکن سلطان کے سوار مطلق خوفزدہ نہ ہوتے، ہاتھی اُن کی طرف بڑھتا تو وہ گھوڑوں کو ایڑ لگا کر دور نکل جاتے، اور پھر پلٹ کر تیروں کی بوچھار سے ہاتھیوں کے جسم کو خار پشت بنا دیتے،[1] جب اُن میں کافی انتشار پیدا ہو گیا تو سلطان نے بھی میان سے تلوار کھینچ لی، اور جب وہ آگے بڑھے تو اس کے ساتھ بارہ ہزار جرار سواروں کی بھی تلواریں فضا میں چمکنے لگیں، پھر انہی سواروں نے اپنے نیزے گھوڑوں کے کان پر سیدھے رکھ لئے اور گھوڑے اڑا کر غنیم پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ اُن کا دل بادل پراگندہ ہو گیا،[2]

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۲۰، فرشتہ جلد اول ص ۵۰، فتوح السلاطین مدراس اڈیشن ص ۷۰،۸۱،

بعض بہادر سوار

سلطان شہاب الدین کے ماتحت سرداروں نے بھی سواروں کی حربی قیادت میں عجیب وغریب مثالیں پیش کیں، جب سلطان نے گکھروں کے خلاف فوج کشی کی تو التتمش بھی بداؤں سے ایک بڑی فوج لے کر اس کی مدد کے لیے پہنچا، گکھروں کی فوج دریائے جہلم کے اس پار تھی، سلطان کے لشکر کا کوئی قابو غنیم پر چل نہیں رہا تھا، التتمش نے اس موقع پر اپنی نبرد آزمائی کا جوہر دکھایا، اس نے برگستوان پہنے اپنے گھوڑے کو مردانہ وار دریا میں ڈال دیا، اس کے پیچھے اس کے ماتحت سوار بھی گھوڑوں پر پانی میں کود پڑے، اور دریا پار کر کے ہزاروں دشمنوں پر حملہ آور ہوئے، غوری التتمش کی اس جرأت اور جلادت کا نظارہ کر کے بے حد متاثر ہوا، اور لڑائی کے بعد پیشین گوئی کی کہ اس سردار سے بڑے بڑے کام انجام پائینگے اور یہ صحیح ثابت ہوئی۔[1]

سلطان کے ایک اور مشہور سردار اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی اور اس کے سواروں کے کارنامے بھی حیرت انگیز ہیں، محمد بن بختیار خلجی کو جب اودھ کے حاکم ملک حسام الدین کی سرکار کی طرف سے اُس کی جنگی خدمات کے صلے میں مرزاپور اور بنارس کے پاس پرگنہ بھگوت اور بھیولی جاگیریں عطا ہوئے تو اس نے اپنے سواروں کے ساتھ منیر اور بہار کے قریبی اضلاع کو اپنی جولانگاہ بنالیا، اور صرف دو سو سواروں کی جلادت اور شہامت کی بدولت بہار کو فتح کر لیا، جو فتح و تسخیر کی تاریخ میں زریں حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے، محمد بن بختیار خلجی بہار میں اپنی قوت مستحکم کر کے مشرقی بنگالہ کی طرف بڑھا، اس کے ساتھ سواروں کا ایک چھوٹا سا رسالہ تھا، اس کو مشرقی بنگالہ کے دارالسلطنت ندیا پہنچنے کے لئے جھارکھنڈ (چھوٹا ناگپور) کے جنگلی علاقوں کے دشوار گذار راستوں سے گذرنا پڑا اور جب وہ دو سہ منزل کوچ کر کے ندیا پہونچا تو اُس کے ساتھ کل اٹھارہ سوار تھے، اور بقیہ پیچھے چھوٹ گئے تھے، مگر یہ اولوالعزم اور نڈر سردار اپنے سواروں کی تعداد کی کمی کا خیال کئے بغیر راجہ کے قلعہ کے دروازہ پر پہنچ گیا

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۶۹-۱۷۰۔

اور اپنے سواروں کو تلواریں کھینچ لینے کا حکم دیا، اور محل کے دربانوں کو مارتا کاٹتا اندر داخل ہو گیا، راجہ کھانا کھانے بیٹھا تھا کہ چیخ پکار کی آوازیں آئیں، اور وہ ایسا پریشان ہوا کہ ننگے پاؤں محل کے پچھلے دروازے سے نکل کھڑا ہوا اور اس طرح بنگالہ پر اٹھارہ سواروں کی بدولت خلجی کی حکومت کا پرچم لہرا گیا محمد بن بختیار نے اپنا پایۂ تخت لکھنوتی (گور) میں قائم کیا، اور تمام جنگی محاذوں کی ناکہ بندی کر کے لکھنوتی سے دس ہزار سواروں کا ایک لشکر لے کر تبت و ترکستان کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا، اس مہم کے راستے بہت ہی دشوار گذار اور صبر آزما تھے، لیکن اس منچلے فوجی سردار کو اپنی جانبازی اور قوتِ جسمانی پر غیر معمولی بھروسہ تھا، وہ بڑھتا چلا گیا، پہاڑی قبیلوں کوچ و میچ کے علاقہ میں پہنچا تو موخر الذکر قبیلہ کے سردار نے اسلام کی شوکت و عظمت کو دیکھ کر محمد بن بختیار خلجی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا جس کا نام علی میچ رکھا گیا، محمد بن بختیار بڑھتا ہوا کامرود (کام روپ) پہنچا اور ایک دریا (بنگ متی) پار کر کے پہاڑی دروں سے گذرتا ہوا سولہ روز کی منزل طے کر کے تبت کے علاقہ میں گھسا، اور سرحدی علاقہ کے باشندوں کو مغلوب کیا، اس سے آگے بڑھنے میں اس کے ہوا خواہوں نے اس کو روکا، حالانکہ وہ کرم ٹن جیسے مشہور شہر سے قریب ہو گیا تھا، جہاں پندرہ سو گھوڑے روزانہ بازار میں فروخت ہوتے تھے، لیکن محمد بن بختیار کے سوار بہت تھک چکے تھے، اور اُن کی رائے یہ ہوئی کہ آئندہ سال کے لئے یہ مہم اٹھا رکھی جائے، چنانچہ وہ تبت کو تسخیر کئے بغیر واپس ہو گئے، لیکن اسی اثنا میں دشمنوں نے واپسی کے راستوں میں آگ لگا کر سارے علاقہ کو بے آب و گیاہ بنا دیا تھا، پندرہ روز تک ان لشکریوں کو نہ کھانے کی کوئی چیز ملی اور نہ گھوڑے کو ایک پرِ کاہ، فاقہ سے پریشان ہو کر انھوں نے گھوڑوں کو ذبح کر کے کھانا شروع کیا، اور جب وہ دریا کے پاس پہنچے تو پل بھی مسمار کر دیا گیا تھا، لشکریوں کو کشتیاں نہ ملیں تو انھوں نے دلیرانہ اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے، محمد بن بختیار خلجی خود تو موجوں کو چیرتا پھاڑتا ساحل پر پہونچ گیا لیکن اُس کے زیادہ تر ہمراہی سوار دریا کی طغیانی اور روانی کو مغلوب نہ کر سکے[1]

[1] طبقات ناصری ص ۱۵۵ تا ۱۴۷

سواروں کے خورد و نوش کے سامان

سوار کوچ کرتے وقت اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان ضرور رکھتے لیکن اس کی مقدار بہت ہی کم ہوتی، کیونکہ کیمپ کے بازاروں میں اُن کو ساری چیزیں آسانی سے مل جاتی تھیں لیکن پھر بھی روٹی، گوشت اور گھوڑے کے لئے گھاس اور جَو ساتھ رکھتے تھے اُن کے پاس زین کی مرمت کے لئے چھوٹے موٹے اوزار بھی ہوتے، ضرورت کے وقت وہ اپنے گھوڑے کو آختہ بھی کر لیتے، گھوڑے زیادہ سرکش ہو جاتے تو اُن کے جسم سے خون بہا کر اُن کو رام کر لیتے، اس ترکیب سے بھی اُن کو آگاہی رہتی[1] چنگیز خانی سوار بڑی بڑی تعداد میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر یورش کرتے کبھی چھ چھ لاکھ سواروں کا دل بادل ہوتا، کوچ کے وقت ان کے دس دس سواروں کی ٹولیاں بنا دی جاتیں، اور ہر ٹولی کے پاس کھانا پکانے کے لئے ایک دیگچہ اور پانی پینے کے لئے ایک مشک ہوتی وہ گھوڑوں کا ایک گلہ بھی ساتھ رکھتے، جب خورد و نوش کا کوئی سامان نہ ملتا تو وہ گھوڑے کے گوشت یا گھوڑی کے دودھ سے پیٹ بھر لیتے[2]،

تاتاری سواروں کی بے بسی

یہ عجیب بات ہے کہ چنگیز خانی سواروں نے تاشقند، خجند، بلخ، استرآباد، آذربائیجان مرو، خراسان، ہرات اور بدخشاں وغیرہ کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے بالکل پامال کر دیا تھا، لیکن یہ ٹڈی دل ہندوستان جب جب آیا تو یہاں خونریزی اور غارت گری کی ہولناکیاں تو ضرور برپا کیں، مگر ہندوستان کے جانباز سواروں نے ان سے ہمیشہ ڈٹ کر مقابلہ کیا، وہ اُن سے لڑتے اور کٹ کٹ کر میدانِ جنگ میں گرتے رہے لیکن اُن کا قدم ہندوستان میں جمنے نہ دیا، ان کی یورش کی روک تھام کے لئے غیاث الدین بلبن نے سواروں کا ایک ایسا جرار لشکر مرتب کیا تھا کہ اُن کی مستعدی اور قواعد دانی دور دور کے ملکوں میں مشہور ہو گئی تھی، امن کے زمانے میں بلبن سواروں کو

---

[1] آداب الحرب، گھوڑوں کی شناخت اور اُن کی بیماری کے علاج وغیرہ کی تفصیل کے لئے دیکھو آداب الحرب کا عکسی فوٹو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ باب شانزدہم، [2] طبقات ناصری،

گھوڑوں کو شکار کے بہانے سے شکار گاہ لے جاتا، اور اُن کو دوڑا دوڑا کر پسینہ سے شل کر دیتا محض اس لئے کہ امن کے زمانے میں کاہل نہ ہو جائیں، اور لڑائی کے موقع پر بزدل نہ ثابت ہوں، (برنی ص ۵۵)

تاتاری سوار نہایت جری اور خونخوار ہوتے، اُن کی قزاقی اور غارتگری سے دنیا کانپ اٹھی تھی لیکن کسی قوم نے اگر شجاعت اور جانبازی سے اُن کا دلیرانہ مقابلہ کیا ہے تو وہ ہندوستان کے ترک سوار تھے جنھوں نے اپنی پیہم ناکامیوں کے باوجود تاتاریوں کے دلوں پر اپنی پامردی، نبرد آزمائی، ہنر فروشی اور شمشیر زنی کا سکہ بٹھا دیا تھا، تاتاریوں کی پامالی سے ہندوستان کو محفوظ رکھنے کی خاطر بلبن نے ملتان کو ایک دفاعی مرکز بنایا تو اس کا اقطاع دار اپنے چہیتے شہزادہ محمد سلطان کو مقرر کیا، جس کی حکومت میں ساحل بحر سے دریائے جہلم تک کے علاقے تھے، اور مستقر ملتان تھا، یہاں بارہ تیرہ سال تک رہ کر شہزادہ محمد سلطان نے چنگیز خانیوں کا مقابلہ جس مردانگی سے کیا ہے وہ اس کا ایک زریں کارنامہ ہے، اس مدت میں تاتاری سواروں کی بڑی سے بڑی جماعت کو بھی شمالی پنجاب کے عبور کرنے کی جرات نہ ہوئی، اور وہ کھلے میدان میں جب بھی لڑے شکست کھائی، شہزادہ محمد سلطان بڑا ہی علم دوست، علم نواز اور ہنر پرور بھی تھا، اس کا وقت زیادہ تر شعراء، علماء، اور صلحا کی مجلسوں میں گذرتا، لیکن جب کبھی تاتاری حملہ آوروں کی خبر ملتی، تو علمی و ادبی مجلسیں چھوڑ کر سپاہی بنجاتا، اور خود بڑے سے بڑے مخدوش اور خطرناک جنگی مقام پر پہونچ جاتا، اس طرح اس نے تاتاریوں کے دو خوفناک حملوں کو بڑی دلیری سے روکا، ایمتر خاں کی رہبری میں تیسرا حملہ جب ۶۸۳ھ میں ہوا، تو شہزادہ نے لاہور کے پاس دریا کے کنارے اس کی بھی اچھی طرح سرکوبی کی، اور اس کو مار بھگایا، اور جب اس کی فوج مفرورین کے تعاقب میں آگے بڑھ گئی، تو وہ ایک جگہ ظہر کی نماز پڑھنے لگا کہ یکایک دو ہزار مغل کمین گاہ سے نکل کر شہزادہ پر حملہ آور ہوئے، شہزادہ نے نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھوڑے کی لگام تھامی اور اس پر سوار ہو کر بڑی دلیری اور جانبازی سے مغلوں کا مقابلہ کیا گو اس کے ہمراہیوں کی تعداد بہت ہی کم تھی، اور وہ مقابلہ کرنے کے بجائے بچ کر آسانی سے نکل سکتا تھا،

لیکن اپنی شجاعت کے جوش میں پیچھے ہٹنا اور گھوڑے کا منہ موڑنا بزدلی سمجھا، اس کی پامردی سے تاتاریوں کے پاؤں اکھڑنے کے قریب ہی تھے کہ اچانک اس کو ایک تیر ایسا آکر لگا کہ اُس کے زخم سے جانبر نہ ہوسکا، اس معرکہ کے آغاز میں شہزادہ محمد کے سوار جس طرح صف آرا ہوئے اس کے چشم دید حالات امیر خسرو نے وسط الحیوٰۃ میں اس طرح منظوم کئے ہیں،

خنگ شہ دیدی و بر گردوں غبار انگیختن	بادپا بر کافراں خاکسار انگیختن
غلغلہ در انجم از جوش سپاہ انداختن	زلزلہ در عالم از شیر سوار انگیختن
از خروش کوس و بانگ اسپ آوازِ نوائے	لرزہ در صحرا و دشت و کوہسار انگیختن
انچہ ہیبت بود وقتِ کارزار آراستن	وانچہ وحشت بود گاہ گیرو دار انگیختن
نعل در آتش نہادن توسنان گرم رو	وز سم ہر آتشیں لیلے غبار انگیختن
از فروغ تیغ در سر تفت و تاب انداختن	وز خیال نیزہ در دل خار خار انگیختن
بر دلاں در حملہ از بہر مخالف سوختن	بیدلاں در حیلہ از بہر فرار انگیختن[1]

بلبن کے تربیت یافتہ سواروں نے اندرون ملک میں بھی اپنی شجاعت کا ڈنکا بجا رکھا تھا بلبن کہا کرتا تھا اس کے چھ سات ہزار سوار ایک لاکھ پیادوں کو تاراج کرنے کے لئے کافی ہیں[2]،

میدان جنگ میں ہاتھی اور گھوڑوں کی یورش

میدانِ جنگ میں ہاتھی گھوڑوں کو دیکھ کر بھڑکتے، اور گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بدکتے، لیکن فنونِ حرب کے مسلمان ماہرین نے ہندوستان میں آکر ان دونوں جانوروں کو لڑائی کے میدان میں اس طرح سدھایا کہ دونوں مل کر غنیم کی صفوں پر حملہ آور ہوتے، اور اُن کو درہم برہم کر دیتے تھے، ۶۹۷ھ میں تاتاریوں نے قتلغ خواجہ کی سرکردگی میں بڑے وسیع پیمانہ پر دہلی پر حملہ کیا، اس کے ساتھ دو لاکھ سوار تھے، وہ ایسی دلیری سے دہلی آپہنچا

---

[1] وسط الحیوٰۃ ص ۱۶۳-۱۶۲ علی گڑھ اڈیشن [2] برنی ص ۵۲،

کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان اس تاتاری سیلاب میں بالکل بہ جائے گا، علاء الدین خلجی نے بھی ایک لشکر جرار ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا، اس میں تو سی ہیکل ہاتھیوں کے علاوہ تین لاکھ صرف سوار تھے، اس کی کمان ظفر خاں، الغ خاں، رکن خاں اور غازی ملک جیسے ہوشمند اور بہادر فوجی لیڈروں کے ہاتھوں میں تھی، فریقین کی فوج پانچ لاکھ سے زیادہ تھی، دونوں فوجوں کی ڈبھیڑ کیلی کے میدان میں ہوئی جب لڑائی کا آغاز ہوا تو ظفر خاں جو اپنی شجاعت کی وجہ سے رستم وقت کہلاتا تھا، جنگی ہاتھیوں کو لے کے آگے بڑھا جن کے خوفناک حملوں کے ساتھ سوار بھی گھوڑے اڑا کر دشمن پر جا پڑے، حملہ آور ہاتھیوں کی بلائے سیاہ سے بالکل ہی ناواقف تھے، وہ اپنی خونخواری اور گریز پائی کے باوجود ہاتھیوں کا مقابلہ نہ کر سکے، اس سے ان کی صفوں میں انتشار پھیلا تو شاہی سوار خونخوار حملہ آوروں کو ڈھکیل ڈھکیل کر تہ تیغ کرنے لگے، اور جب ان کے کشتوں کا پشتہ لگ گیا تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، ظفر خاں اپنے جوش تہور میں ان کو مارتا کاٹتا اٹھارہ کوس تک پیچھے ہٹاتے گیا، لیکن ایک جگہ غنیم کے زغے میں گھر کر گھوڑے سے گر پڑا پھر بھی پیادہ وہ لڑ کر بے شمار حملہ آوروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن بالآخر شہید ہوا، ظفر خاں کی اس شجاعت و جلادت کی دھاک تاتاریوں پر ایسی جمی کہ اگر کسی تاتاری لشکری کا گھوڑا پانی نہ پیتا تو وہ گھوڑے سے کہتا کہ کیا تو نے ظفر خاں کو دیکھ لیا ہے۔[۱]

علاء الدین خلجی کے گھوڑے اور سوار

امیر خسرو علاء الدین کے فوجی گھوڑوں کی تعریف میں لکھتے ہیں، کہ وہ آہو کی طرح چوکڑی بھرتے تھے،[۲] وہ جب کوچ کرتے تو ان کے سُم سے کاسۂ سنگ ٹوٹ جاتا،[۳] وہ بڑے بڑے دریا کو وتے پھاندتے نکل جاتے،[۴] اور دشوار گذار ساحلی علاقوں پر بطوں کی طرح گذرتے ہوئے نظر آتے،[۵] بعض گھوڑے ایسے تیز اور سبک رفتار ہوتے، جیسے ہوا پانی کی سطح پر چلتی ہو، اور بعض پہاڑی

---

[۱] برنی ص ۲۶۱، فرشتہ جلد اول و فتوح السلاطین ص ۲۴-۲۴۲ [۲] خزائن الفتوح علی گڑھ اڈیشن ص ۱۶،
[۳] ایضاً ص ۲۰ [۴] ایضاً [۵] ایضاً ص ۸۵،

گھوڑے پہاڑی علاقے پر اس طرح دوڑتے کہ پہاڑ تیغ ہندی کی طرح چمکنے لگتے،[1] یہ بجلی کی طرح برق رفتار اور ہوا کی طرح گریز پا ہوتے، اور آہرمن کی طرح اپنا سایہ پیچھے چھوڑ دیتے،[2] اُن گھوڑوں پر سوار کوچ کرتے دکھائی دیتے تو معلوم ہوتا کہ آسمان سے بہمن برس پڑے ہیں، یا بیسیوں سہراب اور بیژن ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں یا لاکھوں رستم تیر و کمان کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، یہ سوار گرگین کی طرح اور شیر کی صولت کے ساتھ شیروں کو زیر کر سکتے تھے،[3]

سواروں کی بزدلی پر سزا

شاہی لشکر کے سوار میدان جنگ میں پیٹھ دکھانا اپنی سپاہیانہ غیرت وحمیت کے خلاف سمجھتے تھے، وہ لڑ کر کٹ مرتے تھے، لیکن لڑائی کے میدان کو چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے، ترائن کی پہلی جنگ میں شہاب الدین غوری کے سواروں نے پیٹھ ضرور دکھائی لیکن اُس نے اُن سواروں کے سرداروں کو اُن کی کم ہمتی اور بے دلی کی بڑی عبرت ناک سزا دی، غور پہنچکر توبروں میں کچے جو بھروا کر ان کی گردنوں میں لٹکا دیئے، اور ان کو اسی ہیئت کذائی سے شہر کے گرد گھمایا، اس کا حکم تھا کہ جو امیر اپنے توبرے کے کچے جو نہ کھائے اس کا سر قلم کر دیا جائے، خود اُس کو اپنی ہزیمت کا اتنا غم تھا کہ اُس نے اپنی بیوی سے اختلاط چھوڑ دیا، اور بدن سے کپڑے اس وقت تک نہ اتارے جب تک کہ اُس نے انتقام نہ لے لیا،[4]

تیموری دور کے سوار

تیموریوں کے زمانے میں گھوڑوں اور سواروں کی اہمیت بدستور سابق قائم رہی، اکبر گھوڑوں کو "اساس دولت خانۂ سلطنت" کہا کرتا تھا،[5] اس دور میں توپ وتفنگ کا اضافہ ضرور ہو گیا لیکن توپ وتفنگ کی لڑائی مردانگی اور شجاعت کی جنگ نہیں سمجھی جاتی تھی، اس لئے مردانہ اور دلیرانہ جنگ کے لئے سوار ہی موزوں سمجھے جاتے، اُن کی بہتر سے بہتر تنظیم کے لئے شاہی خزانے کے روپے زیادہ سے زیادہ خرچ کئے جاتے،

---

[1] خزائن الفتوح علی گڑھ اڈیشن ص ۱۶۹ [2] ایضاً ص ۱۷۷ [3] ایضاً ص ۱۲۸ [4] فرشتہ جلد اول ص ۵۷،

[5] اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۶۲،

منصب داری نظام | اکبری دور کے شروع میں امرا جو منصب ذات رکھتے تھے، اور اس کے لئے اُن کو جو ماہانہ ملتا، اس میں اُن کو گھوڑے، ہاتھی اور اونٹ کی ایک مقررہ تعداد رکھنی پڑتی تھی آئین اکبری میں جو پوری فہرست دی ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر منصب دار کو کتنی تعداد میں گھوڑے اور دوسرے جانور رکھنے پڑتے تھے، مثلاً دہ ہزاری منصب دار کو ۲۰۰ عراقی، ۲۰۰ مجنس، ۱۳۶ ترکی، ۱۳۶ یابو، ۱۳۶ تازی اور ۱۳۶ جنگلہ یعنی کل ۸۰۰ گھوڑے رکھنے کا حکم تھا، اسی طرح یک صدی منصبدار ۲ عراقی، ۲ مجنس، ۲ ترکی، ۲ یابو اور ۲ تازی یعنی کل دس گھوڑے رکھتا تھا،

اس مقررہ تعداد کے علاوہ اکبر اپنے گھوڑے اور ہاتھی بھی ان منصب داروں کو حسب منصب رکھوالی کے لئے بھیجدیا کرتا تھا، ان کا خرچ شاہی خزانہ سے ادا ہوتا تھا (آئین اکبری ۱-۱۳۵)

اکبر نے اپنے آخری دور میں منصب داروں کو تین حصوں میں تقسیم کیا، اور منصب کے ساتھ سوار کے منصب کا اضافہ کیا، مثلاً پنج ہزاری پنج ہزار سوار، پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ اگر سواروں کی تعداد منصب کے اعداد کے برابر ہوتی، تو یہ اوّل درجہ کا منصب شمار ہوتا، اور اگر تعداد منصب کے اعداد سے نصف یا نصف سے زیادہ ہوتی، مثلاً پنج ہزاری چار ہزار سوار یا پنج ہزاری سہ ہزار سوار تو یہ دوسرے درجہ کا منصب ہوتا، اور نصف سے بھی کم ہوتا، تو تیسرے درجہ کا منصب ہوتا، منصب داروں کو منصب سوار کے لحاظ سے سواروں کی تعداد رکھنی پڑتی تھی، اکبر نے پورا اہتمام رکھا کہ منصب ذات کے ساتھ منصب سوار میں تطابق ہو،

ایک سوار کئی کئی گھوڑے رکھ سکتا تھا، کیونکہ ایک گھوڑے کا سوار لنگڑا کہلاتا تھا، لیکن اکبر نے بعد میں حکم دیا کہ کوئی سوار تین گھوڑوں سے زیادہ نہ رکھے، ان گھوڑوں کے لئے الاؤنس شاہی حکومت کی طرف سے مقرر تھا، اکبری دور میں ہر دہ باشی امیر کے رسالے میں دو چہار اسپہ، تین سہ اسپہ، تین دو اسپہ اور دو یک اسپہ سوار رہتے تھے، یعنی دس سوار ۲۵ گھوڑے رکھ سکتے تھے، دوسرے

منصب دار بھی اسی تناسب سے سواروں اور گھوڑوں کے سردار مقرر ہوتے تھے[۵۱] جہانگیری اور شاہجہانی عہد میں چہار اسپہ سوار کی مثال نہیں ملتی،

جہانگیر نے منصب کا اعزاز بڑھانے کے لئے سوار کے منصب کے ساتھ دو اسپہ اور سہ اسپہ کی اصطلاح کا بھی اضافہ کیا، مثلاً ہفت ہزار، ہفت ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ[۵۲] اس سے بظاہر تو یہ مراد ہے کہ ایک ہفت ہزاری منصب دار سات ہزار دو اسپہ اور سہ اسپہ رکھ سکتا تھا، یعنی سات ہزار سواروں میں اس کے پاس کچھ سوار تو ایک اسپہ کچھ دو اسپہ اور کچھ سہ اسپہ ہوتے دو اسپہ سوار کو دو گھوڑے رکھنے کی اجازت تھی تاکہ اس کا ایک گھوڑا لڑائی میں زخمی ہو جائے، تو وہ دوسرا گھوڑا استعمال کر سکے، اس طرح سہ اسپہ سوار کو تین گھوڑے رکھنے کی اجازت تھی لیکن سواروں اور گھوڑوں کی تعداد فراہم کرنا لڑائی یا معائنہ کے موقع پر ضروری سمجھا جاتا تھا، ورنہ یہ تعداد مناصب کے محض امتیاز و اعزاز اور تنخواہوں کا گریڈ قائم کرنے کے لئے مقرر کی جاتی، دور دراز علاقوں کے منصب داروں یا دور دراز مہموں پر جانے والے فوجی سرداروں کو دو اسپہ اور سہ اسپہ سواروں کے مناصب عموماً زیادہ دیئے جاتے، تاکہ اُن کے پاس گھوڑوں کی کمی نہ ہونے پائے، مگر چونکہ ماہانہ شاہی حکومت کی طرف سے ملتا، اس لئے بعض اوقات دو اسپہ سہ اسپہ سوار کی تعداد مقرر کر دی جاتی، جو منصب سوار سے مختلف ہو جاتی تھی، شاہجہانی عہد کے دو اسپہ اور سہ اسپہ سواروں کے منصب داروں کی تعداد زیادہ بڑھ گئی، تو شاہجہان نے ایسے منصب داروں کے لئے دو اسپہ سہ اسپہ کی تعداد بھی مقرر کرنے کا اہتمام رکھا، مثلاً دارا شکوہ کو بیست ہزاری بیست ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ کا منصب ملا، تو اس میں دہ ہزار سوار دو اسپہ اور سہ اسپہ کی تعیین کر دی گئی، اور پھر جب دارا شکوہ کو شصت ہزاری چہل ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ کا منصب ملا، تو اس میں

---

[۵۱] آئین اکبری ص ۱۳۲، [۵۲] تزک جہانگیری جشن بست و یکمیں نوروز کے موقع پر ہے ":۔

"خانخاناں را بہ منصب ہفت ہزار، بذات و سوار از قرار دو اسپہ و سہ اسپہ سرفراز نمود"

اس کو تین ہزار دو اسپہ سہ اسپہ سوار رکھنے کی اجازت تھی، اسی طرح اور منصب داروں کے ساتھ تعداد متعین کردیجاتی، کہ کتنے گھوڑے اور سوار رکھنے لازمی، کتنے رعایتہً معاف اور کتنے فرضی ہیں،

بادشاہ نامہ مولفہ عبد الحمید لاہوری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بلخ و بدخشاں کی مہم کے وقت پنج ہزاری پنج ہزار منصب دار نے داغ کے وقت اپنے منصب کا ⅕ حصہ یعنی ایک ہزار سوار پیش کئے، اگر یہ منصبدار اپنے سواروں کیلئے بارہ مہینے کی تنخواہ دینے کیلئے جاگیر رکھتے تو ایکہزار سوار میں تین سو سوار سہ اسپہ یعنی ۹ سو گھوڑے، چھ سو دو اسپہ (یعنی ۱۲ سو گھوڑے) اور ایک سو اسپہ (یعنی ۱۰۰ گھوڑے) ہوتے یعنی ایکہزار سواروں میں ۲۲۰۰ گھوڑے ہوتے، اور اگر یہ منصبدار گیارہ مہینے کی تنخواہ کی جاگیر رکھتے تو ایکہزار سوار میں، ۲۵۰ سہ اسپہ، ۵۰۰ دو اسپہ اور ۲۵۰ یک اسپہ سوار ہوتے یعنی ان کے پاس دو ہزار گھوڑے ہوتے، اسی طرح دس مہینے کی تنخواہ پانے والے منصب داروں کو ایک ہزار سوار میں ۸۰۰ دو اسپہ اور ۲۰۰ یک اسپہ سوار ہوتے، اور ان کے پاس ۱۸۰۰ گھوڑے ہوتے، نو مہینے کی تنخواہ پانے والے منصب دار کو ایک ہزار سوار میں ۶۰۰ دو اسپہ اور ۴۰۰ یک اسپہ رکھنا ہوتا، اور ان کے پاس ۱۶۰۰ گھوڑے ہوتے، علیٰ ہذا القیاس۔

لیکن پنج ہزاری پنج ہزار سوار منصب دار کے ساتھ دو اسپہ سہ اسپہ کا بھی منصب رہتا تو ایسی صورت میں اس کو سہ اسپہ و دو اسپہ سوار کی تعداد داغ کے وقت دوگنی دکھانی پڑتی، کیونکہ بادشاہ نامہ (جلد دوم ص ۵۰۷) کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو دوگنی تنخواہ دیجاتی، اس لئے وہ دوگنے سوار اور دوگنے گھوڑے رکھتے، اس طرح پنج ہزاری پنج ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ منصبدار کو دو ہزار سوار میں ۶۰۰ سہ اسپہ (یعنی ۱۸۰۰ گھوڑے) ۱۲۰۰ دو اسپہ (یعنی ۲۴۰۰ گھوڑے) اور ۲۰۰ یک اسپہ (یعنی ۲۰۰ گھوڑے) دکھانے پڑتے، اس طرح دو ہزار سوار ۴۴۰۰ گھوڑے رکھتا،

یہ تو بلخ و بدخشاں کی مہم کے وقت کیا گیا لیکن شاہجہاں نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ ایک منصب دار اگر اسی صوبہ میں ہے تو اپنے منصب سوار کی مقررہ تعداد کا ⅓ حصہ داغ کرنے کے لئے حاضر کرے

اور اگر ایسے صوبہ میں ہے جو اس کی جاگیر میں نہ ہوتا، تو وہ اپنے منصب سوار کا ۱/۴ حصہ داغ کے لئے پیش کرے اُس طرح بارہ مہینے کی تنخواہ پانے والا ایک ہزاری ہزار سوار ۱/۴ حصہ پیش کرتے وقت ۲۵۰ سوار حاضر کرتا جن میں مندرجہ بالا حساب سے ۷۵ سہ اسپہ، ۱۵۰ دو اسپہ اور ۲۵ یک اسپہ سوار ہوتے یعنی ان کے پاس ۵۵۰ گھوڑے ہوتے، اور اگر منصبدار یک ہزاری ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ ہوتا، تو اس کو اپنے سواروں اور گھوڑوں کی تعداد دوگنی دکھانی پڑتی ۵۰۰ سوار داغ کے لئے لاتا، جن میں ۱۵۰ سہ اسپہ ۳۰۰ دو اسپہ اور پچاس یک اسپہ سوار ہوتے، اس طرح اُن کے پاس گیارہ سو گھوڑے ہوتے، ہر منصب دار کے پاس اوسطاً اس کے منصب سوار کا ۱/۴ حصہ ضرور رہتا، اس طرح عبدالحمید لاہوری مؤلف بادشاہ نامہ (ج ۲ ص ۱۵) کا بیان ہے کہ شاہجہاں کے پاس دو لاکھ سوار تھے، جن میں آٹھ ہزار منصب دار، ۷ ہزار احدی اور برق انداز سوار، اور بقیہ ایک لاکھ پچاسی ہزار شہزادوں اور امراء کے تابینان تھے (نیز دیکھو عمل صالح حصہ دوم ص ۵۵۰)

عالمگیر کے زمانے میں دکن میں تیس ہزار سوار تعینات تھے، کابل میں بارہ سے پندرہ ہزار تک، اور کشمیر میں چار ہزار سوار رہتے، اسی طرح بنگال میں سواروں کی ایک کثیر تعداد رہتی، بادشاہ کے ہمرکاب ۳۵ یا ۴۰ ہزار سوار رہتے، اس طرح پوری سلطنت میں دو لاکھ سوار تھے،

(برنیر ص ۳۹۳-۹۴)

احدی سواروں کی ایک قسم احدی بھی تھی، وہ کسی منصبدار کے ماتحت نہ ہوتے، بلکہ براہ راست بادشاہ کی نگرانی میں رہتے، شاہی ملازمت میں داخل ہونے کے وقت وہ اپنے گھوڑے ساتھ لاتے، ان گھوڑوں کے مرنے کے بعد حکومت کی طرف سے اُن کو گھوڑے دیئے جاتے، اس کے لئے وہ متعلقہ عہدہ داروں کی سند پیش کرتے جس کو اصطلاح میں سقط نامہ کہا جاتا، احدیوں کی نگرانی کے لئے علیحدہ دیوان اور بخشی مقرر کئے جاتے، اور ایک عالی مرتبہ امیر ان کا سردار ہوتا[۱]، وہ بادشاہ وقت کی متفرق خدمت

---

[۱] آئین اکبری ص ۱۳۲،

انجام دیتے کسی دوسرے شعبہ میں بھی کام کرتے، اور ضرورت کے وقت سوار کی خدمت بھی بجالاتے، لڑائی کے زمانے میں جنگی محاذ پر بھی بھیج دیئے جاتے، اُن کی شہسواری عام سواروں سے بہتر ہوتی، اس لئے وہ پانچ گھوڑے بیک وقت رکھ سکتے تھے، اُن کی تنخواہ بھی عام سواروں سے زیادہ ہوتی،

بارگیر | بعض ایسے سوار بھی تھے جو شہسوار تو اچھے ہوتے لیکن گھوڑوں کی نگرانی کرنے سے قاصر رہتے، اس لئے اُن کو ضرورت کے وقت شاہی طویلہ سے گھوڑے دیئے جاتے، اس طرح ایسے سوار گھوڑوں کی نگہداشت کی زحمت برداشت کئے بغیر سوار بنے رہتے، ان کو بارگیر کہا جاتا، اُن کے گھوڑوں کا طویلہ علیحدہ ہوتا، (آئین ۴۵، دفتر اول)

منصبدار داخلی | اگر کسی منصبدار کی مرتب فوج کے کسی حصہ پر کوئی امیر سردار مقرر کر دیا جاتا تو وہ منصبدار داخلی کہلاتا، چہرہ نویسی کے دفتر میں وہ شاہی حکم کے مطابق نیمچہ سوار لکھے جاتے، اور انکی تنخواہ خالصہ سے ادا کیجاتی[1]

کشک | اکبر نے اپنی سلطنت کے تمام سواروں کو بارہ حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، اور ہر حصہ باری باری ایک ایک مہینہ پایۂ تخت میں آکر کشک یعنی چوکی کی خدمت انجام دیتا، وہ دن رات شاہی آستانہ پر حاضر رہتا، یہ حصہ سات دستوں میں تقسیم کر دیا جاتا، اس طرح ہر روز ایک ایک دستہ شاہی آستانہ پر حاضری دیتا، اور شاہی احکام کی تعمیل میں لگا رہتا، بارگاہِ شاہی میں روزانہ شام کو یہ دستے بادشاہ کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر تسلیم عرض کرتے یعنی سلامی دیتے، اگر کسی روز بادشاہ نہ ہوتا، تو اُس کی قائم مقامی شہزادے کرتے، پورے کشک کی سلامی ہر شمسی مہینہ کی پہلی تاریخ کو ہوتی، اس سلامی میں سواروں کو اپنی کارکردگی پر انعام اور کاہلی پر سزا ملتی، اس طرح کے آئین سے اکبر کو اپنی پوری فوج دیکھنے اور پرکھنے کا موقع مل جاتا، اور خود سواروں کو شاہی قربت حاصل ہونے پر شاہانہ نوازشوں سے مستفید ہونے کی آسانیاں فراہم ہو جاتیں، اس کشک میں سرحدوں پر متعین سواروں کا آنا ضروری نہ تھا،[2]

---

[1] آئینِ اکبری ص ۱۴۴ [2] ایضاً ص ۱۳۶-۱۳۵،

تیمور کے سوار | جب یہ سوار میدان جنگ میں آتے تو لڑائی کے وقت اسی تہور طیش اور غضب کا مظاہرہ کرتے جس کے لئے تاتاری اور تیموری سوار مشہور تھے، تیمور کی ساری کشور کشائی اس کے بہادر سواروں ہی کی بدولت تھی، اس کے لشکر میں سواروں کی تنظیم بہت ہی اعلیٰ پیمانہ پر تھی، اس کے ہر امیر کو سو سو گھوڑے رکھنے کا حق تھا، اون باشی دس سپاہیوں کا سردار، یوزباشی سو سپاہیوں کا افسر، اور مینگ باشی ایک ہزار سپاہیوں اور امیرالامراء دس ہزار سپاہیوں کے سردار ہوتے تھے، بعض سوار بازو پر آہنی سپر اور ہاتھ میں پانچ فٹ کا لمبا نیزہ رکھا کرتے تھے، اور جب غنیم کی تعداد زیادہ دیکھتے تو اُن کے سردار یہ کہکر ہمت دلاتے کہ اگر تم نے اُن پر حملہ نہیں کیا تو پھر اُن کے گھوڑے اور گھوڑوں کی زینیں کیونکر ہاتھ آئیں گی، وہ حملہ کرتے وقت اتنے زور سے سورن (جنگی نعرے) لگاتے کہ ساری فضا میں لرزہ پیدا ہوجاتا، وہ پہاڑوں پر ہاتھوں میں سپر اور دوش پر کمان لٹکائے کیڑوں کی طرح رینگتے نظر آتے اور چٹانوں کے گوشوں اور رخنوں پر پاؤں جماتے اوپر چڑھ جاتے، اور پہاڑ سے اُتر کر نشیب میں اس طرح پھیل جاتے، جیسے مٹی کے ڈھیر پر چیونٹیاں پھیل جاتی ہوں، یہ سوار بعض اوقات گھوڑوں سے اُتر کر ان کی پیٹھوں کی آڑ لے کر دشمنوں پر تیر چلاتے، تیمور بھی ہمیشہ گھوڑے پر سوار ہوکر بڑی پامردی سے لڑتا، ایرانیوں کے خلاف جب معرکہ آرا ہوا تو شاہ ایران منصور اُس کے گھوڑے کی طرف بڑھا، تیمور نے یہ دیکھکر اپنے نیزہ بردار سے نیزہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن نیزہ بردار پر غنیم نے اس طرح حملہ کردیا کہ وہ پیچھے ہٹ گیا، اور تیمور کو نیزہ نہ ملا، اس وقت اس کا ہاتھ تلوار کی طرف بڑھا، لیکن ابھی وہ تلوار کھینچنے نہ پایا تھا کہ شاہ منصور اس کی طرف جھپٹا، اور اس کے سر پر دو وار کئے، تیمور نے سر پھیر لیا، منصور کی تلوار اس کے خود کو چھوتی ہوئی نکل گئی، اور خود سر سے گر کر تیمور کی گود میں آپڑا، مگر وہ خود گھوڑے پر بالکل بے حس و حرکت بیٹھا رہا، یکایک ایک تاتاری سردار اپنا گھوڑا تیمور اور منصور کے گھوڑوں کے بیچ میں لے آیا جس سے شاہ منصور کو پیچھے ہٹنا پڑا۔[1]

---

[1] ظفرنامہ جلد اص ۶۱۰ - ۶۱۲

ہندوستان میں تیمور محمود تغلق کے خلاف صف آرا ہوا تو اس کے سوار محمود کے لشکر کے کوہ پیکر ہاتھیوں اور اُن کے اژدہا نما سونڈوں سے بے حد ہراساں تھے، اُن کو خبر ملی تھی کہ ہندوستان کے جنگی ہاتھی گھوڑوں اور سواروں کو سونڈ میں لپیٹ کر ہوا میں پھینک دیتے ہیں، اور زمین پر دے مارتے ہیں، اور اُن پر تیر و شمشیر مطلق کام نہیں کرتے، لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو تیمور کے سواروں نے نڈر ہو کر ہاتھیوں پر حملہ کیا، اور اُن کو گائے کی طرح ہر طرف دوڑا کر پریشان کر ڈالا، ظفر نامہ میں ہے،

"پیلاں را باآں شکوہ ہیبت گاؤ صفت می راندند" (ج ۲ ص ۱۰۴)

محمود کے قلب لشکر میں ہاتھی ہی ہاتھی تھے لیکن تیموری سواروں نے ان پر حملہ کر کے ان قوی ہیکل جانوروں اور اُن کے مہاوتوں کو تلواروں اور نیزوں سے مار مار کر ڈھیر کر دیا، ظفر نامہ میں ہے :-

"در میاں آں نہنگاں بے ستون ہیکل بچار ستوں رواں در آمدند و پیل بانان را از قلۂ آن کوہہا نگونسار ساختند، و بہ تبر و شمشیر خرطوم آن اژدہا خلقت پیلاں را مجروح می گردانیدند و می انداختند"

اسی لڑائی میں تیمور کے پندرہ سالہ شہزادہ خلیل سلطان نے ہاتھی کے مقابلہ میں بڑی جرأت اور دلیری کا ثبوت دیا، اور اپنی مردانگی اور شمشیر زنی سے ایک فیل بان کو مار کر اور ایک عظیم الجثہ ہاتھی کو گھیر کر تیمور کے پاس اس طرح لے آیا جیسے کوئی دہقانی بھینس کو ہانک کر لاتا ہو، ظفر نامہ کے مؤلف نے اس واقعہ کو قلمبند کر کے کچھ اشعار بھی لکھے ہیں،

.... خیال ازیں چہ باشد دلیل | کہ طفلے زخلیلش سگالد بہ پیل
کجا بود شہزادۂ ارجمند | ہم از پانزدہ سالگی پیل بند
ہنوز از لبش می دہد بوے شیر | چو شیراں کند پیل جنگی اسیر[1]

---

[1] ظفر نامہ ج ۲ ص ۱۰۸،

بابر کے سوار | بابر ہندوستان آیا تو اُس کے پاس بہت تھوڑی سی فوج تھی جس میں زیادہ تر توپچی اور سوار تھے لیکن سواروں میں وہ تمام جنگی مہارت و تنظیم اور حربی چستی و چالاکی موجود تھی جو لڑائی کے لئے ضروری ہے، رانا سانگا کنواہہ کے میدان میں دو لاکھ دس ہزار فوج لیکر اترا تھا جس میں تقریباً ستر ہزار سوار تھے، اس کے مقابلہ میں بابر کے پاس کل آٹھ ہزار فوج تھی لیکن وہ اپنے توپچیوں کی مستعدی اور ثابت قدمی اور اپنے سواروں کی تیز گامی اور قواعد دانی سے راجپوتوں کی کثیر فوج پر غالب آیا، آغازِ جنگ سے پہلے بابر نے سواروں کے ایک چھوٹے دستہ کو غنیم کی قوت کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا، جس سے ایک ہلکی سی جھڑپ ہوگئی، اور اس میں کامیابی ہوئی تو بابر کی پوری فوج کی ہمت بڑھ گئی، اُن کو ایسا معلوم ہوا کہ فتح و کامرانی اُن کے قدموں کو چومنے کی منتظر ہے، میدانِ جنگ میں بابر نے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ دائیں اور بائیں طرف بالکل کنارے یعنی تولقمۂ اوج جرانغار اور تولقمۂ اوج برانغار پر سواروں کے منتخب اور چیدہ دستے کو کھڑا کیا، اور اپنے قول کے راست و چپ توپوں کے ارابے کے پیچھے خاصہ کے شیر دل سواروں کی ایک صف ترتیب دی، جب لڑائی شروع ہوئی تو تولقمہ کے تیز گام اور برق رفتار سوار چکر کاٹ کر راجپوتوں کے عقب اور پہلو میں پہونچ گئے، اور اُن کو نیزوں اور تلواروں سے ڈھکیل ڈھکیل کر توپوں کی زد میں لے آئے، اس طرح ہر بازو کے راجپوت سپاہی اپنی صفیں توڑ توڑ کر ایک جگہ جمع ہوگئے، جس سے بابر کے گولہ اندازوں کو ان پر آتشیں گولوں کی بارش کرنے میں آسانی ہوئی اور جب ساری راجپوت فوج گڈمڈ ہوگئی تو ارابے کے پیچھے سے بابری سوار کود کود کر آگے بڑھے، راجپوتوں کو اپنی کثرت کی وجہ سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا دشوار ہوگیا جس سے بابر کے تفنگچیوں اور سواروں نے ملکر پورا فائدہ اٹھایا[1]

پانی پت اور کنواہہ کی لڑائیوں کے بعد ہندوستان میں ایک نئے طریقۂ جنگ کا آغاز ہوا کہ سواروں اور توپچیوں کے اشتراک اور تعاون سے کس طرح جنگ کا پانسہ پلٹا جاسکتا ہے،

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو بابر نامہ ص ۲۶۱،

بابر میں اپنی سپاہ کو حرکت میں لانے کی حیرت انگیز قابلیت تھی، لڑائی سے متعلق جتنی باتیں ہوتیں ان کو ذہن میں رکھتا، اور اپنے سرداروں کو طلب کر کے اُن سے امور و طریقۂ جنگ پر بحث کرتا، پھر میدان جنگ میں تمام لشکریوں کو مل کر اس طرح کام کرنے پر آمادہ کرتا جس طرح شہد کی مکھیاں مل کر کام کرتی ہیں، چنانچہ جس کے ذمہ جس قدر کام ہوتا، وہ اسے کامل طور پر انجام دیتا تھا، اور اگر کوئی لشکری اپنے فرائض انجام دینے میں کوتاہی کرتا، تو اس سے گھوڑے اور اسلحہ چھین لئے جاتے[۱] یا وہ اپنے عہدہ سے محروم کر دیا جاتا، یا اُس کی داڑھی منڈوا کر اس کو سارے لشکر میں گھما کر ذلیل و رسوا کیا جاتا[۲] سنگین سزا میں ناک کٹوا دی جاتی[۳] غداری کی سزائیں تو اور بھی سخت ہوتیں، غداروں کو سربازار قتل کر دینے کا حکم ہوتا[۴] اگر لشکری کسی معرکہ میں بددلی اور بزدلی کا اظہار کرتے، تو بابر اُن کے سامنے موثر تقریریں کر کے اُن کی غیرت و حمیت کو ابھارتا کہ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے، وہ ضرور ایک دن قبر بھی دیکھے گا، اور جو دنیا میں آیا ہے، وہ یہاں سے جائے گا، بدنام ہو کر جینے سے نیک نام ہونا بہتر ہے[۵]

بابر خود ایک بڑا جری شہسوار اور دلیر سپاہی تھا، اس نے ۱۹ سال کی عمر میں ۲۴۰ سواروں کی مدد سے سمرقند فتح کیا، تنہا پانچ پانچ سواروں کا مقابلہ کر کے اُن کو زمین پر گرا کر ڈھیر کر دیتا، دونوں بازوؤں میں ایک ایک آدمی کو دبا کر ایک کنگرہ سے دوسرے کنگرہ پر جست کر جاتا[۶] ان سپاہیانہ اوصاف کے علاوہ ایک فوجی قائد کی جتنی خوبیاں کسی میں ہو سکتی ہیں، وہ سب اس میں موجود تھیں، سخت سے سخت مشکلات میں وہ مطلق نہیں گھبراتا، اور انتہائی صبر و سکون سے حالات کا مقابلہ کرتا، ۹۰۶ھ/۱۵۰۰ء میں اندجان (فراغنہ) پر یورش کی تو ایک موقع کی جنگ کا حال اس طرح لکھا ہے:

"شاید تین پہر رات گزری ہوگی کہ ایک دفعہ ہی غل غپاڑے کے ساتھ طبل جنگ کی آواز آئی ہمارے ساتھی نیند میں تو تھے ہی، انھوں نے دشمنوں کی کثرت پر خیال کیا، ورنہ ایک دوسرے

---

[۱] بابرنامہ ص ۲۱۲ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ایضاً ص ۲۱۷ [۵] ایضاً ص ۳۰۹ [۶] طبقات اکبری جلد ۲ ص ۲۷

کی خبر ملی، دفعۃً سب کے سب بھاگ نکلے، مجھے بھی اتنی فرصت نہ ملی کہ ان لوگوں کو اکٹھا کروں، مگر میں باغیوں کی طرف چلا، میر شاہ قوچین، بابا شیرزاد، اور دوست نام میرے ساتھ تھے، ہم چاروں کے علاوہ سب بھاگ گئے، ہم تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ وہ لوگ تیر مارتے، اور غل مچاتے ہوئے ہم پر آپڑے، ایک سوار جو قشقہ گھوڑے پر تھا، میرے قریب آگیا، میں نے ایک تیر مارا، تیر گھوڑے کے لگا، گھوڑا فوراً مر گیا، وہ لوگ ذرا ٹھہر گئے، یہ تینوں آدمی جو میرے ہمراہ تھے، کہنے لگے کہ اندھیری رات ہے، دشمنوں کی تعداد معلوم نہیں، اور سارا لشکر بھاگ گیا، ہم چار کتنے آدمی مار سکیں گے، یہاں سے چل دیجئے، پہلے بھاگے ہوؤں کو سمیٹئے، اور پھر لڑ لیجئے، ہم دوڑے اور اپنے لوگوں میں پہونچے، ہر چند روکا، چابک تک مارے اور ٹھہرانا چاہا مگر کوئی نہ ٹھہرا، آخر ہم ہی چاروں الٹے پھرے، ادھر تیر مارنے لگے، ادھر والے ذرا ٹھہر گئے، جب دو ایک دفعہ ہم کو انھوں نے دیکھا کہ تین چار آدمیوں سے زیادہ نہیں ہیں، تو پھر وہ ہمارے تعاقب میں اور گرانے میں مشغول ہوئے، اسی طرح تین چار دفعہ اپنے لوگوں کو میں نے ٹھہرانا چاہا، جب کوئی نہ رکا تو ناچار ان ہی تینوں کے ساتھ پلٹ کر ایسے تیر مارے کہ دشمنوں کا منہ پھیر دیا۔" (ص ۱۰۶-۱۰۵)

اس جنگ میں اس کو مراجعت کرنی پڑی لیکن دوسرے سال اندجان (فراغنہ) پر پھر چڑھائی کی اور اس موقع پر جس جرأت اور پامردی سے لڑا، اس کو پھر بیان کرتا ہے،

"...... میرے سامنے جو دو آدمی آئے، اُن میں ایک تنبل تھا، وہ بھی آگے بڑھا، بیچ میں ایک شاہراہ تھی، میں اس جانب سے اور وہ اس طرف سے آیا، ہمیں ہم دونوں کا مقابلہ یوں ہوا کہ میرا سیدھا ہاتھ دشمن کی طرف اور تنبل کا سیدھا ہاتھ میری طرف ہو گیا، تنبل کے پاس گھوڑے کی زرہ کے علاوہ سارا سامان جنگ تھا، میرے پاس تلوار اور تیر کمان کے سوا کچھ نہ تھا، میں نے کمان کو کان تک کھینچ کر ایک تیر جو میرے ہاتھ میں تھا، تنبل کو مارا، اسی وقت ایک تیر شیبہ میری سیدھی ران میں لگا، اور آر پار ہو گیا،

میرے سر پر لوہے کی ٹوپی تھی، تنبل نے جھپٹ کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ میرا سر سن ہوگیا، اگرچہ ٹوپی کا تو ایک تار نہ کٹا، مگر میرا سر اچھی طرح زخمی ہوگیا، میں نے تلوار صاف نہ کی تھی، وہ کسی قدر زنگ آلود تھی، اس کے نکالنے کی مہلت نہ ملی، میں بہت سے دشمنوں میں اکیلا گھر گیا۔"

(ص ۱۰۹-۱۰۸)

وہ اکیلا گھرا ہوا تھا، لیکن پھر بھی اس کے دشمن اس کو زیر نہ کر سکے، وہ ہمیشہ سر بکف ہو کر میدانِ جنگ میں اترتا، ۱۵۱۹ء میں ہزارہ ترکمانوں کے خلاف جنگ کی تو لکھتا ہے :

...... محمد علی مبشر بیگ میرے ان امیروں میں تھا جن کو میں نے بنایا تھا، بڑا بہادر اور نہایت عمدہ سپاہی تھا، جہاں دشمنوں نے لکڑیاں ڈال رکھی تھیں، اس طرف بڑھا، دشمنوں نے اس کی گردن میں تیر مارا جس سے وہ فوراً ہلاک ہوگیا، چونکہ ہم نے حملہ کرنے میں بہت جلدی کی تھی، اس لئے اکثر جبہ پہنے ہوئے نہ تھے، دو ایک تیر میرے سر پر سے بھی گذرتے ہوئے گرے، احمد یوسف بیگ بار بار گھبرا کر چلاتا تھا کہ یوں ننگے کیوں گھسے جاتے ہو، میں نے دو تین تیر تمہارے سر پر سے جاتے ہوئے دیکھے ہیں، میں نے کہا گھبراؤ نہیں، ایسے تیر بہت سے میرے سر پر سے گذر گئے ہیں۔"

(ص ۱۶۵-۱۶۴)

بابر کی اسی سرفروشی اور جانبازی کو دیکھ کر اس کے ہمراہی سوار اور لشکری اُس کے ساتھ جلتی ہوئی آگ اور بہتے ہوئے پانی میں کودنے کے لئے تیار رہتے، اور جہاں اس کا پسینہ گرتا، وہاں وہ اپنا خون بہاتے[1]

اکبر کے سوار بابر کی شجاعت، جانبازی اور پامردی اس کے جانشینوں کو بھی وراثت میں ملی تھی، اکبر شہسواری کے فن میں طاق تھا، وہ دن دن بھر گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا، اور مطلق نہ تھکتا، اس نے ایک بار آگرہ سے اجمیر تک ۰۰ کوس کی مسافت ایک دن میں طے کی، اور پھر دوسرے دن واپس بھی ہوگیا،[2] وہ میدانِ جنگ

---

[1] بابر نامہ ص ۲۹۲ [2] اکبر نامہ ج ۳ ص ۲۵۱)

میں تھوڑے سے سواروں کے ساتھ یورش کرتا تو صفِ اعداء میں بھگدڑ مچ جاتی ۹۸۱ھ میں جب وہ محمد حسین مرزا گجراتی کے خلاف معرکہ آرا ہوا، تو محمد حسین مرزا کی طرف شاہ مرزا جرانغار پر اور حبشیوں اور گجراتیوں نے برانغار پر حملہ کر کے لڑائی کی آگ مشتعل کر دی، فریقین ایک دوسرے سے دست بگریبان تھے کہ اکبر نے ایک خشمناک شیر کی طرح اپنے سو سواروں کے ساتھ محمد حسین مرزا پر حملہ کیا، محمد حسین مرزا اکبر کا نام سنتے ہی بدحواس ہوگیا، اور میدانِ جنگ سے بھاگا، پھر بھی اُس کے چہرہ پر زخم لگا، اور اس کا گھوڑا بھی گھائل ہوا، زقوم کی ایک جھاڑی راستہ میں ملی اُس نے اپنے گھوڑے کو جست کرانا چاہا، مگر وہ زخمی ہونے کی وجہ سے جست نہ کر سکا، اور ٹھوکر کھا کر گر پڑا، اور شاہی لشکریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، اس کی پسپائی دیکھ کر اس کے فوجی سرداروں نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلیں[۱]،

اس سے پہلے ۹۸۰ھ میں اکبر کھمبائت میں تھا کہ اس کو ابراہیم حسین مرزا کی مفسدانہ کارروائی کی خبر ملی، اس نے فوراً اپنے لشکر کا انتظام شاہزادہ سلیم، خواجہ جہاں اور قلیج خاں کے سپرد کیا، اور خود ۱۵۰ سواروں کی قلیل تعداد لے کر ابراہیم حسین مرزا کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوگیا، راجہ مان سنگھ، راجہ بھگوان داس، سید محمد خان اور شاہ قلی خان جیسے آزمودہ کار اور چالاک سوار اس کے ساتھ تھے، قصبہ سرنال کے پاس دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی. ابراہیم حسین مرزا کے کثیر التعداد سواروں نے حملہ کر کے شاہی تیر اندازوں کو درہم برہم کر دیا، اکبر فوج کی کمی کی وجہ سے راجپوتوں کے ساتھ ایک ایسی تنگ جگہ پر کھڑا تھا جس کے دونوں طرف زقوم کی جھاڑیاں تھیں، اور تین سواروں سے زیادہ اس جگہ پہلو بہ پہلو کھڑا ہونا ممکن نہ تھا، حریف کے تین سوار آہستہ آہستہ اس جگہ آئے جہاں اکبر کھڑا تھا، راجہ بھگوان داس نے برچھے سے ان میں سے ایک کا مقابلہ کیا، اور اُس کو بھگا کر دوسرے سوار کی طرف متوجہ ہوا اکبر نے جو اب تک زقوم کی آڑ میں کھڑا ہو کر دشمنوں پر تیر پھینک رہا تھا، یہ دیکھ کر راجہ بھگوان داس کی مدد کے لئے گھوڑا دوڑایا، حریف اکبر کے حملہ کی تاب نہ لا سکا

---

[۱] فرشتہ ج ۱ ص ۲۶۰،

اور اپنے ساتھی کے ساتھ بھاگا، اکبر فوراً تیر اندازوں کے ساتھ زقوم کی آڑ سے باہر نکل کر محمد حسین مرزا پر حملہ آور ہوا، مرزا کے لئے میدانِ جنگ تنگ ہوگیا، اور وہ لڑائی سے منھ موڑ کر بھاگا، اس جنگ کا ذکر کرکے فرشتہ لکھتا ہے کہ جب سے تاریخ کا پتہ چلتا ہے، اس وقت سے لیکر آج تک عرش آشیانی یعنی اکبر کے سوا کسی اور بادشاہ کے بارہ میں نہیں سُنا گیا کہ اس نے اپنے لشکر جرار کو چھوڑ کر ایک قلیل جماعت کے ساتھ ایک قوی دشمن پر حملہ کرکے اپنے کو ایسے عظیم الشان خطرہ میں ڈالا ہو، [1]

ہاتھی اور سواروں کے مشترکہ تعاون سے اکبر صفِ اعدا میں جس طرح انتشار پیدا کردیتا تھا، وہ فن جنگ میں غیر معمولی ترقی کا ثبوت تھا، ۹۷۴ھ میں علی قلی خاں اور بہادر خاں نے اکبر کے خلاف بغاوت کی، تو رائے بریلی کے پاس گنگا کے ساحل پر وہ اُن کی سرکوبی کے لئے پہونچا، پہلے ہاتھی پر بیٹھ کر اپنی فوج کو لڑاتا رہا، پھر ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہوگیا، اور اپنے ہاتھیوں کو یکبارگی علی قلی کی طرف ہانک دیا، سب سے پہلے ہیرانند نامی شاہی ہاتھی علی قلی کی طرف دوڑا، غنیم کی طرف سے رودیانہ نامی ہاتھی مقابلہ میں آیا، ہیرانند نے رودیانہ کو زمین پر دے مارا، اس ہاتھی کے گرتے ہی سوار آگے بڑھے، اور لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی، اتفاق سے ایک تیر علی قلی خان کو آکر لگا، وہ اس کو بدن سے نکال رہا تھا کہ ایک اور تیر اس کے گھوڑے کو لگا، گھوڑا تیر کھا کر ایسا کمزور ہوا کہ علی قلی خاں اس کی پیٹھ پر سے اُتر آیا، اس کے ایک لشکری نے دوسرا گھوڑا حاضر کیا اور چاہا کہ علی قلی کو سوار کرے کہ یکایک نرسنگھ نام شاہی فیل نے پہنچ کر علی قلی خاں کو زمین پر پٹک کر کچل ڈالا، یہ دیکھکر اسکے سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے، [2]

بعض اوقات اکبر کے سواروں کا پورا دستہ اپنی جانبازی اور سپہگری میں جلتی ہوئی آگ میں کود پڑا، قلعہ چتوڑ کے محاصرہ میں ساباط کے ذریعہ دو سرنگیں کھود کر برج تک پہنچا دی گئیں، ان میں بارود بھر کر آگ لگا دی گئی تھی، اتفاق سے ایک سرنگ میں آگ لگ گئی جس سے اس کے نیچے کا برج اڑ گیا، اور قلعہ کی دیوار

---

[1] فرشتہ جلد اول ص ۲۶۰-۲۵۹ [2] ایضاً ص ۲۷۷،

میں ایک بہت بڑا رخنہ پیدا ہوگیا، دو ہزار لشکری اور سوار یہ سمجھ کر کہ دونوں سرنگیں آگ سے جل گئی ہیں، اور حصار میں دونوں طرف سے راستے بن گئے ہیں، یکبارگی حصار کی طرف دوڑے، ایک ہزار لشکری پہلے رخنہ پر پہونچ کر راجپوتوں سے دست و گریبان ہو گئے اور ایک ہزار دوسرے برج کے پاس پہونچے، ان لشکریوں نے جب اس بُرج میں رخنہ نہ دیکھا تو کچھ تو کسی تدبیر سے پلٹ آئے لیکن کچھ غنیم سے لڑنے لگے، عین لڑائی کے وقت سرنگ میں آگ لگ گئی، اور بُرج آگ سے یکایک اڑ گیا، طرفین کے سپاہیوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ادھر اُدھر گرے، قلعہ کے محصورین میں سے بے شمار آدمی ہلاک ہوئے، شاہی لشکر کے بھی پانچ سو منتخب سوار کام آئے، لیکن بقیہ اور سواروں پر کسی قسم کی سراسیمگی طاری نہیں ہوئی اور وہ اسی دلیری اور پامردی سے قلعہ کا محاصرہ کئے رہے، اور دوسرے دن جب قلعہ میں داخل ہوئے تو راجپوتوں نے قلعہ کے اندر جم کر مقابلہ کیا اور قلعہ کے اندر ساری زمین کو اپنے خون سے رنگین کر لیا، تو سپر ڈالی۔[1]

اکبر کے فوجی سرداروں میں خان عالم، منعم خان خانخاناں، عبدالرحیم خانخاناں، خان زماں، اور بہادر خاں گھوڑے کی پیٹھ پر سے جنگ کرنے میں بڑے مشہور تھے، ۹۸۲ھ میں اکبر نے جب داؤد خاں کے خلاف شاہی فوج بنگال بھیجی تو اس مہم میں ہراول کے سردار خان عالم نے بڑی پامردی اور شجاعت کا جوہر دکھایا، شاہی لشکر کی ابھی صفیں بھی درست نہیں ہوئی تھیں کہ خان عالم نے جوانی اور بہادری کے جوش میں جنگی قواعد کو پس پشت ڈال کر تیزی سے اپنا گھوڑا بڑھایا، اور دشمن کی فوج میں گھس پڑا، منعم خاں خانخاناں نے اس کو اس سے روکا اور واپس بلایا، اور جب لڑائی شروع ہوئی تو داؤد خان کی طرف سے گوجر خاں اپنے جنگی ہاتھی کو لے کر آگے بڑھا، ہاتھیوں کی چنگھاڑ سے شاہی لشکر کے گھوڑے بھڑک گئے، جس سے صف میں انتشار پیدا ہوگیا، خان عالم ایک نڈر اور تیز دم گھوڑے پر سوار تھا وہ اپنی جگہ پر ثابت قدم اور جم کر لڑتا رہا، اور دشمنوں کو مار مار کر ڈھیر کر دیا، لیکن یکایک اس کے گھوڑے کو تلوار کی ایک ضرب لگی، اور وہ چراغ پا ہوا، خان عالم زین پر سے زمین پر آ گیا، لیکن انتہائی چستی اور

---

[1] فرشتہ ج ۱ ص ۵۰-۲۵۷، اکبر نامہ ج ۲ ص ۳۱۳،

مستعدی سے اٹھ کھڑا ہوا، اور گھوڑے پر سوار ہو کر پھر اسی پامردی سے لڑنے لگا مگر اس کی قسمت نے یاوری نہیں کی، یکایک ایک جنگی ہاتھی اس کے پاس پہونچ گیا، اور اس نے اس کو سونڈ میں لے کر زمین پر گرا دیا، اور دشمنوں نے اس کو گھیر کر ہلاک کر دیا، لیکن مرنے سے پہلے اس کو فخر تھا کہ اس نے اپنے شاہی آقا کے ناموس کیلئے پوری وفاداری اور جانبازی سے جنگ کی، (اکبر نامہ ج ۲ ص ۱۲۴)

اسی لڑائی میں منعم خان بھی گھوڑے ہی پر سوار ہو کر لڑا، اس کی پیشانی، گردن اور کندھوں پر متواتر ایسے زخم لگے کہ وہ مندمل بھی ہو گئے تو اس کی آنکھوں کی روشنی میں فرق آ گیا، اور گردن گھما کر پیچھے دیکھنے اور سر تک ہاتھ لیجانے سے معذور ہو گیا، پھر بھی بڑی بڑی لڑائیوں میں شریک ہوتا رہا،[۱]

عبدالرحیم خانخاناں کے بارہ میں فرشتہ کا بیان ہے کہ وہ معرکہ جیت لینے میں شہرۂ آفاق تھا،[۲] اکبر کے ۲۲ ویں سال جلوس میں مظفر گجراتی کے خلاف عبدالرحیم کو بھیجا گیا، تو احمد آباد سے تین کوس کے فاصلہ پر سرکیج میں دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی، مظفر گجراتی کے پاس چالیس ہزار اور عبدالرحیم کی کمان میں صرف دس ہزار تھے خود اکبر نے عبدالرحیم کو اس وقت تک جنگ سے روکنے کے لئے لکھا، جب تک مزید کمک نہ پہونچ جائے لیکن مرزا عبدالرحیم نے اپنی نبرد آزمائی کا زور دکھانے کی خاطر جنگ شروع کر دی، اور جب لڑائی انتہائی زور پر تھی تو عبدالرحیم ایک مقام پر سو لشکریوں اور ایک سو ہاتھی کو لے کر کھڑا تھا کہ مظفر چھ سات ہزار سوار لے کر اس پر ٹوٹ پڑا، عبدالرحیم کی پامردی میں فرق نہیں آیا، اور اس نے ڈٹ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا، ان کو مار بھگایا، اکبر نے اس کی اس جرأت اور بہادری سے خوش ہو کر پنج ہزاری منصب اور خان خاناں کا خطاب[۳] عطا کیا،

۱۰۰۵ھ میں نظام الملک اور قطب الملک کی فوجوں سے اکبری فوج کا مقابلہ قصبہ آشتی کے پاس ہوا، تو اس موقع پر بھی عبدالرحیم خانخاناں نے حیرت انگیز بہادری کا ثبوت دیا، وہ رات رات بھر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر فوج کی آراستگی اور نگرانی میں لگا رہتا، ایک موقع پر غنیم کے پچیس ہزار سوار خانخاناں کے پانچ ہزار سوار پر اچانک ٹوٹ پڑے، خانخاناں کے تمام ساتھیوں کی ہمت نے جواب دیدیا، اس کے ایک ساتھی

---

[۱] اکبر نامہ ج ۲ ص ۱۲۴، [۲] تاریخ فرشتہ ج ا ص ۲۷۰، [۳] ماثر الامراء ج ا ص ۷۰۰،

دولت خاں لودی نے اس کو جنگ کرنے سے روکا اور کہا کہ اس انبوہ سے مقابلہ کرنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے، خانخاناں کی غیرت جوش میں آگئی، وہ بولا کہ تم یہ کہکر دہلی کے نام کو برباد کرتے ہو، دولت خاں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ دشمن کو شکست ہوئی، تو سو دہلی آباد ہو جائے گی لیکن اگر ہم لوگ ہلاک ہوئے تو پھر معاملہ خدا کے سپرد ہے، یہ کہکر اس نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھانا چاہا، سادات بارہہ کے بہادروں میں قاسم بارہہ نے یہ صورت حال دیکھی تو آگے بڑھا، اور دولت خان کو روک کر بولا "ہم ہندوستانی ہیں، لڑکر مر جانا ہمارا شیوہ ہے"، دولت خاں جھلاکر خانخاناں سے پھر مخاطب ہوا کہ یہی سہی دشمن کے انبوہ کے مقابلہ میں شکست لازمی ہے، لیکن یہ بتلاؤ کہ شکست کھا کے ہم لوگ تم سے کہاں ملیں"، خانخاناں مردانگی اور بہادری کے پندار میں بولا" لاشوں کے ڈھیر کے نیچے" یہ سُن کر سارے لشکریوں میں ایک نئی غیرت اور ہمت پیدا ہوگئی، اور وہ سر بکف ہو کر اس طرح لڑے کہ دشمن کی کثیر تعداد تتر بتر ہوگئی، خانخاناں نے اس غیر متوقع فتح و کامرانی کی خوشی میں میدانِ جنگ میں پانچ لاکھ روپیے لٹائے [۱]،

اکبری امراء میں خانِ زماں علی قلی کے بھائی بہادر خاں کے بارہ میں فرشتہ لکھتا ہے کہ وہ اپنی معرکہ آرائی کے سامنے اسفندیار کی ہفت خوان داستان کو بھی ہیچ اور بے معنی سمجھتا تھا، شیر خان ولد محمد شاہ عدلی نے چالیس ہزار سواروں کے ساتھ جونپور کو مغلوں سے واپس لینے کے لئے دریائے گنگا کو عبور کیا تو اکبر کی طرف سے بہادر خان نے لڑائی میں ایسے ایسے افغانیوں کو تہ تیغ کیا جن میں سے ہر ایک سوار اپنے کو ہزار ہزار سواروں کا ہم پلہ سمجھتا تھا [۲]، خان زماں اور بہادر خان دونوں ازبکوں کے سردار تھے، ازبک بڑے اچھے تیر انداز سمجھے جاتے تھے، مغل حکمران زیادہ تر ان ہی کی جنگی شجاعت و تندخوئی کی بدولت جنگ جیتا کرتے تھے،

سادات بارہہ سادات بارہہ بھی ہر فوج کی ریڑھ کی ہڈی سمجھے جاتے تھے، ہر معرکہ میں ان کی شہسواری

---

[۱] مآثر الامراء ج ۱ ص ۱۰۱، [۲] فرشتہ ج ۱ ص ۲۵۱،

نبرد آزمائی نمایاں رہتی، جہانگیر نے بھی اپنے عہد کی معرکہ آرائیوں میں ان کی جنگی خدمات کو سراہا ہے، وہ لکھتا ہے:

"بارہ بزبان ہندی دوازدہ را گویند، چو در میان دوآب دوازدہ دیہ نزدیک ہم واقع است کہ وطن این سادات است بنابریں بسادات بارہہ اشتہار یافتہ اند و بعضے مردم را صحت نسب اینہا سخن ہا دارند لیکن شجاعت ایشاں برہانی است قاطع بر سیادت چنانچہ دریں دولت ہیچ معرکہ نبودہ کہ اینہا خود را نمایاں ساختہ باشند و خدمے بکار نیامدہ باشند، مرزا عزیز کوکہ ہمیشہ می گفت سادات بارہہ بلاگردان ایں دولت اند، الحق چنیں است[1]"

وہ بلاگردان "دولت" ہی نہیں رہے، بلکہ آخر میں "شاہ گر" بھی ہو گئے تھے، جہاندار شاہ کے بعد سید حسین علی خاں اور سید عبداللہ خاں نے تیموری تخت پر جس کو چاہا بٹھایا، اور جس کو چاہا معزول کر دیا، اُن کی تلوار اور نبرد آزمائی سے پوری سلطنت کانپتی تھی،

جہانگیر نے اپنے فوجی سرداروں میں سید عبدالوہاب، سید یعقوب اور سید غلام محمد کی تعریف خاص طور پر کی ہے، سید عبدالوہاب کو اس کے شجاعانہ کارناموں کی بدولت جہانگیر نے دلیر خاں کا خطاب دیا تھا،[2] ۱۰۳۲ھ میں جہانگیر کی فوج گجرات کی تسخیر کے لئے عبداللہ خان کے خلاف بھیجی گئی تو میدانِ جنگ میں سید غلام محمد نے بہادری کا پورا جوہر دکھایا، اور لڑتا ہوا گھوڑے کی پیٹھ پر سے زمین پر گرا، تو اس بہادر فوجی سردار کے بچانے کے لئے سو سواروں نے اپنی جانیں دیدیں[3]،

جہانگیر خود تو کوئی غیر معمولی جنرل نہ تھا لیکن اکبری روایت کے مطابق اس کے فوجی سرداروں اور اُن کے ماتحت سواروں کا رعب تمام سلطنت میں بدستور سابق قائم رہا، اور یہ فوجی سردار جنگی ہنر خود بھی اسی شان سے دکھاتے رہے، جہانگیر اُن کو بڑی محبت و شفقت سے مہم پر روانہ کرتا، اور کبھی انکو

[1] تزک جہانگیری ص ۵-۴-۳، [2] ایضاً ص ۴، ۳ [3] ایضاً ص ۳۰۲، ۳ [4] مآثر الامراء ج ۱ ص ۱۰۸،

رخصت کرتے وقت خود گھوڑے پر سوار کرتا، اپنی دستار پہنا دیتا، اور بغل گیر ہونے میں اشکبار ہو جاتا[1] جس سے متاثر ہو کر یہ سردار پوری وفاداری اور جانبازی سے مہم کو سر کرنے کی کوشش کرتے، جہانگیر کے ۱۵ ویں سال جلوس میں اکبر نگر میں افغانوں کے خلاف شاہی لشکر صف آرا ہوا، تو اس کی کمان ابراہیم خاں کے ہاتھ میں تھی، اس کے ساتھ ایک ہزار سوار تھے، بقیہ اور سوار دوسرے بازو پر متعین تھے، لڑائی شروع ہوئی تو دشمنوں نے ابراہیم خاں کے لشکر کے دوسرے بازوؤں کو درہم برہم کر دیا، ابراہیم یہ دیکھ کر تاب نہ لاسکا، اور بے قرار ہو کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑا، اس سے اس کی ساری فوج کی تنظیم بگڑ گئی، اور جب ابراہیم خان کے ساتھیوں نے اس کی جان خطرہ میں دیکھی، تو اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اس کو میدان کارزار سے نکال لینا چاہا لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوا، اور بولا کہ میدانِ جنگ سے منہ موڑنا مردانگی نہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا دولت ہو سکتی ہے کہ بادشاہ کی خدمت میں اپنی جان نثار کروں"۔ پھر متواتر زخم کھا کر مردانہ وار جان دے دی،

(تزک جہانگیری ص ۳۹۳)

جہانگیر کے فوجی سردار جب بہادری کے کارنامے انجام دے کر میدانِ جنگ سے لوٹتے تو وہ اُن کی شجاعت کی نوعیت کے لحاظ سے اُن کو خطاب دیتا، مثلاً فدائی خاں، رستم خاں، زبردست خاں، ہمت خاں، دلاور خاں، دلیر خان، دارآب خاں وغیرہ، یہ دستور اور تیموری حکمرانوں کے عہد میں بھی رہا،

شاہجہانی عہد کے سوار شاہجہانی عہد میں مغل فوجوں کی سربلندی میں اضافہ ہوتا رہا، اُنھوں نے اپنی نبرد آزمائی اور سپہگری کے جوہر بدخشاں، بلخ، اور قندھار میں بھی جا کر دکھائے، ۱۰۵۵ھ میں شہزادہ مراد بدخشاں اور بلخ کی مہم پر بھیجا گیا، تو اس کی کمان میں پچاس ہزار سوار اور دس ہزار تفنگچی اور پیادے تھے[2]

[1] مآثر الامراء ج ا ص ۸، [2] بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۴۸۳،

ان کی سربراہی تقریباً ڈھائی ہزار پرانے تجربہ کار فوجی سرداروں کے ذمہ تھی جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں، علی مردان خاں، نجابت خاں، قلیچ خاں، لہراسپ خاں، دولت خاں، راجہ دیبی سنگھ بندیلہ، راجہ جے سنگھ، راجہ راج روپ، راؤ ستر سال ہاڈا، وغیرہ، شاہجہاں نے اس لشکر کا راستہ یہ متعین کیا کہ وہ کھوکھروں کے علاقہ اٹک، اور حسن ابدال ہو کر جائے، کیونکہ ان علاقوں میں فوجی رسد کی کمی نہ تھی، اور جب موسم بہار شروع ہو تو شہزادہ مراد پشاور ہو کر کابل روانہ ہو، اور فوج کے دوسرے سردار بنگش کے زیریں حصہ سے ہو کر شہزادے سے کابل میں ملیں، اور جب فوجیں کابل میں جمع ہو جائیں، تو کچھ سردار مثلاً قلیچ خاں، خلیل اللہ خاں، اور مرزا نوروز اور کہمرد اور غوری پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بڑھیں اور بقیہ تمام لشکر بدخشاں اور بلخ کی طرف جائے، شہزادہ مراد مقررہ وقت کے بعد کابل پہنچا تو اس وقت درہ طول برف سے ڈھکا ہوا تھا، کچھ دستے ان برفانی راستوں کو صاف کرنے کے لئے آگے روانہ کئے گئے، شہزادہ مراد تین منزلوں پر قیام کرنے کے بعد چاریکاران پہنچا، یہاں سے قلیچ خاں کی سربراہی میں ایک دستہ غوری اور کہمرد کی طرف بھیجا گیا، اور شہزادہ نے بدخشاں کے جانب کوچ کیا، قلیچ خاں کو راستہ بہت تنگ اور دشوار گذار ملا، اس لئے اُس نے اپنی فوج کے کئی ٹکڑے کر کے کوچ کو جاری رکھا، اور کہمرد اس طرح اچانک پہنچا کہ وہاں کے باشندے اپنی مدافعت میں کچھ نہ کر سکے، وہاں دو روز ٹھہر کر غوری پہنچا تو یہاں بھی شاہی لشکر کا کسی نے مقابلہ نہ کیا، شہزادہ مراد کو برفانی راستہ طے کرنے میں دیر لگی، درۂ طول کے برف کو ہزار ہزار مزدور صاف کرتے تو سوار اور دوسرے لشکری کچھ آگے بڑھتے، بالآخر شہزادہ سراب پہنچا، یہاں پوری فوج اکٹھی ہوئی، اور وہ یتاجکان ہوتی ہوئی نارین پہنچی، یہاں سے بڑھ کر اصالت خاں کی نگرانی میں سواروں نے قندز پر قبضہ کر لیا، قندز چھوڑتے وقت غنیم نے بڑی لوٹ مار اور غارت گری کی، مراد نے پہنچ کر وہاں کے باشندوں کے نقصانات کی تلافی میں پچیس ہزار روپیے تقسیم کرائے، قندز کے قبضہ سے بدخشاں شاہجہاں کے حدود سلطنت میں آ گئی

سے آگیا، اور اب شاہی لشکر بلخ کی طرف بڑھا، یہ سیلِ رواں کی طرح آگے بڑھتا چلا گیا، ان لشکریوں کی شجاعت اور نبرد آزمائی کا شہرہ وہاں تک پہلے ہی پہنچ چکا تھا، اس لئے وہ کسی رکاوٹ اور مقابلہ کے بغیر کوچ کرتے ہوئے بلخ کے دروازے تک پہنچے، تفنگچی سواروں کو اپنی آڑ میں لیکر بلخ کے اندر گھسے، والیٔ بلخ قلعہ کے اندر تھا، لشکر جرار کی آمد پر قلعہ چھوڑ کر فرار ہو گیا، اوزبک اپنی نبرد آزمائی کے لئے مشہور تھے لیکن مراد کی فوجوں اور سواروں کی وہ بھی تاب نہ لا سکے، اور بلخ اور اس کے بعد ہی قلعہ ترمذ پر شاہجہانی پرچم لہرانے لگا، شاہی فوج کے تمام دستے جب بلخ کے اندر داخل ہوئے ہیں، تو وہاں کے باشندے اس لشکر کی آرایش و نمایش کو دیکھ کر دنگ رہ گئے، کوہ پیکر اور برق رفتار ہاتھیوں پر مخمل اور زربفت کی جھولیں پڑی تھیں، لشکریوں کی سیمیں اور طلائی لباس سے چمک دمک پیدا ہو رہی تھی، گھوڑوں کی زین اور لگام بھی زریں تھے، زرنگار اور مرصع جھنڈوں اور علموں کی کثرت تھی، توپچیوں اور تفنگچیوں اور بانداروں کا بھی بڑا انبوہ تھا، اہلِ بلخ نے اس شان و شوکت کا لشکر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا[1] جب اس فتح کی خبر شاہجہاں کو پہنچی تو اس نے اس کی خوشی میں آٹھ روز تک شاہانہ جشن منایا، فوجی سرداروں کے مناصب بڑھائے گئے، ان کو خلعت اور انعامات دیئے گئے، اور شعراء نے قصائد کہکر مبارکباد پیش کی،[2]

مراد تو بلخ سے واپس چلا آیا، لیکن شاہجہاں کے حکم سے سوار اور فوج کے کچھ اور دستے خاص خاص مقامات پر متعین کر دیئے گئے، مشرق کے جانب طالقان اور قندز میں شمال مشرق کے سمت ستاق میں دریائے جیحون پر بلخ اور ترمذ میں، بلخ کے شمال میں میمنہ اور شمال مغرب کی جانب اندخود میں شاہجہانی سواروں نے ہندوستان کا پرچم لہرایا، مراد کی واپسی کے بعد شہزادہ اورنگ زیب بلخ بھیجا گیا، اس کے جلو میں ۳۵ ہزار فوج تھی جس میں زیادہ تر سوار ہی تھے، اس زمانہ کا بڑا تجربہ کار فوجی جنرل

---

[1] بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۵۳، [2] ایضاً ص ۵۳،

امیر الامراء علی مردان خان بھی اس کے ساتھ گیا، اورنگ زیب پشاور ہوتا ہوا کابل پہنچا، جب کابل سے آگے بڑھا تو اس کے کچھ فوجی سردار اپنے لشکریوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے، اوزبکوں نے شاہی لشکر پر تاخت کرکے اس کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی گو اُن کے پاس ایک لاکھ سے زیادہ مسلح سوار تھے، لیکن وہ میدانِ جنگ میں کھل کر لڑنے کے بجائے دشوار گذار راستوں اور پہاڑی علاقوں میں چھپ چھپ کر حملہ کرتے رہے، اس قزاقانہ جنگ کے مغل سوار عادی نہ تھے، لیکن اورنگ زیب کے سپاہیانہ تدبر اور احتیاط سے لشکر آگے بڑھتا چلا گیا، اوزبک حملہ کرتے اور مار کھا کر بھاگتے رہے، ان کے چھ ہزار سوار مارے گئے، اور شاہی فوج کے پانچ سو سواروں کی جانیں تلف ہوئیں، اورنگ زیب راستہ میں جوشن پہنے اور سپر سے ہمیشہ مسلح فوج کی نگرانی میں مشغول رہتا تھا، وہ درہ شیبر اور اق رباط ہو کر کہمرد کی طرف بڑھ رہا تھا کہ درۂ گز کے پاس اوزبکوں نے پھر مزاحمت کی مگر اورنگ زیب نے اُن کی سرکوبی اچھی طرح کردی، اور وہ شکست کھا کر دروں، پہاڑیوں اور گذرگاہوں کی کمین گاہوں میں چھپ گئے، اورنگ زیب اوزبکوں کی قزاقانہ جنگ کے طریقوں سے کچھ واقف ہوگیا تھا، اس لئے آگے بڑھا تو درۂ گز سے ہو کر بلخ کو جانے والے دریائے بلخاب کی ناکہ بندی اچھی طرح کردی، پہلے علی مردان کو ہراول بنا کر آگے بھیجا، اس کے ساتھ "شیرانِ زنجیر خا، دلیرانِ جوشن قبا، بہادرانِ نبرد پرداز اور تفنگچیان حکم انداز" تھے، اس کے پیچھے اورنگ زیب اپنے توپخانہ، جنگی ہاتھیوں اور منتخب لشکریوں کے ساتھ روانہ ہوا، اوزبکوں نے ہراول پر تاخت کی، مگر زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا کہ علی مردان کے "صف شکن مرد افگن" سواروں نے اپنی تیغ آبدار اور سنان آتشبار سے اُن کو منتشر کردیا، اور دو کوس تک ان کا تعاقب کرکے اُن کو پیچھے ڈھکیل دیا، اس کے بعد اورنگ زیب کو بلخ پہنچنے میں دیر نہیں لگی[1]، بلخ میں کچھ احدی سوار، پیادے اور تفنگچی چھوڑ کر وہ پوری تنظیم و ترتیب کے ساتھ آقچہ کی طرف بڑھا، پہلے تفنگچی بڑھ کر راستے کو محفوظ کر دیتے، ان کے پیچھے سوار کوچ کرتے، کیونکہ اوزبک باغوں اور نہروں میں چھپ کر ان پر

۱؎ بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۳۷، ۱۱، ۷۴،

مسلسل تیر اندازی کر کے اُن کو آگے بڑھنے سے روک دیتے تھے لیکن یہ سرکش فوج بڑھتی چلی گئی، اور تیموآباد پہنچی، ازبک شہسواری اور تیر اندازی میں بے مثل مہارت رکھتے تھے لیکن شاہجہانی فوج کی تنظیم و ترتیب تیز گامی اور ان سب پر مستزاد، شہزادہ اورنگ زیب کی سپہ سالاری اور بیدار مغزی سے ان کا سارا شور و شورش بے مدعا بن کر رہ جاتا، وہ چھپ چھپ کر شاہی فوج کے کمزور حصہ پر اچانک حملے کر دیتے لیکن اورنگ زیب کسی بہادر جنرل کو بھیج کر یا خود پہنچ کر اُن پر ضرب کاری لگاتا،

اثنائے راہ میں ایک مقام پر فریقین میں جو تصادم بھی ہوا، اس کا حال خافی خاں نے اس طرح لکھا ہے کہ چپاول جرانغار سعید خاں کی نگرانی میں تھا، وہ بیماری کے ضعف کی وجہ سے گھوڑے پر بمشکل سوار ہو سکتا تھا، ازبک اُس کے بازو پر اچانک حملہ آور ہو گئے، سعید خاں نے پانچ سو سوار اُن کے مقابلے کے لئے بھیجے لیکن وہ مغلوب ہو گئے، پھر سعید خاں نے اپنے دو لڑکوں لطف اللہ اور خان زاد خاں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، یہ دونوں بڑی بہادری سے لڑے، لیکن اوزبکوں کو مغلوب نہ کر سکے اور باپ سے کمک منگوا بھیجی، اس مرتبہ سعید خاں خود علالت کے باوجود جنگی نعرے لگاتا ہوا فوج کے ساتھ آگے بڑھا، اس نے اپنی تلوار سے قیامت بپا کر دی، لیکن اس کے گھوڑے کے پاؤں لڑکھڑا گئے، جس کی وجہ سے وہ زخمی ہو کر زین سے زمین پر آ گیا، اُس کے کئی زخم لگ چکے تھے، پھر بھی وہ زمین سے تیزی سے اٹھا، اور تین چار دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا، اس کا لڑکا لطف اللہ خاں باپ کی مدد کے لئے آگے بڑھا، تیروں کی بارش ہر طرف ہو رہی تھی، پھر بھی وہ اپنا گھوڑا باپ کی طرف لے چلا، یکایک ایک تیر آ کر لگا، اور لطف اللہ گھوڑے سے گر کر جاں بحق ہو گیا، سعید خاں کے دوسرے لڑکے خان زاد خاں نے بھائی کو اس طرح مرتے دیکھ کر باپ کو بچانے کے لئے مردانہ وار گھوڑا بڑھا دیا، اور دشمنوں کو مارتا کاٹتا جا رہا تھا کہ تیروں کے متواتر زخم کھا کر گھوڑے سے نیچے گر پڑا، اورنگ زیب کو اپنے فوجی سرداروں کی پسپائی کی خبر ملی تو ہاتھیوں، تفنگچیوں اور سواروں کا ایک دستہ لے کر اُن کی

مدد کو پہنچا، اور کوس و کرنا کا شور ایسا بلند ہوا کہ گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی، اورنگ زیب نے دو مست ہاتھی دشمن کی طرف چھوڑ دیئے، اور اُن کے پیچھے شیر دل سواروں نے ایسی یورش کی کہ ازبک نہ ٹھہر سکے، اور اُن کے کشتوں کے پشتے لگ گئے، سعید خان کے نوکر اس کے پاس پہونچ کر اس کو اور دونوں لڑکوں کو میدان جنگ سے باہر لائے، خاں زاد خاں میں کچھ جان باقی تھی، اس نے اثنائے اور لکنت سے باپ کا حال دریافت کیا، اور اس کی روح بھی عالم بالا میں پرواز کر گئی، تھوڑی دیر بعد باپ بھی راہی عدم ہوا،[1]

اورنگ زیب اس طرح لڑتا بھڑتا علی آباد پہنچا، یہاں اس کو خبر ملی کہ دشمنوں کی ایک فوج بخارا سے بلخ کی طرف بڑھ رہی ہے، اس نے بلخ کی طرف مراجعت کرنا بہتر سمجھا، ازبکوں اور بلخ کے لشکریوں نے اورنگ زیب کے بلخ تک پہونچنے میں ہر قسم کی مزاحمت کی، اور جب اورنگ زیب پاشائے اور شیخ آباد ہو کر فیض آباد پہونچا تو دشمنوں سے پھر زبردست مقابلہ ہوا، لیکن اورنگ زیب کی ترقی یافتہ فوج غالب آئی، اور اورنگ زیب بلخ میں داخل ہوگیا، بلخ سے روانگی اور واپسی کی مدت کل دس روز کی تھی، لیکن اس اثنا میں لشکریوں نے مطلق آرام نہ لیا، اُن کا کھانا ہاتھی کی پیٹھ پر تیار کیا جاتا تھا، رات رات بھر فوجی سردار گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر لشکر کے چاروں طرف خندقیں کھدواتے، اور اُن کی نگرانی کرتے، کھانے پینے کی چیزوں کا بھی قحط پڑ گیا تھا لیکن اورنگ زیب کی مدبرانہ قیادت، دلیرانہ رہنمائی اور سپاہیانہ احتیاط نے لشکر میں انتشار اور بددلی پیدا نہ ہونے دی اور اس کی ہمت جرأت اور پامردی نے ہر وقت اس کا ساتھ دیا، وہ ازبکوں کے خلاف ایک موقع پر لڑ رہا تھا کہ دشمنوں نے مور و ملخ کی طرح اس کو گھیر لیا، اس گھمسان لڑائی میں ظہر کا وقت آگیا، اورنگ زیب گھوڑے پر سے اتر آیا اور نماز باجماعت کا قصد کیا،

---

[1] خافی خان حصہ اول ص ۶۶۲ - ۶۶۳،

اس کے مقربین نے میدان کارزار میں اس طرح نماز ادا کرنے سے روکنا چاہا لیکن وہ نہ مانا، اور تیروں کی بارش میں پورے اطمینان و سکون سے فرض، سنت، اور نفلیں ادا کیں، ازبکوں کے سردار عبدالعزیز کو اس کی خبر ملی تو وہ بہت حیران ہوا، اور یہ کہکر جنگ سے ہاتھ روک لیا، کہ ایسے شخص سے جنگ کرنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے،

"باچنیں کسے ور افتادن بر افتادن است[1]"

قندھار کی مہم میں سواروں کے کارنامے

اورنگ زیب نے اپنی سپہ سالاری اور سپہگری کا جوہر قندھار جاکر بھی دکھایا، ۱۰۵۹ھ میں قندھار کی تسخیر کے لئے شاہجہاں نے جب سعد اللہ خان اور اورنگ زیب کو بھیجا تو اُن کے ساتھ پچاس سے ساٹھ ہزار تک فوج تھی، اس مہم میں جتنے سوار اور لشکری شریک ہوئے اُن کو تنخواہ کے علاوہ سو روپے زیادہ دیے گئے، پھر منصبداروں اور احدیوں کو تین تین مہینہ کی تنخواہ پیشگی دیدی گئی، اور فوج بھیرا، بنگش، کوہاٹ، جمرود، جلال آباد، کابل، غزنین، قلات اور غلزئی کے دشوار گذار راستوں سے گذر کر قندھار پہنچی، پہلے تو ایرانیوں نے قلعہ کے اندر محصور ہوکر ہندوستان کی فوج کا مقابلہ کیا، لیکن جب بالاحصار کے پاس شاہ میر میں دونوں فوجوں کا مقابلہ میدان میں ہوا، تو ہندوستانی لشکر کے سواروں اور ہاتھیوں نے مل کر غنیم کے چھکے چھڑا دیے، ایرانیوں کی فوج میں تیس ہزار قزلباش سوار تھے، لیکن ہندوستانی سواروں کی تعداد کل دس ہزار تھی، دونوں جانب توپچیوں کے علحدہ علحدہ دستے تھے، البتہ ہندوستانیوں کے پاس جو جنگی ہاتھی تھے، وہ ایرانیوں کے لشکر میں نہ تھے، گولے اور بان پھینک کر جنگ شروع ہوئی، اور جب لڑائی میں گرمی پیدا ہوئی تو دونوں طرف کے سوار آگے بڑھے، قزلباش سواروں نے گھوم گھوم کر ہندوستانی فوجوں کو اپنی گود میں لے لینا چاہا، لیکن ہندوستانی فوج کے سوار اس طریقۂ جنگ سے اچھی طرح واقف تھے، اسلئے سواروں میں سے سادات

---

[1] مآثر عالمگیری صفحہ ۱۳ہ

افغان مغل اور راجپوتوں نے گھوڑے بڑھا کر اُن کی یورش روکی، گو وہ تعداد میں کم تھے لیکن اپنی شجاعت اور نبرد آزمائی کے زعم میں اُن کا مقابلہ کرتے رہے، قزلباشوں نے شجاعت کا پورا جوہر دکھایا، دونوں طرف سے سواروں کی "چپقلش مردانہ" کا حال یہ تھا کہ

"از گرد وغبار سم اسپاں ہر دو طرف جہاں در چشم دل باختگاں سیاہ و تیرہ گردید"[۱]

ہندوستانی فوج خونِ جگر بہا رہی تھی کہ اورنگ زیب کا ایک سردار رستم خاں اپنے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر اپنے سواروں کی مدد کو پہنچا، اس کے ساتھ دوسرے سردار بھی تھے، رستم خان مارتا کاٹتا دشمن کے قلب میں گھس گیا، اس یورش میں بہت سے ہندوستانی فوجی سردار ہلاک ضرور ہوئے، لیکن دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے، اور وہ میدانِ جنگ میں ٹک نہ سکے، اور جب اس فتح کا مژدہ شاہجہاں کے پاس پہنچا تو ہندوستان کے دارالسلطنت میں تین دن تک شادیانے بجائے گئے،[۲]

اورنگ زیب کو بدخشاں، بلخ اور قندھار میں کامیابی تو ہوئی لیکن یہ علاقے شاہجہانی عہد ہی میں ہندوستان سے کٹ گئے، جہاں تک ہندوستانی سواروں کی نبرد آزمائی کا تعلق تھا، وہ بدخشاں، بلخ اور قندھار کے سواروں سے زیادہ بہادر، شجاع اور تربیت یافتہ ثابت ہوئے، اسی لئے اُن کا مقابلہ میدانی لڑائیوں میں کم کیا گیا لیکن ہندوستانی گوریلا اور قزاقانہ جنگ کے عادی نہ تھے، اس لئے ایسی لڑائیوں میں وہ اپنے غنیم پر ضرب کاری نہ لگا سکے، اس کے علاوہ محاصرہ کی جنگ میں ہندوستانی توپیں زیادہ کارگر اور موثر ثابت نہ ہوئیں، کیونکہ اُن کے غنیم خصوصاً ایرانیوں کی توپیں اُن سے زیادہ بہتر اور اچھی تھیں، پھر ان علاقوں میں ہندوستانی فوجوں کے لئے خاطر خواہ رسد بھی نہیں ملی، اس لئے اُن کے کیمپ کو برابر قحط کا سامنا کرنا پڑا، پھر ہندوستانی فوجیں برفانی علاقوں میں رہنے کی عادی نہ تھیں اس لئے جب جب وہ برفانی علاقوں سے گذریں تو بے شمار جانیں تلف ہوئیں

---

[۱] خافی خاں ص ۷۰۹، [۲] ایضاً،

بلخ کی واپسی میں شاہی لشکر دریائے سرخاب اور کوہ ہندوکش سے گذرا، تو دس ہزار لشکری، ہاتھی گھوڑے اونٹ، اور دوسرے جانور برف کے تودوں میں دفن ہو کر رہ گئے، دارا اور اورنگ زیب کی چشمک اور فوجی سرداروں کی رقابتوں سے بھی ان علاقوں کی مہم کو نقصان پہنچا، اورنگ زیب ان علاقوں کی تسخیر کے لئے بھیجا ضرور جاتا، لیکن اس کو اختیارات زیادہ نہیں دیئے جاتے تھے، اور جب وہ اپنی خواہش کے مطابق کوئی جنگی کارروائی کرنا چاہتا تو اس کو روک دیا جاتا، یا واپس بلا لیا جاتا، اس میں بہت کچھ داراشکوہ کو دخل رہتا، ان علاقوں کی فوج کشی میں شاہی خزانہ پر بڑا بار پڑا، اس لئے آخر میں شاہجہاں اُن پر حکومت کرنے کے خیال سے دست بردار ہو گیا، لیکن ہندوستانی فوج نے ہندوستان سے باہر نکل کر اپنی بہادری، شجاعت اور جانبازی کے جو جوہر دکھائے، وہ اُس کی تاریخ میں ایک زرین مثال ہے،

راجپوت سواروں کے کارنامے

قندھار، بلخ اور بدخشان کی مہم میں راجپوت سواروں نے بھی اپنی سپہگری کے جوہر دکھائے، وہ تیموری بادشاہوں کے لشکر کا ضروری جز بن گئے تھے اور ہر چھوٹی بڑی مہم میں ضرور شریک رہتے تھے گو کچھ راجپوت ایسے ضرور تھے جو برابر مغل سلطنت سے ٹکر لیتے رہے لیکن مغل حکمرانوں نے ایسے راجپوتوں کی معاندانہ اور مخالفانہ روش کو ہمیشہ نظر انداز کیا اور اپنی غیر معمولی رواداری، وسعتِ قلب، بلند حوصلگی اور سیاسی فیاضی کا ثبوت دے کر راجپوتوں کو ہر زمانہ میں اپنانے کی کوشش کی، کنواہہ کے میدان میں رانا سانگا کی پسپائی کے بعد بابر نے اس کے لڑکے بکرماجیت اور اسکی بیوی پدماوتی کو ستر لاکھ کی جاگیر واگذاشت کی، اور ایک دوسرے لڑکے کو شمس آباد عطا کیا،[1]

۹۳۷ھ (۱۵۳۱ء) میں ہمایوں نے چندیل راجپوتوں کے راجہ کے خلاف کالنجر پر حملہ کیا، مگر اس قلعہ

---

[1] بابر نامہ ص ۳۲۳،

کی تسخیر کے بعد راجہ کو اپنے خیر خواہوں اور امراء کے زمرہ میں داخل کر لیا، طبقاتِ اکبری میں ہے،

"راجہ آنجا (کالنجر) از راہ انقیاد و عبودیت پیش آمدہ، داخل دولت خواہاں شد"

(ج ۲ ص ۳۰)

اکبر نے راجپوتوں کے دلوں کو جس طرح تسخیر کیا، وہ تاریخ ہند کا ایک زریں باب ہے، راجہ بہارا مل کچھواہا اکبر کی محبت و الفت کا دم اتنا بھرتا تھا کہ اس کو اپنی لڑکی دے کر اس سے قرابت بھی قائم کر لی، اس رشتہ سے کچھواہہ کے بہت سے افراد اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئے، خود اکبر راجہ بہارا مل کا بڑا لحاظ رکھتا تھا، ۹۸۰ھ میں جب وہ گجرات کی مہم پر گیا، تو فتح پور میں راجہ بہارا مل ہی کو وکیل مطلق بنا کر چھوڑ گیا[۱]

راجہ بہارا مل کا لڑکا راجہ بھگوان داس تو ترقی کر کے اکبر کا پنجہزاری پنجہزار سوار منصبدار بن گیا تھا، وہ آخر وقت تک اکبر کے دام اخلاص و محبت کا اسیر رہا، اکبر کے ساتھ رانا میواڑ کے خلاف جنگ کر کے اپنے قلبی تعلق کا ثبوت دیا، چتوڑ کے محاصرہ میں راجہ بھگوان داس کے ساتھ رائے سرداس اور راجہ ٹوڈرمل بھی تھے، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس مہم کے آغاز میں رانا اودے سنگھ کا لڑکا سکت سنگھ بھی اکبر کے ہمرکاب رہا لیکن بعد میں وفادار ثابت نہ ہوا[۲]

۹۷۹ھ میں جب اکبر گجرات کی مہم پر گیا تو راجہ بھگوان داس اور راجہ مان سنگھ بھی اس کے ساتھ تھے، لڑائی کے موقع پر اکبر اپنے خاص گھوڑے نوربیضا، پر سوار ہو کر میدان جنگ جانے لگا تو گھوڑا یکایک بیٹھ گیا اب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے، کہ شگون اچھا نہیں ہوا، لیکن راجہ بھگوان داس نے فراست سے کام لیا، اور آگے بڑھ کر اکبر سے مخاطب ہو کر بولا، "فتح مبارک ہو" اکبر نے سن کر کہا سلامت باشید، یہ کیوں؟ راجہ نے جواب دیا کہ ہمارے شاستر میں لکھا ہے کہ جب فوج

---

[۱] مآثر الامراء ج ۲ ص ۱۱۳ [۲] اکبر نامہ ج ۲ ص ۳۲۳، ۳۱۶، ۳۰۲،

مقابلے کو تیار ہوا اور سیناپتی کا گھوڑا سواری کے وقت بیٹھ جائے تو فتح اسی کی ہوگی، یہ سُن کر تمام لشکریوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، جب جنگ شروع ہوئی تو اکبر، راجہ بھگوان داس کے ساتھ ایک ٹیلہ پر کھڑا ہو کر جنگ کا معائنہ کر رہا تھا کہ راجہ بھگوان داس سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہراول پر دباؤ زیادہ ہے، طور بے طور ہوا چاہتا ہے، اپنی فوج تھوڑی اور غنیم کا ہجوم زیادہ ہے، چلو ہم تم مل کر جا پڑیں کہ نیچے سے مشت کا صدمہ زیادہ پڑتا ہے، یہ کہہ کر دونوں نے گھوڑوں کی باگ اٹھائی، اور اُن کا یہ دعاوا کامیاب رہا،

اسی جنگ میں اکبر ایک مقام پر کھڑے ہو کر دشمنوں پر تیر چلا رہا تھا، اور راجہ بھگوان داس اور مان سنگھ اُس کے پاس تھے کہ دشمن کے تین لشکری آگے بڑھے، ایک راجہ بھگوان داس کی طرف لپکا، اور دو اکبر پر حملہ آور ہوئے، راجہ بھگوان داس نے اپنا گھوڑا بڑھایا، دشمن نے گھوڑے پر سے راجہ پر تیر چلایا، لیکن راجہ نے وار بچا کر برچھا مارا، اور وہ زخمی ہو کر بھاگا، راجہ مان سنگھ اکبر کی مدد کے لئے پہنچنا ہی چاہتا تھا کہ اکبر نے للکارا کہ وہ اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھے، اور خود اپنا گھوڑا اُڑا کر دونوں دشمنوں کو نرغے میں لینا چاہا، راجہ بھگوان داس نے چلّا کر راجہ مان سنگھ سے کہا، کھڑے ہوئے کیا دیکھتے ہو آگے بڑھو، راجہ مان سنگھ نے کہا مہابلی خفا ہوتے ہیں، راجہ نے جھلّا کر کہا یہ وقت خفگی دیکھنے کا نہیں ہے، اس عرصہ میں اکبر نے دونوں دشمنوں کو مار بھگایا،

اسی لڑائی میں راجہ بھگوان داس کے بھائی[1] نے اکبر کو دشمنوں کے نرغے سے بچانے میں بہادری کا ایسا کارنامہ دکھایا کہ فرشتہ کا بیان ہے کہ رستم و اسفندیار کی ساری داستان بھلا دی گئی، اور آخر کار خود بھی کام آیا،[2]

---

[1] بدایونی کا بیان ہے کہ راجہ بھگوان داس (بھگونت داس) کا لڑکا بھوپت رائے تھا، (جلد ۳ ص ۴۳)

[2] فرشتہ ج ١ ص ٢٥٩،

اسی لڑائی میں جب اکبر اپنی فوج کی صفیں درست کر رہا تھا تو دیکھا کہ راجہ بہارا مل کا بھتیجا راجہ جے مل کچھواہا ایک وزنی بکتر پہنے ہوئے ہے، اکبر نے وہ بکتر اتروالیا، اور اپنی خاصہ کی زرہ پہنا دی، راجہ جے مل اس رعایت خصوصی سے بہت مسرور ہوا، تھوڑی دیر کے بعد اکبر نے راجہ مالدیو (جودھپور) کے پوتے راجہ کرن کو دیکھا کہ اس کے پاس نہ زرہ ہے نہ بکتر، اس نے راجہ جے مل کا بکتر اس کو پہنا دیا، راجہ جے مل کا باپ روپ سی بھی لڑائی میں شریک تھا، اس کو یہ ناگوار گذرا، کیونکہ راجہ کرن کے خاندان سے اس کی پشتینی عداوت چلی آرہی تھی، اُس نے اکبر کو کہلا بھیجا کہ وہ بکتر میرے بزرگوں کی یادگار ہے اور بڑا مبارک ہے، اس لئے مجھ کو واپس کر دیا جائے، اکبر معاملہ کی تہ کو پہنچ گیا، اور روپ سی کے پاس کہلا بھیجا کہ خاصہ کی زرہ اور بھی مبارک ہے، لیکن راجہ روپ سی کا غصہ فرو نہ ہوا، اور اُس نے اشتعال میں اسلحۂ جنگ اتار کر پھینک دیا، اور کہا کہ میدانِ جنگ میں یونہی جاؤں گا، اکبر کو یہ معلوم ہوا تو اُس نے اپنی زرہ بھی اُتارنے کا ارادہ کر لیا کہ جب میرے لشکری برہنہ ہو کر لڑیں گے، تو میں کیونکر زرہ بکتر میں چھپ کر میدان جنگ میں جا سکتا ہوں، راجہ بھگوان داس کو اس کی خبر ملی تو فوراً گھوڑا بڑھا کر جے مل اور روپ سی کے پاس پہونچا، اور دونوں کو سمجھا کر ہتھیار لگوا کر اکبر کے پاس لایا، اور عرض کیا کہ روپ سی نے آج بھنگ زیادہ پی لی تھی، اسی کی لہر کی ترنگ میں تھا، یہ سُن کر اکبر کا تردد جاتا رہا،[1]

اکبر کی دلداری اور خاطر داری کے سبب سے راجہ مان سنگھ اور اس کے لڑکے راجہ ہمت سنگھ اور راجہ جگت سنگھ نے جو جنگی کارنامے انجام دیئے ہیں، وہ تیموریوں کی تاریخ کی نمایاں چیز ہے، راجہ مان سنگھ کو اکبر غایت محبت میں مرزا راجہ کہا کرتا تھا، اسی کی نگرانی میں شاہی فوج راجپوتانہ میں رانا پرتاپ کے، اور بہار میں پورن مل اور راجہ سنگارام، اور اڑیسہ میں پوری کے راجہ کے خلاف بھیجی گئی،

---

[1] مآثر الامرا، جلد ۲ ص ۱۱۱،

پھر کابل، زابلستان، بہار اور مشرقی بنگال میں جاکر اکبری اقبال کا پرچم لہرایا، اکبر نے جب اس کو ہفت ہزاری منصبدار کا اعزاز عطا کیا ہے، تو اس وقت تک یہ اعزاز کسی مسلمان منصبدار کو بھی نہیں ملا تھا[1]، راجہ مان سنگھ سے پہلے کبھی کوئی فوج کسی ہندو فوجی سردار کی نگرانی میں کہیں نہیں بھیجی گئی تھی، اور نہ کسی ہندو فوجی سردار نے مسلمانوں کے خلاف اپنی رہنمائی میں لشکرکشی کی تھی، لیکن اکبر نے مان سنگھ کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھاکر مسلمانوں کا سارا رعب ہندوؤں کے دلوں سے نکال دیا،

اکبر کے طلسم محبت میں گرفتار ہونے والوں میں جودھپور کے راجہ اودے سنگھ عرف موٹا راجہ کا نام بھی نمایاں ہے، اس نے اپنی لڑکی مان متی عرف جگت گسائین کا بیاہ شہزادہ سلیم سے کرکے اکبر سے اپنی قلبی محبت کا اظہار کیا، یہ راجپوت شہزادی جودھ بائی کے نام سے تاریخوں میں مشہور ہے، اس قرابت کے بعد راجہ اودے سنگھ نے اکبر کی بہت سی مہموں میں فوجوں کی رہنمائی کی، بندیلہ کے راجہ مدھکر اور سروہی کے راجہ کی تادیب بھی اسی کی نگرانی میں کی گئی،[2]

اکبر کے جاں نثاروں میں رائے رائے سنگھ بیکانیری بھی تھا، اس نے بھی اپنی ایک لڑکی شہزادہ سلیم کے عقد میں دی، اور تمام عمر اکبر کی خدمت میں گزاری، ۱۹ سنہ جلوس میں مالدیو کے راجہ چندرسین کی سرکوبی کے لئے مامور ہوا، جالور اور سروہی کے راجہ کے مقابلہ کے لئے بھی وہی بھیجا گیا، ۲۱ سنہ جلوس میں رانا پرتاب کے خلاف جو مہم بھیجی گئی، اس میں بھی رانا کے خلاف رائے سنگھ کی تلوار نیام سے باہر ہوئی تھی، اکبر نے اس کو چار ہزاری کا اعزاز بخشا تھا، اور جہانگیر نے منصب پنجہزاری پر سربلند کیا،[3]

راجہ ٹوڈرمل بھی اکبر کا بڑا خیرخواہ تھا، گو تاریخوں میں اس کا نام ایک ماہر مالیات کی حیثیت سے آتا ہے، لیکن اس نے میدان جنگ میں بھی بہادری کے جوہر دکھائے، ۹۸۲ھ میں اکبری فوج بنگال کے داؤد خاں کے خلاف صف آرا ہوئی تو جرانغار پر راجہ ٹوڈرمل بھی دوسرے فوجی سرداروں کیساتھ تھے،

---

[1] مآثر الامراء ج ۲ ص ۱۷۰-۱۶۰، [2] ایضاً ص ۱۳-۱۱۱ [3] ایضاً ص ۱۵۴-۱۴۸،

جب لڑائی زوروں سے ہو رہی تھی تو داؤد خاں کے لشکر کے مقابلہ میں شاہی فوج کے قلب اور برانغار کمزور پڑنے لگے، اور پسپائی کے آثار ظاہر ہونے لگے، کچھ لشکریوں نے یہ خبر راجہ ٹوڈرمل کے باز و تک پہنچائی، ٹوڈرمل نے بڑھکر اپنے لشکریوں کو للکارا:

"شاہنشاہ کے اقبال کا سایہ ہمارے بہادر لشکریوں کی پیشانی پر پڑ رہا ہے، اگر کسی کا قدم ڈگمگا گیا ہے، تو سلطنت کے دوسرے بہادروں کو پریشاں ہونے کی کیا ضرورت ہے، لغو بات سننے اور کہنے کا یہ موقع نہیں، ہماری فتح لکھی ہوئی ہے، اور کامرانی کے آثار سامنے ہیں"

یہ کہکر خود میدانِ کارزار میں کود پڑا، اور اس کے پیچھے دوسرے بہادر سردار اور لشکری بھی بڑھے، اور جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا، اور اکبری فوج اپنے دشمن پر غالب رہی، اس جنگ میں بابائے کلابی مقصود علی، میر یوسف آب بارانی، حسین بیگ کرد جیسے فوجی سرداروں نے ٹوڈرمل کی سرداری اور قیادت قبول کرنے میں مطلق تامل نہیں کیا[۱] گجرات، بہار اور بنگال میں کئی لڑائیاں اسی کی نگرانی میں لڑی گئیں، وہ اکبر کے چہار ہزاری منصبداروں میں تھا،

میواڑ کے رانا پرتاب سنگھ نے اکبر کے خلاف جو جنگ کی، اس کو بیان کرنے میں کرنل جمیس ٹاڈ نے اپنی مشہور و معروف تاریخ Annals and antiquities of Rajasthan میں جو رنگ آمیزی کی ہے، اس کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں میں محض افتراق اور نفاق پیدا کرنا ہے[۲] ٹاڈ کا بیان ہے کہ رانا پرتاب کو انتہائی دکھ تھا کہ راجستھان میں ترکوں کے قوانین رائج ہو گئے[۳] وہ راجپوتوں کی حمیت ابھار کر پیروانِ اسلام سے ہندوستان کی حکومت چھیننا چاہتا تھا[۴] وہ راجہ مان سنگھ سے اس لئے نفرت کرتا تھا کہ اس نے ایک ترک کو اپنی بہن دی، اور ایک ترک کے ساتھ کھانا کھایا، اودھے ساگر میں راجہ مان سنگھ نے راجہ رانا پرتاب سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن رانا اس سے نہیں ملا، اور جب راجہ مان سنگھ چلا گیا تو اس

---

[۱] اکبر نامہ ج ۳ ص ۱۲۵ [۲] ٹاڈ ج ۱ ص ۲۵۰ [۳] ایضاً،

زمین کو گنگا جل سے دھو کر پوتر کیا گیا، اور وہاں کے لوگوں نے اشنان کر کے اپنے کو پاک کیا، اور یہ اسلئے کہ راجہ مان سنگھ ترکوں کا دوست تھا[1]، ٹاڈ کی من گھڑت داستانوں کو حقیقت سے بہت کم علاقہ ہے، اور اگر ٹاڈ کے بیانات کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو یہ ماننا پڑے گا کہ رانا پرتاب نے گو راجپوتوں کو اکبر کے خلاف اُبھارنے کی پوری کوشش کی، مگر اکبر نے اپنی رواداری، ہر دلعزیزی، صلح جوئی، محبت اور اخلاص کی بدولت راجپوتوں کو اپنا دوست بنائے رکھا، خود ٹاڈ کا بیان ہے کہ مرواڑ، امبر، بیکانیر، بندی کے راجپوت راجاؤں اور خود رانا پرتاب کے بھائی ساگر جی نے اس کو چھوڑ کر اکبر کا ساتھ دیا[2]، اور جب ہلدی گھاٹ میں رانا پرتاب اور اکبر کی فوجوں میں تصادم ہوا تو اکبر کی فوج کی کمان راجہ مان سنگھ کے ہاتھ میں تھی، ٹاڈ نے اس جنگ کا ذکر بہت ہی ولولہ انگیز طریقہ پر کیا ہے، حالانکہ تیموری دور کے مورخین نے اس جنگ کو زیادہ اہمیت نہیں دی ہے[3]، پھر ٹاڈ نے اس لڑائی کی تفصیل لکھنے میں بہت سی غلط بیانیوں سے کام لیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ اکبری فوج کی رہنمائی شہزادہ سلیم نے کی، حالانکہ اس مہم کے وقت اس کی عمر کل سات سال کی تھی، وہ ۹۷۷ھ میں پیدا ہوا، اور یہ لڑائی ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء میں ہوئی، اور جب شہزادہ سلیم کی شرکت کا کوئی امکان ہی نہیں ہے تو پھر ٹاڈ کا یہ لکھنا کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ رانا پرتاب سلیم کے ہاتھی کی طرف برچھا لے کر بڑھا، اور قریب تھا کہ اکبر کو اس کے وارث سے محروم کرے، کہ شہزادہ کا ہاتھی ہراسیمہ ہو کر بھاگا، جس کے بعد اکبری فوج نے شہزادہ کو بچانے میں پوری جنگ کی، ٹاڈ کا بیان ہے کہ رانا پرتاب کے جسم پر سات زخم لگے، اور اس کے بعد اُس نے اپنے گھوڑے چیتو کے ساتھ میدان جنگ چھوڑ دیا، اکبر کے بعض سواروں نے اس کا پیچھا کیا، جس میں اس کا بھائی سکت بھی تھا، مگر سکت نے جب بھائی کو اس طرح جان بچا کر بھاگتے دیکھا، تو اس کی برادرانہ محبت جوش میں آگئی، اس لئے اپنے ہمراہی سواروں کو راستہ میں برچھے سے ہلاک کر دیا، اور بھائی کے گلے سے جا کر لپٹ گیا، لیکن وہ شہزادہ سلیم کی رکاب

۱؎ ٹاڈ ج ۱ ص ۲۶۱، ۲؎ ایضاً ص ۲۵۷، ۳؎ دیکھو اکبرنامہ ج ۳ ص ۱۷۵-۱۷۴،

میں تھا، اس لئے بھائی کو چھوڑ کر پھر سلیم کے پاس چلا آیا، اور غلط بیانی سے کام لے کر اپنی وفاداری کا یقین دلانا چاہا، سلیم نے اس کو معاف تو کر دیا، مگر اپنے پاس سے علیحدہ کر دیا، مگر جب شہزادہ سلیم جنگ میں شریک ہی نہیں ہوا تو یہ ساری داستان من گھڑت رہی ہے، جس کا تاریخی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے،

ٹاڈ کا بیان ہے کہ اس جنگ میں رانا پرتاب کے ساتھ ۲۲ ہزار راجپوت تھے، وہ شوار گذار پہاڑی وادیوں اور دروں میں چھپ چھپ کر آگرہ کی فوج کا مقابلہ کرنے آتے تھے، جو تعداد میں بہت کم تھی، لیکن اس جنگ میں چودہ ہزار راجپوت مارے گئے، اور رانا پرتاب اپنے وفادار گھوڑے چیتو کی تیز گامی کی بدولت بچ نکلا، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس جنگ میں اکبری فوج کے کل ۱۵۰ آدمی مارے گئے، جن میں انتہائی بہادری سے لڑ کر جان دینے والوں میں راجہ رام ساہ، سالی بہان، بہان سنگھ اور پرتاب سنگھ بھی تھے، اس جنگ میں کنور مان سنگھ نے جو جوہر دکھائے، ابوالفضل نے خاص طور پر اس کی تعریف کی ہے، مان سنگھ کے علاوہ اس لڑائی میں اکبری فوج کے دوسرے راجپوت سرداروں کے نام یہ تھے، رائے لون کرن، جگنا تھ، مادھو سنگھ[۱]، اس لڑائی کا ذکر ہم اس کتاب میں پہلے بھی کر چکے ہیں، (دیکھو ص ۲۸-۲۷)

رانا پرتاب کے ساتھ اکبر کی جنگ ضرور رہی لیکن اکبر اطمینان اور سکون کی موت مرا کہ اس نے راجپوتوں اور ہندوؤں کے دلوں کو موہ کر اپنی حکومت کے ذریعہ ہندوستان کو ایک مرکزیت دی بکھرے ہوئے جغرافیائی علاقوں کو متحد کیا، اور ایک مرکزی نظام کی یکسانیت عطا کی، ہندو اور خصوصاً راجپوت اس کو اپنے قلوب کا فاتح اور اس کی سلطنت کو اپنی ہی سلطنت سمجھتے رہے، ۹۸۲ھ میں راجہ ٹوڈرمل جب داؤد خان کے خلاف میدان جنگ میں لڑ رہا تھا، تو اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر ابھارتا تھا کہ سلطنت ہماری ہے اس کی فتح ہماری فتح ہے[۲]،

---

[۱] اکبر نامہ ج ۳ ص ۱۷۷، [۲] آئینِ اکبری انگریزی ترجمہ ج ۱ ص ۳۷۶،

اکبر نے راجپوتوں کے لئے فراخ حوصلگی اور دلداری کی جو روایت قائم کی، اس کو اُس کے جانشینوں نے بھی برابر برقرار رکھنے کی کوشش کی، جہانگیر کی رگوں میں تو راجپوت کا خون آہی چکا تھا، اس لئے راجپوتوں کی خاطر داری میں اکبر سے بھی کچھ آگے بڑھا ہوا تھا، اور اس کے سارے لشکریوں میں بھی راجپوتوں کی دوستی اور یگانگت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا، اور جب کبھی اُن کی دل شکنی ہوتی، تو تمام ارباب حل وعقد ان کے قلوب کی تالیف میں پوری ہوشمندی اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے، جہانگیر کے اٹھارہویں سنہ جلوس میں شاہی فوج مہابت خاں کی کمان میں دکن میں مقیم تھی، سادات بارہہ میں سے سید کبیر کے ایک بھائی نے اپنی تلوار ایک صیقل گر کو صیقل کرنے کو دی، صیقل گر کی دوکان لشکر کے ایک دوسرے فوجی سردار کچھواہا کی قیام گاہ کے پاس تھی، صیقل کی اجرت میں صیقل گر اور سید کبیر کے بھائی میں جھگڑا ہونے لگا، سید کے ملازموں نے غصہ میں آکر صیقل گر کو دو تین لکڑیاں ماردیں، راجہ گردھر کے راجپوت سپاہیوں نے صیقل گر کی حمایت کی، اور سید کے نوکروں کو زدوکوب کیا، اور یہاں تک بات بڑھ گئی کہ فریقین میں تلواریں چلنے لگیں، سید کبیر کو معلوم ہوا تو کچھ سواروں کا دستہ لے کر پہنچ گئے، اور راجہ گردھر کی قیام کو گھیر لیا، اور غصہ میں اندر گھس کر تلوار چلانے لگے، راجہ گردھر نے بھی اپنی تلوار سونت لی لیکن وہ چھبیس راجپوتوں کے ساتھ ہلاک ہوا، سید کبیر کی طرف بھی چار سید مارے گئے، یہ خبر پھیلی تو لشکر کے راجپوت ایک طرف جمع ہو گئے اور دوسری طرف سادات بارہہ اکٹھا ہوئے، اور قریب تھا کہ دونوں میں کشت وخون ہو جائے کہ مہابت خان کو خبر ہو گئی، وہ موقع واردات پر پہنچا، او اپنی حکمت عملی سے دونوں کے اشتعال کو فرو کیا، پھر راجہ گردھر کی قیامگاہ پر جا کر اس کے لڑکوں سے تعزیت کی، بعد میں سید کبیر گرفتار ہوئے، اور محض راجہ گردھر کے لڑکوں اور راجپوتوں کی تسلی کی خاطر سید کبیر قصاص میں قتل کر دیئے گئے،[1]

سادات بارہہ فوج کی ریڑھ کی ہڈی سمجھے جاتے تھے، اُن کے بہادرانہ کارناموں سے تیموریوں کی

---

[1] آئین اکبری انگریزی ترجمہ ا ص ۳۶۶،

پوری تاریخ معمور ہے لیکن راجپوتوں کی خاطر سادات بارہہ کی خفگی کا خیال مطلق نہیں کیا گیا، اور اُن کے ایک بہادر فرد کو محض راجپوتوں کی دلجوئی کے لیئے تہ تیغ کر دیا گیا،

اکبر اور جہانگیر کی رواداری، فراخ حوصلگی، اور ہندو نوازی اور راجپوتوں کی دوستی، وفاداری اور یگانگت سے ہندوستان میں جو ایک سیکولر حکومت اور قومی بادشاہت قائم ہو گئی تھی، اس کے خلاف رانا پرتاب کے خاندان والوں نے اپنی کارروائیاں برابر جاری رکھیں لیکن جہانگیر نے بھی اُن کے مقابلہ میں سیکولر طریقے اختیار کئے، چنانچہ اپنی جانشینی کے پہلے سال رانا امر سنگھ کے خلاف جو لشکر بھیجا، اس کے فوجی سرداروں میں راجہ بہارا مل کا لڑکا پنج ہزاری منصبدار راجہ جگناتھ، خود راجہ امر سنگھ کا چچا رانا ساگر[1]، راجہ مان سنگھ کا بھتیجا مادھو سنگھ، اور اس کا پوتا مہا سنگھ، اور راجہ منوہر سنگھ کچھواہا، رائے لون کرن کچھواہہ بھی تھے، اس مہم میں بیس ہزار سوار تھے، راجپوت سواروں کی نگرانی میں زیادہ تر راجپوت سردار تھے، رانا امر سنگھ اس لشکر جرار کی تاب نہ لا سکا، تو اپنے لڑکے باگھ سنگھ کو صلح کے لیئے بھیجا، صلح ہوئی لیکن یہ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی، اور جہانگیر کو اپنے تیسرے سال جلوس میں مہابت خاں کی نگرانی میں پھر ایک فوج بھیجنی پڑی، جس میں توپچیوں، ہاتھیوں، احدیوں کے علاوہ بیس ہزار مسلّح سوار بھی تھے، جن راجپوت سرداروں نے راجپوت فوجیوں کے ساتھ اس مہم میں شرکت کی، اُن کے نام یہ ہیں:- راجہ نر سنگھ دیو، نرائن داس کچھواہا، اور راجہ کشن سنگھ راٹھور، مؤخر الذکر نے اس معرکہ میں اپنی شجاعت اور بہادری کے اعلیٰ جوہر دکھائے، وہ دلیرانہ طور پر دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور مردانہ وار لڑ کر رانا کے بتیس سرداروں کو تہ تیغ کیا، اور تین ہزار راجپوت سوار اور سرداروں کو قید کر کے لایا، جہانگیر نے اس کی بہادری سے خوش ہو کر اس کو منصب دو ہزاری ذات ہزار

---

[1] تزک جہانگیری ص ۹۰ پر رانا ساگر کے بجائے رانا شنکر لکھا ہے، اور اس کو رانا امر سنگھ کا چچازاد بھائی بتایا گیا ہے لیکن موجودہ تحقیق سے اس کو امر سنگھ کا چچا رانا ساگر ہی کہا گیا ہے، ماثر الامرا جلد دوم ص ۲۰۴، میں رانا سکر مرقوم ہے، جہانگیری عہد میں اس کو سہ ہزاری دو ہزار سوار کا منصب حاصل تھا،

سوار[1] عطا کیا، اور رفتہ رفتہ وہ منصب سہ ہزاری ذات، ہزار و پانصد سوار تک ترقی کرتا گیا، رانا امر سنگھ اپنے باپ رانا پرتاب سنگھ کی طرح پہاڑی دروں اور وادیوں میں چھپ چھپ کر شاہی فوج کا مقابلہ کر رہا تھا، اس لئے جب مہابت خان کو اس کے لشکر کو پسپا کرنے میں تاخیر ہوئی، تو جہانگیر نے اس کو واپس بلوا کر اپنے ایک دوسرے جری اور بہادر سوار عبداللہ خاں کو وہاں بھیجا[2]، عبداللہ نے اس مہم میں اپنی بہادری کا ایسا سکہ جمایا، کہ جہانگیر نے اس کو پنجہزاری منصب کے علاوہ فیروز جنگ کا خطاب دیا، عبداللہ خان کی یورش سے رانا امر سنگھ کے اکثر و بیشتر نامی راجپوت سردار مارے گئے، جن میں سے خاص خاص کے نام یہ ہیں نرائن داس، سورج مل سیسودیہ، ہری داس راٹھور، بھوپٹ جھالا، کبیر داس کچھواہا، کیشو داس چوہان وغیرہ، عبداللہ رانا کی مہم کو ابھی ختم نہ کر سکا تھا کہ وہ گجرات بھیج دیا گیا، اس کے بعد مہم کی کمان راجہ باسو کو دی گئی، لیکن رانا امر سنگھ کی پسپائی شہزادہ خرم کے ہاتھوں لکھی تھی، اُس نے جہانگیری فوج کی پیہم اور متواتر یلغار و یورش سے آٹھ نو سال کے بعد سپر ڈال دی، اور جہانگیر کے اقتدار اعلیٰ کو قبول کر کے اس کا باجگذار بن گیا، اس کی پسپائی میں رائے سندر داس کا بھی بڑا ہاتھ رہا۔ آخری مہم میں اس نے اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے، اور رانا کے ملک کو تاخت و تاراج کر کے اس کی بنیاد کو کمزور کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اور وہ رانا امر سنگھ کو شہزادہ خرم کے پاس لایا، اس خدمت کے صلہ میں جہانگیر نے اس کو رائے رایان کا خطاب[3] دیا،

رانا امر سنگھ پہلے تو شہزادہ خرم سے آکر ملا اور سر تسلیم خم کر کے درباری آداب کے مطابق سجدہ کیا، پھر اپنے لڑکے رانا کرن سنگھ کو جہانگیر کے پاس اجمیر بھیجا، رانا کرن سنگھ دربار میں آتے ہی سجدہ بجا لایا، اور جہانگیر کے اشارہ سے دست راست کے امراء کی صف میں کھڑا ہوا، جہانگیر کا دل راجپوتوں کی محبت والفت میں ہمیشہ سرشار رہتا تھا، اس لئے رانا کے خاندان والوں نے اُس کی حکومت کے خلاف مخاصمت

---

[1] تزک جہانگیری ص ۷۳-۱۰، [2] ایضاً ص ۷۰، [3] ایضاً ص ۱۳۵ و مآثر الامراء جلد دوم ص ۱۸۳،

کی جو آگ ایک عرصہ تک بھڑکا رکھی تھی، اس کو بالکل بھول گیا اور رانا کرن کی دلداری اور خاطر داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، خود لکھتا ہے:۔

"کرن کی طبیعت میں وحشت تھی، مجلسوں کا عادی نہ تھا، پہاڑوں میں زندگی بسر ہوئی، اس کو رام کرنے کے لئے میں نے روزانہ نئی نئی عنایتوں سے نوازا، دوسرے دن خنجر مرصع تیسرے دن زین مرصع کے ساتھ عراقی گھوڑا اپنی طرف سے بھیجا، اور پھر دربار جاکر نور جہاں بیگم کی طرف سے خلعتِ فاخرہ، شمشیر مرصع، اسپ بازیں اور ہاتھی مرحمت کیا، اس کے بعد نہایت قیمتی مروارید کا مالا عطا کیا، اس کے دوسرے دن ایک ہاتھی بھیجا، میرے دل میں یہ بات تھی کہ اس کو ہر قسم کی چیزیں دیجائیں اس لئے تین باز، تین جرے، ایک قبضۂ شمشیر، ایک بکتر، ایک جوشن، اور دو انگوٹھیاں بھی بھیجیں جن میں سے ایک میں لعل کا اور دوسری زمرد کا نگینہ تھا، اور اخیر مہینہ میں ہر قسم کے کپڑے، ہر قسم کی خوشبوئیں، طرح طرح کے طلائی ظروف سو خوانوں میں چن کر احدیوں کے کندھوں پر دیوان خاص و عام میں منگوائے، اور سب کرن کو عطا کئے......[1]"

ان ہی الطاف و اکرام کی بنا پر تمام راجپوت سردار تیموری سلاطین کے طلسم محبت میں گرفتار ہو کر اُن کے جان نثار بن گئے تھے، اور اُن کی خاطر سر بکف ہو کر میدانِ جنگ میں لڑتے تھے، اور اُن کے دلوں میں کبھی یہ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا کہ مغل حکمران اُن کی معاشرتی اور مذہبی آزادی میں مداخلت کر کے اُن کے جذبات کو مجروح کریں گے، بلکہ اُن کی توقع کے مطابق اُن کو ہر قسم کا بڑا سے بڑا اعزاز حاصل رہا، اس لئے اُن میں کسی موقع پر بھی احساس کمتری پیدا نہیں ہوا، اور انھوں نے رانا پرتاب اور اس کے خاندان کے خلاف اکبر و جہانگیر کا ساتھ دے کر ایک قومی بادشاہت کی حمایت کی جس کے

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۳۱، [2] مآثر الامرا، جلد دوم ص ۱۸۳ [3] رائز اینڈ فال آف مغل امپائر از آر۔ پی ترپاٹھی ص ۲۲۳،

مقابلہ میں وہ صرف میواڑ اور سیسودیہ خاندان کے اقتدار اعلیٰ کو ترجیح دینے کے لیے تیار نہ تھے، اس لیے وہ اس زمانہ میں رانا پرتاب کی جنگ کو محض ایک خاندان کی اقتدار پسندی کی جنگ تصور کرتے رہے، یہ اور بات ہے کہ رانا نے اس جنگ میں جو غیرت اور حمیت کا ثبوت دیا، وہ آگے چل کر بعض مورخوں اور خصوصاً شاعروں کے لئے ایک مستقل موضوع بن گیا لیکن بقول ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی اکبر اور رانا پرتاب کی جنگ کسی حال میں بھی ہندوازم اور اسلام کی جنگ نہیں کہی جاسکتی ہے[1]۔

شاہجہاں نے راجپوتوں کے دلوں کو جس طرح تسخیر کیا، وہ اکبر و جہانگیر ہی کی روایت کے مطابق تھا، اس نے راجپوتوں سے رشتے تو قائم نہیں کئے لیکن اُن کی دلجوئی میں کسی قسم کی کمی نہیں کی، اس کے دربار اور فوج میں حسب ذیل بڑے ہندو سردار اور امرا تھے:

(۱) راجہ جسونت سنگھ پنجہزاری پنج ہزار سوار دو ہزار و پانصد سوار دو اسپہ سہ اسپہ (۲) راجہ جے سنگھ پنجہزاری پنجہزار سوار دو ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ (۳) راجہ گجسنگھ پنجہزاری پنجہزار سوار (۴) راجہ جگت سنگھ پنجہزاری پنجہزار سوار (۵) راجہ بیٹھل داس پنجہزاری پنج ہزار سوار (۶) مالوجی دکنی پنجہزاری پنجہزار سوار (۷) راو امر سنگھ چار ہزاری سہ ہزار سوار (۸) راجہ رائے سنگھ سیسودیہ چار ہزاری دو ہزار سوار (۹) راجہ پہاڑ سنگھ بندیلہ سہ ہزاری سہ ہزار سوار دو ہزار دو اسپہ سہ اسپہ (۱۰) راو چھتر سال ہاڈا سہ ہزاری سہ ہزار سوار (۱۱) مادھو سنگھ ہاڈا، سہ ہزاری سہ ہزار سوار (۱۲) بیٹھل داس راٹھور سہ ہزاری دو ہزار سوار و پانصد سوار، (۱۳) نظر بہادر خویشگی سہ ہزاری دو ہزار و پانصد سوار (۱۴) راجہ جگت سنگھ سہ ہزاری دو ہزار سوار (۱۵) اوداجی رام دکنی سہ ہزاری دو ہزار سوار (۱۶) پرسوجی بھونسلہ سہ ہزاری و پانصد سوار (۱۷) جادون رائے دکنی سہ ہزاری دو ہزار و پانصد سوار (۱۸) منکوجی بنالکر سہ ہزاری و پانصد سوار (۱۹) راجہ دیبی سنگھ بندیلہ دو ہزار و پانصدی (۲۰) راجہ راج روپ دو ہزاری دو ہزار سوار (۲۱) روپ سنگھ راٹھور، (۲۲)

---

[1] رائز اینڈ فال آف مغل امپائر از آر۔ پی۔ ترپاٹھی ص ۲۲۳،

رام سنگھ راٹھور (۲۳) سبل سنگھ دو ہزاری ہزار و پانصد سوار (۲۴) رائے ٹوڈرمل ہزاری ہزار و پانصد سوار، (۲۵) رتن راٹھور ہزار و پانصدی ہزار و پانصد سوار وغیرہ وغیرہ؎۱

یہ راجپوت فوجی سردار اپنے منصب کے مطابق راجپوت سوار فراہم کرتے، جو ہر چھوٹی بڑی لڑائی میں بڑے فخر و غرور کے ساتھ شریک ہوتے، بلخ، بدخشاں اور ایران جو فوجیں بھیجی گئیں، ان میں مسلمان فوجی سرداروں کے ساتھ راجپوت سردار مثلاً راجہ جسونت سنگھ، راجہ دیبی سنگھ، راؤ روپ سنگھ، چند راوت راجہ رائے سنگھ سیسودیہ، راجہ روپ سنگھ راٹھور، رتن سنگھ، رام سنگھ راٹھور، راجہ جے سنگھ، راجہ راج روپ، راجہ پہاڑ سنگھ، وٹھل داس، راؤ ستر سال ہاڈا وغیرہ تھے، پورا لشکر سیکولر طریقہ پر مرتب کیا گیا تھا، جہاں مسلمان فوجی امرا اپنے مسلمان سپاہیوں کے ساتھ کوچ کرکے آگے بڑھتے تھے، وہاں راجپوت سردار اپنے راجپوت سواروں اور لشکریوں کو لے کر ہندوستانی پرچم لہراتے، گھوڑوں کو بل کھلاتے، اور اینڈتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کے دوش بدوش دشوار گذار راستے طے کرتے چلے جاتے تھے، ایسا بھی ہوتا کہ مسلمان فوجی امراء کی نگرانی میں راجپوت سوار ہوتے، اور راجپوت سرداروں کی نگہبانی میں مسلمان سوار ہوتے، اور یہ مغل سلاطین کے عمل تسخیر کا نتیجہ تھا،

راجپوتوں کی پوری تاریخ اُن کے باہمی جنگ وجدل سے بھری ہوئی ہے، ایک راجپوت راجہ دوسرے راجہ کی نگرانی یا قیادت میں لڑنا کسرِ شان سمجھتا تھا، چنانچہ بندی کے راجہ نے اکبر کے سامنے ہتھیار ڈالا تو اکبر سے اس کی منجملہ درخواستوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ کسی ہندو راجہ کی رہنمائی میں اس سے کوئی فوجی خدمت نہ لیجائے، لیکن مغل حکمرانوں نے اپنی رواداری، دوستی اور آل اندیشی اور جوہر شناسی سے راجپوتوں کو اپنی فوج کا ضروری حصہ بنا لیا، تو ان راجپوتوں نے بھی ان کی فوج کی ترتیب و تنظیم کو بڑی رغبت سے اختیار کیا، خود جدوناتھ سرکار کا بیان ہے کہ ہندوؤں کو جنگ میں ہاتھیوں پر بڑا بھروسا تھا، لیکن مسلمانوں نے

؎۱ بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۷۵۲، ۷۱۷،

سواروں کے دستے کے طریقۂ جنگ کو ہندوستان میں بڑی ترقی دی[۵۱]، راجپوت سواروں نے اس ترقی سے پورا فائدہ اٹھایا، وہ مغل بادشاہوں کے مسلمان سرداروں ہی کی طرح معرکہ آرائی کرنے لگے تھے، بلکہ حکومت کے مسلمان فوجی سرداروں کو اپنے ماتحت رکھ کر بڑی بڑی لڑائیاں لڑتے، اور ناظم صوبہ بن کر حکومت بھی کرتے رہے، اور وہ رفتہ رفتہ مغل بادشاہوں کے لشکر اور دربار میں اس قدر چھا گئے، کہ شاہجہاں کے آخری دور میں اُن ہی کا غلبہ اور استیلا نظر آتا تھا اور اُن کی یہ حیثیت بھی ہوگئی تھی کہ وہ تخت و تاج کے وارث کی قسمت بھی بنا اور بگاڑ سکتے تھے،

اورنگزیب اور راجپوت سوار

تخت و تاج کے لئے شاہجہاں کے لڑکوں میں جنگ شروع ہوئی تو تمام اہم اور ممتاز راجپوت فوجی سردار دارا کی حمایت میں امنڈ پڑے، دھرماوت میں راجہ جسونت سنگھ نے اورنگزیب کو آگرہ کی طرف بڑھنے سے روکا، راجہ کے ساتھ بے شمار راجپوت سردار تھے، لڑائی شروع ہوئی تو اُس نے اپنے ہراول میں دس ہزار رکھے جن میں زیادہ تر راجپوت تھے، اُن کی نگرانی میں مکند سنگھ ہاڈا، راجہ سبحان سنگھ بندیلہ، امر سنگھ چندراوت، رتن راٹھور، ارجن گور، دیال داس جہال، موہن سنگھ ہاڈا، اور دوسرے نامی سرداروں کے ذمہ تھی، التمش میں مہیش داس گوڑ، گوردھن راٹھور، اور دوسرے جانباز راجپوت تھے، قول میں خود راجہ جسونت سنگھ دو ہزار راجپوت سواروں اور بھیم داس ولد راجہ بیٹھل داس گوڑ اور دوسرے سرداروں کے ساتھ تھا، میمنہ قول پر راجہ جے سنگھ سیسودیہ اپنے بہادر راجپوت سرداروں کے ہمراہ تھا، لشکر کا کیمپ مالوجی، پرسوجی اور راجہ دیبی سنگھ کی نگرانی میں[۵۲] تھا، کچھ مسلمان فوجی سردار بھی ضرور تھے لیکن وہ انگشت بدنداں تھے کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں،

اورنگزیب کی سپاہیانہ ہوشمندی اور جنگی بصیرت کے سامنے راجہ جسونت سنگھ ناکام رہا، راجہ جسونت سنگھ کے ہراول کے راجپوت سوار اورنگزیب کے لشکر پر یلغار کرنے کا تہیہ کر رہے تھے کہ اورنگزیب کے

---

[۵۱] اسلام ان انڈیا از جدوناتھ سرکار [۵۲] عالمگیر نامہ ص ۶۶ ، ۶۱

برق اندازوں اور تیر اندازوں نے گولوں اور تیروں کی اتنی بارش کی کہ راجپوتوں میں انتشار پیدا ہو گیا، راجپوتوں نے یہ صورت دیکھی تو اُن کے بہادر سرداروں میں مکند سنگھ ہاڈا، رتن راٹھور، دیال داس جھالا، ارجن گور، سجان سنگھ سیسودیہ وغیرہ "رام رام" کے نعرے لگاتے ہوئے اورنگ زیب کے توپخانے کی طرف بڑھے، اورنگ زیب کو راجپوت سواروں کی اس نسلی خصوصیت کا احساس پوری طرح تھا کہ وہ جنگی تدابیر سے بے نیاز ہو کر محض بہادری کے جوش میں جان پر کھیلا کرتے ہیں، اس لئے ان سواروں کو اپنی توپوں کی طرف بڑھنے کا موقع دیدیا، اورنگ زیب کے توپچیوں نے اُن کی یورش کو پہلے مضبوطی سے نہیں روکا، اور راجپوت سواروں کا دل بادل اور بھی آگے بڑھتا چلا آیا، اور جب ان میں کوئی ترتیب و تنظیم نہیں رہ گئی اس وقت توپچیوں نے ان پر ضربیں لگانی شروع کیں لیکن وہ بہادری کے جوش میں اورنگ زیب کے ہراول تک پہونچ گئے، اورنگ زیب کے سارے لشکری پوری تنظیم اور ترتیب کے ساتھ تھے، راجپوت سوار جب بہت آگے بڑھ گئے، تو اورنگ زیب نے اپنے لشکر کا ایک دستہ بھیج کر اُن کو اُن کی فوجوں کے بقیہ حصہ سے بالکل منقطع کر دیا، راجہ جسونت نے اُن کی مدد کو کمک بھیجنا چاہا لیکن راستہ مسدود تھا، اورنگ زیب نے قول سے بڑھ کر اپنی فوج کی ایک اور دیوار حائل کر دی، پھر قول کے میمنہ اور میسرہ کی فوج نے بھی پیش قدمی کر کے راجپوت سواروں کو گھیر لیا، جو اب موت کے منہ میں جا پڑے تھے، اور اُن کے خون سے ساری سرزمین لالہ زار ہو گئی، مکند سنگھ ہاڈا، اور اس کے ہمراہی سردار ایک ایک کر کے ہلاک ہو گئے، اور جسونت سنگھ اُن کی مدد کو کوئی کمک نہ بھیج سکا، راجپوتوں کی یہ پسپائی دیکھ کر دوسرے راجپوت سردار مثلاً رائے سنگھ سیسودیہ، سجان سنگھ بندیلہ اور امر سنگھ چندراوت وغیرہ نے میدانِ جنگ چھوڑ کر اپنے اپنے وطن کا رخ کیا، مگر قول میں راجہ جسونت سنگھ دو ہزار راٹھور راجپوتوں کے ساتھ برابر لڑتا رہا، لیکن مراد بخش نے اپنی سپہگری سے پہلے تو دیوی سنگھ بندیلہ کو پسپا کیا، پھر راجہ جسونت سنگھ کے قول کے بائیں بازو پر حملہ کر کے اُس کے سواروں کو منتشر کر دیا، اس اثنا میں اورنگ زیب نے سامنے سے، مراد نے بائیں طرف سے اور صف شکن نے

دائیں جانب سے بڑھ کر راجہ جسونت سنگھ کے راٹھور سواروں کو اپنے حلقہ میں لے لیا، لیکن اس کے ہمراہی سرداروں میں اسکرن، مہیش داس گور، اور گوردھن نے راجہ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اس کو میدانِ جنگ سے باہر کر دیا، اور اس نے بھی اپنے وطن جودھپور کی راہ لی[1]، وہ جب اپنے وطن پہنچا تو اس کی بیوی نے اس دکھ اور غم میں کہ وہ ایک اہم لڑائی ہار کر آیا ہے، اس کا منہ دیکھنا پسند نہ کیا،

اس کے بعد سموگڈھ کے میدان میں دارا نے اورنگ زیب کے مقابلہ میں پھر ایک بار قسمت آزمائی کی، اور راجپوتوں نے بھی ایک بار پھر دارا کو تخت پر بٹھانے کی کوشش کی، چنانچہ اُن کے جتنے آزمودہ کار اور نامور فوجی سردار تھے، مثلاً چھترسال ہاڈا، راجہ روپ سنگھ، بیرم دیو سیسودیہ، گردھر (راجہ منجیل داس کا بھائی) بھیم (راجہ منجیل اس کا لڑکا) راجہ شیورام گوڑ، رام سنگھ راٹھور، راجہ کشن سنگھ، پرتھی راج، مہا سنگھ بھدوریہ، رام سنگھ اور کیرت سنگھ، وغیرہ[2] سب اکٹھے ہوئے، ان میں چھترسال ہاڈا اپنی شجاعت اور نبرد آزمائی میں تمام راجپوتوں میں ضرب المثل تھا، وہ پچاس سے زیادہ لڑائیاں لڑ چکا تھا، اس کو اپنی اور اپنے سواروں کی جنگی کارگذاریوں پر بڑا ناز تھا، چنانچہ جنگ شروع ہوئی تو ہراول سے چھترسال ہاڈا اپنے سواروں کو لے کر صفوں کو چیرتا پھاڑتا مراد کے ہاتھی کے پاس پہنچا، ان راجپوتوں میں راجہ رام سنگھ راٹھور کو بھی اپنی نبرد آزمائی کا بڑا پندار تھا، وہ زعفرانی رنگ کا لباس اور مروارید کا ہار پہن کر اس نشہ میں مست آیا تھا کہ مراد اور اورنگ زیب کو شکست دے کر راجپوتوں کی شجاعت کا سکہ جمائے گا، چنانچہ غیظ و غضب میں آگے بڑھتا ہوا مراد کے ہاتھی کے پاس پہونچ گیا، اور چلایا کہ تو دارا کے مقابلہ میں بادشاہی کی ہوس رکھتا ہے" اور مراد پر برچھے کا وار کر کے مہاوت سے ہاتھی بٹھانے کو کہا، لیکن مراد پر کسی قسم کا ہراس طاری نہ ہوا، اور راجہ رام سنگھ پر ایسا تیر مارا کہ وہ گرا تو پھر اٹھ نہ سکا، راجپوت سواروں نے اپنے ایک نامی سردار کو اس طرح ہلاک ہوتے ہوئے دیکھ کر پورا جنگی زور صرف کر دیا، اور اس حملہ میں اتنے راجپوت کام آئے کہ ساری زمین رنگین

---

[1] عالمگیر نامہ ص ۷۵ - ۷۶ منتخب اللباب ۵، ۷ - ۶ ص ۱۰ - ۱۷ - ۱۶ [2] عالمگیر نامہ ص ۹۶ - ۹۵

ہو گئی، اورنگ زیب قول سے مراد کی مدد کو پہنچنا چاہتا تھا کہ تمام راجپوت اس کی طرف متوجہ ہو گئے، اور انھوں نے اورنگ زیب کو ہلاک کرنے میں جس طیش، تہور اور غیظ و غضب کا اظہار کیا، اس سے اُن کے جذبۂ سرفروشی اور جانبازی کا اندازہ ہوتا ہے[1]، راجہ روپ سنگھ تو جوشِ غضب میں گھوڑے کی پیٹھ سے اتر پڑا، اور صفوں کو چیرتا پھاڑتا اورنگ زیب کے ہاتھی کے پاس پہنچا، اور ہودج کی ڈوری کاٹ کر اورنگ زیب کو زمین پر گرانا چاہا، جوہر شناس اورنگزیب اس کی اس جرأت اور جلادت سے بہت متاثر ہوا، اور اپنے سپاہیوں کو زندہ گرفتار کرنے کی ہدایت کی لیکن اس کی قضا آچکی تھی، اس لئے اورنگزیب کے ایک ہمرکاب نے اس کو لقمۂ اجل بنا دیا تھا اسکے بعد راجہ چھتر سال ہاڈا آگے بڑھا لیکن اورنگزیب کی جرأت اور پامردی کے سامنے اس کی بہادری بھی بیکار ثابت ہوئی، اور راجپوتوں کے تمام نامور سردار، مثلاً چھتر سال ہاڈا، بھرت سنگھ موکم سنگھ، رام سنگھ راٹھور، بھیم سنگھ گور، شیورام گور وغیرہ ایک ایک کرکے دارا کی خاطر مارے گئے اور یہ جنگ ہندوستان کی تاریخ میں اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ راجپوت اپنے حلیف کی خاطر ہر قسم کی قربانی کر سکتے ہیں،

سموگڈھ کی لڑائی کے بعد راجہ جسونت سنگھ، راجہ جے سنگھ کی وساطت سے اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس نے اس کو جو کل تک اس کا سب سے بڑا دشمن تھا، معاف کرکے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا، اور اسی زمانہ میں شہزادہ شجاع بنگال سے اپنی فوج لے کر آگرہ کی طرف کوچ کر رہا تھا، اورنگ زیب نے اپنے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کو ایک لشکر کے ساتھ شجاع کے مقابلہ کے لئے بھیجا، وہ کوڑا جہان آباد میں مقیم تھا کہ اورنگ زیب نے جسونت سنگھ کو راجپوتوں کے ایک لشکر جرار کے

---

[1] عالمگیر نامہ ص ۱۰۳ پر ہے "راؤ ستر سال و دیگر عمدہ ہائے راجپوتان کہ در ارتکاب ایں فتنہ و پیکار اعتضاد و استظہار بآنہا بود و با اعتماد شہامت و پایداری آں جلادت کیشان . . . . راہ عنادمی پیمود . . . . .

نیز دیکھو منتخب اللباب ج ۲ ص ۲۹ - ۲۶،

ساتھ اس کی مدد کے لئے روانہ کیا، اس کے بعد خود بھی پہنچا، اور جب کھجوہ میں جنگ شروع ہوئی تو اورنگ زیب کے پاس نوّے ہزار سوار تھے[۵۱]، راجہ جسونت سنگھ کو دو ہزار راجپوت سواروں کے ساتھ برانغار میں متعین کیا گیا، دوسرے راجپوت سرداروں کے نام جو اس جنگ میں مختلف بازوؤں پر تھے، یہ ہیں:

مہیش داس راٹھور، بلوے چوہان، رام سنگھ، ہر رام راٹھور، کشور سنگھ ہاڈا، سبحان سنگھ، راجہ رائے سنگھ سیسودیہ، سبل سنگھ سیسودیہ، سندرداس سیسودیہ، راجہ چترمن جادون، کنور رام سنگھ ہاڈا، امر سنگھ ہاڈا، چندر راوت، جگت سنگھ ہاڈا، سورج مل کور، فتح سنگھ کچھواہا، راجہ اندرمن دھندیر، راجہ دیبی سنگھ بندیلہ، راجہ پرم داس سیسودیہ، چترببھج، اندرمن بندیلہ، کشن سنگھ، چندر راوت، بھگونت سنگھ ہاڈا، بھدوریہ، روپ سنگھ راٹھور، کیسری سنگھ بھورتیہ، رائے سنگھ راٹھور، رگھوناتھ سنگھ، سوبھکرن بندیلہ، وغیرہ،[۵۲]

اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے دل سے دھرماوت اور سموگڈھ کی لڑائیوں کا اثر اور راجپوتوں سے غصہ اور عناد بالکل نکل گیا تھا، اور اس نے ان کو اپنی سلطنت کا ضروری جزء سمجھ کر اور ان پر پورا بھروسہ کرکے لڑائی میں شریک کرلیا تھا، البتہ راجہ جسونت سنگھ کا جو دیہ اس کے خلاف رہا، اس میں رانا پرتاب اور نہ راجہ مان سنگھ کے کردار کی جھلک تھی، وہ اورنگ زیب کا مخالف بھی رہا، اور حلیف بھی، وہ کھجوہ کے میدان میں اورنگ زیب کو چھوڑ کر شجاع سے جاملا، اور اس کے بعد پھر اورنگ زیب کے خلاف دارا کا حامی بن گیا، لیکن، دارا کی موت کے بعد پھر اورنگ زیب کے دربار میں حاضر ہوگیا اور اس کو گجرات کی صوبہ داری دی گئی، لیکن جب سیواجی کے خلاف مہم پر بھیجا گیا تو راجپوتوں کے شیوۂ وفاداری کی خلاف ورزی

---

[۵۱] عالمگیر نامہ میں ان سواروں کا ذکر اس طرح ہے: "درآن روز از کثرت سپاہ و جوش لشکر آثار شور محشر ہویدا بود، و از غبار سم ستور دود فور مواکب منصور چہرۂ آسمان و روے زمین ناپیدا لشکری آراستہ و رنگیں چون خیل سبزہ رباس و گلفشی از زمین می جوشید و جیبے پر قہر و طیش مانند امواج بحر مواج از شورش کیں می خروشید زمیں با ہمہ تحمل و سخت جانی از حمل گرانی آن خیل انبوہ ستودہ بود... ج ا ص ۲۵۰۔ [۵۲] عالمگیر نامہ ج ا ص ۲۴۸ - ۲۴۹،

کی، لیکن اُس کے بعد بھی جسونت سنگھ اورنگ زیب کی نظر سے نہیں گذرا، ۹ سنہ جلوس میں شاہزادہ معظم کے ساتھ کابل بھیجا گیا، اور ۱۰ سنہ جلوس میں دکن کی مہم میں تعینات کیا گیا، اور ۱۴ سنہ جلوس میں جمرود مضافات کابل کی حکومت پر سرفراز کیا گیا، اور یہیں وفات پائی،

راٹھور راجپوتوں کے لئے اورنگ زیب کا دل بڑا ہی نرم اور گداز تھا، راجہ جسونت سنگھ کا خسر پرم دیو سیسو دیہ سموگڈھ کی لڑائی میں اورنگ زیب کے خلاف تھا لیکن جب اورنگ زیب سے آکر ملا، تو اُس نے اس کا پورا اعزاز و اکرام بدستور سابق قائم رکھا، اور برابر خلعت فاخرہ اور شاہی الطاف سے نواز تا رہا، وہ دکن میں متعین تھا، پھر راجہ رام سنگھ کچھواہہ کے ساتھ آسام کی مہم پر بھیجا گیا، ۱۲ سنہ سال جلوس میں متھرا کا فوجدار مقرر ہوا، اور یہیں انتقال کیا، [۲]

بیان کیا جا چکا ہے کہ سموگڈھ میں راجہ روپ سنگھ راٹھور نے اپنی جان کی بازی لگا کر اورنگ زیب کی جان لینے کی کوشش کی تھی، گو وہ خود ہلاک ہوا، مگر اورنگ زیب کو افسوس رہا کہ ایسا پرجوش اور جری راجپوت سردار مارا گیا، لیکن جب اس کا لڑکا مان سنگھ عالمگیر کے دربار میں حاضر ہوا، تو اس کو بے شمار شاہی عنایتوں سے نوازا، اور ہزاری و پانصدی وہفت صد سوار کا منصب عطا کیا، [۳] اور پھر ترقی کر کے سہ ہزاری منصب فائز ہوا، راجہ روپ سنگھ، مہاراجہ جسونت سنگھ کا چچازاد بھائی تھا، یہ خاندان عالمگیر سے اور زیادہ قریب ہو گیا جب چوتھے سال جلوس میں راجہ روپ سنگھ کی ایک لڑکی شہزادہ محمد معظم سے بیاہی گئی، اور یہ شادی نہایت تزک و احتشام اور دھوم دھام سے انجام پائی جس کی پوری تفصیل عالمگیر نامہ (ص ۶۳۹ - ۶۴۴) میں درج ہے، شہزادہ محمد کام بخش کی شادی بھی ایک راجپوت خاندان میں ہوئی، یہ شہزادی منوہر پور کے راجہ امر چند کی بیٹی اور جگت سنگھ کی بہن تھی، یہ شادی عالمگیر کے چوبیسویں سال جلوس میں ہوئی، [۴]

راجہ چھتر سال ہاڈا دارا شکوہ کی معیت میں سموگڈہ کی لڑائی میں اس جذبہ کے ساتھ شریک ہوا تھا،

۱؎ عالمگیر نامہ ص ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۷، ۲۶۲، ۱۰۳۶، ۲؎ ماثر عالمگیری ص ۴۹ ۳؎ ماثر عالمگیری ص ۸۴ ۴؎ ایضاً ص ۲۱۰

کہ اس کے نیزہ کی انی پر اورنگ زیب کا سر ہوگا، لیکن وہ خود مارا گیا، اور جب اس کا لڑکا بھاؤ سنگھ ہاڈا اورنگ زیب کے پہلے سالِ جلوس میں دربار میں حاضر ہوا تو اورنگ زیب نے اس کو علم و نقارہ اور خطاب راؤ کے ساتھ سہ ہزاری ذات دو ہزاری سوار کا منصب عطا کیا، اور علاقہ بوندی جاگیر میں دیا، وہ اورنگ زیب کے ساتھ شجاع کی لڑائی میں شریک رہا، پھر دکن میں متعین ہوا، ۲؁ جلوس میں چاکنہ کی مہم میں جانبازی سے لڑا، راجہ جسونت سنگھ کے ساتھ سیواجی کے خلاف بھی معرکہ آرا ہوا، ۹؁ میں چاندہ کے زمینداروں کی تادیب کے لئے بھی گیا، اس کے بعد اورنگ آباد میں مامور رہا، اور یہیں اورنگ زیب نے اکیسویں سال جلوس میں وفات پائی،[1]

مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ بھی شروع میں داراشکوہ کا حلیف رہا لیکن جب اورنگ زیب سے آکر ملا، تو اُس نے بڑے احترام سے اس کا خیر مقدم کیا، اور ایک کروڑ دام کی مالگذاری کا محال عطا کیا، ۷؁ جلوس میں سیواجی کے خلاف مہم پر بھیجا گیا، تو چودہ ہزار سوار اس کے ساتھ گئے، اور دوسرے فوجی سردار دلیر خاں، داؤد خاں، احتشام خاں اور زبردست خان اس کے ماتحت بنائے گئے، راجہ جے سنگھ کے ساتھ اور بھی راجپوت سوار تھے، ان میں سے بعض کے نام ہیں، راجہ سجان سنگھ بندیلہ، راجہ رائے سنگھ سسودیہ، پورن مل، گیرت سنگھ[2]، اندرا من بندیلہ اس مہم میں راجہ جے سنگھ نے جو خدمت انجام دی، اس کے صلہ میں اس کو اس کے منصب میں دو ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ کی ترقی دے کر منصب ہفت ہزاری ذات ہفت ہزار دو اسپہ پر مامور کیا گیا،[3] ۸؁ جلوس میں راجہ بیجاپور کی مہم میں روانہ کیا گیا، اور واپسی میں اورنگ آباد پہنچ کر ۱۰۷۷ھ میں اس دار فانی سے کوچ کیا، اورنگ زیب کو اس کی موت کی خبر ملی تو اس کو بڑا رنج ہوا، وہ اس کے حسن تدبیر، سنجیدگی فکر، سپہگری اور فوجی قیادت کا بڑا مداح تھا، مسلمان مؤرخین نے بھی اس کے اوصاف کی تعریف کی ہے، مآثر الامراء میں ہے کہ

۱؎ مآثر الامراء ج ۲ ص ۳۰۵-۷، ۲؎ منتخب اللباب حصہ دوم ص ۱۸۰، ۳؎ مآثر عالمگیری ص ۵۱،

"بامزاج زمانہ شناسا و باندیشہ و وقت آشنا فراہم داشت، ازیں جاست کہ از ابتدائے دولت تا انتہائے زندگی آبرو بسر بردہ" (ج ۳ ص ۵۰۰)

اس کی وفات کے بعد اورنگ زیب نے اس کے بیٹے کنور رام سنگھ کو راجہ کے خطاب اور دوسری شاہانہ عنایتوں سے نوازا، گو یہ بھی سموگڈھ میں دارا شکوہ کے ساتھ تھا، لیکن جب باپ کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا، تو خلعت و انعام سے سرفراز کیا گیا، راجہ جے سنگھ جب سیواجی کو عالمگیر کے دربار میں لایا تو اس کی قیام گاہ کی نگرانی رام سنگھ ہی کے ذمہ کی گئی لیکن اس کی چشم پوشی کی وجہ سے سیواجی آگرہ سے فرار ہوگیا، جس سے اورنگ زیب کو بڑا دکھ پہنچا، اور اس کو منصب سے معطل کر کے دربار میں آنے کی ممانعت کر دی، لیکن راجہ جے سنگھ کی موت پر اورنگ زیب نے رام سنگھ کا قصور معاف کر دیا، اور دربار میں بلا کر اس کو راجہ کا خطاب عطا کرتے وقت خلعت مع جمدھر مرصع، شمشیر مع ساز مرصع، اسپ عربی مع ساز طلا، فیل مع جل زربفت و ساز نقرہ مرحمت کیا، اور چہار ہزاری ذات چہار ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا، اور اس کے باپ کی کل جاگیر بھی دیدی، وہ رفتہ رفتہ ترقی کر کے پنجہزاری ذات پنجہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ تک پہنچا، راجہ جے سنگھ کا چھوٹا بیٹا کیرت سنگھ بھی اورنگزیب کے ساتھ اپنی زندگی کے آخر تک وابستہ رہا، وہ سہ ہزاری ذات دو ہزار یا نصد سوار کے منصب تک پہنچکر ۱۰۸۵ھ میں دکن میں مرگیا،[۱]

جے سنگھ کے پرپوتے جے سنگھ کو ترقی و عروج کی شاہراہ پر گامزن کرنے میں اورنگ زیب ہی کا ہاتھ ہے، وہ راجہ بشن کا بیٹا تھا، ۴۴ سال جلوس میں اورنگ زیب نے اس کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا، اور دو ہزار پانصدی ذات ہزار سوار کا منصب دیکر راجہ جے سنگھ کے خطاب سے نوازا، اور وہ دھیراج راجہ جے سنگھ سوائی کے لقب سے تیموری بادشاہوں کے آخری دور میں نہایت ممتاز اور اہم ارکان سلطنت میں شمار کیا جاتا تھا، ۴۵ سال جلوس میں اورنگ زیب نے اس کو عمدۃ الملک اسد خان کے ساتھ قلعۂ کھیلنا

---

[۱] مآثر الامراء ج ۲ ص ۳۰۱-۳

تسخیر کے لئے بھیجا تو اُس نے اورنگ زیب کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر اپنی نوجوانی میں بڑی جانبازی اور دلیری کا ثبوت دیا، اور قلعہ فتح ہونے کے بعد اورنگ زیب نے اس کی کارگذاری کے صلہ میں اس کے منصب میں اضافہ کیا، اور پھر وہ برابر ترقی کرتا گیا۔[1]

عالمگیر کے چھوٹے چھوٹے راجپوت فوجی منصبداروں کی بڑی لمبی فہرست ہے، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں :

راجہ اودت سنگھ (زمیندار اوندچھ، دوہزاری ہزار پانصدی ہزار پانصد سوار) راجہ دیبی سنگھ بندیلہ (دوہزار پانصدی ویانصد سوار) بکرم سنگھ گوالیاری (دوہزار پانصد سوار) رام چندر سنگھ (سہ ہزاری) باسدیو سنگھ، (جندن کرا کا زمیندار، سہ ہزاری) سو بھکرن بندیلہ دوہزاری ہزار صد سوار، شبن سنگھ (ہزاری وچار صد سوار) سروپ سنگھ (یکہزاری) رگھناتھ سنگھ راٹھور (ہزار و پانصدی شش صد سوار) راجہ کلیان سنگھ (بھداور کا زمیندار ہفتصدی) وغیرہ[2]

اورنگ زیب راجپوتوں کو ہمیشہ اپنے مسلمان حریفوں کے مقابلہ میں راجپوت سرداروں کی نگرانی میں لشکر بھیجنے میں بالکل تامل نہ کرتا تھا، مآثر عالمگیری میں ہے :

"عادل خاں بیجاپوری پیش کش ادا کرنے میں سستی سے کام لیتا تھا، اور سیواجی کو مدد دینے میں کوشش کرتا تھا، ایک فرمان راجہ جے سنگھ کے نام صادر ہوا کہ سیواجی کے مقبوضات اور قلعوں کا بخوبی انتظام کرکے فوراً بیجاپور پر دھاوا کرو، قلعہ کے محاصرہ میں ایام گزاری سے پرہیز کرکے جلد از جلد لشکر مخالف کو تباہ و برباد کرو۔"[3]

اور خود راجپوتوں کو بھی اورنگ زیب کی حمایت میں ہندوؤں کے خلاف معرکہ آرا ہونے میں

---

[1] مآثر الامراء ج ۲ ص ۱۰۹ خافی خاں ص ۷۹۹ [2] عالمگیر نامہ کے شروع میں جو انڈکس ہے، اس سے بھی عالمگیر کے راجپوت وابستگان دولت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے [3] مآثر عالمگیری ص ۵۱،

کوئی تامل نہ ہوتا تھا، آسام والوں نے سنہ سال جلوس میں بغاوت کی، تو اس کی سرکوبی کے لئے راجہ رام سنگھ کو بھیجا گیا، اور اس کے ساتھ دوسرے راجپوت سردار کبیر سنگھ بھورتیہ، رگھناتھ سنگھ اور بیرم دیو سنگھ سسودیہ بھی تھے، جن کے ماتحت راجپوت اور مسلمان سوار دونوں تھے، میر جملہ نے جب آسام پر یلغار کی تو اس کی فوج میں بہت سے راجپوت لشکری تھے، جن کی قیادت راجہ سبحان سنگھ بندیلہ کر رہا تھا، اور یہ راجپوت اپنی کارگذاری کے صلہ میں عالمگیر کے آخر وقت تک شاہی انعام واکرام سے سرفراز بھی ہوتے رہے، چنانچہ سنہ ۴۸ سال جلوس کے ذکر میں مآثر عالمگیری میں ہے،

"اودے سنگھ قلعہ دار سنخرلنا سہ ہزاری و دو صد سوار کا امیر تھا، اسے اضافہ مشروط و بلا شرط پانصدی سی صد سوار عطا ہوا،"

درگا داس راٹھور راجہ جسونت سنگھ کے لڑکے اجیت سنگھ کی جانشینی کا قضیہ اٹھانے کے سلسلہ میں عالمگیر کی شاہی ملازمت چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا تھا، لیکن سنہ ۴۹ سال جلوس میں اس کے دربار میں آیا تو اس کو پھر سہ ہزاری دو ہزار سوار کا منصب عطا کیا گیا،

سنہ ۴۹ سال جلوس میں اورنگ زیب کی فوج نے جنجی کے مرہٹہ راجہ رام کے خلاف فوج کشی کی، تو اس مہم میں راجپوت سردار بھی سرفروشی اور جانبازی سے لڑے، راؤ دلپت رائے بندیلہ ایک لشکر جرار کے ساتھ اس معرکہ میں شریک تھا، مآثر عالمگیری میں ہے کہ اس معرکہ میں راؤ دلپت رائے کے اکثر ہمراہیوں نے بہادرانہ جنگ کے بعد اپنی جانیں دیں اور زخمی ہوئے پھر اسی معرکہ میں رام سنگھ ہاڈا[52] اندا جگہ کے قلعہ کے اوپر جس جرات کے ساتھ چڑھا ہے، وہ ایک اہم کارنامہ ہے، فتح کے بعد اورنگ زیب نے راؤ دلپت رائے بندیلہ اور رام سنگھ ہاڈا دونوں کو بطور انعام مناصب[53] عطا کئے،

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ سیواجی کے خلاف راجہ جے سنگھ نے راجپوت سرداروں اور سواروں کے

---

۵۱ مآثر عالمگیری ص ۱۰۵ ۵۲ عالمگیر نامہ ۵۳ مآثر عالمگیری ص ۵۰۵-

ساتھ قیادت کی تھی، خود مرہٹے بھی اورنگ زیب کی حکومت اور فوج کے معزز سردار رہے سیواجی
کا داماد اچلاجی سیواجی سے ٹوٹ کر اورنگزیب کا حامی اور طرفدار بن گیا تھا، وہ ۲۹ سنہ سال جلوس
میں پنجہزاری منصب پر فائز تھا[1]، اسی سال ایاجی ونکوجی کو خلعت اور ہاتھی عطا کئے گئے، سیواجی
کے لڑکے سنبھاجی کا نوکر مانکوجی بھی اورنگزیب سے مل گیا تھا، اور ۳۱ سنہ سال جلوس میں منصب دوہزاری
سے سرفراز کیا گیا[2]، سیواجی کا بھتیجا ارجوجی بھی اورنگ زیب کے دامن دولت سے وابستہ ہوا، اور کابھوجی
سرکیہ تو اورنگ زیب کے آخری سال حکومت میں ششش ہزاری منصبدار ہوکر اس کے دربار کا معزز امیر اور
فوجی سردار ہوا، یہ باب طویل ہو رہا ہے، اس لیے مرہٹہ سواروں نے اورنگ زیب کی فوج میں جو
قابلِ قدر خدمات انجام دیں، ان کو قلم انداز کر دیا جاتا ہے،

عہدوں اور ملازمتوں کے دینے میں اورنگ زیب اس اصول کا پابند تھا، جو ہر ہوشمند حکمران
کو ہونا چاہیئے، اس کا اندازہ اس کے بعض رقعات سے ہوتا ہے، اس کے ایک منصبدار امین خاں
نے یہ عرضی دی کہ دو پارسی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے، اس علت میں برخاست کر دیا
جائے کہ وہ آتش پرست ہیں، اور ان کی جگہ کسی تجربہ کار مسلمان کو مقرر کیا جائے، کیونکہ قرآن شریف
میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت جانو، اورنگزیب
نے عرضی پر لکھا کہ مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں ہے، اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ
مل سکتی ہے، اور اس قول کی تائید میں ایک آیت نقل کی جس کے یہ معنی ہیں، کہ تم کو تمہارا دین اور ہم کو
ہمارا دین منظور ہے، اورنگزیب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آیت عرضی نویس نے نقل کی ہے اگر یہی
سلطنت کا دستور العمل ہوتا تو ہم کو چاہیئے تھا کہ اس ملک کے سب راجاؤں اور اُن کی رعیت کو غارت
کر دیتے، مگر یہ کس طرح ہو سکتا تھا، شاہی نوکریاں لوگوں کو اُن کی لیاقت اور قابلیت کے موافق

[1] مآثر عالمگیری ص ۲۷۱ [2] ایضاً ص ۲۹۷،

میں گی اور کسی لحاظ سے نہیں مل سکتی ہیں[۱] اور کوئی منصبدار یا عہدیدار اپنی لیاقت اور قابلیت کا ثبوت دیتا تو اورنگزیب اس کو سراہتے بلکہ ہر قسم کی نوازشوں سے فیضیاب کرنے میں بھی تامل نہ کرتا، چنانچہ اپنے ایک خط میں بیدار بخت کو لکھتا ہے:

"مجھکو خوشی ہے کہ باغی پہاڑ سنگھ کو ملوک چند نے زیر کیا، تم تعریف کے مستحق ہو کہ تمہارے عہدیدار بادشاہ وقت کی خدمت بجالانے میں مستعد رہتے ہیں، میں تم کو موتیوں کا ایک ہار بھیج رہا ہوں جس کی قیمت پچاس ہزار روپے ہیں، ملوک چند نے اپنی بہادری اور فوجی سرداری کا ثبوت دیا ہے، اس لیے میں نے اس کو خلعت، منصب اور رائے رایاں کا خطاب عطا کیا، مناسب ہے کہ تم بھی اس کے منصب میں اضافہ کرو اور خلعت دو، اور مالوہ کی نظامت میں اس کو منتقل کر دو، تاکہ کسی کا حق نظر انداز نہ ہونے پائے اور شاہی ملازمت والوں کی ہمت افزائی ہو"[۲]

عام طور سے یہ خیال ہے کہ اورنگ زیب نے اپنی تنگ نظری سے راجپوتوں کو اپنے سے بدظن کیا، اورنگ زیب تنگ نظر تھا یا نہیں، یہ بحث ہمارے موضوع سے باہر ہے، لیکن راجپوت اکبری دور سے شاہجہانی عہد تک دربار اور میدان جنگ میں حکومت کے درباری امراء اور فوجی سرداروں کے دوش بدوش رہ کر سلطنت کے ایسے ضرور اجزاء بن چکے تھے کہ اورنگ زیب جیسا ہوشمند اور زیرک حکمراں رواداری، راجپوتوں کی دلجوئی اور دلدہی کے لئے نہیں تو کم از کم اپنی حکومت کے مصالح اور سلطنت کی پائداری کی خاطر اُن کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا جیسا کہ گذشتہ تفصیلات سے ظاہر ہوا ہوگا،

---

[۱] دعوت اسلام مترجمہ عنایت اللہ دہلوی ص ۲۰۰، انک ڈوٹس آف اورنگ زیب از جدوناتھ سرکار ص ۹۱ - ۹۰ [۲] رقعات اورنگ زیب نمبر ۳۰۲، انڈیا آفس لائبریری بحوالہ اورنگزیب اینڈ ہز ٹائمس ظہیر الدین فاروقی ص ۲۰۲،

اور اگر کر دیتا تو اس کی حکومت تقریباً پچاس سال تک قائم نہیں رہ سکتی تھی، اور نہ اس کے کمزور اور نااہل جانشین مزید ڈیڑھ سو سال تک حکومت کر سکتے تھے،

یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے مذہب کا بڑا پابند بلکہ گرویدہ رہا، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اسی کے دور میں مرہٹوں کے اردگرد ہندوؤں کی ایک غیر معمولی طاقت ابھرنی شروع ہوئی، مگر اس کو اورنگ زیب کی تنگ نظری اور تنگ دلی کا نتیجہ قرار دینا مورخانہ بصیرت کی دلیل نہیں، بلکہ اس کا تجزیہ اس طرح کیا جائے تو صحیح ہوگا کہ مسلمانوں کی تنظیمی اور اجتماعی زندگی سے ہندو متاثر ہو رہے تھے، راجپوتوں نے سلاطینِ دہلی اور مغل بادشاہوں سے برابر ٹکر لی لیکن یہ ٹکر انفرادی طور پر راجپوت خاندانوں کی رہی، وہ کبھی متحد ہو کر نہیں لڑے، بلکہ کوئی راجپوت خاندان مسلمان حکمرانوں سے لڑتا، تو دوسرے راجپوت خاندان اُس کی تباہی پر آزردہ خاطر ہونے کے بجائے خوش ہوتے، اس اختلاف اور نفاق کے مضرت رساں پہلو سے ہندو اچھی طرح واقف ہو چکے تھے، اس لئے فطری اور لازمی طور پر ان میں اجتماعی اور تنظیمی شعور پیدا ہوتا گیا جس کا عملی ظہور مرہٹوں کی قیادت میں ہوا، اجتماعی شعور کے ساتھ اُن میں مذہبی خودداری، سیاسی سربلندی اور معاشرتی عزتِ نفس کا احساس بڑھتا گیا، اور وہ ان تمام باتوں پر اپنی ناگواری کا اظہار کرنے لگے، جن کو وہ پہلے اجتماعی شعور کے نہ ہونے سے ناقابلِ التفات سمجھتے رہے، انھوں نے اپنی ناگواری کا اظہار کر کے حکمراں طبقہ کے احساس برتری کو بھی دور کرنے کی کوشش کی، اُن کا ایسا کرنا قابلِ اعتراض نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن اسی کے ساتھ ظاہر ہے کہ حکمران طبقہ اپنی برتری اور سطوت زائل ہونے کیوں دیتا، خصوصاً جب اُس کے پاس طاقت وحشمت کے علاوہ اپنی گوناگوں فضیلت کے احساس کی شدت بھی تھی، اس ذہنی اور نفسیاتی جنگ میں دونوں طرف سے ایسے ایسے اقدام کئے گئے، جو موجودہ دور کے مورخین کی تنقید وتنقیص کے ہدف بنے ہوئے ہیں، اور عالمگیر اور سیواجی کی حمایت اور مخالفت میں روز بروز تاریخی لٹریچر کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے، لیکن اب ان دونوں کے ساتھ کچھ مذہبی

اور سیاسی عقیدتمندی ایسی وابستہ ہو گئی ہے کہ ان دونوں کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کرنے کی کوشش محض سعی لاحاصل ہے، یہ عقیدت مندی صحیح ہے یا غلط اُس پر بحث کرنا فضول ہے، اور اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اہم سے اہم تاریخی موشگافی کے ذریعہ سے بھی کوئی مورخ ان دونوں سے ان کے عقیدت مندوں اور حامیوں کو بدظن نہیں کر سکتا، اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اُن کے جذبات کا احترام کرنے کے بجائے اُن کو محض دکھ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے،

اس باب کا عنوان سوار ہے اس لئے اس کو ختم کرنے سے پہلے اس کا ذکر بھی ضروری ہے، کہ سواروں کے لئے جو گھوڑے فراہم کئے جاتے تھے، ان کی افزایش نسل اور دیکھ بھال کے لئے کیا کیا اہتمام ہوتا تھا،

عام طور سے چھ قسم کے گھوڑے فوج میں استعمال کئے جاتے، (۱) عراقی (۱) ترکی (۲) یابو (۳) تازی (۴) جنگلہ (۵) مجنس، ان میں یابو کابل سے آتے تھے، تازی اور جنگلہ ہندوستانی نسل کے گھوڑے تھے، مجنس شاید ایرانی نسل کے گھوڑے ہوتے تھے، اکبر نے عراقی اور ترکی گھوڑوں کی نسل ہندوستان میں بڑھانے کے لئے پوری کوشش کی، اور جہانگیر کے بیان کے مطابق اس کو اُس میں کامیابی ہوئی، اور عراقی اور ترکی گھوڑوں کی نسل ہندوستان میں خاطر خواہ طریقہ پر بڑھی،[۱]

ہر منصبدار کو اپنے منصب کے لحاظ سے ہر قسم کے گھوڑوں کی ایک مقررہ تعداد رکھنی پڑتی تھی، مثلاً دہ ہزاری منصب دار کو کم از کم ۶۸۰ عراقی، ۶۸۰ مجنس، ۱۳۶ ترکی، ۳۶، یابو اور ۱۳۶ جنگلہ رکھنا پڑتا تھا، اس طرح دو بیتی کو ایک عراقی، دو مجنس، دو ترکی، ایک تازی، اور ایک یابو رکھنا ہوتا تھا[۲]

جنگی گھوڑے پورے اہتمام کے ساتھ آراستہ پیراستہ کئے جاتے، ان کے مختلف ساز و سامان کے

---

[۱] تزک جہانگیری ص ۳۰۱ [۲] تفصیل کے لئے دیکھو آئین اکبری ص ۱۳۱، ۱۴۴،

نام یہ ہیں: زین، اتنگ، گجم، مجبعہ بند، پاے بند، اورنگ جبیت بنبہ، یال پوش، جل رومال بشیں، مگس راں، پشت تنگ، خرخرہ، قیزہ، نکتہ، قشقہ، گردنی، نعل وغیرہ،[1] گھوڑے کو باندھنے کے لئے لوہے کا کھونٹا ہوتا، اس کی ڈوری کو کمند کہتے، اور کھونٹا جس تھوڑے سے نصب کیا جاتا اس کو تبر تخاق کہتے تھے،

گھوڑے کی خوراک کے لئے حسب ذیل ظروف تھے،

توبرہ، کڑاہ (چنے بھیلانے جانے) سبد (توبرہ کی ایک قسم) ہسٹین سطل (پانی پینے کا برتن) ان سب کی تصویریں آئین اکبری میں دی ہوئی ہیں، جن کو دیکھ کر ان کی نوعیت معلوم ہوسکتی ہے،

گھوڑوں کی تربیت، نگہداشت اور خدمت کے لئے مختلف ملازم مقرر تھے، جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) آت بیگی یا آختہ بیگی۔ گھوڑون کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا، اس عہدہ پر کوئی ممتاز منصبدار مقرر کیا جاتا تھا، وہ گھوڑوں اور اُن سے متعلق تمام ملازمین کی عام دیکھ بھال کیا کرتا تھا،

(۲) داروغہ۔ شاہی اصطبل کا نگران ہوتا تھا، پنج ہزاری منصب تک کے امراء اس عہدہ پر فائز کئے جاتے،

(۳) مشرف۔ گھوڑوں کے اعداد وشمار، خرید وفروخت اوران سے متعلق تمام باتون کا ذمہ دار ہونا یہ عہدہ بھی کسی معزز امیر ہی کو دیا جاتا، تھا،

(۴) ویدہ ور۔ شاہی معائنہ سے قبل گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا تھا، اور اس کی تفصیل مشرف کو قلمبند کراتا،

(۵) آخنجی۔ سفر میں گھوڑوں کا محافظ ہوتا، اور اُن کو وہی آراستہ پیراستہ کرتا تھا،

---

[1] آئین اکبری ص ۲، ۹۷، ۹ [2] ایضاً ۹۷،

(۶) **چابک سوار**، گھوڑوں کی تیز رفتاری کا اندازہ لگانے والا ہوتا،

(۷) **ہاڈا**، گھوڑے کو شاید پھیرتا تھا، اور ان کو کچھ طور طریقے بتاتا تھا، اس کام کے لیے عموماً راجپوت ہی مقرر کیے جاتے،

(۸) **میر دہہ**، دس سائیسوں کا سردار ہوتا تھا،

(۹) **بیطار**، یہ گھوڑوں کے امراض کا معالج ہوتا تھا،

(۱۰) **نقیب**، ہر طویلہ کی کیفیت داروغہ اور مشرف کے پاس پہنچاتا تھا،

(۱۱) **زین دار**، یہ شاید گھوڑوں کے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، اس کو جلو دار یا پایک بھی کہتے تھے،

(۱۲) **آب کش**، چالیس گھوڑوں کے لیے تین آب کش اور بیس کے لیے دو آب کش ہوا کرتے تھے،

(۱۳) **سائیس**، دو گھوڑوں کی خدمت کے لیے ایک سائیس مقرر کیا جاتا تھا،

ان کے علاوہ **فراش**، **سپند سوز**، **خاکروب** اور **نعل بند** ہوا کرتے تھے۔[1]

---

[1] آئین اکبری ج ۱ ص ۷، ۹-۹۶،

ہاتھی

ہاتھی کی اہمیت

سکندر اور پورس کی جنگ میں ہاتھیوں ہی کی وجہ سے پورس کی فوج کو شکست ہوئی، میدانِ جنگ میں ہاتھی باجے کی آواز، بندوق کی گرج سے خوفزدہ ہوتے، یا تیروں، تلواروں اور آتشیں اسلحہ کی آتش باری سے زخمی ہوتے تو اپنی فوج کے لئے بہت خطرناک ہو جاتے، لیکن ان کی اس مضرت رسانی کے باوجود ہندو راجاؤں کے عہد میں وہ جنگ کے لئے بہت ہی مفید، اہم اور ضروری اجزا سمجھے جاتے تھے، اور ان ہی کی تقلید میں مسلمانوں نے بھی ان کو اپنی لڑائیوں میں استعمال کرنا شروع کیا، محمود غزنوی کی فوج میں تقریباً دو ہزار ہاتھی تھے، جن کے لئے اس نے ایک علیحدہ محکمہ قائم کر رکھا تھا، ہر سال ان کا باضابطہ معائنہ کرتا تھا، اور جو ہاتھی لاغر اور کمزور ہو جاتے تھے، وہ ہندوستان منتقل کر دیئے جاتے تھے، جہاں کی آب و ہوا میں رہ کر وہ اپنی اصلی حالت پر آ جاتے تھے، اور پھر غزنین واپس کر دیئے جاتے تھے[51]

دہلی کے غلام سلاطین کے عہد میں ہاتھی کی اہمیت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بلبن کہا کرتا تھا، کہ ہندوستان کی آراستگی ہاتھی اور گھوڑے سے ہے، ہندوستان میں ہر ہاتھی پانچ سو سوار کے برابر ہے[52] چنانچہ اس نے اپنے دار السلطنت میں بنگالہ سے ہاتھی منگوا کر اس کی ایک کثیر تعداد جمع کر رکھی تھی[53]

---

[51] محمود آف غزنہ از ڈاکٹر محمد ناظم صاحب [52] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۵۳،

[53] ایضاً ص ۵۳،

علاء الدین خلجی کی فوج میں ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد تھی، جو اُس نے مختلف مقامات سے حاصل کیے تھے، جنوبی ہند کی تسخیر سے ملک کافور دہلی واپس آیا، تو مالِ غنیمت میں ۶۱۲ ہاتھی ساتھ لایا، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ دہلی میں ہاتھیوں کی اتنی بڑی تعداد پہلے کبھی نہیں آئی[1]، لیکن علاء الدین کے بعد ہر زمانہ میں ہاتھیوں کی تعداد بڑھتی گئی، محمد تغلق کے پاس تین ہزار ہاتھی تھے، ابراہیم لودی پانی پت کے میدان میں ایک ہزار ہاتھی لے کر اترا، شیر شاہ سوری کی فوج میں پانچ ہزار ہاتھی تھے، پانی پت کی دوسری لڑائی میں ہیمو کی شکست کے بعد اکبر کو میدانِ جنگ میں ڈیڑھ ہزار ہاتھی بطور مالِ غنیمت ہاتھ آئے[2]،

ہاتھی کی قسمیں

تیموری عہد میں اکبر نے ہاتھیوں کی نگہداشت کے لئے ایک بہت ہی مرتّب انتظام کر رکھا تھا، ابوالفضل ہاتھیوں سے اس قدر مرعوب تھا کہ آئینِ اکبری میں لکھتا ہے:

"یہ عجیب و غریب جانور تنومندی میں پہاڑ، دلیری و جانبازی میں شیر ہے، کشورکشائی میں مالک کے لئے عظیم الشان طاقت اور اضافہ شان و شوکت کا ذریعہ ہے، سپاہ و ملک کی آبادی کا محافظ اور حفاظت ملک و فوج کی بہترین سند ہے[3]"

آئینِ اکبری اور اکبر نامہ میں اُس نے ہاتھیوں پر مستقل ابواب لکھے ہیں جن سے اس جانور کی مختلف خصوصیات اور جنگ میں اس کے مفید کارنامے کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں، ابوالفضل نے ہاتھیوں کی چار قسمیں بتائی ہیں (۱) **بھدّر** جس کا جسم متناسب، سر بلند، سینہ کشادہ، دم لمبی ہو، اور جو بڑا دلیر ہو، (۲) **مند** (جس کا رنگ بالکل سیاہ، آنکھیں زرد اور شکم بڑا ہو) (۳) **مرگ** (جس کا رنگ سفید ہو) (۴) **مِر** (جس کا سر چھوٹا ہو) یہ جانور حسب ذیل مقامات میں پائے جاتے تھے، صوبہ آگرہ میں بیاواں اور نروالہ میں، صوبہ الٰہ آباد میں پنّھ، گھوراگھاٹ، رتن پور، نندن پور، سرگجہ اور بستر میں، صوبۂ مالوہ میں ہنڈیہ، اچھود، چندیری، سنتواس، بیجاگڑھ، رائے سین، ہوشنگ آباد، گڑھ، اور

۱ تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۲۳۳ ۲ اکبر نامہ جلد دوم ص ۴۱ ۳ آئین اکبری، آئین ۴۱ ۴ اکبر نامہ جلد دوم (ص ۷۳)

ہر پا گڑھ میں، صوبہ بہار میں رہتاس اور جھار کھنڈ میں صوبہ بنگالہ میں اڑیسہ اور ستگاؤں میں بکثرت پائے جاتے تھے پنہ کے ہاتھی بہترین خیال کئے جاتے تھے۔[۱]

تیموری دور کے ہر منصبدار کو ہاتھیوں کی ہر قسم کی ایک مقررہ تعداد رکھنی پڑتی تھی۔[۲]

ہاتھیوں کے خدمت گذار ہاتھیوں کی نگہبانی کے لئے ایک امیر مقرر ہوتا تھا، جو تیموری عہد سے پہلے شحنہ پیل اور تیموریوں کے دور میں امیر فیلان کہلاتا تھا، اس کے علاوہ ہاتھیوں کے لئے مندرجہ ذیل خدمتگذار مقرر تھے (۱) مہاوت (یعنی فیلبان) (۲) فوجدار وہ ہاتھیوں کو گھمسان کی لڑائی میں ثابت قدم رہنے کی تعلیم دیا کرتا تھا (۳) وہائی وار لڑائی کے موقع پر دو ہاتھیوں کے درمیان کھڑا رہتا تھا (۴) نقیب ہاتھیوں کی بیماری اور دوسری کیفیات وغیرہ کی روداد لکھا کرتا تھا (۵) بھوئی میدان جنگ میں ہاتھی کے پچھلے حصہ پر بیٹھ کر اس کی مدد کیا کرتا تھا،

ہاتھی کیلئے سامان آرائش عہد مغلیہ سے پہلے کے مورخین نے ہاتھی کے سامان آرائش کی تفصیل بہت زیادہ نہیں لکھی ہے، ابن بطوطہ کے بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جنگی ہاتھی زرہ پوش ہوتے تھے،[۳] جن کے ہودج پر سپاہی بیٹھا کرتے تھے، سلطان محمد تغلق عید کی نماز ادا کرنے کے لئے ہاتھیوں کے ایک جلوس میں جایا کرتا تھا، ابن بطوطہ نے اس کی جو تفصیل لکھی ہے، اس سے جنگی ہاتھیوں کی آرایش کے ساز و سامان کا بھی اندازہ ہوگا، وہ لکھتا ہے کہ عید کی صبح کو ہاتھی سجائے جاتے، ان پر ریشم کی طلائی اور جڑاؤ جھولیں ڈالی جاتیں، ان میں سے سو ہاتھی خاص بادشاہ کی سواری کے ہوتے، ان سب پر ایک ایک چھتر ہوتا جو ریشم کا بنا ہوا اور جواہرات سے جڑا ہوتا، ہر ایک چھتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی، اور ایک ہاتھی پر ایک جواہر سے مرصع ریشمی گدی رکھی جاتی، ایک ہاتھی پر بادشاہ سوار ہوتا...... ہاتھی کے آگے

---

[۱] آئین اکبری آئین ۸۰ [۲] تفصیل کے لئے دیکھو آئین اکبری ۱۸۱ [۳] آئین اکبری آئین ۴۳ [۴] سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۸۷،

غلام اور مملوک پیادہ پا چلتے ......[51] تیموریوں کے زمانہ میں ہاتھی کے لوازم میں بہت سی چیزیں ہوتی تھیں، مثلاً مختلف قسم کے وزنی اور ہلکی زنجیروں کے نام وھرنہ، آنڈو، بیڑی، بلند، گدھ بیڑی اور لوہ لنگر تھے، مختلف ڈوریوں کے بعض نام کلاوہ، دلٹھی، ڈورا اور بچوہ تھے، زیب وزینت کے لئے چوراسی قطاس، ٹیپا، گیتلی، پایے، رنجن اور بنگری وغیرہ نامی زیورات پہنائے جاتے، سر اور سونڈ کے لئے برگستوان کی شکل کا ایک خاص قسم کا خوبصورت جامہ ہوتا جس کو پاکھر کہا جاتا، پاکھر کے اوپر ایک مرصع پوشش ڈالی جاتی جس کو گج جھنپ کہتے، ان میں ایک پیشانی بند ہوتا جو زربفت وغیرہ قیمتی کپڑوں کا تیار کیا جاتا اس کے دامن میں مورچھل لٹکتے رہتے، جو ہوا میں ہلنے کی وجہ سے بہت خوشنما نظر آتے، ہودج کے نیچے جھولیں لٹکتی رہتیں جو قیمتی کپڑے کی بنائی جاتیں، ایک شامیانہ ہوتا، جو ہاتھی کے اوپر تانا جاتا، یہ میگھ ڈنبر کہلاتا تھا،[52]

ہاتھی کی غذا | اکبر کے خاصے کی سواری کے لئے ایک سو ایک ہاتھی تھے، اکثر ہاتھیوں کے لئے پانچ سیر شکر، چار سیر روغن زرد اور نصف من چاول فی زنجیر کے حساب سے مقرر تھے، بعض جانوروں کو ڈیڑھ من دودھ بھی دیا جاتا، گنے کی فصل میں ہر ہاتھی کو تین سو یا اس سے کم و زائد نیشکر روزانہ دیئے جاتے،[53]

ہاتھی پر فوجی سردار | تیموری دور سے پہلے میدانِ جنگ میں بادشاہ یا فوجی سردار گھوڑے پر سوار ہو کر لڑائی کی نگرانی کرتا تھا لیکن تیموری عہد میں وہ ہاتھی ہی پر سوار رہتا تھا، تاکہ فوج کا ہر سپاہی اس کو ہر جگہ سے دیکھ سکے، ہیمو پانی پت کی جنگ میں اپنے ہودج ہی پر تیروں سے زخمی ہوا،[54]

نورجہاں نے مہابت خاں کے خلاف ہاتھی ہی پر سوار ہو کر جنگ کی، اس کی عماری میں شہزادہ شہریار کی شیرخوار بچی اور اس کی انّا بھی تھی، ہاتھی پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی، ایک تیر شہریار کی بچی کو

---

[51] سفرنامۂ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۴، [52] فرید تفصیلات کے لئے دیکھو آئین اکبری آئین ۴۴ [53] آئین اکبری آئین ۴۵ [54] اکبرنامہ جلد اول ص ۴،

بھی آ لگا، جس کو نورجہاں نے اپنے ہاتھ سے نکال کر باہر پھینک دیا، عماری خون سے رنگین ہو رہی تھی، لیکن بہادر نورجہاں برابر اپنی فوج کی ہمت بڑھا رہی تھی، غنیم نے قریب پہونچکر نورجہاں کے ہاتھی کی سونڈ پر تلواروں سے دو کاری زخم لگائے، جس سے اس کا منہ پھر گیا، وہ زخمی ہو کر دریا میں کود پڑا، غنیم کے سواروں نے بھی اُس کے پیچھے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے لیکن ہاتھی پیرتا ہوا آگے نکل گیا، اور سوار ڈوبنے کے خوف سے لوٹ پڑے[1]، سموگڑھ کی جنگ میں اورنگ زیب اور مراد دونوں ہاتھی ہی پر سوار ہو کر اپنی اپنی فوجوں کو لڑا رہے تھے، مراد کی عماری پر دارا کے لشکر کی طرف سے چار ہزار ازبک تیر چلا رہے تھے، ہاتھی کا ہودج تیروں سے چھلنی ہو کر خارپشت یعنی ساہی بن گیا تھا، مگر اس عالم رستخیز میں بھی مراد ہمت و استقلال کا پہاڑ بنا ہوا دشمنوں کے تیروں کا مسلسل جواب دیتا رہا، اس کا فیلبان زخمی ہو کر نیچے گر پڑا تو اُس نے فوراً ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈلوا دی، اس کے لشکری مراد کی اس ہمت اور پامردی کو دیکھ کر آگے بڑھے، اور دیوانہ وار اس کے ہاتھی پر حملہ آور ہوئے، اُن کے حملے سے مراد کے چہرے پر تین کاری زخم لگے، مگر وہ جانبازی اور سرفروشی کے ساتھ لڑتا گیا، اس کے تیروں سے دارا کے اتنے سپاہی زخمی ہوئے کہ ہاتھی کے ارد گرد زمین ارغوانی اور زعفرانی ہو گئی، مراد کا یہ ہودج دودمان تیموری کی شجاعت، جانبازی، اور پامردی کی یادگار میں خزانہ عامرہ میں آخر وقت تک محفوظ رہا۔ فرخ سیر کے زمانہ میں سادات بارہہ نے تیموری خاندان کے افراد پر استیلا اور غلبہ پانے کی کوشش کی تو فرخ سیر کی بہن نے غصہ میں اُن سے کہا کہ ہم اس خاندان کے افراد ہیں جن کی شجاعت کی یادگار میں یہ مشبک ہودج اب تک محفوظ ہے[2]، اورنگزیب کی وفات کے بعد لڑکوں میں جاجو کے میدان میں جانشینی کی جنگ ہوئی، تو شہزادہ اعظم شاہ ہاتھی ہی پر سوار تھا، اس کے ساتھ اس کا نوجوان لڑکا شہزادہ علی تبار بھی تھا، لڑائی شروع ہوئی تو شہزادہ علی تبار کے بازو پر ایک تیر لگا

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۷ [2] خافی خان جلد دوم ص ۳۰

لیکن اعظم شاہ اپنا ہاتھی لے کر مخالف فوج کی صف میں گھس پڑا، تیروں اور گولیوں سے متواتر چار فیلبان زخمی ہو کر گرے، آخر میں اعظم شاہ خود ہی ہاتھی ہانکنے لگا، اس کا سارا جسم تیروں سے چھلنی ہو رہا تھا، پھر بھی وہ زخموں سے بے پرواہ ہو کر لڑتا گیا، یکایک اس کی پیشانی پر ایک گولی آکر لگی جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا لڑائی کے دوسرے بازو میں اس کے دو شہزادے بیدار بخت اور والاجاہ ہاتھیوں ہی پر لڑتے ہوئے مارے گئے، ۱۱۳۲ھ میں نظام الملک اور عالم علی خاں برسر پیکار ہوئے تو عالم علی خاں جو ۲۲ سال کا نوجوان تھا، میدانِ جنگ میں ہاتھی ہی پر سوار تھا لڑائی شروع ہوئی تو وہ اپنے ہاتھی کے ساتھ غنیم کی طرف اتنی تیزی سے بڑھا کہ اس کے سوار پیچھے رہ گئے، عماری پر اس کے ساتھی تیروں سے زخمی ہو کر مارے گئے، لیکن اس نے منہ نہیں موڑا، اس کا فیلبان بھی زخمی ہو کر نیچے گر پڑا، ہاتھی بے قابو ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگا، اور آخر ایک دلدل میں جاکر پھنس گیا، عالم خاں نے اُس کو بڑی مشکل سے دلدل سے نکالا، اور پھر دشمنوں کی طرف بڑھا، ہاتھی تیروں سے زخمی ہو کر پھر بھاگا، مگر عالم خاں چلایا، ہاتھی نے منہ موڑا ہے میں نے پیٹھ نہیں دکھائی ہے، اور ہاتھی کو موڑ کر پھر دشمن کی طرف بڑھا، اس کے تمام جسم سے خون بہہ رہا تھا، اس کے چہرہ اور جسم پر دشمنوں کے تیر آکر پیوست ہو گئے تھے، اور جب اس کا ترکش خالی ہو گیا، تو اپنے چہرے اور جسم سے ان تیروں کو نکال کر دشمنوں پر پھینکنے لگا، اس کے ہاتھی نے چار بار میدانِ جنگ سے منہ موڑا لیکن وہ ہر بار ہاتھی کو موڑ کر دشمنوں سے سینہ سپر ہوا، بالآخر زخموں سے ایسا نڈھال ہو گیا کہ دشمنوں نے اس کو مغلوب کر لیا،[۱] ہاتھی پر سوار ہو کر لڑنے کا طریقہ آخر وقت تک رہا، نواب سرفراز خان ناظم بنگالہ علی وردی خان مہابت خاں کے خلاف لڑائی لڑنے میدان میں ہاتھی ہی پر اترا، مخالف فوج نے توپ و تفنگ سے ایسی آتشباری کی کہ اُس کی فوج منتشر ہو گئی، اُس کے رفقاء اس کو چھوڑ کر فرار ہونے لگے لیکن وہ میدانِ جنگ میں

---

[۱] خافی خاں ص ۸۹۵،

پورے حوصلہ سے لڑتا رہا، اس کے فیلبان نے خوفزدہ ہو کر عرض کیا کہ حکم ہو تو ہاتھی کو بھگا لے جائیں، سرفراز خاں کی شجاعت اور غیرت جوش میں آئی، اور فیلبان کو ایک طمانچہ مار کر بولا، "ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈال دو، میں اِن کتوں سے اپنا منہ ہرگز نہیں موڑوں گا"، اور بالآخر لڑتا ہوا مارا گیا،[1]

نادر شاہ ہندوستان آیا تو اس کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ میدان جنگ میں بادشاہ اور سپہ سالار ہاتھی پر سوار رہتے ہیں، اس کے نزدیک ہاتھی پر سوار رہنا خواہ مخواہ دشمنوں کا نشانہ بننا تھا، وہ تو ہاتھی کی سواری کو اس لئے بھی ناپسند کرتا تھا کہ اس کی باگ دوسرے کے ہاتھ میں رہتی ہے، مگر تیموریوں کی رگوں میں شجاعت اور جانبازی کا خون اس طرح موجزن تھا کہ میدان کارزار میں کسی قسم کا خوف اپنے دل میں لانا باعثِ شرم سمجھتے تھے، وہ جنگ کے لئے روانہ ہوتے تھے، تو اپنی فوجوں کو اسی طرح آراستہ کرتے تھے، جس طرح بارات کا جلوس آراستہ کیا جاتا ہو، اور وہ ان کے ساتھ اس طرح جاتے تھے جیسے کوئی دولہا جا رہا ہو، اور معرکۂ کارزار میں اپنے مرصع اور مکلل ہاتھی پر اس طرح فروکش رہتے تھے، جیسے کوئی ایک جشن منا رہا ہو، اور اسی شانِ عروسی میں ہر موقع پر اپنی نبرد آزمائی، جانبازی اور پامردی کے اعلیٰ سے اعلیٰ جوہر دکھاتے تھے،

ہاتھی پر سے تیراندازی

تیراندازوں کو ہاتھی کی پشت پر بیٹھ کر دشمنوں پر تیراندازی کرنے میں بڑی سہولت ہوتی تھی، ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ایک ہاتھی کے ہودج پر بیس مسلح فوجی بیٹھ سکتے تھے،[2] اسی سلطان کے عہد کے میدانِ جنگ کا نقشہ کھینچتے ہوئے مسالک الابصار کا مصنف لکھتا ہے کہ۔۔

"ہاتھیوں پر برجوں سے ڈھکے ہوئے آہنی ہودج رکھے جاتے ہیں، جن پر تیرانداز سوار رہتے ہیں اور پھر ان ہی برجوں کی ہر سمت میں سوراخ بنے ہوتے ہیں، جن سے تاک تاک کر۔

[1] ریاض السلاطین ص ۳۱۶ [2] سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۲،

نشانے لگائے جاتے ہیں اور ان ہی ہودجوں میں روغنِ نفط ہوتا ہے جو شیشہ کی نلکیوں سے دشمنوں پر اچھالا جاتا ہے جس سے شعلے پیدا ہوتے ہیں"

سلطان محمود تغلق جب تیمور سے جنگ کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں آیا، تو ظفر نامہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ اس کے پاس ۱۲۰ ہاتھی تھے، جو سلاح اور کجیم سے مسلح تھے، اور اُن کے دانت نوکیلے بنا کر زہر آلود کر دیئے گئے تھے، ان کی پیٹھ پر ناوک فگن اور چرخ انداز بیٹھے تھے، تیمور کے فوجی دشمنوں کے لشکر سے تو نہیں لیکن اُن کے ہاتھیوں سے بہت زیادہ خوفزدہ تھے، ان کو خبر ملی تھی کہ ہندوستان کے ہاتھیوں کے سخت جسم پر تیر اور تلوار کا اثر نہیں ہوتا، وہ درختوں کو سونڈ سے اکھاڑ دیتے ہیں، مستحکم عمارتوں کو دھکے دے کر گرا دیتے ہیں، اور میدانِ جنگ میں اژدہا نما سونڈوں سے گھوڑوں اور سواروں کو ہوا میں پھینک دیتے ہیں، تیمور کی فوج نے محمود تغلق کے لشکر کو مغلوب کیا تو اس کے ہاتھی بھی پسپا ہوئے، تیمور نے ان ہاتھیوں کی یورش روکنے کے لئے اپنی فوج کے سامنے خندق کھدوائی، خندق کے سامنے بھینسوں کو ایک دوسرے سے جوڑے میں بندھوا کر کھڑا کیا، اور راستے میں لوہے کی خاردار کیلیں بچھا دیں[1]

آئینِ اکبری میں اکبر کے وزیر ابوالفضل کا بیان ہے کہ ہندو ماہرینِ میدانِ جنگ میں بہترین ہاتھی کو پانچ سو سواروں کے برابر خیال کرتے ہیں، اور تیر انداز بہادروں کے ساتھ ایک ہاتھی ہزار سواروں کا کام کرتا ہے[2]

ہاتھی پر سے گولہ اندازی

ہاتھی کی پشت پر سے توپ اور بندوق بھی چھوڑی جاتی تھی، شاہجہان نے اپنے بیسویں سالِ جلوس میں اورنگ زیب کو بلخ کی تسخیر کے لئے بھیجا تو اس جنگ میں ہاتھی کی پیٹھ پر سے بڑی بڑی توپیں اور گجنال چھوڑی گئیں[3] کھجوہ کے میدان میں شہزادہ شجاع اور اورنگ زیب

---

[1] ظفر نامہ جلد دوم ص ۱۰۲، [2] آئینِ اکبری آئین ۴۱، [3] عملِ صالح جلد دوم ص ۵۴۵،

سے جو جنگ ہوئی تو اس موقع پر اورنگ زیب کے تفنگچیوں نے ہاتھی کی پشت پر سے دشمنوں پر گولہ باری کر کے بڑی ہولناکی پیدا کی[۱]

ہاتھی اور صف بندی ہاتھی فوجوں کی صف بندی کے لئے بھی بہت مفید سمجھے جاتے تھے، محمود غزنوی جب خراسان میں ایلک خاں کے خلاف معرکہ آرا ہوا تو اس نے اپنی فوج کے آگے پانچسو کوہ پیکر ہاتھی کھڑے کر دیئے، تاکہ صف شکنی نہ ہو سکے، ۹۹۱ھ میں مظفر گجراتی نے احمد آباد میں علم بغاوت بلند کیا، تو بیرم خاں کے لڑکے مرزا خان (یعنی عبدالرحیم خانخاناں) کو احمد آباد بھیجا گیا، مظفر ایک جرار لشکر لے کر مقابلہ کے لئے آگے بڑھا مرزا خاں کے پاس نسبتہً فوج کم تھی لیکن اُس نے اپنی فوج کو دشمنوں کی زد سے محفوظ رکھنے کے لئے سو ہاتھیوں کی ایک صف آگے کھڑی کر دی، اور جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی، تو ان ہی ہاتھیوں کو لے کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑا جس سے اُن کے پاؤں بالکل اکھڑ گئے،[۲]

ہاتھی اور صف شکنی ہاتھی صف شکنی کے لئے بھی بہت ہی مفید سمجھے جاتے تھے محمود غزنوی نے خراسان میں ایلک خان سے جنگ کی تو وہ ہاتھی ہی پر سوار ہو کر دشمن کی صف کی طرف بڑھا، اس کے پیچھے لشکر کے اور بھی ہاتھی حملہ آور ہوئے، محمود کے ہاتھی نے پہلی ہی یورش میں ایلک خان کے علم بردار کو سونڈ میں لپیٹ کر دور پھینک دیا۔ پھر یہی ہاتھی لشکریوں کی طرف بڑھا، اور اس نے بے شمار سپاہیوں کو ہلاک کیا، محمود کے اور ہاتھیوں نے بھی غنیم کی صف میں بڑی ابتری پھیلائی، جس سے وہ بالکل سنبھل نہ سکے،[۳] ۸۶۳ھ میں احمد آباد میں سلطان محمود بیگڑہ کے خلاف اس کے امرا نے بغاوت کی تو ان کی فوج پر محمود بیگڑہ نے چھ سو ہاتھی دوڑا دیئے، جس سے سارے لشکری ایسے

---

[۱] عالمگیر نامہ جلد اول ص ۹ ۲۴ ۔ [۲] مرآت احمدی ص ۱۶۰، داکبر نامہ جلد دوم ص ۴۲۶،
[۳] گردیزی ص ۶۹،

پریشان ہوئے کہ اپنے تمام اسلحہ چھوڑ کر فرار ہو گئے،[1] ۸۶۲ھ میں ہمایوں شاہ بہمنی جب اپنے پھوپھی زاد بھائی سکندر خاں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے لڑا تو وہ ایک مست ہاتھی لے کر سکندر خاں کے خاصہ کی فوج پر حملہ آور ہوا، سکندر خاں بھی ایک شیرِ نر کی طرح آگے بڑھا، اور نیزے کا ایک وار ہاتھی پر کیا، لیکن ہاتھی نے سکندر کو سونڈ میں لپیٹ لیا، اور غصہ میں زمین پر دے مارا،[2] محمد شاہ بہمنی نے وجیا نگر پر فوج کشی کی تو تنگ بھدرا کے پاس ایک شدید جنگ ہوئی، دونوں طرف کی فوجیں جوش و خروش سے لڑ رہی تھیں کہ محمد شاہ بہمنی کے فوجی سردار محمد خاں کا ہاتھی شیر شکار نامی فیلبان کے قبضہ سے نکل گیا، اور غنیم کی فوج پر حملہ آور ہوا لیکن غنیم کے ہاتھیوں نے اُس کو گھیر کر بے کار کر دیا، محمد خاں اپنے ہاتھی کی پسپائی دیکھ کر پانچ سو سواروں کے ساتھ آگے بڑھا، اور ہاتھی کو دشمنوں کو نرغہ سے چھڑا لیا، اُس کے بعد فرشتہ کا بیان ہے کہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ جو شاید کبھی نہ آیا ہوگا، یعنی شیر شکار نامی ہاتھی نے اپنے لشکر کی پیش روی اختیار کی، اور دشمنوں کی صفوں کو اس طرح درہم برہم کیا کہ ان کو مغلوب ہونا پڑا،[3] ۹۸۲ھ میں اکبر کی فوج داؤد خاں والیٔ بنگالہ کو مغلوب کرنے گئی، تو میدانِ جنگ میں داؤد خاں کے ہاتھیوں نے شاہی فوج کی صفوں میں جو انتشار پیدا کیا تھا، اس کا اعتراف ابو الفضل نے بھی اکبر نامہ میں کیا ہے،[4] اسی طرح ۱۰۲۱ھ میں عثمان خاں افغانی نے بنگالہ میں علمِ بغاوت بلند کیا، تو جہانگیر کی فوجوں کو عثمان خان کے ہاتھیوں نے بڑا نقصان پہنچایا جس کی تفصیل خود جہانگیر نے تزک جہانگیری میں لکھی ہے،[5] شاہ جہاں کے زمانے میں بلخ کی مہم میں اوزبکوں کی صف شکنی ہاتھیوں ہی کے ذریعے سے ہوئی تھی،[6] اورنگ زیب اور شجاع کے درمیان کھجوہ کی جنگ کی ابتدا ہاتھیوں کے حملے ہی سے ہوئی، شجاع میمنہ کے سردار سید عالم بارہہ نے تین مست ہاتھیوں کے

---

[1] مرآت احمدی جلد اول ص ۵۹ [2] فرشتہ جلد اول ص ۳۴۰ [3] ایضاً ص ۲۹۱ [4] اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۲۳ [5] تزک جہانگیری ص ۱۰۳-۱۰۴ [6] عمل صالح جلد دوم ص ۵۳۶.

گلے میں دو دو تین تین من کی زنجیریں باندھ کر اورنگ زیب کے جرانغار کی طرف چھوڑ دیئے، اورنگ زیب کی فوج اس حملہ کی تاب نہ لا سکی، اور منتشر ہونے لگی، تینوں ہاتھی جس قدر زیادہ زخمی ہوتے اسی قدر زیادہ خطرناک ہوتے جاتے تھے، یہانتک کہ وہ اورنگ زیب کے ہاتھی کے پاس پہونچ گئے، اور قریب تھا کہ اس کے ہاتھی کو زیر کر کے جنگ کا فیصلہ کر دیتے، مگر اورنگ زیب نے غیر معمولی ہمت و استقلال سے کام لیا، اس نے اپنے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی، جس کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لی، اور اورنگ زیب کے بندوقچی تینوں ہاتھیوں پر گولیاں برسانے لگے، اتفاق سے ایک ہاتھی کا فیلبان گولی کھا کر نیچے گر گیا، اُسکا گرنا تھا کہ اورنگ زیب کے ہاتھیوں کے فیلبانوں نے اسکے ہاتھی کو گھیر لیا، بعض دلیر اور چالاک فیلبان تیزی سے اس ہاتھی کی پیٹھ پر چڑھ گئے، اور اس کو اپنے قابو میں کر لیا، بقیہ دو ہاتھی فرار ہو گئے،[1]

صف شکن ہاتھی کے اوصاف صف شکنی کے لئے جو ہاتھی استعمال کئے جاتے تھے، اُن کو خاص باتوں کی تربیت دی جاتی تھی، مثلاً وہ گھوڑے سے زیادہ تیز دوڑیں، ابوالفضل پانی پت کی دوسری لڑائی میں ہیمو کے ہاتھیوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ عراقی گھوڑوں سے بھی زیادہ تیز دوڑ سکتے تھے،[2] ایسے ہاتھیوں کو اس کی بھی تربیت ہوتی کہ وہ سواروں کو اُن کے گھوڑوں کے سمیت اپنی سونڈ سے اٹھا کر ہوا میں پھینک دیں، عمارتوں کو ڈھا کر گرا دیں، اور درختوں کو جڑ سے اکھاڑ دیں،[3] اس قسم کے ہاتھی جنگ کے موقع پر بڑی جانبازی سے لڑا کرتے تھے، چتوڑ کے اس محاصرہ میں اکبر کے ایک ہاتھی کی سونڈ ایک راجپوت کی تلوار سے کٹ گئی، سونڈ کٹ جانے کے بعد ہاتھی کا زندہ رہنا مشکل ہے، لیکن اس ہاتھی نے مرنے سے پہلے تیس شمشیر بازوں کو ہلاک اور پندرہ کو زخمی کیا، اسی قلعہ چتوڑ کے اندر گھس کر مدھکر اور سبدلیہ نامی ہاتھیوں نے بڑی ہولناکی پیدا کی،[4] بعض ہاتھیوں کی سونڈ میں زہریلی چھریاں باندھ دی جاتی تھیں، جن سے وہ دشمنوں پر کاری زخم لگاتے (ظفر نامہ ص ۱۰۰-۱۰۲)

ہاتھی اور عبور دریا ہاتھی فوج کو دریا بھی عبور کراتے تھے، فیروز شاہ لکھنوتی کی مہم پر روانہ ہوا تو راستے میں

---

[1] عالمگیر نامہ ج ۱ ص ۲۶۱، [2] اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۰۰، [3] ایضاً [4] ایضاً جلد اول ص ۳۴۲؛

کوسی دریا ملا شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ دریا۔ ۔ ۔ اس قدر زور پر تھا کہ پانچ سو من کا پتھر ٹھیکرے کی طرح پانی پر بہتا نظر آتا تھا فیروز شاہ نے حکم دیا کہ پایاب مقام پر دریا کے بہاؤ کے بالائی اور زیریں حصے میں ہاتھی کھڑے کئے جائیں۔ تاکہ لشکر آسانی سے دریا عبور کر سکیں، بالائی حصے میں اس لئے ہاتھی کھڑے کئے گئے تاکہ پانی کا زور کم ہوجائے، دونوں طرف ہاتھیوں کے جسم میں مضبوط ڈوریاں باندھ دی گئیں، زیریں حصے میں ہاتھی اس غرض سے کھڑے گئے کہ کوئی لشکری غرقاب ہونے لگے، تو ہاتھیوں کی ڈوریاں پکڑ لے[1] اکبر تو کئی بار خود فوج لے کر گنگا اور بیاس پار ہوا[2] ۹۸۵ھ میں پنجاب کے ایک سرکش زمیندار کے خلاف اکبر نے شاہی لشکر بھیجا تو دونوں فوجیں دھارہ دریا کے دونوں ساحلوں پر کھڑی ہوئیں، بالآخر شاہی لشکر کے سرداروں نے بے تاب ہو کر دریا میں ہاتھی ڈال دیئے، دشمن کی آتشباری سے دریا کی موجیں خونیں ہونے لگیں، لیکن جری اور جانباز مغل ہاتھیوں پر دریا پار کرتے چلے گئے، اور ساحل پر پہونچکر دشمنوں کو پسپا کیا،[3]

ہاتھی اور حصار شکنی کبھی دشمنوں کی گذرگاہ کے پل اور کبھی حصار کی دیواریں ہاتھیوں کے ذریعے سے توڑی جاتی تھیں، ہمایوں جب شیر خاں کے خلاف دوسری بار معرکہ آرا ہوا تو اس نے بھوج پور کے پاس گنگا عبور کرنے کے لئے ایک پل بنوایا، افغانوں نے اس پل کو ایک ہاتھی گردباز نامی کی مدد سے توڑنے کی کوشش کی،[4] آگرے کے پاس ایک سرکش گروہ کو فرو کرنے کے لئے اکبر جنگ پرونکہ (؟) میں شریک ہوا، تو ایک دیوار کو اس نے خود ایک ہاتھی پر سوار ہو کر توڑا،[5] شاہجہاں کے زمانہ میں دکنی فتوحات کے سلسلے میں پرینڈہ کے پاس حصار قصبہ کی پانچ گز اونچی اور تین گز چوڑی دیواریں ہاتھیوں ہی سے توڑی گئیں،[6]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۱۱۱ [2] تفصیل کے لئے دیکھو اکبر نامہ جلد دوم ص ۹۲، ۲۶۹ [3] اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۳۰ [4] ایضاً جلد اول ص ۱۶۳ [5] ایضاً جلد دوم ص ۲۰۴ [6] شاہجہاں نامہ جلد اول ص ۳۵۷،

ہاتھی اور نقل وحمل مذکورۂ بالا خدمات کے علاوہ ہاتھی جنگی سامان کے نقل وحمل کے لئے بھی استعمال کئے جاتے تھے، میدانِ جنگ میں حرم کی عورتیں ساتھ ہوتیں تو ہاتھی ہی پر اُن کے محمل ہوتے تھے،

ہاتھی سے نقصانات شروع میں کہا گیا ہے کہ بعض اوقات باجے کی آواز اور بندوق کی گرج سے ہاتھی خوفزدہ ہوتے یا تیروں، تلواروں، گولیوں اور آتشیں اسلحہ کی آتش باری سے زخمی ہوجاتے، تو اپنی فوج ہی کو بہت نقصان پہونچاتے، انندپال سے جب محمود ۳۹۹ھ میں لڑ رہا تھا، تو اول الذکر کا ہاتھی بارود کی آواز سے بھڑک کر میدانِ کارزار سے بھاگا، انندپال کے لشکری سمجھے کہ اس کے راجہ کا پاؤں اُکھڑ گیا ہے اس لئے انھوں نے بھی میدانِ جنگ چھوڑ دیا،

سنہ ۹۸۸ھ میں بہار کی تسخیر کے سلسلہ میں اکبر کے ایک فوجی سردار معصوم خاں کا مقابلہ کالاپہاڑ افغانی سے ہوا، جنگ کی شدت میں کالاپہاڑ کا ایک ہاتھی معصوم خاں کی طرف بڑھا، اور اس کو سونڈ میں لپیٹ کر گھوڑے کی پیٹھ پر سے زمین پر دے مارا، لیکن معصوم خاں کی فوج کے تیر انداز بڑھ کر ہاتھی پر تیروں کی بارش کرنے لگے، اس کا فیلبان تیروں سے زخمی ہوکر ہلاک ہوا، جس کے بعد ہاتھی بے قابو ہوکر اپنی فوج کی طرف پلٹا، اور اپنے لشکریوں ہی کو پامال کرنے لگا، ریاض السلاطین کے مصنف کا بیان ہے کہ افغانوں کو صرف اسی ہاتھی کی بدولت شکست ہوئی،[ل]

سنہ ۹۸۰ھ میں اکبر کی فوج محمد حسین مرزا کی سرکشی کو فرو کرنے کے لئے احمد آباد گئی، تو میدانِ جنگ میں حسین مرزا کی فوج کا ایک ہاتھی نقارہ کی آواز سے بدمست ہوکر میدان میں اس طرح بھاگتا پھرا کہ جس طرف گیا فوج منتشر ہوگئی، نقارہ بجانا بند کر دیا گیا، تو اس ہاتھی کی بدمستی بھی کم ہوئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی جنگ میں اکبر کے فوجی سردار نورنگ خان کا ہاتھی لڑائی کے "شورش وغوغا" سے ایسا خوفزدہ ہوا کہ پلٹ کر اپنی ہی فوج کے سواروں کو کچلنے لگا،[ل۲]

ل۱ ریاض السلاطین ص ۱۶۸ ۔ ل۲ اکبرنامہ جلد دوم ص ۲۶ - ۲۵ ،

بان اور آتش بازی کے چھوٹنے سے بھی ہاتھی سراسیمہ ہو کر اپنی فوج ہی کے لئے باعثِ ہلاکت ہوجاتے[1]

اکبر نے ایک ایسی چرخی ایجاد کی تھی جس میں بارود بھری رہتی تھی اور جب اس کے فیتلے میں آگ دیجاتی تھی تو وہ گردش کرتی تھی، اور اس سے بڑی خوفناک آواز نکلتی تھی جس کو سُن کر ہاتھی بھڑکتے، اور دوڑ بھاگتے تھے[2]،

تیمور محمود تغلق سے لڑا تو اس کی فوج ہندوستان کے ہاتھیوں سے خوفزدہ تھی لیکن پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ تیمور نے ان ہاتھیوں کو اس طرح پسپا کیا کہ پہلے اپنی فوج کے آگے خندق کھودوائی خندق کے سامنے بھینسوں کو ایک دوسرے سے چمڑی میں بندھوا کر کھڑا کیا، اور راستے میں لوہے کی خاردار کیلیں بچھا دیں، جو ہاتھیوں کے پاؤں میں اس طرح چبھتی تھیں کہ وہ تیمور کی فوج کی طرف یورش کرنے سے مطلق مجبور رہے،

نادر شاہ نے ان ہاتھیوں کو پسپا کرنے کی خاطر کچھ اور طریقے اختیار کئے، اس نے مٹی کے تودے بنائے جن کو دو اونٹ کھینچ کر آگے بڑھا سکتے تھے، ان تودوں پر آتشیں مادے بچھا دیئے، اور لڑائی کے موقع پر اُن میں آگ لگا دی، اونٹ تودے کو لے کر آگے بڑھتے تو آگ کے شعلوں کی لپٹ سے ہاتھی سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر بھاگتے پھرتے تھے[3]،

لیکن میدانِ جنگ میں ہاتھیوں کی مضرت رسائی کے باوجود وہ فوج کے اہم اجزاء برابر رہے اور مغل بادشاہوں کی لڑائیوں میں آخر آخر وقت تک استعمال کئے گئے،

---

[1] اکبر نامہ جلد سوم ص ۶۰۵ [2] تزک جہانگیری ص ۲۰ [3] آئین اکبری جلد اول ص ۹۲ - ۹۱ [3] تفصیل کے لئے دیکھو لیٹر مغلز از ولیم ارون جلد دوم ص ۳۴۶،

توپچی

آتشیں اسلحہ کے ذکر میں ہم توپوں کا ذکر کر چکے ہیں اُن سے مختلف قسم کی توپوں کا صحیح اندازہ ہوا ہوگا،

عہدیدار | توپیں جہاں ڈھالی جاتی تھیں اُن کو توپخانہ کہا جاتا، مغلوں کے زمانہ میں اس کا نگراں **خانساماں** یا **داروغۂ توپخانہ** کہلاتا تھا، توپچیوں کے نگراں کو **میر آتش** کہتے تھے، توپیں قلعوں خصوصاً آگرہ، دہلی اور لاہور کے قلعوں میں محفوظ رہتی تھیں، ان کا نگراں **قلعہ دار** رہتا تھا، میر آتش اپنے محکمہ میں وہی سارے کام انجام دیتا تھا جو میر بخشی دیا کرتا تھا، وہ بادشاہ اور خانساماں کو محکمہ کی کارکردگی سے باخبر رکھتا تھا، سارے احکام جاری کرتا، میدانِ جنگ میں توپچیوں کی صف آرائی کرتا، اُن کو ضروری ہدایتیں دیتا، اسی کی ہدایت پر توپچی ساری جنگ لڑا کرتے، وہی توپچیوں کو مقرر اور برطرف بھی کرتا، اس کے نائب **مشرف** کہلاتے تھے،

گولہ انداز | ہر توپ کے ساتھ گولہ انداز ہوتے، جن کی تعداد انکی توپ کی نوعیت کے مطابق ہوتی، میرزا حیدر دوغلت مؤلف تاریخ رشیدی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمایوں کی ہر توپ کے ساتھ اوسطاً سات گولہ انداز ہوتے، جہانگیر اپنے پہلے سال جلوس میں لکھتا ہے:

"بیرداس را ...... میر آتش خود ساختم و حکم کردم کہ ہمیشہ در توپخانہ رکاب پنجاہ ہزار توپچی وسہ ہزار ارابہ توپ مستعد و آمادہ سر انجام نماید" (ص ۱۱)

لہ تاریخ رشیدی انگریزی ص ۴۷۵،

اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر توپ کے ارابہ (گاڑی) کے ساتھ سولہ سترہ توپچی ہوتے تھے، تعداد توپوں کی نوعیت کی بنا پر گھٹتی بڑھتی رہتی، گولہ انداز کی طرح دیگ انداز، برق انداز اور رعد انداز بھی ہوتے، یہ اصطلاحیں توپوں کی قسموں کے نام کے مطابق ہوتیں،

ارابہ میدان جنگ میں صفوں کی ترتیب ہوجاتی تو جس صف میں توپیں ہوتیں، اُن میں سے بڑی بڑی توپیں ارابے (توپ کی گاڑی) پر رکھدی جاتیں، دو دو توپ کی گاڑیاں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر زنجیر اور چمڑے سے باندھ دی جاتیں، اور بیچ میں مٹی سے بھرے ہوئے توبڑے رکھدیئے جاتے، توپچی ان گاڑیوں اور توبڑوں کے پیچھے کھڑے ہو کر گولہ اندازی کرتے، بابر کا بیان ہے کہ رومی اپنے توپچیوں کو اسی طرح صف آرا کرتے[1]، کچھ توپچی ہاتھی اور اونٹ کی پیٹھ پر بھی ہوتے، جو گجنال اور شترنال کے ذریعہ سے دشمنوں پر گولے برساتے، یہ توپچی میدانِ جنگ اور جنگ حصار میں کس طرح غنیم میں انتشار اور سراسیمگی پھیلاتے، اس کی تفصیل باب "میدان کی جنگ" اور "حصار کی جنگ" میں آئے گی،

بابر کے توپچی لیکن یہاں پر اس کا اجمالی ذکر ضروری ہے کہ پانی پت کی پہلی جنگ اور کنواہہ کی لڑائی میں بابر کے توپچیوں نے جو ہولناکی پیدا کی اس سے فتح و کامرانی میں بڑی مدد ملی، بابر کی فوج میں استاد علی قلی اور مصطفیٰ توپچی بڑے ماہر تفنگ انداز سمجھے جاتے تھے، میدانِ جنگ میں بابر کے سوار گھیر گھیر کر دشمنوں کو اپنے توپچیوں کی زد میں لاتے، اور یہ مستعد توپچی اُن کو ہلاک کرتے، علی قلی نے کنواہہ کی جنگ میں جو کارنامے انجام دیئے، اس کی تعریف کرتے ہوئے ابوالفضل نے لکھا ہے "نادر العصر علی قلی با توابع خود در پیش قول ایستادہ بود، در انداختن سنگ و ضرب زدن تفنگ کارنامہا بتقدیم می رسانید" (اکبر نامہ جلد اول ص ۱۰۹)

بابر نے گنگا اور گھاگھرا کے سنگم کے پاس بنگالیوں کے خلاف جنگ کی تو استاد علی قلی نے دریا میں دشمنوں پر گولوں کا مینھ برسایا، اور اُن کی کچھ کشتیوں کو غرقاب کرنے میں کامیاب ہوا[2]،

بہادر شاہ گجراتی کے توپچی ہمایوں کے حریف بہادر شاہ گجراتی کو توپوں سے عشق تھا، اس نے اپنی

---

[1] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۴ [2] ایضاً ص ۳۵۴،

توپیں جمع کر لی تھیں کہ اس کو غرور ہو گیا تھا کہ اس کے اسلحہ خانہ میں توپ تفنگ کا جو ذخیرہ تھا، وہ قیصر روم کے علاوہ کسی فرمانروا کے پاس نہ تھا، اس کو فرنگی خان اور رومی خاں دو ماہرین فن ایسے مل گئے تھے کہ جو توپیں ڈھال ڈھال کر اس کے ذخیرہ میں برابر اضافہ کرتے رہے، اور اس کی قوت کا مقابلہ پرتگیزی بھی مشکل سے کرتے تھے، ٩٤٠ھ [٥١] میں اُس کو معلوم ہوا کہ پرتگیزی دیو پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو مالوہ سے یلغار کرتا ہوا جزیرہ دیو پہنچا، فرشتہ کا بیان ہے کہ اس کی آمد کی خبر سنکر فرنگی بھاگ گئے، اور اپنی ایک بہت بڑی توپ جس کے مقابلہ میں ہندوستان میں کوئی توپ نہ تھی، چھوڑ گئے، بہادر شاہ نے اُس کو آلۂ جرثقیل کے ذریعہ محمد آباد چانپانیر بھجوا دیا [٥٢]، بہادر شاہ نے چتوڑ کا محاصرہ کیا تو مرأۃ سکندری کے مؤلف کا بیان ہے کہ اس محاصرہ میں رومی خان نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایسے ایسے کرتب دکھائے کہ آج تک نہ کسی نے دیکھے تھے اور نہ سنے تھے، توپوں کو بلند پہاڑ پر قلعہ کے مقابل میں لے گیا، اور نقب لگایا پھر ساباط تیار کر کے توپوں سے قلعہ کی دیوار میں اتنے رخنے پیدا کر دیئے کہ قلعہ والے عاجز آ کر سپر ڈالنے پر مجبور ہو گئے، بہادر شاہ جب ہمایوں سے شکست کھا کر جزیرۂ دیو میں پناہ گزیں ہوا، اور ہمایوں چانپانیر پہنچا تو قلعہ والوں نے تمام توپیں اندر کر لیں [٥٣]، ایک توپ مجنون نامی کو ابھی اندر نے جانے نہ پائے تھے کہ ہمایوں پہنچ گیا، اہل قلعہ نے توپ کو کیلیں مار کر بے کار کر دیا، ہمایوں کو بڑی مایوسی ہوئی لیکن رومی خاں نے جو بہادر شاہ سے ٹوٹ کر ہمایوں سے مل گیا تھا، اس کو از سر نو درست کیا، اور گو یہ قد میں چھوٹی ہو گئی اور بارود بھی کم لینے لگی لیکن مرمت کے بعد بھی بلائے آسمانی ثابت ہوئی اور جب یہ چھوڑی گئی تو پہلے ہی گولہ سے قلعہ کا اگلا دروازہ گرا، اور دوسرے گولہ سے ایک عظیم الشان درخت جڑ سے گر گیا۔ . . . .

. . . قلعہ والوں پر لرزہ طاری ہو گیا لیکن رومی خاں کا حریف فرنگی خان محصورین میں تھا، اس نے اس پر تاک کر ایسا گولہ مارا کہ یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، انعام میں اس کو سات من

---

٥١ فرشتہ جلد دوم ص ٢٢٣ ٥٢ ایضاً ص ٢٢٢، ٥٣ مرأۃ احمدی ص ٢٣٣،

سونا دیا گیا، [1]

توپوں سے لڑنا بہادری کی دلیل نہ تھی

اکبر کو آتشیں اسلحہ کی ایجاد کا بڑا شوق تھا جیسا کہ ایک گذشتہ باب سے معلوم ہوا ہوگا، اور اس نے نئی نئی توپوں کے ڈھالنے میں حیرت انگیز ترقی کی، اور اس صنعت کو اتنا غیر معمولی فروغ ہوا کہ تمام صوبوں میں فوجوں کے پاس بکثرت توپیں رہنے لگیں، آئین اکبری کے بیان کے مطابق صرف صوبہ بنگالہ میں مقامی فوج کے پاس چار ہزار دو سو ساٹھ توپیں تھیں، اکبر نے اپنی مختلف لڑائیوں میں توپ و تفنگ کو بہت ہی مفید طریقے سے استعمال کیا، لیکن ابوالفضل کو توپ و تفنگ کی لڑائی کے ذکر میں کوئی لذت نہیں محسوس ہوتی تھی، اس لئے اُن کے ذکر میں بخل سے کام لیا ہے، حتیٰ کہ ان توپچیوں کا ذکر بیدل سپاہیوں کے ساتھ کیا ہے، بہادر اور نبرد آزما سپاہی گھوڑے کی پیٹھ پر تلوار اور نیزے سے لڑکر اپنی سپہگری کا جوہر دکھانا نسبتاً زیادہ پسند کرتے تھے، چنانچہ شاہجہاں کے عہد میں قندھار شاہی لشکر بھیجا گیا، تو اس کا مقابلہ ایرانیوں نے کثیر التعداد آتشیں اسلحہ سے کیا، لیکن ہندوستانی فوج اپنی بہادری کے نشہ میں اُنکو طعنہ دیتی تھی کہ وہ اپنی بزدلی کے سبب سے توپوں سے جنگ کرتے ہیں، مردانگی ہوتی تو تلوار سے لڑتے، اورنگزیب کے لڑکوں میں جنگ جانشینی ہوئی تو جاجو کے میدان میں اعظم شاہ اپنی شجاعت کے پندار میں اینڈ کر کہتا کہ توپ و تفنگ تو بازیچۂ اطفال ہیں، بہادروں کا ہتھیار تلوار ہے،

ہندوستانی اور بیرونی توپوں کا مقابلہ

لیکن مغلوں کی ہر لڑائی میں توپچیوں کی صف ضرور رہتی تھی، حتیٰ کہ قندھار کی مہم میں بھی توپچیوں اور برقندازوں کی بڑی تعداد شریک تھی بسنہ ۱۰۶۱ھ میں شہزادہ اورنگ زیب کی نگرانی میں شاہی لشکر بھیجا گیا تو اُس کے ہمراہ پچاس ہزار سوار کے علاوہ دس ہزار برق انداز اور کئی ہزار بان انداز تھے، اُن کے ساتھ بیس [30] بڑی قلعہ شکن توپیں، بیس [20] میانہ توپیں

---

[1] مراۃ سکندری ص ۲۵۱،

بیس ہتنال، سو شتر نال تھیں، تین ہزار اونٹ فقط اس کام کے لئے تھے کہ وہ توپ خانے کے مصالح جیسے سیسہ، بارود ، اور آہنی گولے کی باربرداری کریں، توپچیوں کی تین تین ماہ کی تنخواہیں پیشگی دی گئیں[۱]، لیکن یہ توپیں دشمنوں کی توپوں کے مقابلہ میں زیادہ کارگر ثابت نہیں ہوئیں، خود خافی خاں کا بیان ہے کہ ایرانیوں کے پاس "کوہ ربا" توپیں تھیں، ہندوستانی فوج میں سے مورچال سے کوئی سر بھی نکالتا، تو جان سے جاتا، رات کو قزلباش مورچال پر حملہ کرتے، آدمیوں اور مویشیوں کو ضائع کر دیتے، حتیٰ کہ اُن کی توپوں کو ناقص کر کے قلعہ واپس چلے جاتے، ہندوستانی فوج مورچال کو بڑھانے کی کوشش کرتی، تو قلعہ سے توپوں کی ایسی بارش ہوتی کہ ہندوستانیوں کو کچھ کام کرتے نہ بنتا، اسی کار زار میں دو بڑی شاہی توپیں تڑاخ گئیں، پانچ اور توپیں مورچوں میں لگائی گئیں لیکن اُن کے توپچی ایسے اناڑی تھے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں بے بس ثابت ہوئے، خافی خاں کا بیان ہے کہ قلعہ کے اندر رومی اور قزلباش گولہ انداز بالکل بے خطا نشانہ مارتے تھے، اور انھوں نے ایسی آتشباری کی کہ اورنگ زیب کی فوجی ہوشمندی، راجپوتوں کی بہادری اور دوسرے لشکریوں کی جان نثاری کچھ کام نہ آئی، اور جب ہندوستانی فوج کے بارود اور مصالح ختم ہو گئے، تو اُن کو مراجعت کرنی پڑی[۲]،

۱۰۶۳ھ میں جب داراشکوہ کی رہنمائی میں شاہجہاں نے ہندوستانی فوج قندھار بھیجی تو اسکی معیت میں دس بڑی بیس چھوٹی، اور ۰۰ چھوٹی ہوائی توپیں، تیس ہزار چھوٹے بڑے گولے، چودہ ہزار بان اور ۵۰۰۰ من بارود، پانچ ہزار برقنداز دس ہزار بندوقچی اور بے شمار بان انداز اور گولہ انداز تھے[۳]، ہراول کے طور پر رستم خان کو قلعہ گیری کے تمام سامان کے ساتھ روانہ کیا گیا، اُس نے قندھار کے قلعہ کے پاس پہنچکر پہلے قزلباشوں سے ایک ہلکی سی جھڑپ کی، پھر دشمنوں کے گولوں کی زد سے دور اپنی فوجوں کا کیمپ لگایا اور جب خود داراشکوہ پہنچا تو اُس نے قلعہ کے گرد

۱؎ خافی خاں جلد اوّل ص ۸-۷، ۲؎ ایضاً ۱۳-۱۲، ۳؎ ایضاً ۱۷-۱۶،

آٹھ مورچے بنائے، اس طرح کہ قلعہ لبست کے سرراہ رستم خاں کو مقرر کیا، اور برج آب دزد کے روبرو راجہ بیٹھ سنگھ متعین ہوا، دروازہ اویس قرن کے متوازی قلیچ خاں مقرر کیا گیا، دروازہ بابا ولی کے برابر مہابت خان مامور ہوا، برج چہل زینہ کے محاذ پر اخلاص خاں کھڑا کیا گیا، دروازہ حضری اور برج آب دزد کے سامنے قاسم خاں مقرر ہوا، اور دروازہ اویس قرن کے روبرو میر آتش جعفر کو مورچہ بنانے کا حکم دیا گیا، اور برج آب دزد کے مورچال کو ملا فاضل میر سامان کے سپرد کیا گیا، ہزار بیلدار اور ستر نقب کن بھی اُن کے ساتھ مقرر کئے گئے، اور ہر مورچہ پر توپیں نصب کی گئیں، اس طرح قلعہ کو مرکز وار مورچوں کے احاطہ میں گھیر لیا گیا، ان فوجی سرداروں میں محمد جعفر میر آتش نے سر پر بڑے بڑے پر لگا رکھے تھے، کسی نے پوچھا کہ یہ پر کیوں لگا رکھا ہے، تو وہ اپنی جان نثاری کے جذبہ میں بڑے پندار سے بولا کہ یورش کے دن اپنے پروں سے اڑکر قلعہ میں پہونچ جاؤں گا، لیکن محصورین میں کوئی سراسیمگی پیدا نہیں ہوئی، اور وہ اندر سے برابر گولے پھینکتے رہے، ہندوستانی فوج نے اپنے دمدمہ پر سے توپ کا ایک گولہ ایسا پھینکا کہ قلعہ کی ایک بڑی توپ کا دہرہ اُڑ گیا اور وہ چالیس روز تک کام نہ کر سکی، لیکن محصورین توپوں کی صنعت میں بھی اچھے ماہر تھے، اس لئے اس کا دہانہ کاٹ کر اس کو پھر کام میں لے آئے، اس کا گولہ دور تک جاتا تھا، اور بارہ گولے ہر روز چھوڑے جاتے تھے، ۶۰ روز گزر جانے کے بعد بھی ہندوستانی محصورین میں انتشار پھیلا نہ سکے، ایک روز ہندوستانی لشکر ہزار گز سے مورچال بنا کر قلعہ کے پاس پہونچا، لیکن محصورین نے اس پر ایسی آتشباری کی کہ ہندوستانی لشکریوں کا ڈھیر ہو گیا، راجہ روپ نے چل زینہ پر قبضہ کرنے کی خاطر چوب بندی شروع کی، اور تختوں کی پناہ میں وہ لکڑیاں پہونچاتا رہا، کچھ اور لشکری برج کی دیوار پر چڑھ گئے، لیکن محصورین نے توپ تفنگ کے اتنے گولے اور نفط سے اتنی آگ برسائی کہ اُن کے دھوئیں اور گرمی سے یہ جانباز لشکری پریشان ہو کر واپس لوٹ گئے، قلعہ قندھار کے لینے میں تاخیر ہوئی تو رستم خاں نے قلعہ بست کی طرف رُخ کیا، رستم کے توپچی یہاں کامیاب ہوئے، قلعہ بست کے توپچیوں نے بھی جوابی حملہ کیا، لیکن یہاں اُن کی

توپیں ہندوستانی توپوں کے مقابلہ میں کمزور ثابت ہوئیں، دونوں طرف دھواں دھار جنگ ہوئی خافی خاں کا بیان ہے کہ دونوں طرف کے توپ وتفنگ اور زنبورک کی کڑک سے آسمان گونجنے لگا، اور زمین پر زلزلہ آگیا، اور آخر کار رستم خاں غالب آیا، لیکن قلعۂ قندھار کا محاصرہ جاری تھا، محصورین اپنی مردانگی میں قلعہ سے باہر نکل کر شاہجہانی لشکر پر حملہ کرتے، اور پھر مراجعت کر جاتے، داراشکوہ کے حکم سے میر آتش جعفر نے ایک دمدمہ بنایا جس کا طول ۵۰ گز، عرض ۵۵ گز اور ارتفاع ۲۰ گز تھا، ایک لاکھ روپئے خرچ ہوئے، اور چالیس روز میں تیار ہوا، اس پر دس توپیں نصب کی گئیں، جن میں سے پانچ سیر سے کم کا گولہ نہیں چھوٹتا تھا، حصار پر ان گولوں سے ضربیں لگائی گئیں، خندق میں جو بند تھے، وہ اُن گولوں سے توڑ دیئے گیے، ایک ہوائی توپ کا گولہ قلعہ کے بارودخانے میں جاکر گرا تو پورا بارودخانہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا، ہندوستانی لشکریوں نے تین بار یورش کی لیکن محصورین نے مردانہ وار اُن کو روکا، اور کہیں سے اپنی پسپائی کا اظہار نہ ہونے دیا، ایک روز ہندوستانی لشکری حصار کے اوپر چڑھ بھی گئے، تو محصورین نے ایسی دہشت ناک گولہ باری کی کہ لاشوں کا ایک انبار لگ گیا، ہندوستانیوں نے قلعہ کے اردگرد خندق کو خشک کر کے اس میں برج بنا کر مورچل بڑھانا شروع کیا، میر آتش جعفر نے ایک خاکریز تین گز چوڑا اور سترہ گز بلند بنایا، اور اس کے اوپر بیلداروں کی محافظت کے لئے ایک برج تعمیر کیا، دوسری سمت آب دزد کے پاس پانچ ہزار گز کی ایک نہر کھودی گئی، جو تین گز چوڑی اور سات گز گہری تھی، اور خندق سے ۱۳۰ گز کے فاصلہ پر ایک نقب بنائی گئی جس سے خندق کا پانی باہر نکال لیا گیا، لیکن محصورین نے خاکریز کے دامن میں حصار کے اندر پانی اس طرح بھر لیا کہ وہ اپنے کو محفوظ سمجھنے لگے، لیکن خندق کے مورچل پر سے شاہجہانی گولہ اندازوں نے اپنی توڑی بڑی توپوں سے قلعہ کی دیوار پر ضربیں لگانی شروع کیں، مگر محصورین کی پے درپے گولہ اندازی سے ہندوستانی لشکر کی کافی جانیں تلف ہو رہی تھیں، محصورین پر چار بار یورش ہوئی لیکن کوئی کامیاب نہیں ہو سکی، پانچویں بار ہندوستانی فوجوں نے بڑی جوانمردی سے کام لیا،

کمند اور نردبان لگا کر رستم خاں، لشکر خاں، ایرج خاں، محمد جعفر اور راجپوت سردار حصار کے اوپر چڑھ گئے، ان کے ساتھ بہادر اور جانباز جوان بھی تھے، دمدموں اور حصار کے پائیں سے بانوں کی متواتر بارش کی گئی، خانہ برانداز گولوں سے ایک قیامت بپا ہو گئی، ہر طرف توپ تفنگ اور زنبورک کے کئی ہزار گولے بہادروں کی یورش کو کامیاب اور محصورین کو سراسیمہ کرنے کے لئے پھینکے گئے، جو دیواریں گولوں کی ضرب سے گرتی تھیں وہ رات کو محصورین از سرِ نو بنا لیتے تھے، لیکن اس یورش میں دیوار تعمیر نہ کر سکے، فوجی سردار اپنے ہمراہیوں کی ہمت بڑھاتے، ترغیب تحریص دیتے اور اسقدر چیخے کہ اُن کی آواز بیٹھ جاتی مگر رات کی تاریکی میں وہ قلعہ کے اندر نہ گھس سکے لیکن جب صبح ہوئی تو قزلباشوں نے قلعہ سے توپ و تفنگ کے گولے، آہنی ٹکڑے، ساچمے (؟) پل سیاہ[1] (پیسے) اور روغن نفط اور آتش گیر مادے اور چھوٹے بڑے پتھر پھینکے کہ حملہ آوروں کو بڑھنے اور سر اٹھانے کا موقع نہ ملا، اور اُن کی ایک بڑی تعداد لقمۂ اجل بن گئی، ہندوستانی فوج نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری، اور دوسری تدبیریں کرنے میں لگ گئی، پھر نئے سرے سے نقب لگانے کی خاطر دمدمے اور مورچال بنائے، اُن کے بنانے میں جانیں ضائع ہوتی تھیں لیکن انھوں نے پرواہ نہ کی، اس مرتبہ صوبہ عجم اور ہند کے ہنرمندوں نے تختوں اور لکڑیوں کو رسی سے جوڑا، اُن ہی کے ذریعہ پہاڑ کے دامن کے جوف میں جا کر گولوں سے محفوظ ہو گئے لیکن محصورین اُن سے بھی زیادہ چالاک اور ہوشمند نکلے، انھوں نے مشکوں (جھکھا) میں روغن نفط بھرا، اور دشمنوں کے تختوں کے برابر محاذ بنایا، پھر ان مشکوں میں تیر لگا کے ایسے سوراخ کئے کہ تختوں سے ٹکرائے تو روغن تختوں پر پھیل جاتے، اُن کو لحاف اور پرانے کپڑوں میں آگ لگا کر اُن تختوں پر اس طرح پھینکا کہ تختے اور رسیاں اور اُن کے ساتھ لشکری جل بھن کر خاک ہو گئے، اور پھر قلعہ کے اندر سے خندق کے کنارے نقب کھود کر دمدمے کے نیچے تک راستہ بنا لیا، اور دمدمے کے پاس پہونچکر اتنی مٹی کھود ڈالی کہ وہاں پر کنوئیں بن گئے،

---

[1] منشی ذکاء اللہ نے پل سیاہ کو پیسے بتایا ہے؛ جلد ہفتم ص ۴۴

جس سے ہندوستانی فوج کے لئے بڑی رکاوٹیں پیدا ہوگئیں، اسی کے ساتھ دونوں طرف سے گولوں کی بارش بھی جاری رہی، محاصرہ کی مدت پانچ مہینے سے زیادہ رہی، شاہجہانی فوج کی طرف سے ستائیس ہزار گولے قلعے پر پھینکے گئے، سرب اور بارود سب ہی ختم ہوگئے، لیکن محصورین کسی طرح مغلوب نہ ہوسکے، اور یہاں ہندوستانی فوجوں کو یہ احساس ہوا کہ اُن کی توپیں بہت بڑی اور ترقی یافتہ سہی لیکن قزلباشوں اور ایرانیوں کے توپوں کی مقابلہ میں کمتر اور فروتر ہیں، پھر جس تیزی اور ہوشمندی، اور ہنر کے ساتھ آتشیں اسلحہ اور آتشگیر مادے ایرانی استعمال کرسکتے تھے یا اپنی مجروح توپوں کی مرمت کرلیتے تھے، ہندوستانیوں میں اس طرح کی مہارت نہ تھی۔[1]

تقریباً نوے سال کے بعد ۱۷۳۹ء میں ایرانی فوج نادر شاہ کی نگرانی میں ہندوستان آئی، تو اس وقت بھی کرنال کے میدان جنگ میں ہندوستانیوں کو محسوس ہوا کہ ان کی توپیں ایرانی توپوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ کارگر اور موثر نہیں، ایرانیوں کے پاس توپیں چھوٹی اور ہلکی تھیں، جزائر سات یا آٹھ فٹ سے زیادہ لمبی نہ تھیں، اور اُن کے ساتھ زمین پر نصب کرنے کے لئے نوک دار شاخیں ہوتیں، زنبورک اونٹوں پر آسانی سے سر کی جاسکتی تھی، اس سے دو پونڈ کے گولے دور تک پھینکے جاتے تھے، اونٹ بھی ایسے ترتیب یافتہ تھے کہ دھماکے سے بالکل نہیں بدکتے، ان اونٹوں پر سے ہاتھی پر بیٹھنے والے ہندوستانی فوجی سردار آسانی سے نشانے کی زد میں آجاتے تھے، نادر شاہ کے لشکر میں کئی ہزار جزائرچی تھے، اور وہ میدان جنگ کی صف میں ایسی ترتیب و نظم کے ساتھ کھڑے رہتے کہ اپنے سردار کے حکم کے بغیر ایک انچ بھی حرکت نہ کرتے، اور جب وہ حکم دیتے، تب ہی وہ اپنی توپیں سر کرتے، اسی طرح ان کی بارود ضائع نہیں ہونے پاتی، اور جب اُن کو حکم ملتا تو وہ

---

[1] اس محاصرہ کی تفصیل کے لئے دیکھو منتخب اللباب خافی خاں ج اول ص ۷۲۸-۷۱۰، ذکاءاللہ جلد ہفتم، ۴۴۴-۴۳۷۔

ایسی مہارت سے آتش باری کرتے کہ غنیم کو جواب دینے کا موقع نہ ملتا، ہندوستانیوں کے پاس بڑی بڑی توپیں تھیں، ان میں سے بعض کو پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار بیل کھینچتے تھے، ان کے آزمودہ کار فوجی سردار آصف جاہ نے شروع میں جنگ کا بڑا اچھا نقشہ تیار کیا تھا، اس نے کرنال کے میدان میں نہایت مستحکم مورچہ بنا کر ایک دائرہ میں اپنی فوج اتاری اور چاروں طرف توپ خانے کی باڑ لگا دی، اس مدافعانہ جنگ سے شروع میں ایرانی فوج گھبرا گئی، ان کو میدان جنگ میں ایک قلعہ نظر آیا جس کو یورش کر کے مسمار کرنا ان کے لئے مشکل تھا، لیکن آصف جاہ کے حریف امرا نے اس طریقۂ جنگ کو بزدلی پر محمول کیا، اور آخر میں برہان الملک سعادت خان (والی اودھ) نے مورچوں سے نکل کر ایرانیوں پر حملہ کر دیا، پھر تو ہندوستانی فوج کا سارا نظم ونسق جاتا رہا اور ایرانیوں کے توپچیوں اور سواروں کے ماہرانہ ربط وضبط سے ان میں ایسا انتشار پھیلا کہ اُن کو شکست کھانی پڑی[1]،

مسلمانوں کے آخر آخر دور تک توپخانے فوج کے اہم اجزا تھے، اور ان سے میدان جنگ میں ہولناکی پیدا کرنے میں برابر مدد لی گئی، جیسا کہ آگے ایک باب سے ظاہر ہوگا، اور گو ہندوستانی توپیں ایرانی توپوں کے مقابلہ میں کمزور ثابت ہوئیں، لیکن پھر بھی جیسی بڑی بڑی توپیں ہندوستان میں تیار ہوئیں، اُن سے اس صنعت کی غیر معمولی ترقی کا اندازہ ضرور ہوتا ہے، اس کی تفصیل ہم باب اسلحہ میں لکھ چکے ہیں، اور جب فرنگی ہندوستان آئے، تو اُن کے ماہروں کی مدد سے اور بھی اچھی اچھی توپیں یہاں بنائی گئیں، اور توپچیوں کی کارگذاری میں بھی اضافہ ہوتا گیا، آخری دور میں ٹیپو سلطان کی توپوں اور اس کے لشکر کے توپچیوں کی کارکردگی کا اعتراف انگریزوں اور فرانسیسیوں نے بھی کیا ہے،

---

[1] ذکاء اللہ جلد نہم ص ۴۴ - ۳۵۳، اروِن لیٹر مغلز جلد دوم ص ۳۵۱ - ۳۴۷،

جنگ میں توپیں استعمال ہونے لگیں تو طریقۂ جنگ کی نوعیت ہی بدل گئی، اور جنگ روبرو دست بدست لڑنے اور "چقلیش مردانہ" ہی تک محدود نہیں رہ گئی، بلکہ جنگی تنظیم، میدانِ جنگ میں فوجی حرکت اور حربی تدبیر کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی، جیسا کہ آیندہ ابواب سے ظاہر ہوگا اور گو توپوں سے لڑنا مردانگی کی نشانی نہیں سمجھی جاتی تھی اور اسی لئے اچھے سپاہی سوار بننا زیادہ پسند کرتے لیکن توپچیوں کی کارگذاری کے لحاظ سے ہم نے اُن کا ذکر پیدل سپاہیوں سے پہلے کرنا بہتر سمجھا ہے، اس دور میں تو اُن کو پیدل ہی میں شمار کیا جاتا تھا،

پیدل

پیدل فوج میں وہ تمام عناصر ہوتے جو گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہو کر نہیں لڑتے، سواروں کے مقابلہ میں پیدل سپاہیوں کی اہمیت زیادہ نہیں تھی، خصوصًا دور دراز مہم پر جانے کے لئے پیدل فوجی مفید نہیں سمجھے جاتے، گو ہر مہم میں اُن کا دستہ ضرور ہوتا، فیروز شاہ ٹھٹھ کی مہم پر گیا تو اس کے ساتھ پیادے بھی تھے، اور غنیم نے میدانِ جنگ میں چار لاکھ پیدل سپاہی اُتارے[1]، اسی طرح شاہجہاں کے زمانہ میں بلخ اور قندھار کی لشکر کشی کی مہم میں بھی پیدل سپاہی تھے، اور یہ ہر زمانہ میں لشکر کے ضروری اجزا بن کر رہے لیکن بادشاہ یا فوجی افسر کو اپنے پیدل سپاہیوں سے زیادہ سواروں پر بھروسہ رہتا تھا، ایک پیدل سپاہی کی مالی حالت کچھ بھی بہتر ہو جاتی، تو وہ گھوڑے رکھ لیتا تھا، اس سے اس کو دو فائدے حاصل ہوتے تھے، ایک تو اس کی تنخواہ میں اضافہ ہو جاتا، دوسرے اس کو اپنی شجاعت کا جوہر دکھانے کا موقع ملتا تھا جس کے بعد اس کے لئے ہر قسم کی ترقی کی راہیں کھل جاتی تھیں،

پائک مغل بادشاہوں سے پہلے پیدل سپاہی پائک کہلاتے تھے، امن کے زمانے میں یہ زیادہ تر محل سراؤں کی دربانی کرتے، اور سلاطین کے محافظ ہوتے تھے، ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ محمد تغلق کے دربار میں اس کے دائیں اور بائیں، سو سو مسلّح جوان ہاتھوں میں ڈھالیں، تلواریں اور کمانیں لئے برابر کھڑے رہتے تھے[2]، صبح الاعشیٰ کے مصنف کا بیان ہے کہ شاہی محل کے اندر اور باہر ترکی غلام

---

[1] عفیف ص ۲۰۲ [2] ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۲،

دس ہزار، خزانہ دار ایک ہزار، ہمرکاب غلام، دو لاکھ، خواجہ سرا دس ہزار اور نیزہ باز ایک ہزار تھے[۱]،

اکبری پیادے | اکبر کے عہد میں پیادوں کے لئے خاص خاص اصطلاحات تھیں (۱) دربان۔ یہ مسلح ہو کر شاہی آستانے کی پاسبانی کرتے تھے، اُن کے افسر میردہ کہلاتے تھے (۲) خدمتیہ۔ یہ گروہ شاہی محل کے قرب و جوار میں پہرے دیا کرتا تھا، اور راستوں کا نگراں ہوتا تھا، اس میں زیادہ تر ایسے عناصر تھے، جو ڈاکے ڈالتے تھے، اکبر نے ان کی خدمات حاصل کر کے ان کو مذکورۂ بالا کام پر مامور کیا، اور ان کے نگران کو خدمت رائے کا خطاب دیا، اس لئے وہ خدمتیہ کہلائے (۳) میوڑہ۔ یہ میوات کے رہنے والے ہوتے، اپنی تیز رفتاری کے لئے مشہور تھے، اچھے جاسوس بھی ہوتے، دور دراز مقامات سے شئے مطلوبہ بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے لے آتے تھے (۴) لکرایت ابوالفضل نے ایک جگہ ایسے گروہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ جو لاٹھی استعمال کرتا تھا، اُن کو لکرایت کہا جاتا تھا[۲]

اکبر اپنی سلطنت کے ہر صوبہ اور ہر سرکار میں پیادوں کی ایک مقررہ تعداد رکھا کرتا تھا جو ضرورت کے وقت لڑائی یا اور دوسری خدمت کے لئے طلب کر لئے جاتے تھے، مثلاً صوبہ الہ آباد میں سرکار الہ آباد میں ۱۰,۰۰۰، غازی پور میں ۱۶,۶۵۰، بنارس میں ۸,۴۰۰، جون پور میں ۳۶,۰۰۰، مانک پور میں ۴۲,۹۰۰، چنار میں ۱۸,۰۰۰، کالنجر میں ۱۸,۱۰۰، کڑہ میں ۱۵,۰۰۰، کوڑہ میں ۸,۰۰۰، بھٹہ گہورا میں ۵,۰۰۰[۳] پیدل سپاہی حربی اور فوجی خدمت کے لئے تیار رہتے تھے، اسی طرح اور صوبوں میں بھی اُن کی تعداد مقرر رہتی تھی، یہی نظام ترمیم و اضافہ کے ساتھ اکبر کے جانشینوں کے دور میں بھی قائم رہا،

پیادۂ داخلی | اکبر کے زمانہ میں کچھ پیادے ایسے بھی تھے، جو منصبداروں کے ساتھ منسلک ہوتے تھے، لیکن اُن کی تنخواہیں شاہی خزانہ سے ادا ہوتی تھیں، ایسے پیادے کو پیادۂ داخلی کہتے تھے[۴]،

---

[۱] معارف جلد ۲۶ نمبر ۶ [۲] آئین اکبری جلد اول ص ۱۲۳ [۳] ایضاً جلد دوم ص ۱۰۷، [۴] ایضاً جلد اول (ص ۱۳۴)

لیکن یہ اصطلاح عالمگیری عہد تک آتے آتے ختم ہو گئی تھی،

پائکوں کی جان نثاری | بادشاہ کی محافظت میں جو پائک ہوتے تھے، وہ بعض اوقات بڑی جانبازی سے اس کی جان کی حفاظت کرتے تھے، تلپت میں اکت خاں نے سلطان علاء الدین خلجی پر قاتلانہ حملہ کیا، اور اس پر تیروں کی بوچھار شروع کر دی تو سلطان کے محافظوں میں سے ایک نو مسلم مانک نامی آگے بڑھ کر سینہ سپر ہو گیا، اور سلطان کو اپنی آڑ میں لے لیا، اس کو تین چار تیر لگے، وہ مجروح ہوا، لیکن اپنی جگہ سے نہ ہٹا، پھر دوسرے پائک جو سلطان کے پیچھے تھے، آگے بڑھے، اور اس کو اپنے اردگرد بالکل ڈھانک لیا، علاء الدین خلجی زخمی ہو کر بے ہوش ہو گیا تھا، اکت خان گھوڑے پر سے اتر کر سلطان کا سر کاٹنا چاہتا تھا کہ پائک اپنی اپنی تلواریں کھینچ کر ایسے مستعد ہو گئے کہ اکت خان گھوڑے پر سے اتر نہ سکا، بعض چالاک پائکوں نے شور کرنا شروع کر دیا، کہ سلطان جان بحق ہو چکا ہے، اکت خان نے یہ شور سُن کر اپنے گھوڑے کی باگ موڑ لی، اور جب وہ جا چکا تو پائک علاء الدین کو اٹھا کر اس کے خیمہ میں لے گئے جہاں اُس کو ہوش آیا،[۱]

علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد محل کے اندر حصول تخت کیلئے جو ریشہ دوانیاں شروع ہوئیں، تو پائکوں نے بھی نمایاں حصہ لیا، ملک کافور نے علاء الدین خلجی کے لڑکوں میں کسی کو تو قید کیا، اور کسی کو نابینا کر دیا، شہزادے مبارک خاں کو اندھا کرنے کے لئے ایک پائک ہی کو بھیجا گیا، لیکن مبارک خاں نے اس کو اپنے گلے کا ایک ہار دے کر اس شقاوت سے باز رکھا، آخر میں ان ہی پائکوں میں سے مبشر، بشیر، صالح اور منیر نے ملک کافور کو ایک رات محل کے اندر تہ تیغ کر دیا جس کے بعد مبارک شاہ تخت پر بیٹھا، ان پائکوں میں یہ پندار پیدا ہو گیا کہ وہ سلطان گر ہیں، اس لئے اُن کے ان جذبات کو دبا کر کے ان کو ختم کرنا پڑا،[۳]

---

[۱] برنی ص ۲۷۴، ۲۷۵، [۲] فتوح السلاطین ۳۵۰-۳۴۸، برنی ص ۳۷۶، ۳۷۷، فرشتہ ص ۱۲۳-۱۲۴ [۳] برنی ص ۵۹۳

بنگال کے پائک اپنی نبرد آزمائی کے لئے مشہور تھے، اور فیروز شاہ کے عہد میں یہ بنگالی پائک اپنے کو "ابو بنگال" کہتے تھے[۵۱]، شیر شاہ کے زمانے میں بکسریہ پیدل فوجوں میں نمایاں تھے، شیر شاہ نے ان کو لڑنے کے لئے اسلحہ میں بندوقیں دے رکھی تھیں،

پیادوں کی جانبازی بادشاہوں کے محافظوں کی جانبازی کی روایت تیموری دور میں بھی برقرار رہی، اکبر کے چودھویں سال جلوس میں رن تھنبور کی تسخیر کے زمانے میں وہاں کے راجہ نے اپنے دو لڑکوں کو رسم سجدہ ادا کرنے کے لئے اکبر کے پاس بھیجا، ان کی معیت میں کچھ راجپوت بھی تھے، دونوں لڑکے جب اکبر کے حضور میں پہونچے تو ایک راجپوت کو یہ شبہ ہوا کہ کہیں یہ گرفتار نہ کر لئے جائیں، اپنی وفاداری دکھانے کی خاطر اُس نے دربار ہی میں اپنی تلوار نیام سے کھینچ لی، اس کو اس طرح برافروختہ دیکھ کر اکبر کے محافظوں میں سے بیک داس نے اس کو بڑھ کر روکا لیکن راجپوت نے بیک داس پر مختلف ضربیں لگائیں، بیک داس اپنی جگہ سے نہ ہٹا، راجپوت اکبر کی جان لینے کے لئے آگے بڑھا، پورن مل اور دوسرے راجپوت اکبر کے لئے سینہ سپر ہو گئے، اور وہ سب زخمی ہوئے اور بالآخر بڑی مشکل سے وہ راجپوت مغلوب ہوا[۵۲]، عالمگیر اپنے سولھویں سال جلوس میں دہلی میں عید الضحیٰ کی نماز پڑھکر محل واپس آرہا تھا کہ راستہ میں کسی دیوانہ نے اس کو ایک لکڑی ماری، جو اس کے زانو پر لگی، محافظ گرز برداروں نے اس کو فوراً گرفتار کر لیا، اور جب وہ عالمگیر کے سامنے لایا گیا تو اس کو مراحم خسروانہ سے معاف کر دیا گیا[۵۳]،

پیادوں کی صف آرائی پیدل سپاہیوں کے کچھ دستے میدان جنگ کی ہر صف میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوتے، اس کتاب کے باب میدان جنگ میں فوجوں کی ترتیب کے مطالعہ سے ہوگا کہ پیادے اگر آگے ہوتے تو

---

۵۱ برنی ص ۵۹۳، ۵۲ اکبرنامہ جلد دوم ص ۳۸-۲۳۷۔

۵۳ مآثر عالمگیری ص ۱۲۷،

پہلی قطار میں برگستوان، جوشن اور سپر والے تیرانداز رکھے جاتے، دوسری قطار میں زرہ پوش، نیزہ باز اور تیغ انداز سپر کے ساتھ ہوتے، تیسری قطار میں تبر اور گرز بر داروں کی جماعت ہوتی، چوتھی قطار سیف شمشیر اور گرز والوں پر مشتمل ہوتی، کبھی یہ پیادے سواروں کے پیچھے ہوتے، کبھی یہ ہاتھیوں کے ارد گرد متعین ہوتے[۱]، اس سے دو فائدے تھے، ایک تو یہ کہ ہاتھیوں کی محافظت ہوتی، دوسرے یہ کہ یہ ہاتھی خوفزدہ ہوکر بھاگنے کی کوشش کرتے، تو یہ پیادے اُن کے راستوں کو مسدود رکھتے، پیدل سپاہیوں میں دھانک اچھے تیرانداز تھے، تیموریوں کے دور میں ازبک بڑے چالاک، چابکدست اور ہوشمند تیرانداز سمجھے جاتے تھے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا،

چپقلش مردانہ

پیدل لشکریوں کی جانبازی اور پامردی کا مظاہرہ اس وقت ہوتا جب لڑائی میں فریقین گڈمڈ ہوکر دست بدست اور روبرو لڑنے لگتے، اس "چپقلش مردانہ" میں لڑائی زیادہ تر تیغ، تلوار، خنجر، گرز اور بھالے سے ہوتی،

بعض اوقات سوار، توپچی اور ہاتھی بالکل بے مصرف ثابت ہوتے، تو پیدل سپاہی سرفروشی سے کام لے کر لڑائی کا پانسہ پلٹ دیتے ہیں ۱۰۱۹ء (۴۱۰ھ) میں محمود غزنوی دریائے راہب (یعنی رام گنگا) کے ساحل پر پور وجے پال یعنی (تیری لوچن پال) کے خلاف معرکہ آرا ہوا، تو دوسری طرف مخالف فوجیں کھڑی تھیں، محمود غزنوی دشمنوں تک پہونچنا چاہتا تھا مگر کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی، دریا گہرا اور دلدل سے بھرا تھا، دن گذر گیا، شام ہوگئی، راجپوتوں میں بھی کچھ سراسیمگی تھی، رات کے وقت وہ ساحل چھوڑ کر اور کہیں جاکر محاذ بنانا چاہتے تھے، سلطان کو اس کی بھنک لگی، تو اُس نے ہوا سے بھر کر مشکیں تیار کیں، اور کچھ جانبازوں کو اُن پر بیٹھا کر دریا عبور کرنے کے لئے آمادہ کیا، آٹھ لشکری اس کے لئے تیار ہوگئے، اور وہ سر بکف

۱؎ برنی ص ۳۰۱ ۲؎

دریا کی موجوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے، راجپوتوں نے اُن کو ساحل کی طرف سے روکنا چاہا، پانچ ہاتھی اور ایک دستہ اُن کے مقابلہ کے لئے آیا، لیکن ان آٹھ لشکریوں نے اتنے متواتر تیر چلائے کہ راجپوت اُن کا راستہ مسدود نہ کرسکے، ان آٹھ سپاہیوں کی سرفروشی دیکھ کر محمود نے اپنے دوسرے لشکریوں کو للکارا تو جوش میں آکر سب کے سب دریا میں کود پڑے، اور بڑی بہادری سے آگے بڑھتے گئے، اور کوئی جان ضائع نہ گئی، اور جب اسی طیش وغضب کے ساتھ وہ ساحل پر پہونچے، تو غنیم اُن کا مقابلہ نہ کرسکے[۱]

اس قسم کی سرفروشی کی مثالیں ہر دور میں ملتی ہیں، علاء الدین خلجی کی فوج ملک کافور کی سربراہی میں تلنگ کا محاصرہ کئے ہوئے تھی، تو حصار کے چاروں طرف خندقیں تھیں، اُن میں پانی اس قدر تھا کہ کوئی اس کو عبور کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا، لیکن کچھ لشکری بے خوف وخطر اس میں کود پڑے، اُن کے پیچھے اور دوسرے لشکریوں کی صفیں چلیں، اور وہ اس طرح جان پر کھیل کر حصار کے اندر گھس پڑے[۲]

اکبر کے اکیسویں سال جلوس میں شاہی فوج نے داؤد خاں کے خلاف بنگال میں یورش کی تو دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ راج محل میں ہوئی، پہاڑ کا دامن تھا، اور سارا علاقہ پانی سے غرقاب تھا، شاہی فوج پانی میں ہل کر دشمنوں تک پہونچنا چاہتی تھی، لیکن جب کچھ دور آگے بڑھ گئی تو پانی کے اندر ایک عمیق ندی ملی، اب اُن کے لئے نہ آگے بڑھنا اور نہ پیچھے مڑنا ممکن تھا، دشمنوں نے اُن کو اس طرح مصیبت میں دیکھ کر لڑائی شروع کردی اور ان پر تیروں کی بوچھار ہونے لگی، شاہی فوج کے سرداروں میں بابا خاں قاقشال نے اپنی ثابت قدمی برقرار رکھی، وہ پانی ہی میں بڑی مردانگی سے مقابلہ کرتا رہا، اور آخر میں ندی کو عبور کرنے میں کامیاب ہوا، ساحل پر پہنچکر دشمنوں سے جو لڑائی ہوئی تو ابو الفضل کا بیان ہے کہ ندی خون سے سُرخ ہوگئی، اور اس میں مقتولین

---

[۱] تاریخ یمینی بحوالہ الیٹ جلد دوم ص ۵۰-۵۱۔ [۲] خزائن الفتوح ص ۱۰۶۔ [۳] اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۸۰-۱۸۱،

کے سر گوے چوگان کی طرح بہتے نظر آتے تھے[۵۱]

زم بہ جہانگیر کے چودھویں سال جلوس میں اس کی فوج کشتواڑ کی مہم پر روانہ ہوئی، تو بیر پنجال کے پاس پہونچ کر فوجی سردار، دلاور خاں کو معلوم ہوا کہ آگے گھوڑوں کے گزرنے کا راستہ نہیں ہے، اس لئے گھوڑے تو کشمیر بھیج دیئے گئے، اور تمام لشکریوں نے پا پیادہ دھاوا کرنا شروع کیا، پہاڑ پر چڑھتے ہوئے وہ نرکوٹ پہونچے جو غنیم کا ایک مورچہ تھا، اس پر تسلط قائم کرکے وہ پہاڑی گھاٹیوں کے نشیب و فراز سے گزر کر دریاے مرو تک پہونچے، اور ایک خونریز معرکہ کے بعد بھندرکوٹ کی طرف بڑھے، وہاں پر ایک پل تھا جس کو عبور کرکے دوسری طرف جانا چاہتے تھے، لیکن بیس روز تک دشمنوں نے اُن کو روکے رکھا، کچھ لشکری دریا میں کود کے ساحل پر پہونچے، اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، دشمنوں نے پل توڑ کر مراجعت کی، شاہی فوج نے از سر نو پل بنایا، اور لشکر کو پار کیا، دلاور خاں نے بھندرکوٹ کی دوسری طرف پہونچ کر اپنی فوج کو آراستہ کیا، اور یہاں سے دریاے چناب کی مسافت دو تیر پرتاب کی تھی، لیکن چناب کے کنارے ایک اونچا پہاڑ تھا جس کی وجہ سے دریا عبور کرنے میں بڑی زحمت پیش آئی، یہ دریا اس طرح عبور کیا گیا کہ موٹی موٹی رسیاں اوپر نیچے پھیلا دی گئیں، دونوں رسیوں کے نیچے اوپر کا فاصلہ ایک گز رکھا گیا، پھر رسی کا ایک سرا پہاڑ کی چوٹی پر اور دوسرا سرا دریا کے ساحل پر باندھ دیا گیا، پھر دونوں اوپر نیچے رسیوں کے درمیان ایک ایک بالشت کی لکڑیاں مضبوطی سے باندھ دی گئیں، تاکہ پیدل سپاہی ان لکڑیوں پر پاؤں رکھ سکیں، اور دونوں ہاتھوں سے اوپر کی رسیوں کو پکڑ کر اوپر سے نیچے اتر سکیں، اور پھر دریا کو عبور کر لیں، اس طریقہ کو کوہستانی علاقہ میں اصطلاحاً "زم بہ" کہتے تھے[۵۲]

جالہ دلاور خاں کے لشکریوں نے "زم بہ" باندھنے کی کوشش کی لیکن وہاں دشمنوں نے بندوقوں

---

۵۱ اکبرنامہ جلد سوم ص ۱۸۱ - ۱۸۰ - ۵۲ اقبال نامہ جہانگیری ص ۱۴۴، ۱۴۳

اور تیر اندازوں کو متعین کر دیا تھا، اس لئے "زم پہ" نہ باندھ سکے، دلاور خاں جالے (جالہا) بنا کر اپنی فوج کو دریا پار کرانا چاہا، مشکیں اور لکڑیاں ایک دوسرے سے ملا کر اس طرح باندھ دیجاتی تھیں کہ وہ پانی پر تیرتی رہتی تھیں، اسی کو جالہ کہتے تھے، دلاور خاں نے جالے بنا کر رات کو اسّی بہادر اور جواں ہمت پیادوں کو ان پر بٹھا کر دریا میں چھوڑ دیا، لیکن ۸۰ نوجوان طغیانی میں غرق ہوگئے، اور جو ساحل پر پہونچے وہ دشمنوں کے نشانے کی زد میں آئے، لیکن دلاور خاں کے استقلال و ہمت میں فرق نہ آیا، وہ چار مہینے تک ساحل پر لشکریوں کے ساتھ جما رہا، آخر ایک رات "زم پہ" باندھنے میں کامیاب ہوگیا، اور دشمن غافل رہے، تو دو سو پیادے سربکف ہو کر ساحل پر پہونچ گئے، اور دشمنوں کے نرغے میں گھس کر اپنی بہادری کے کارنامے انجام دیئے[1]،

کمند آرائی | فصیلوں کے اوپر کمند اور نردبان کے ذریعہ چڑھنے میں بھی یہ پیدل لشکری بہت مفید ثابت ہوتے، ملک کافور نے جب حصار ارنگل کا محاصرہ کیا تو ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ اس کے سپاہی کمند لگا کر حصار کے برج پر پرندوں کی طرح جا پڑے، اور تیغ، نیزہ، ناچخ اور چقماق سے محصورین کا حال برا کر دیا[2]،

تیمور نے میرٹھ کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو اس کے بہادر سپاہی بھی کمند ہی کے ذریعہ قلعے کے اندر گھسے، جہاں جا کر گھمسان کی لڑائی لڑے[3]، بابر نے چندیری کے قلعہ کا محاصرہ کیا، تو قلعہ کی دیوار بڑی اونچی اور سنگین تھی اور یہ پہاڑ پر واقع تھا، اس کی ایک سمت کی فصیل دریا کی وجہ سے دہری بنی ہوئی تھی، جو پہاڑ سے نیچے تھی، بابر کے سپاہیوں نے اس طرف سے قلعہ پر دھاوا کرنے کی کوشش کی لیکن محصورین نے پتھر اور آگ برسانی شروع کی، مگر بابر کے جوانمرد سپاہیوں نے اس کی پرواہ مطلق نہیں کی، اور منہ موڑے بغیر اوپر چڑھتے چلے گئے، اور فصیل پر چڑھ کر لڑنے لگے، یہاں تک کہ

---

[1] اقبال نامۂ جہانگیری ص ۴۴-۴۳، [2] برنی ص ۳۲۹، [3] الیٹ جلد دوم ص ۴۵۱،

غالب آئے[1]،

قلعہ کے اندر بہادرانہ یورش | ہمایوں گجرات میں چانپانیر کے قلعہ کو چار مہینے تک گھیرے پڑا رہا لیکن یہ
قلعہ فتح نہ ہو سکا ایک روز وہ قلعہ کے اردگرد گھوم رہا تھا کہ کچھ آدمیوں کو پاس کے جنگل سے آتے ہوئے
دیکھا، اُن کو بلا کر پوچھا کہ وہ کون ہیں تو انھوں نے بتایا کہ وہ لکڑ ہارے ہیں لیکن جب اُن کو زیادہ کریدا
گیا، تو انھوں نے ظاہر کیا کہ وہ قلعہ سے نکل کر غلہ اور تیل خریدنے جایا کرتے ہیں، اور جب انھوں نے
قلعہ کا وہ راستہ دکھلا دیا تو ہمایوں نے معائنہ کر کے اندازہ کیا کہ وہاں پر قلعہ کی اونچائی ساٹھ ستر گز ہوگی
لیکن ناہموار نہیں ہے، ہمایوں نے ستر اسّی میخیں منگوائیں اور ایک ایک گز کے فاصلہ پر قلعہ کی دیوار
کے دائیں بائیں ٹھکوادیں، اور پھر بہادر جوانوں کو حکم دیا کہ اُن کے ذریعہ قلعہ کے اوپر چڑھ کر اپنی مردانگی
کا ثبوت دیں، ۳۹ لشکری مردانہ وار اوپر چڑھ گئے، اس کے بعد ہمایوں نے خود پیش قدمی کی لیکن بیرم خاں
نے اس کو روک دیا۔ ۔ ۔ ۔ اور خود ہی فصیل کے اوپر چڑھ دوڑا، اس کے بعد ہمایوں بھی جا دھمکا،
اس آہنی زینہ کے ذریعہ تین سو آدمی اوپر پہونچ گئے، نیچے مورچل میں جو شاہی لشکر موجود تھا، اُس کو
اب قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا، محصورین غافل تھے، شاہی فوج کی اچانک یورش کو روکنے کے لئے
تیار ہو ہی رہے تھے کہ یکایک حصار کے کنگروں سے تین سو نوجوان تیزی اور بہادری سے نمودار ہوئے،
اور اپنے تیروں کے حملہ سے اُن کو بے بس کر دیا[1]،

یورش میں ہلاکت خیز پسپائی | بعض اوقات ایسی جوانمردی کے اظہار میں بڑا نقصان اٹھانا پڑتا تھا، ۱۰۶۲ھ
میں شاہجہانی فوج نے اورنگ زیب کی نگرانی میں بست کے قلعہ کا محاصرہ کیا، تو ایک روز راجہ راج روپ
نے خبر دی کہ مورچال ایسی جگہ پہونچ گیا ہے کہ قلعہ کے اوپر چڑھنا ممکن ہو گیا ہے، وہ اجازت لے کر یکہ تازوں
اور جانبازوں کے ساتھ قلعہ کے اوپر چڑھ گیا، اور وہاں سے کرنا پھونکا تو سارے لشکری کمند کے ذریعہ

---

[1] بابرنامہ ص ۳۲۶، اردو ترجمہ [2] اکبرنامہ جلد اول ص ۱۳۷

قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر فصیل پر نظر آئے لیکن محصورین نے اُن پر اتنے توپ، تفنگ اور بان چلائے اور حقۂ آتش، سنگ، روغن اور ہلاکت خیز مصالح پھینکے کہ حملہ آوروں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے،[51]

جب داراشکوہ کی نگرانی میں قندھار کے قلعہ کا محاصرہ جاری تھا، تو شاہی فوج کو ایک بار پھر اسی قسم کی ہزیمت اٹھانی پڑی، لشکریوں کی ایک بڑی تعداد حصار پر دھاوا کرنے میں تو کامیاب ہو گئی، لیکن محصورین نے ان پر اتنے گولے برسائے کہ ہلاک ہونیوالوں کی تعداد کی گنتی نہ ہو سکی، چند روز تک وارث اپنے مردوں کی لاش اٹھاتے رہے،[52]

پیدل سپاہیوں میں عرب بڑے اچھے سپاہی اور قابلِ اعتماد محافظ اور نگہبان سمجھے جاتے، بندیلے اپنی بہادری کے لئے مشہور تھے، دھانک، بھیل اور میواتی اچھے تیر انداز سمجھے جاتے، بکسریہ کو شمشیر زنی میں بڑی مہارت تھی،

لشکر میں پیدل سپاہیوں کے ساتھ سنگ انداز، مشت زن، نشانہ باز، پہلوان، کہار، لوہار، بڑھئی، بھشتی، اور بیلدار بھی ہوتے جن کے کارناموں کا ذکر باب کوچ میں آئے گا،

---

[51] خافی خاں جلد اول ص ۱۲، [52] بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۷، ۹۱، ۳۹، نوکار، اشد جلد پنجم ص ۴۴۳،

بحری بیڑے

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو راجاؤں کے پاس جنگی کشتیاں ضرور تھیں، اور میگستھنیز کے بیان کے مطابق چندر گپت موریا کے عہد میں جنگی محکموں میں جہازوں کا بھی ایک محکمہ تھا اور کوٹلیا نے جہازوں اور کشتیوں کے ایک افسر اعلیٰ کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن یہ کشتیاں جنگی لڑائیوں میں استعمال نہیں ہوتی تھیں، بلکہ وہ صرف بحری ساحلوں کی نگرانی کرتی تھیں، چنگی وصول کرتی تھیں یا جنگ کے موقع پر اسلحہ اور سامان رسد منتقل کرتی رہتی تھیں[1]، گجرات اور کارومنڈل سے تو بڑی بڑی کشتیاں تجارتی سامان لے کر بیرونی ممالک بھی جایا کرتی تھیں، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد میں بھی بری لڑائیوں کے مقابلہ میں بحری لڑائیاں کم ہوئیں،

غزنوی بیڑہ البتہ محمود غزنوی نے ہندوستان میں لشکر کشی کی، تو اس نے کہیں کہیں بڑے پیمانہ پر کشتیوں سے لڑائیاں لڑیں، مثلاً ۴۱۸ھ میں اس نے جاٹوں کے خلاف جنگ کی تو ملتان پہنچکر اس نے حکم دیا کہ ایک ہزار چار سو کشتیاں بنائی جائیں، اور ہر کشتی میں لوہے کی تین سلاخیں مضبوطی سے نصب کی جائیں، اس طرح کہ ایک کشتی کے سامنے اور دو کشتی کے دائیں بائیں ہوں، تاکہ جو چیز ان سلاخوں کے سامنے آئے اُن سے ٹکر کھا کر ٹوٹ جائے، اور تہ آب ہو جائے، جب کشتیاں تیار ہو گئیں، تو ہر کشتی میں بیس بیس آدمی بٹھائے گئے اور ہر شخص کو تیر، کمان، سپر اور آتشیں نفط دیئے گئے

[1] چندر گپت موریا اینڈ ہز ٹائمز از پروفیسر رادھا کمود مکرجی لکھنؤ یونیورسٹی ص ۱۷۹،

اس تیاری کے بعد کشتیاں دریا میں چھوڑ دی گئیں، جاٹوں کے پاس بھی چار سے آٹھ ہزار تک کی تعداد میں کشتیاں تھیں، لیکن وہ محمود غزنوی کی طرح باضابطہ جنگی نہ تھیں، اور جب لڑائی شروع ہوئی تو محمود نے دریا کے بالائی حصہ کو اپنے بیڑوں سے مسدود کر دیا، اور ساحل پر دونوں جانب ہاتھیوں اور سواروں کے دستے کھڑے کر دیئے تاکہ غنیم کو بھاگنے کا موقع نہ ملے، جاٹوں کی کشتیاں محمود کی کشتیوں کے سامنے آتی تھیں تو سلاخوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتیں اور پانی میں ڈوب جاتیں[1]،

سلاطین دہلی کے بیڑے

بلبن طغرل کی بغاوت فرو کرنے کے لئے لکھنوتی گیا تو برنی کا بیان ہے کہ اس کی معیت میں دو لاکھ لشکریوں کے ساتھ کثیر تعداد میں بجرے اور کشتیاں بھی تھیں، جو جمنا اور گنگا ہو کر لکھنوتی پہونچیں[2]، لیکن برنی نے بحری لڑائی کا ذکر نہیں کیا ہے، یہ سب اسلحہ اور سامان رسد سے بھری تھیں، فیروز شاہ لکھنوتی کی مہم میں پہلی بار گیا، تو اس کے ساتھ ایک ہزار کشتیاں بھی تھیں[3]، ٹھٹھ کی مہم میں اس نے پانچ ہزار کشتیوں سے دریائے سندھ کو عبور کیا[4]، اس کے زمانہ میں دریائے جمنا میں بڑی بڑی کشتیوں کا بیڑہ ہر وقت موجود رہتا، ان میں سے بعض بعض کشتیاں اتنی بڑی ہوتیں کہ سات سات ہزار من غلہ لاد سکتی تھیں[5]، لیکن سلاطین دہلی کے دور میں بھی بحری لڑائیوں کا ذکر کہیں نہیں ملتا،

گجراتی بیڑے

البتہ پندرہویں صدی میں گجرات کے سلاطین بحری لڑائیاں ضرور لڑتے رہے، ۱۴۲۹ء میں گجرات کا حکمراں احمد شاہ نے سیل سٹ حاصل کرنے کے لئے جو لشکر بھیجا، اس میں ایک بحری بیڑا بھی تھا جس میں ۱۲ جہاز تھے، پرتگالیوں اور سلاطین گجرات سے برابر بحری لڑائیاں رہیں،

بابری بیڑے

بابر بہار اور بنگال کی مہم پر گیا تو دریا کو عبور کرنے کے لئے اس کے ساتھ کشتیاں تھیں، اس کی کشتیوں کے خاص خاص نام تھے، وہ خود لکھتا ہے:

۱؎ گردیزی ص ۸۹، ۸۸، الیٹ جلد اول ص ۱۲۰، ۲؎ برنی ص ۸۷، ۸۲،

۳؎ عفیف ص ۱۰۹ ۴؎ ایضاً ۱۹۹ ۵؎ ایضاً ۳۱۰

"جب منزل پر پہونچے تو کشتیوں کے نام مقرر کئے، بڑی قدیمی کشتی بابری جو رانا سانگا کی لڑائی سے پہلے تیار ہوئی تھی، اس کا نام آسایش رکھا، اس سال روانگی سے پہلے آرایش خاں نے ایک کشتی نذر کی تھی، میں نے اس سفر میں اس میں ایک اور درجہ بنوایا، اس کا نام آرایش رکھا، سلطان جلال الدین نے جو کشتی پیش کی تھی، اس میں ایک بڑا دالان بنا ہوا تھا، اس دالان پر دوسرا دالان اور بنایا گیا تھا، اس کا نام گنجایش رکھا، ایک ڈونگا جو کھنڈی دار تھا، یہ ڈونگا ہر کام کے لئے بھیجا جاتا تھا، اس کا نام فرمایش رکھا" (بابرنامہ ص ۳۵۱)

بہار میں بھوج پور اور بہیہ کے پاس جب وہ تھا تو اس کا حال لکھا ہے:-

"جمعرات کے دن اس جگہ سے کوچ ہوا، میں کشتی ہی میں بیٹھا، سب کشتیاں کھڑی کردی گئیں جب میں ان کے پاس پہونچا تو میں نے حکم دیا کہ ان کشتیوں کا بیڑا باندھ دو باوجودیکہ ساری کشتیوں کا بیڑا نہ بندھا تھا، پھر بھی بیڑے کی چوڑان دریا کے پاٹ سے بڑھ گئی، چونکہ دریا کہیں کم تھا اور کہیں گہرا کہیں سے بہتا ہوا، اس لئے یہ بیڑا زیادہ نہ چل سکا، بیڑے میں ایک گھڑیال بھی ران کے برابر نظر آیا، ایک مچھلی اس کے خوف سے اتنی اچھلی کہ ایک کشتی میں آپڑی، اس کو پکڑ لیا، (ص ۳۵۱)

ہمایوں نے چنار کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو رومی خاں نے دریا میں کشتیوں ہی پر اپنی توپیں نصب کرکے قلعہ پر گولہ باری کی تھی۔[۱]

اکبری بیڑے ۱۵ ار جون ۱۵۷۴ء میں اکبر داؤد خان کے خلاف پٹنہ اور حاجی پور کی تسخیر کے لئے جمنا اور گنگا کے بحری راستے سے روانہ ہوا تو اس کے ساتھ بے شمار کشتیاں[۲] تھیں، اکبر کی دو مخصوص کشتیاں دیکھنے سے محل معلوم ہوتی تھیں بعض کشتیوں پر فوجی سرداروں کے لئے مکانات بنے تھے، بعض پر ایسے دلآویز

---

[۱] تذکرۃ الواقعات انگریزی ص ۱۳ [۲] ریاض السلاطین میں ہے کہ ایک ہزار کشتیاں تھیں (ص ۱۵۸)

باغات لگے تھے جو زمین پر بھی نظر نہیں آسکتے تھے، متصدیوں یعنی کلرکوں کے لئے ان کشتیوں پر دفاتر بھی بنے تھے بعض پر فوجی سامان اور اسلحہ کے علاوہ ہاتھی لدے تھے، اسی پُرشکوہ طریقہ پر شاہی فوج روانہ ہوئی تو برسات کا موسم زوروں پر تھا، اکبر آگرہ سے چل کر اٹاوہ، کالپی اور الٰہ آباد ہوتا ہوا ۲۶ روز میں بنارس پہونچا، اٹاوہ میں طغیانی کی وجہ سے کئی کشتیاں غرقاب ہوئیں، الٰہ آباد میں بہت سخت طوفان آیا تو گیارہ کشتیاں ڈوب گئیں، گومتی اور گنگا کے سنگم کے پاس پہونچ کر سید پور میں شاہی لشکر نے پڑاؤ ڈالا ہتھیات جونپور بھیج دی گئیں، اور اکبر جونپور کی طرف روانہ ہوا، جہاں اس نے جنوبی ساحل پر فوج کو دریا سے اتارا، اور ۳ اگست ۱۵۷۴ء میں پٹنہ کے قریب پہنچا، پٹنہ میں داؤد خان کی ساری رسد حاجی پور سے آتی تھی، اکبر نے اس پر ضرب کاری لگانے کے لئے پہلے حاجی پور کی تسخیر مناسب سمجھی، جو پٹنہ کے مخالف سمت گنگا کے دوسری جانب شمال میں واقع تھا، اس نے حاجی پور کو بری اور بحری دونوں راستوں سے گھیر لیا، اور پھر کچھ لشکری غراب میں بیٹھ کر حاجی پور پر دھاوا بولے، حاجی پور کے قلعہ والوں نے بھی اٹھارہ کشتیوں میں اپنی فوج بھیجی، اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی ہوئی لیکن اکبر کی فتح ہوئی[۱]،

ٹھٹھہ، بنگال اور آسام کی لڑائیوں میں اکبر نے جنگی کشتیاں برابر استعمال کیں، اقبال نامۂ جہانگیری میں ہے کہ جہانگیری عہد سے پہلے بنگال میں مسلح فوج برابر تیار رہتی تھی، جس میں ۲۰ ہزار سوار، ایک لاکھ پیادے کے علاوہ پانچ ہزار کشتیاں اور جنگی نواڑے اور توپخانے بھی ہوتے، (ص ۷۰) خود جہانگیر نے اکبر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، تو اٹاوہ میں تیس ہزار سوار اور ایک ہزار ہاتھی کے علاوہ اس کے پاس دو ہزار کشتیاں تھیں[۲]،

اکبر نے بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز بنانے کے لئے آگرہ، بنگال، کشمیر، سندھ، الٰہ آباد، لاہور اور

---

[۱] اکبر نامہ جلد سوم ص ۹۰ - ۸۶ - بدایونی جلد دوم ص ۸۰ - ۱۷۹ [۲] اکبر نامہ جلد سوم انگریزی ترجمہ فٹ نوٹ ص ۱۲۱۰،

مشرقی و مغربی ساحلوں پر پورا انتظام کر رکھا تھا، ۱۵۸۲ء راجہ ٹوڈر مل نے بنگال میں بحری قیام کے لئے چند پرگنے مخصوص کر دیئے تھے، اس کے متعلق ایک دفتر تھا جس کے اخراجات ۲۹۲۸۲ روپئے تھے اور پرانے جہازوں کی مرمت میں سالانہ آٹھ لاکھ تینتالیس ہزار چار سو باون روپیہ خرچ ہوتے تھے، اس صوبہ میں تین ہزار جہاز اور کشتیاں تھیں جن میں سات سو اڑسٹھ جنگی جہاز تھے، اُن کے علاوہ ضرورت کے علاوہ جاگیرداروں سے کشتیاں حاصل کر لی جاتی تھیں، بیڑہ کا صدر مقام ڈھاکہ تھا، جہاں سے مگھ اور اراکانی کی غارتگری کی روک تھام ہوا کرتی تھی[لے] شاہی جہازوں کے بنانے کے لئے سلہٹ سے شہتیر آتی تھیں جن سے ہر قسم کے جہاز اور کشتیاں بنائی جاتی تھیں، اکبر نے ایک کشتی بنوائی تھی جس میں پندرہ ہزار من تک کی چیزیں لادی جاسکتی تھیں، اس کی لمبائی ۳۰ گز تھی، اس کی تعمیر میں ۱۶۳۳۸ روپئے خرچ ہوئے تھے، یہ بندر لاہری میں رہا کرتی تھی، اکبر کے حکم سے بعض کشتیوں کی شکل جانوروں کی طرح بنائی جاتی تھی، بعض عالی شان گنبد کی طرح نظر آتی تھیں، بعض ایسی تھیں جو دور سے دلکش عمارتیں معلوم ہوتی تھیں، بعض پر سبزہ زار اور باغات لگا دیئے جاتے تھے، اس زمانہ میں کشتیوں اور جہازوں کے خاص خاص بندرگاہوں کے نام یہ تھے، ست گاؤں یعنی چاٹگاؤں، کھمبائت، لاہری سب سے بڑی تنخواہ کھمبائت کے ناخدا کی تھی، یعنی آٹھ سو روپیہ ماہانہ،[لے]

بحری بیڑے کے ملازمین جہاز اور کشتیوں پر حسب ذیل ملازم ہوتے،

(۱) ناخدا - جہاز کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا، وہ جہازوں اور کشتیوں کی سمت سفر کو متعین کرتا تھا،

(۲) معلّم - یہ سمندر کے تمام راستوں سے واقف رہتا تھا، اور علم نجوم کا ماہر ہوتا، جہاز کو خطرناک راستوں سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری اسی پر ہوتی،

(۳) تندیل - خلاصیون کا سردار ہوتا،

[لے] تفصیل کے لئے دیکھو معارف جنوری سنہ ۱۹۲۰ء ۵۳، اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۵،،

(۴) ناخدائے خشب۔ یہ جہاز پر چلنے والوں کو لکڑی اور آگ فراہم کرنا اور جہاز کو خالی کرنے میں مدد دیتا،

(۵) سرہنگ۔ جہاز کے لنگر کو گراتا اور اٹھاتا،

(۶) بھنڈاری۔ جہاز کے ذخیرے کا محافظ ہوتا،

(۷) کرّانی۔ جہاز کے تمام اخراجات کو لکھتا اور جہاز والوں کو پانی بہم پہونچاتا،

(۸) سکّان گیر۔ یہ معلّم کی ہدایت کے مطابق جہازوں کی سمت بدلتا رہتا، کبھی کبھی اُن کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ہوتی،

(۹) پنجری۔ پنجری جہاز کے مستول پر بیٹھتا اور راہ کی حفاظت کرنا، ساحل کی خبر دیتا، اور دوسرے جہاز اور طوفان کی آمد کی اطّلاع کرتا،

(۱۰) گنمتی۔ جہاز کے پانی کو جو سوراخوں سے آجاتا نکالتا رہتا،

(۱۱) توپ انداز بحری لڑائیوں میں دشمنوں پر توپ کے ذریعہ سے گولہ اندازی کرتا،

بحری فوج کا نگراں امیر البحر کہلاتا،[۱۵]

نواڑہ | جنگی کشتیون کو نواڑہ کہا جاتا تھا، اقبال نامۂ جہانگیری میں ہے،

"کشتی ہائے جنگی را بہ اصطلاح ہند نوارہ می گویند" (ص ۲۲۰)

اُن کی کئی قسمیں ہوتیں مثلاً ڈینگی، غراب (اس میں بڑی بڑی بندوقیں اور توپیں رکھی جاتی تھیں) کوس (یہ ایک لکڑی کی ہوتی تھی) جلیا، سلب، بجھری، پرنیدہ، کھالو، باتم، چپاری،

مغل بادشاہوں کے جنگی نواڑے زیادہ تر بنگال، آسام، اراکان اور کوچ بہار میں متحرک رہے

---

[۱۵] آئین اکبری جلد اوّل آئین ۲۶۔ کشتی پر لڑانے والے کو غار دہجی کہتے تھے۔

شاہجہانی فوج نے پرتگیزوں کے خلاف ہگلی میں لشکر کشی کی، تو اس میں ۶۰۰ جنگی نواڑے بھی تھے جن سے ہگلی میں پل باندھ کر راستے اس طرح مسدود کر دیئے گئے تھے کہ کوئی پرتگیزی کشتی فرار نہیں ہو سکتی تھی، پرتگیزیوں نے دریائے ہگلی کے ساحل پر ایک قلعہ میں بند ہو کر مدافعت کی، لیکن شاہی فوج نے بحری اور بری دونوں لڑائیاں ایک ساتھ جاری رکھیں، پرتگیزیوں نے بھی اپنے جہازوں سے مقابلہ کیا، اور جب بے بس ہو گئے، تو اپنے ایک جہاز میں آگ لگا دی جس میں بارود کے علاوہ دو ہزار عورت مرد تھے، بارود پھٹنے سے نہ صرف یہ جہاز تباہ ہوا بلکہ اس کے ساتھ اُن کی ۶۴ بڑی ڈینگیاں، ۵۷ غراب، دو سو جلیا بھی جل کر خاک ہو گئیں، اور جو محفوظ رہیں، وہ شاہی فوج کے قبضہ میں آئیں[۱]،

شاہجہانی عہد میں ۱۰۴۱ھ میں آسام میں جو شاہی فوج بھیجی گئی، تو اس کے ساتھ ایک ہزار سوار، ایک ہزار پیادے اور توپچی کے علاوہ دس غراب، دو سو کوس اور جلیا تھیں، پھر راستے میں جتنی کشتیاں ملیں، وہ بھی ساتھ کر لی گئیں، اس مہم میں فتح کے بعد غنیم سے پانچ بڑی کشتیاں ملیں جن کو چاری کہا جاتا تھا، اُن کے علاوہ کچھ کوس بھی ہاتھ آئیں[۲]،

مغلوں نے کوئی لڑائی محض بحری بیڑہ کے سہارے سے نہیں لڑی، وہ بحری لڑائی بری فوج کی مدد سے لڑا کرتے تھے، ایسے موقع پر بحری اور بری فوجوں میں کس طرح تعاون ہوتا تھا، اس کی حسب ذیل تفصیل دلچسپی سے خالی نہ ہوگی،

اراکان کی بحری مہم

اراکان کے باشندے جو مگھ کہلاتے تھے، اپنی بحری قزاقی اور غارت گری کیلئے مشہور تھے، وہ دریائے گنگا سے ہو کر جیسور، ہگلی، بھوشنا (؟) اور برہم پتر سے ہو کر بکرم پور، سنار گاؤں اور ڈھاکہ تک لوٹ مار کرتے چلے آتے، اور پھر ان علاقوں سے عورت، مرد، بچے، اور بوڑھے پکڑ کر لیجاتے اور اُن کو یا تو اپنے یہاں زراعت اور مزدوری کے کاموں میں لگا دیتے، یا غلاموں کی طرح فروخت کر دیتے،

۱؎ بادشاہ نامہ جلد اول ص ۴۳۶-۳۸ ۲؎ بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۴۷،

اُن کی دست درازی یہاں تک بڑھ گئی کہ وہ کچھ دنوں کے لئے چاٹگاؤں پر قابض ہو گئے، جہانگیر کے زمانہ میں بنگال کے ناظم ابراہیم خان فتح جنگ اُن پر قابو نہ پا سکا، لیکن ۱۶۶۰؁ء میں میر جملہ ناظم ہو کر بنگال آیا تو اس نے مگھ کے حملوں سے بچنے کے لئے متعدد قلعے، سڑکیں اور پل تعمیر کرائے، لیکن اس کی قبل از وقت موت کی وجہ سے مگھ کے خلاف کوئی موثر کارروائی نہ ہو سکی، ۱۶۶۴؁ء میں بنگال کا ناظم شائستہ خاں ہوا تو اُس نے شاہی جنگی نواڑے کو از سرِ نو ترتیب دیا، مختلف مقامات سے شہتیریں اور لکڑیاں منگوائیں، اور ڈھاکہ کو جہاز سازی کا ایک اہم مستقر بنایا، اس کا نگران اعلیٰ حکیم محمد حسین تھا، اور اس کا مشرف محمد مقیم کو بنایا گیا، اور اس جہاز سازی کے لئے جو پرگنے دیئے گئے اُن کی نگرانی کشور داس نے کی، ڈھاکہ کے علاوہ ہگلی، جیسور، چلماری، کاری باری اور بالیشور میں بھی کشتیاں تیار کرائیں اور بہت جلد تین سو جنگی جہاز تیار ہو گئے، جس کے بعد چاٹگاؤں کی تسخیر کے لئے باضابطہ فوج روانہ ہوئی، ایک سو جنگی جہاز دھاپہ میں تعینات کئے گئے، جو ڈھاکہ سے جنوب مشرقی جانب چھ میل پر واقع تھا، دو سو جہاز سنگرام بھیجے گئے، جو ڈھاکہ سے جنوب کی طرف تیس میل کے فاصلہ پر تھا، یہ دونوں مقامات ایک ایسی سڑک سے منسلک تھے، جو سیلاب کے زمانہ میں زیر آب نہیں ہوتی تھی، شائستہ خاں نے چاٹگاؤں بڑھنے سے پہلے جزیرہ سوندیپ پر قبضہ کیا، اور اُس میں ایک ہزار لشکری چھوڑ کر اپنی بڑھنے والی فوج کو محفوظ کیا، فرنگی مگھ کے معاون و مددگار بن جاتے تھے، اس لئے شائستہ خاں اُن کو تحریص و ترغیب دے کر اپنے اقتدار میں لایا، اور رجب ۲۴ / دسمبر ۱۶۶۵؁ء کو ڈھاکہ سے چاٹگاؤں کی طرف فوج روانہ ہوئی، تو اُس کے ساتھ چھ ہزار پانچ سو لشکری تھے جن میں جنگی نواڑہ کی تعداد دو سو اٹھاسی تھی، اس میں اکیس غراب، تین سلب، ایک سو تاون کوس، چھیانوے جلیا، دو بچھڑی، اور چھ پرندہ تھے، فرنگیوں کے بھی چالیس جہاز تھے، اس کی سربراہی شائستہ خان کے لڑکے بزرگ امید خاں نے کی، اس کی معیت میں سید اختصاص خاں، سرانداز خاں

فرہاد خاں، قراول خاں، کرن کھچی، راجہ سوبل سنگھ سیسودیہ، ابن حسین داروغہ نوارہ اور میر مرتضیٰ داروغہ توپ خانہ وغیرہ تھے، بیلداروں کی ایک بڑی جماعت بھی ساتھ چلی، اور غلّہ فروخت کرنے کیلئے بیوپاری بھی ہمراہ تھے، بزرگ امید خاں نے تیزی سے کوچ کر کے چند روز میں دریائے پھنی کو عبور کیا، اور جہاں سے مگھ کے علاقے شروع ہوتے تھے لیکن اسی کے بعد سے بہت ہی دشوار گذار جنگل بھی تھے، بیلداروں نے جنگل کاٹ کر ایک سڑک بنائی اور یہاں ایک تھانہ یعنی فوجی اڈہ بنا کر کچھ فوج چھوڑ دی گئی، دریائے پھنی سمندر سے ملتا تھا، اس لئے شاہی فوج کو خطرہ ہوا کہ کہیں سمندر کی راہ سے وہ حملہ آور نہ ہو جائیں، اس لئے یہ رائے طے پائی کہ نواکھالی سے میر مرتضیٰ خاں اور فرہاد خاں تو کچھ فوج کے ساتھ خشکی کے راستے کوچ کریں، اور ابن حسین داروغہ نوارہ بحری راستے سے آگے بڑھے، اور اس کو میر مرتضیٰ خان اور فرہاد خان ساحل سے ہر طرح کی مدد پہونچاتے رہیں، اور دونوں دریائے کرن فلی کے دہانہ پر پہونچ کر اس کو قبضہ میں کر لیں، بزرگ امید خاں ان دونوں کے پیچھے کوچ کرتا رہے، ان تینوں لشکروں کو بہت ہی دشوار گذار جنگلوں سے گذرنا پڑا، لیکن مرتضیٰ خاں اور فرہاد خاں کی ساحلی فوج اور ابن حسین کی بحری فوج میں بڑا تعاون رہا، فرہاد خاں ۱۲ جنوری ۱۶۶۶ء کو جگدیہ پہنچا، اور بحری بیڑہ کمانز تک آیا، یہاں پہونچ کر ابن حسین نے اپنے ہمراہ بیلداروں کو ساحل پر اتار دیا تا کہ وہ جنگل صاف کر کے فرہاد خاں کی فوج کے لئے راستہ ہموار کریں، اس طرح دونوں فوجیں ۲۱ جنوری کو ساتھ مل گئیں، بزرگ امید خاں کچھ پیچھے رہ گیا، فرہاد خاں کی فوج گھنے جنگل کی وجہ سے بہت تیزی سے آگے نہ بڑھ سکی، یکایک ابن حسین کے قراول نے خبر دی کہ دشمنوں کا نواڑہ کتھالیہ کی طرف بڑھ رہا ہے، ابن حسین بزرگ امید خاں کو اس کی اطلاع بھجوا کر غنیم کو روکنے کے لئے آگے بڑھا، سمندر میں ہوا تیز اور تند تھی، لہریں اٹھ اٹھ کر شاہی نواڑہ کو متزلزل بنا رہی تھیں، اسی حالت میں محمد بیگ اباکش نے جہاز کا بادبان کھولا تو ایک ترکی سپاہی ساحل پر سے چلایا کہ تم پاگل ہوئے ہو کہ جہاز کو اس عمیق

اور خوفناک دریا کی ہولناک طغیانی میں کھول رہے ہو لیکن محمد بیگ اباکش نے جواب دیا بھائی ! میں پاگل نہ ہوتا تو سپاہی نہ بنتا" فرہاد خاں اور میر مرتضیٰ خشکی کے راستہ سے بڑھ تو رہے تھے، لیکن گھنے جنگل کی وجہ سے شاہی نواڑہ سے کچھ پیچھے پڑ گئے، غنیم کے دس غراب اور پینتالیس جلیا نے بندوقوں سے وار شروع کیا، کپتان مور شاہی فوج کی طرف سے پہلے آگے بڑھا، اور اسی کے ساتھ ابن حسین نے بھی شاہی نواڑہ آگے بڑھایا، غنیم اُن حملوں کی تاب نہ لاسکے، وہ غرابوں سے پانی میں کود پڑے اور اُن کے جلیے پیچھے کی طرف ہٹ گئے، غرابیں تو شاہی فوج کے قبضہ میں آگئیں لیکن ابن حسین نے جلیے کا تعاقب کیا، تو دور سے غنیم کے دو تین جہاز علم لہراتے ہوئے، پھر دکھائی دیئے، ان جہازوں میں خلوص اور وہم تھے جن پر بڑی بڑی بندوقیں تھیں، اُن کو دیکھ کر ابن حسین نے اپنے لشکریوں کو للکارا لیکن غنیم کا بیڑہ زیادہ طاقت ور ثابت ہوا، ابن حسین نے دشمنوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کی خاطر گولہ باری شروع کی، اور ان سب سے زیادہ طاقتور جہاز سلب کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا، رات بھر دونوں طرف سے گولوں کی بارش ہوتی رہی، اسی اثنا میں فرہاد خاں اور مرتضیٰ خاں بھی اپنی فوج کے ساتھ پہونچ گئے، صبح کو شاہی نواڑہ پرچم لہراتا، اور طبل، بوق اور سرنا بجاتا ہوا دشمن کی طرف تیزی سے بڑھا، اس کی ترتیب یہ تھی، پہلے سلب اس کے پیچھے غراب اور آخر میں جلیے، اور دونوں طرف کوس تھیں، غنیم اس حملہ کی تاب نہ لاسکے، اور کرن فلی دریا کے دہانہ کی طرف ہٹ کر چاٹگاؤں کے قلعہ کے پاس جا پہونچے جہاں پر شاہی نواڑہ کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ آگے بڑھتا گیا، دشمنوں نے بانس کے مورچے بنا کر وہاں توپوں، ہاتھیوں، اور لشکریوں کو کھڑا کردیا، تاکہ شاہی بیڑہ آگے نہ بڑھ سکے لیکن ابن حسین نے وہ راستہ چھوڑ دیا، اور دریا کے بالائی حصہ سے جہاز آگئے، اور بہت سے لشکریوں کو ساحل پر اتار دیا کہ وہ بری راستہ سے قلعہ پر یلغار کریں، غنیم اس کی تاب نہ لاسکے اور بانس کے مورچوں کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے، پھر تو شاہی لشکر کی ہمت بڑھ گئی، اور نواڑہ کے

ساتھ دشمن کے جہازوں پر ٹوٹ پڑے، دشمنوں نے چاٹگاؤں کے قلعہ سے بھی شاہی نواڑہ پر گولہ باری شروع کی، لیکن شاہی نواڑہ مختلف سمتوں میں تقسیم ہو کر تیزی سے آگے بڑھا، ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی، جس میں غنیم پسپا ہو کر جہازوں اور کشتیوں سے کود کود کر بھاگے، اور جو بھاگ نہ سکے، انھوں نے سپر ڈال دی، اُن کے بہت سے جہاز توپوں کی زد سے پانی میں ڈوب گئے، اور جو سلامت رہے وہ شاہی تصرف میں آئے، اُن کی تعداد یہ تھی، گھاپ ۲-غراب ۹-جنگی ۲۲-کوس ۱۲ جلیا ۶۸-پالم ۲۲-بزرگ امید خاں کے پہونچنے میں تاخیر ضرور ہوئی لیکن جب وہ چاٹگاؤں کے پاس پہونچا تو چاٹگاؤں کے قلعہ والوں کی رہی سہی امید بھی جاتی رہی، اور قلعہ اس کے حوالہ کر دیا، اس فتح کی خبر عالمگیر کو پہونچی تو چاٹگاؤں کا نام اسلام آباد رکھا، اور شائستہ خاں کو خلعت خاص شمشیر مرصع اور طویلۂ خاص سے گھوڑے عطا کئے، بزرگ امید خاں، اور فرہاد خان کے منصب میں اضافہ کیا، میر مرتضیٰ کو علاوہ اضافہ منصب کے مجاہد خان کا خطاب دیا، اور ابن حسین داروغہ نواڑہ کو مظفر خاں کے خطاب سے نوازا، اور اس کے منصب میں بھی اضافہ کیا،[۱]

بحری قلعے بحری حملہ آوروں سے مدافعت کے سلسلہ میں دریا کے کنارے بڑے بڑے قلعے بنائے جاتے، ایسے قلعے آسامیوں نے آسام میں زیادہ بنا رکھے تھے، کیونکہ وہاں بحری لڑائیاں زیادہ لڑنی پڑتی تھیں، جوگی گوپھا کی پہاڑی پر برہم پتر کے کنارے ایک بہت بڑا مضبوط قلعہ تھا، اس کی دیوار کا عرض نیچے کی طرف نو گز اور اوپر کی طرف پانچ گز تھا، اور اس کا دور ایک گروہ سے زیادہ تھا، اس کی پچھلی دیوار پہاڑ کی چوٹی تک گھری ہوئی تھی، اور دکھن کی سمت دریائے برہم پتر سے محفوظ تھی، پورب کی طرف ایک دوسرا دریا مناس قلعہ کی دیوار سے گذرتا ہوا برہم پتر سے جا ملتا تھا، اوتر کی طرف خندق کے علاوہ پہاڑ اور گھنا جنگل تھا، حملہ آوروں کی روک تھام کے لئے بانس کی نوک دار تیز سیخیں جابجا دور تک

---

[۱] عالمگیر نامہ ۹۵۶، ۹۴۰-نیز دیکھو جادو ناتھ سرکار کی اسٹڈیز ان موغل انڈیا ص ۱۴۸-۱۴۲-

نصب کر دی گئی تھیں جس کو وہ اپنی زبان میں بھانچہ کہتے تھے، اس قلعہ کے اندر پندرہ ہزار فوج مع توپوں کے موجود رہتی تھی، اور تین سو بیس جنگی کشتیاں مع آلات جنگ دریا میں کھڑی رہتی تھیں، پھر دریا کے پار کوہ پنج رتن پر ایک دوسرا مستحکم قلعہ تھا، یہ اس لئے بنایا گیا تھا کہ اگر پہلے قلعہ میں شکست ہو تو فوج کشتیوں میں بیٹھ کر دوسرے قلعہ میں منتقل ہو جائے، اس میں بھی چھ ہزار مسلح فوج رہتی تھی، اس جگہ دریائے برہم پتر کی دو شاخیں اس طرح ہو گئی تھیں کہ بیچ میں ٹاپو نکل آیا تھا یہاں بھی لکڑی اور بانس سے مورچہ بنا لیا گیا تھا، جہاں سے حملہ آوروں پر توپ و تفنگ سے گولہ باری ہو سکتی تھی[1]،

آسام ہی میں دو اور قلعے تھے جو اپنی چوڑائی، بلندی اور مضبوطی کے لئے مشہور تھے، ایک سری گھاٹ میں تھا جس میں پانچ کوس کا حصار تھا، اور دوسرا برہمپتر کے کنارے کوہ نامذوکی چوٹی پر تھا، دونوں قلعے پاس پاس ہی تھے، اس لئے دونوں کے درمیان جنگی بیڑے رہتے تھے، اور قلعہ کے اندر ایک لاکھ سے زیادہ فوج رہ سکتی تھی، ان قلعوں کے سر کرنے میں کتنی دشواریاں ہوئی ہونگی، اس کا صرف اندازہ کیا جا سکتا ہے،

اُن کے آگے جدھر کا مشہور قلعہ تھا، جو برہمپتر کے شمالی ساحل پر پہاڑ کاٹ کے تین حصاروں کے اندر بنایا گیا تھا، اور اس کے گرد برہمپتر کا پانی چھوڑ دیا گیا تھا جس سے وہ ایک جزیرہ بن گیا تھا، اسی دریا کے جنوبی ساحل پر سیملا گڈھ اور کلیابر کے قلعے تھے، مگر وہ ایک ہی قلعہ تھا، حصار بیرونی کو سیملا گڈھ کہتے تھے اور اندرونی قلعہ کا نام کلیابر تھا، سیملا گڈھ کی دیوار دریا سے لیکر اس پہاڑ تک جو کلیابر کے عقب میں تھا، چار کوس اور شمال کی طرف تین کوس طویل تھی، اس میں کئی بڑی بڑی برجیاں تھیں جن کے آگے حصار کے طور پر ایک اور کنگرہ دار دیوار بنی ہوئی تھی، اس کے اندر باہر دونوں طرف گہری خندقیں تھیں، جو پانی سے بھری رہتی تھیں اور جہاں پانی نہ ہوتا وہاں خوب

---

[1] عالمگیر نامہ، ۷۹۰ - ۷۹۵،

باریک مٹی ہوتی، اور یہ اندرونی اور بیرونی دونوں قلعے سامانِ جنگ سے مرتب تھے،

میر جملہ اور آسام کی بحری مہم

ان قلعوں کو فتح کرنا آسان نہ تھا لیکن میر جملہ اُن کی تسخیر کے لئے جنگی نواڑہ لے کر روانہ ہوا تو پہلے جوگی گپھا اور پنجرتن قلعے کے پاس پہنچا، یہاں اُس نے اپنی فوج کا کچھ حصہ دریا کے دوسرے پار اتارا، اور کچھ لشکر کو کوہ جوگی گپھا کے عقب میں دریائے مناس تک جنگل کاٹنے کے لئے مامور کیا کہ اگر آسامی چھوڑ کر بھاگیں تو راستہ نہ پا سکیں، اور لشکر کا کچھ حصہ کشتیوں پر روانہ کیا، اور یہ کشتیاں ساحل کی فوج سے مدد لیتی ہوئی آگے بڑھتی رہیں، آسامی اس طرح گھر کر نواڑہ کی جنگ کرنے پر مجبور ہوئے لیکن پسپا ہو گئے، اور ۱۴۸ کشتیاں، چھوٹی بڑی ۶۷ توپیں، بے شمار بندوقیں اور بارود پیچھے چھوڑ گئے، اس طرح میر جملہ کو گوہاٹی پہونچنے میں آسانی ہوئی، جہاں اس نے سری گھاٹ، ناندوا اور کجلی کے قلعوں کی تسخیر میں مذکورۂ بالا طریقۂ جنگ اختیار کیا، اور ان پر قبضہ کر کے سیلا گڈھ کی طرف بڑھا، راستہ میں طوفان کی وجہ سے اس کی فوج کو سخت نقصان پہنچا لیکن کسی طرح سیلا گڈھ پہونچکر اور دمدمہ بنا کر اس نے قلعہ پر گولے برسانے شروع کئے، محصورین برابر جواب دیتے رہے لیکن قلعہ کی تسخیر کے لئے حسب ذیل کارروائی کی گئی،

(۱) فرہاد خاں کو قلعے کے نیچے سرنگ کھودنے پر مقرر کیا گیا (۲) میر مرتضیٰ خان کو دروازہ پر توپوں سے حملہ کرنے کے لئے مامور کیا گیا، تاکہ دشمن اُن کی روک تھام میں لگے رہیں، اور دوسری طرف متوجہ نہ ہوں (۳) دلیر خاں کو بری راستے سے ایک کثیر فوج لے کر دونوں کی مدد کے لئے روانہ کیا گیا، تینوں کارروائیاں ایک ساتھ شروع کی گئیں، فرہاد خاں نے سرنگ کھودنی شروع کی، میر مرتضیٰ نے قلعہ کے دروازے پر گولے برسانے شروع کئے، لیکن دلیر خان کی غنیم کے ایک جاسوس نے غلط رہبری کی اور اس کو راستے سے بھٹکا دیا، اور اس کے لشکر کو ایسی جگہ پہونچا دیا جہاں آسامیوں نے اس پر شدت سے آتش باری کی، لیکن دلیر خان نے ہمت نہیں ہاری، اور کسی طرح وہ فصیل تک پہونچ گیا، ایک

گہری خندق حائل تھی، اس نے پوری دلیری سے کام لے کر اپنا ہاتھی خندق میں ڈال دیا، اس کے پیچھے اس کے لشکری بھی اپنی اپنی جانوں پر کھیل کر خندق میں کود پڑے، اوپر سے تیروں اور گولیوں کی بارش جاری تھی، لیکن ان تیروں اور گولیوں کی بارش میں دلیر خان فصیل پر چڑھ گیا، تو اس کے ساتھ اس کے لشکری بھی جا پہونچے، اسی اثناء میں میر مرتضیٰ نے دروازے توڑ ڈالے اور سرنگ کے ذریعہ بھی راہ نکل آئی تھی اور جب یہ فوج قلعہ میں داخل ہوئی، تو فریقین میں بڑی سخت لڑائی ہوئی، لیکن سیملا گڈھ اور کلیابر پر شاہی فوج کا قبضہ ہو گیا، ان دونوں پر قابض ہونے کے بعد جمدھر خود بخود ان کے قبضہ میں آ گیا،

سیملا گڈھ اور کلیابر کے بعد سے دریائے برہمپترا دو منزل تک پہاڑ... سے ملا ہوا چلتا ہے، اسلئے اس کے ساحل پر لشکر کے کوچ کے لئے کوئی راستہ نہ تھا، اس مشکل کی وجہ سے کچھ فوج نواڑہ کے ذریعہ بحری راستہ سے روانہ ہوئی اور باقی لشکر دریا کے متوازی پہاڑ کے پیچھے سے روانہ ہوا، لیکن کوچ میں نواڑے اور لشکر میں کئی کروہ کا فاصلہ ہو گیا، اس سے فائدہ اٹھا کر آسامیوں نے آٹھ سو مسلح کشتیوں کے ساتھ شاہی نواڑہ پر گولہ باری شروع کر دی، اور قریب تھا کہ شاہی بیڑہ کو شکست ہو جائے کہ میر جملہ نے تین کروہ پر رات کو توپوں کی گرج سنی، اس نے فوراً ایک فوجی سردار محمد مومن کو مدد کے لئے روانہ کیا، وہ پہاڑی راستوں میں ادھر ادھر بھٹکتا ہوا اپنے سواروں کے ساتھ موقع پر پہنچ گیا، اور پہونچتے ہی دشمن کو فریب دینے کے لئے کرناچی کو کرنا بجانے کا حکم دیا، فریق ثانی کو یقین ہو گیا کہ بڑی فوج مدد کے لئے آ پہونچی ہے، پھر ان کی ہمت ایسی پست ہوئی کہ فاتح ہو کر مفتوح ہو گئے، اور چار کشتیاں چھوڑ گئے جن میں بڑی بڑی توپیں بھی تھیں۔

گھر گانوں پھر بھی دور تھا، اور وہ رکھو نامی ندی پر واقع تھا جس میں پانی اتنا کم تھا کہ شاہی نواڑہ وہاں پہونچ نہیں سکتا تھا، اس لئے بڑی بڑی کشتیاں لکھو گڈھ میں چھوڑ دی گئیں اور

لکھو گڈھ سے آگے ایک جگہ پر قبضہ کیا، جہاں آسامیوں نے نواڑہ کا ایک کارخانہ بنا رکھا تھا، یہاں ایک سو بڑی کشتیاں قبضہ میں آئیں، گوہاٹی سے پچھتر کوس کے فاصلہ سے کھڑ گاؤں تھا، لیکن شاہی لشکر ساڑھے چار مہینے کے طویل عرصہ میں یہاں پہنچا، راجہ نے کھڑ گانوں چھوڑا تو اپنی توپیں اور رہکلے تالابوں اور ندیوں میں ڈبو دیئے اور ہاتھی جنگلوں میں چھوڑ دیے، لیکن شاہی لشکر نے توپیں اور رہکلے پانی سے نکالے اور جنگل سے ہاتھی پکڑے، اُن کے علاوہ تین لاکھ روپیے کے سونا اور چاندی بھی ان کے ہاتھ لگے، اور عالمگیر نامہ کے مصنف کے اس بیان کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس تمام مہم میں مذکورۂ بالا ہاتھیوں کے علاوہ چھ سو پچھتر توپیں بھی ملیں جن میں سے ایک اتنی بڑی تھی کہ اس میں تین من کے قریب گولہ پڑتا تھا، دو ہزار تین سو سینتالیس زنبورک، بارہ سو رام جنگ اور چھ ہزار پانسو ستاون بندوقیں، پانچ ہزار من بارود کے دو ہزار صندوق، سات ہزار اٹھائیس ڈھالیں، بے حساب لوہے، سیسے اور گندھک، ایک ہزار جنگی کشتیاں، اور ایک سو بیس راجہ کی سواری کی کشتیاں ہاتھ آئیں، اس بیان کو پڑھکر اندازہ ہوتا ہے کہ آسامیوں کی فوجی اور حربی قوت مغلوں سے کم نہ تھی، اور انھوں نے اسی کی بدولت انکا مردانہ وار مقابلہ کیا،

میر جملہ نے کھڑ گانوں پر فیصلہ کر کے جابجا جنگی چوکیاں اور تھانے قائم کئے، بہادر آسامیوں نے میر جملہ کی فتح کے باوجود اپنی شکست تسلیم نہیں کی، اس لئے جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل کر ان چوکیوں اور تھانوں پر حملہ کرتے رہے کہ برسات شروع ہوگئی، آسام کی برسات اور کثرت بارش مشہور ہے، اس لئے میر جملہ نے اپنے توپخانہ کے سردار میر مرتضےٰ اور راجہ امر سنگھ ہاڈا کو کھڑ گاؤں میں چھوڑ کر خود متھرا پور منتقل ہوگیا جو تین چار کوس کے فاصلہ پر تھا، مگر برسات میں جب ہر جگہ پانی ہی پانی ہوگیا، تو آسامیوں کے حملے تیز ہو گئے، اور انھوں نے کثر مقامات پر قبضہ کر کے لکھو گڈھ اور گج پور کے درمیان والے دریا دھنگ کے کنارے جابجا مورچے بنائے اور رسد پہونچنے کا راستہ روک لیا، میر جملہ کو خبر ہوئی تو اُس نے راستہ کھولنے کے لئے کچھ فوج دریا کے کنارے کنارے سرانداز خاں ازبک کی نگرانی میں دو

کچھ نواڑہ کے ذریعہ محمد مراد بیگ کی ماتحتی میں روانہ کی لیکن دونوں میں تعاون نہ ہوسکا، اس لئے محمد مراد بیگ کو بری فوج سے الگ پاکر آسامیوں نے اس کی فوج پر چھاپا مارا، اور ساری کشتیوں پر قبضہ کرلیا، اور انھوں نے بڑھ کر کھڑ گاؤں کے صدر لشکر پر بھی حملے شروع کردیئے، رسد پہونچنے کا راستہ مسدود رہا، اور آسامیوں کے حملوں کا زور بڑھتا گیا، میر جملہ کی بھی تمام تدبیریں جاری تھیں وہ رسد کی فراہمی کے لئے راستہ کھولنا چاہتا تھا، اس لئے ایک فوج فرہاد خاں، راجہ سجان سنگھ اور قراول خاں جیسے سرداروں کی معیت میں پھر بھیجی، وہ کچھ دور تو متلاطم نالوں اور خندقوں کو پار کرتی ہوئی آگے بڑھی لیکن سیلاب کی وجہ سے مجبوراً پیچھے پلٹی لیکن آسامیوں نے پیچھے بھی عمیق نہریں کھود کر اس کا راستہ روک دیا، اور جب یہ فوج اس طرح نرغہ میں آگئی تو فریق ثانی کی جنگی کشتیوں نے ان پر توپ و تفنگ کے گولے برسانے شروع کئے، شاہی فوج اب نہ آگے جا سکتی اور نہ پیچھے ہٹ سکتی تھی، فرہاد خاں نے ہمت سے کام لیا، اور ایک آل پر جو اس نواح میں تھی، اپنی فوج کو لے کر جا چڑھا، جہاں وہ ایک ہفتہ تک پھنسا رہا، کھانے کی کوئی چیز باقی نہیں رہی تو بیل اور مویشی ذبح کر کے لشکریوں نے کھانا شروع کیا، بالآخر فرہاد خاں کی ایک جنگی تدبیر کام آگئی، آسامی اس کے راجپوت سواروں کی طرف بڑھے تو اس نے راجپوتوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا، آسامی آگے بڑھتے چلے آئے یہاں تک کہ ان کی جنگی کشتیاں جو دریائے دھنگ میں تھیں، بہت دور پیچھے رہ گئیں، اس موقع سے فائدہ اٹھا کر فرہاد خاں نے مڑ کر آسامیوں پر ایک بہت ہی پرزور حملہ کیا، جس کی وہ تاب نہ لاسکے، اور وہ شکست کھا گئے، ان کی کچھ کشتیاں بھی فرہاد خاں کے قبضہ میں آئیں جن کو بانس، کیلے اور گھاس سے باندھ کر ایک جنگی نواڑہ بنایا، اور ان پر جری اور بہادر سپاہیوں کو بٹھا کر طلوع آفتاب سے پہلے غنیم پر اچانک حملہ کیا، آسامی اس اچانک حملہ کو روک نہ سکے، اور وہ بھاگے، تو ان کی اکتالیس کشتیاں فرہاد خاں کے ہاتھ آئیں، ان ہی کشتیوں کے ذریعہ فرہاد خاں اپنے لشکریوں کو

ندی اور نالے عبور کرتا ہوا خانخاناں میر جملہ سے آملا،

لیکن اس کے بعد اتنی شدید بارش ہوئی کہ تھانوں اور چوکیوں تک پہونچنا مشکل ہوگیا، میر جملہ نے اپنی تمام فوج کو ملا کر گھر گاؤں اور متھرا پور میں سمیٹ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اور باقی تمام مقامات پر آسامیوں کا از سرِ نو تسلط ہوگیا، اور آسام کا راجہ قلعہ سولہ گڑھی میں آگیا، جو گھر گاؤں سے چار منزل پر واقع تھا، اور اس کے نائب بھوکن نے متھرا پور میں دریائے دھنگ کی ایک معاون ندی کے پاس اپنی مدافعت کے لئے ایک ایسی دیوار بنائی جس کی تفصیل پڑھ کر حیرت ہوتی ہے، یہ دیوار تیس کوس تک لمبی تھی، اس کا ایک سرا پہاڑ سے اور دوسرا دریائے دھنگ سے ملا ہوا تھا، اور بڑی مضبوط تھی، اور آسامیوں نے ایک قلیل مدت میں تیار کرلی، اسی طرح متھرا پور کے نزدیک دوسری جانب چارانگ کے راجہ نے ایک دوسرا مورچہ بنایا، ان مورچوں سے آسامیوں نے گھر گاؤں پر ایسے متواتر حملے کئے کہ شاہی فوج کے سرداروں کی طرف ذرا بھی کوتاہی ہوتی، تو وہ مغلوب ہو جاتی، آسامیوں کے حملوں کے ساتھ بارش کی شدت بھی جاری رہی، جس سے لشکر میں وبا پھیل گئی، رسد کی بھی قلت تھی، بیل کے گوشت پر فوج کا گزارہ ہو رہا تھا، یہ گوشت بھی یا تو پانی میں جوش دے دیا جاتا، یا اسی کی چربی میں بھون لیا جاتا، یا کبھی لیموں اور نارنگیوں سے منہ کا ذائقہ بدل لیا جاتا، بھوکی اور بیمار فوج رات کو مشکل سے سونے پاتی لیکن تمام سرداروں اور سپاہیوں نے ساری مصیبتوں کو بڑی ہمت اور پامردی سے برداشت کیا، اور چھ مہینے کے بعد خشکی اور تری دونوں راستوں سے گھر گاؤں میں رسد پہونچی تو قحط کی مصیبت دور ہوئی، برسات ختم ہونے پر آسامی اونچے اونچے پہاڑوں پر جا چڑھے، تو میر جملہ نے اپنی فوج کی از سرِ نو تنظیم کی، اور اس نے آسامیوں کے مورچے پر یورش کرکے ان کو پھر سے قبضہ کرنا شروع کیا، تو یکایک وہ بیمار پڑا، لیکن اس مرض الموت میں بھی اس کی ہمت عالی اور حسن تدبیر میں کمی نہیں ہوئی، مگر اس کے فوجی سردار بارش، قحط اور بیماری سے تنگ آچکے تھے،

اس لئے جب آسامیوں کی طرف سے صلح کی پیشکش ہوئی تو قبول کرلی گئی، صلح کرکے میر جملہ اپنی بیماری کی حالت ہی میں کوہستان نامروپ سے بنگال کی طرف مراجعت کی، منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا لکھوگڈھ پہونچا، جہاں دلیر خاں کی نگرانی میں کچھ فوج چھوڑ کر گوہاٹی کی طرف چل پڑا، اور یہاں سے دامن کوہ کے راستہ سے کوچ کیا، اور دریائے کلنگ سے اتر کر قلعہ کجلی کے نیچے مقیم ہوا، اور وہاں سے کوچ کرکے دریا پار قصبہ گوہاٹی کے محاذی موضع ناندو میں اترا، اور ضروری امور کا انتظام کرکے موضع ناندو سے کشتی میں بیٹھ کر بری تلا پہنچا، جو کوچ بہار میں واقع تھا، یہاں اس کا مرض بہت بڑھ گیا، اور اپنی زندگی کی امید نہیں دیکھی، تو عسکر خاں کو کوچ بہار کی تسخیر کے لئے مامور کرکے خضر پور کو کوچ کیا اور دو کوس آگے بڑھا ہوگا کہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملا،[۵]

آسام کی مہم ایک سال تک جاری رہی، اس پوری مہم میں میر جملہ نے وہ تمام اوصاف دکھائے جو ایک بہترین فوجی سردار میں ہونا چاہئے، چنانچہ مآثر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ وہ فوجی سرداروں میں اپنی متانت، وقار، دوربینی، دانائی، بہادری، دلیری، کشور کشائی، اور سربراہی میں یکتا اور بے نظیر تھا، برنیر نے لکھا ہے کہ آسام کی مہم ...... کم لیاقت سردار کے ماتحت ہوتی تو بنگالہ کو واپس آنا مشکل تھا کیونکہ رسد بہت مشکل سے بہم پہونچتی تھی، راستہ میں دلدل بہت کثرت سے تھی، سپاہ جلد جلد کوچ نہیں کرسکتی تھی، اور راجہ جیتی کے ساتھ پیچھے لگا چلا آتا تھا، مگر میر جملہ اپنی غیر معمولی ہوشیاری سے لشکر کو ایسے ڈھنگ سے ہٹا لایا کہ اس کے حسن تدبیر کی اور بھی دھوم مچ گئی اور مال و دولت بھی خوب ساتھ لایا، اور واپس آتے ہی قلعہ آذو کو خوب مستحکم کرکے ایک جرار سپاہ وہاں اس غرض سے چھوڑ آیا کہ اگلے برس کے شروع میں برسات سے پہلے پہلے پھر چڑھائی کی جائے لیکن یہ نامی سردار مرض حبشی سے جو اس کے لشکر میں بھی پھیل گیا تھا، مرگیا، اور جیسا کہ ہونا چاہئے تھا،

---

[۵] عالمگیر نامہ ص ۷۳۶ - ۷۷۶ -

اس کی وفات سے تمام ہندوستان میں تہلکہ پڑ گیا،[1]

میر جملہ کی محنت اور جانفشانی کا اندازہ اس سے بھی ہوگا کہ آسام کی مہم میں دریائے بناس میں ایک بڑی توپ گر گئی، اس کا نکالنا آسان کام نہ تھا، لیکن جہاں پر توپ گری تھی میر جملہ نے وہاں پر بناس کے ساحل کو کاٹ کر اس کا پانی بہ ہیترین منتقل کر دیا، اور پھر جر ثقیل سے توپ کو پانی سے نکال لیا،[2]

سیواجی کے بحری بیڑے

عالمگیر ہی کے عہد میں سیواجی نے جنجرہ کے حبشیوں سے برابر بحری ٹکر لی، کچھ حبشی جو سیدی کہلاتے تھے، جنجرہ میں آئے، تو رفتہ رفتہ انھوں نے اس کو اپنی کالونی بنائی اور بیجاپور کے حکمرانوں کی اجازت لے کر اس جزیرہ کا نظم و نسق بھی کرنے لگے، وہ بڑے محنتی، جفاکش، بحری راستوں اور دریائی لڑائیوں کے ماہر تھے، وہ جانباز ہونے کے ساتھ مزاج میں برودت بھی رکھتے، اور سپہگری سے بھی اچھی طرح واقف تھے، اس لئے سپاہی اور ناظم سلطنت کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، جنجرہ میں ان کے پاس بڑا اچھا بحری بیڑہ تیار ہو گیا تھا، سیواجی کا سیاسی عروج ہوا، تو وہ جنجرہ جیسے پڑوسی مقام پر ایک بیرونی قوت کو اپنے لئے خطرہ سمجھتا رہا، لیکن سیدیوں نے پہلے تو بیجاپور کی حمایت حاصل کی، اور جب بیجاپور کی سلطنت ختم ہو گئی تو اورنگ زیب کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لیا، اور ان کے سردار کا خاندانی خطاب یاقوت خاں ہو گیا، اورنگ زیب بھی سیواجی کے خلاف ان کی پوری مدد کرتا رہا،[3] سیواجی نے سیدیوں کے مقابلہ کے لئے چار سو کشتیوں اور جہازوں کا ایک بڑا تیار کر رکھا تھا، ان بیڑوں کے سردار دریا سارنگ اور میاں نایک کہلاتے تھے، اور یہ دونوں غالباً مسلمان تھے، میاں نایک کا نام تو اس قیاس کی تائید کرتا ہے، سیواجی کی بحری فوج کے سردار دولت خاں کا نام تو برابر آتا ہی، یہ غالباً سیدیوں میں سے تھا، جو ان سے ٹوٹ کر سیواجی سے مل گیا تھا، سیواجی ۱۶۶۳ء سے ۱۶۸۰ء

---

[1] سفرنامہ برنیر ص ۲۹، اردو ترجمہ [2] عالمگیر نامہ ص ۰۰، [3] تفصیل کے لئے دیکھو منتخب اللباب از خافی خاں جلد دوم ۲۲۵-۲۲۸ و ۲۵۳-۵۴،

تک برابر سیدیوں سے جنگ کرتا رہا جو اس کے مرنے کے بعد سنبھاجی کے عہد میں بھی جاری رہی، سیواجی انگریزوں اور پرتگیزیوں سے بھی مغربی ساحل پر جنگ کرتا رہا لیکن مغربی قوموں کے بحری بیڑے ہندوستان کے مغلوں اور مرہٹوں کے بحری بیڑوں سے زیادہ طاقت ور ثابت ہوئے، ان دونوں کو بحری جنگ کم لڑنی پڑتی تھی، اس لئے وہ اپنی بری فوج کو جتنی زیادہ مضبوط بنا سکتے تھے، بحری فوج کو اتنی طاقتور نہ بنا سکے[1]، اسی لئے انگریز، پرتگالی، فرانسیسی اور ولندیزی ہندوستان میں قدم جماتے چلے گئے لیکن جہاں تک اندرونی بحری لڑائیوں کا تعلق ہے، ان کے لئے مغل حکمراں بنگال اور سندھ میں جو بیڑے تیار رکھتے تھے، وہ اس زمانہ کے لحاظ سے قابل قدر سمجھے جا سکتے ہیں، اور ان کے بحری کارنامے نظر انداز نہیں کئے جا سکتے، یہ ضرور ہے کہ وہ ناگزیر حالات میں بحری لڑائیاں لڑتے، اس لئے موجودہ دور کی طرح ان کی بحری فوج کی تعلیم و تربیت الگ نہیں ہوتی، بلکہ ضرورت کے وقت بری فوج بحری فوج میں منتقل ہو جاتی تھی، اور وہ محض اپنی پامردی، دلیری اور جانبازی کی وجہ سے دریا میں اپنے وہی جوہر دکھاتے جو میدان جنگ میں دکھا سکتے تھے،

---

[1] سیواجی کے بحری لڑائیوں کا ذکر سیواجی اینڈ ہز ٹائمس از جدوناتھ سرکار میں ملے گا، دیکھو ص ۸، ۲۵۵،

تنخواہ

تنخواہوں کا نظام مختلف دور میں مختلف رہا، قدیم ہند میں ہندو راجہ اپنی فوج کو نقد تنخواہ بھی دیا کرتے تھے، مثلاً چندر گپت موریا کے سیناپتی کی تنخواہ اڑتالیس ہزار، پن پرا ساتہ کی ۲۴ ہزار، نایک کی بارہ ہزار اور مکھیا کی آٹھ ہزار تھی،[1]

غزنوی نظام | محمود غزنوی بھی اپنی فوج کو نقد تنخواہ دیا کرتا تھا، کیونکہ اس کے حالات میں کہیں ممالکِ مفتوحہ کو امراء پر تقسیم کرنے اور فوجوں کو اراضی دے کر کام لینے کا ذکر نہیں ملتا، اس کے علاوہ اس کی فوج میں دور دراز مقامات مثلاً ترکستان، خراسان، ماوراء النہر اور خود ہندوستان سے لوگ آکر بھرتی ہوتے تھے، جو یقیناً نقد رقم اپنی تنخواہ میں لینا پسند کرتے ہوں گے،

شمسی بلبنی نظام | ملوک سلاطین کے عہد میں جاگیروں ہی کا رواج تھا، شمس الدین التمش نے دو ہزار سواروں کو دوآبہ کی زمین تنخواہ کے بدلے دیدی تھی، ان سواروں نے ان جاگیروں کو موروثی بنا لیا تھا، ان میں سے بعض تو مر گئے تھے، اور بعض جنگی خدمات انجام دینے کے لائق مطلق نہ رہے تھے، پھر بھی جاگیروں پر وہ یا ان کی اولاد قابض تھی، غیاث الدین بلبن نے ان بے اعتدالیوں کو پسند نہیں کیا، اس لئے ان اقطاع داران شمسی کی تین قسمیں مقرر کیں، اول جو پیرانہ سالی کے سبب کسی کام کے نہیں رہے تھے، ان کی تنخواہ چالیس یا پچاس ٹنکے مقرر کی، اور ان کی جاگیروں کو خالصہ میں

---

[1] چندر گپت موریا اینڈ ہز ٹائمس از رادھا کمود مکرجی ص ۱۶۰

داخل کرلیا، دوم جو اقطاع دار جوان اور آدھیڑ تھے، اُن کی تنخواہ حسبِ استعداد مقرر ہوئی، مگر جاگیر اُن سے واپس نہیں گئی، تنخواہ ادا کرنے کے بعد جو آمدنی پس انداز ہوتی، وہ شاہی اہل کاروں کے سپرد ہوتی تھی، قسم سوم یتیموں اور بیواؤں کی تھی، جو اپنے غلاموں کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے ساتھ جنگی خدمات کے لئے بھیجا کرتے تھے، اُن سے جاگیر واپس لے لی گئی، اور بیواؤں اور یتیموں کی تنخواہ مقرر ہوئی اس حکم کا جاری ہونا تھا کہ شمسی اقطاع داروں میں کھلبلی پڑگئی، انھوں نے ہر ممکن صورت سے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اور آخر کار ملک الامراء فخر الدین کوتوال کی وساطت سے سلطان سے یہ حکم منسوخ کرایا[۱]، بلبن اپنے محافظ سواروں کو تنخواہیں نقد ہی دیا کرتا تھا[۲]،

علائی نظام علاء الدین خلجی کے زمانہ میں فوجی تنظیم بہت باضابطہ کی گئی، تاتاریوں کے متواتر حملوں سے ہندوستان کی سلطنت معرضِ خطر میں تھی، ان بیرونی حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے علاء الدین نے اپنی فوج کی از سر نو تنظیم کی، پائے تخت اور دوسرے مقامات میں بہت سے قلعے اور جنگی مورچے تعمیر کئے، چار لاکھ پچھتر ہزار سواروں کی ایک جرار فوج مرتب کی، ان سواروں کے لئے کثیر مصارف کی ضرورت تھی، اس لئے خاص طور پر یہ انتظام کیا کہ فوج والوں کو جو تنخواہ دی جائے، اس میں وہ آسانی سے گزارہ کرسکیں، چنانچہ کھانے پینے اور تمام ضروریات کی چیزوں کے سرکاری نرخ مقرر کئے گئے، نرخوں کی اس تعیین سے فوج والے اپنی قلیل تنخواہ میں بھی آسانی سے زندگی بسر کرلیتے تھے، عام طور سے درجہ اول کے سواروں کو ۲۳۴ ٹنکے، درجہ دوم کو ۱۵۶ ٹنکے، اور درجہ سوم کو ۷۸ ٹنکے ملا کرتے تھے، جو سوار ایک سے زیادہ گھوڑا رکھتا تھا، اس کو کچھ ٹنکے سالانہ زیادہ ملا کرتے تھے، مثلاً ۲۳۴ ٹنکے پانے والوں کو ۷۸ ٹنکے زیادہ ملا کرتے تھے[۳]، اتنی کم تنخواہ میں اتنی زیادہ فوج کسی عہد میں جمع نہیں ہوئی تھی، علاء الدین[۴]

---

۱ برنی ص ۶۱ ۲ برنی ص ۳۰ ۳ برنی ص ۳۱۹، فرشتہ ص ۱۱۵،

۴ برنی ص ۳۰۴،

فوجی سپاہیوں اور سرداروں کو جاگیریں نہیں دیا کرتا تھا، وہ جاگیر کو بغاوت اور سرکشی کا ذریعہ سمجھتا تھا[1]،

تغلقوں کا نظام غیاث الدین تغلق بھی تنخواہوں میں نقد رقم ہی دیا کرتا تھا، مگر اسکی نگرانی کرتا کہ لشکریوں کو تنخواہ تقسیم کرتے وقت رقم کم نہ دیجائے[2]،

لیکن سلطان محمد تغلق کے عہد میں خان، ملک اور سپہ سالار کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں، لشکر کا سب سے بڑا عہدہ دار خان، پھر ملک اور امیر انکے بعد سپہ سالار ہوتا تھا، مسالک الابصار کا مصنف لکھتا ہے کہ ان افسروں کو عراق جیسی ایک بڑی جاگیر دیدی جاتی تھی، ہر خان کو دولاکھ ٹنکے کی جاگیر ہر ملک کے لئے پچاس ہزار سے لے کر ساٹھ ہزار ٹنکے کی جاگیر مقرر تھی، ہر امیر کے لئے تیس ہزار سے لے کر چالیس ہزار تک کی جاگیر اور ہر سپہ سالار کے لئے بیس ہزار یا اس سے کچھ ٹنکے کی جاگیر مقرر تھی، چھوٹے عہدیدار اور سپاہی کو پانچ سو ٹنکے سے لے کر دس ہزار ٹنکے دیے جاتے تھے، اس کے علاوہ سلطان کی طرف سے ہر سپاہی کو کھانا کپڑا، اور گھوڑوں کے سازوسامان کے لئے بھی مزید ٹنکے ملتے تھے،

فیروز شاہی نظام فیروز شاہ کے عہد میں جاگیر اور تنخواہ دونوں کا رواج تھا، چنانچہ خانجہاں کو جو اقطاع اور پرگنے ملے تھے، اُن کی آمدنی تیرہ لاکھ ٹنکے تھی، اس کے علاوہ اس کی فوج اور اولاد کی تنخواہیں اور وظیفے الگ مقرر تھے، خان، ملک اور امیر کو اُن کی لیاقت کے مطابق مشاہرہ ملتا تھا، کسی کو آٹھ لاکھ کسی کو چھ لاکھ کسی کو چار لاکھ، وجہ دار لشکر کو اتنی زمین دی جاتی تھی کہ اس کی آمدنی سے وہ فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے، غیر وجہ دار سپاہیوں کو خزانۂ شاہی سے نقد تنخواہ ملتی تھی، اور جن سپاہیوں کو اس طرح مشاہرہ ملتا تھا، ان کا مشاہرہ اقطاعات کی آمدنی پر مقرر کیا جاتا تھا جب وجہ دار سپاہیوں کا اطلاق اقطاع پر ہوتا، تو وہ اقطاع دار سے زمین کی آمدنی کا نصف وصول

---

[1] عفیف ص ۹۵ [2] برنی ص ۴۴۳ - ۴۳۸،

کرتے، اس زمانہ میں بعض آدمی ان اطلاقات کو خرید لیتے تھے، وہ ایک تہائی سپاہیوں کو ادا کرتے، اور بقیہ خود لے لیتے، اس سے طرفین کو فائدہ ہوتا تھا، بہت سے خریدار اس طرح اطلاق کے خرید نے سے بڑے مال دار ہو گئے تھے، اور یہ ایک پر منفعت تجارت ہو گئی تھی[۱]،

فیروز شاہ نے اپنی خدا ترسی کی بنا پر یہ قانون بھی وضع کیا تھا کہ اگر کوئی فوجی مرجائے تو اس کی وجہ معاش اس کے فرزند کو منتقل کر دی جائے، اور اگر اس کے اولاد نرینہ نہ ہو، تو داماد وارث ہو، اگر لڑکا اور داماد بھی نہ ہوں تو متوفی کا غلام اس کا وارث قرار دیا جائے، اور اگر غلام بھی نہ ہو تو اس کے دوسرے اعزہ وارث تسلیم کئے جائیں، اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو متوفی کی عورتوں کو حق پہونچے، اس قانون سے لشکریوں اور ان کے خاندان والوں کو جو اطمینان اور سکون حاصل ہوا، اس کو شمس سراج عفیف نے بہت سراہا ہے[۲]، ٹھٹھ کی مہم میں کونچی رن میں بھوک پیاس سے بہت سے لشکری ہلاک ہو گئے، تو فیروز شاہ اُن کی تنخواہیں قائم رکھ کر اُن کو ورثا کو دیتا رہا[۳]،

لودیوں کا نظام لودیوں کے عہد میں بھی فوجی امراء کو جاگیریں ملا کرتی تھیں، اُن کو حکم تھا کہ اپنے منصب کے مطابق سپاہی رکھیں، اور اُن میں کم و بیش نہ کریں لیکن لودی حکومت کے آخری عہد میں ان فوجی امراء نے حکومت کی کمزوری سے بے جا فائدہ اٹھانا شروع کیا تھا، انھوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ جس وقت ان کا ماہانہ مقرر ہوتا تھا، تو وہ لشکر بہت دکھاتے تھے، اور جب اُن کو جاگیریں مل جاتی تھیں، تو اکثر سپاہیوں کو جدا کر دیتے تھے، اور جن کو رکھتے بھی تھے، تو اُن کی تنخواہیں ادا نہ کرتے تھے، جب کبھی شاہی معائنہ ہوتا تھا، تو وہ ادھر اودھر سے باہر کے آدمیوں کو جمع کر کے دکھا دیتے تھے، چنانچہ جب وہ اپنی اس غیر منظم فوج کو میدانِ کارزار میں لاتے تھے، تو بجائے مفید ثابت ہونے کے اس کو شکست فاش ہوتی تھی، مگر ہزیمت سے اُن کو کوئی ذاتی نقصان نہ پہنچتا تھا، وہ

---

[۱] عفیف ۲۹۶-۹۷، [۲] ایضاً ص ۹۶-۹۷، [۳] ایضاً ص ۲۰۷،۲۵۲،

فوج درست کرکے جاگیردار بنجاتے تھے، اس لئے شاہی خاندان کے زوال سے اُن کی مالی حالت پر مطلق اثر نہ پڑتا تھا،[1]

شیرشاہی نظام | اس قسم کی بدعنوانیاں شیرشاہ کے زمانۂ حکومت میں بھی تھیں لیکن شیرشاہ ایک تجربہ کار اور ہوشمند حکمراں تھا، وہ امرا اور سپاہیوں کے مکروفریب سے اچھی طرح واقف تھا، اس لئے فوجی امرا کی ان چالاکیوں کو روکنے کے لئے اُس نے داغ کا قانون وضع کیا، وہ گھوڑوں پر اپنے سامنے داغ لگواتا تھا، اور داغ کے نشان کے بغیر کسی کو تنخواہ نہ دیتا تھا، یہانتک کہ خاکروبوں اور محل کی ملازماؤں کو بھی یہ داغ لینا پڑتا تھا، اس طرح فوجی امرا کا اپنے منصب کے سپاہیوں میں غیرسپاہیوں کو داخل کرنا قطعی طور پر بند ہوگیا، شیرشاہ سپاہیوں اور گھوڑوں کا چہرہ (Descriptive rolls) باضابطہ لکھواتا تھا، اور اسی حساب سے تنخواہیں تقسیم کرتا تھا، سپاہیوں کی تنخواہ خود اپنی زبان سے مقرر کرتا تھا تاکہ سپاہی کے حق میں امرا دست اندازی نہ کرسکیں، اس کا معمول تھا کہ وہ روز نماز اشراق کے بعد لشکر کا معائنہ کرتا تھا، امرا اور سپاہیوں سے پوچھتا تھا کہ کوئی ان میں سے بغیر جاگیر کے تو نہیں ہے، اگر کوئی ہوتا تو مہم سے پہلے اس کو جاگیر مل جاتی تھی اور اگر کوئی مہم کے وقت جاگیر کے لئے عرض کرتا، تو سزا پاتا تھا، پرانے سپاہیوں کی موجودات لیتا تھا، اور نئے سپاہیوں سے باتیں کرتا تھا، افغانوں سے افغانی زبان میں گفتگو کرتا تھا، ان میں جو کوئی فصاحت سے گفتگو کرتا، اور پھر اپنی کمان کھینچ کر تیر اندازی کی مہارت دکھاتا تھا تو اور سپاہیوں سے اس کو تنخواہ زیادہ دیتا تھا،[2]

انعام واکرام | لشکریوں کو انعام دینے کا رواج سلاطین دہلی کے عہد میں بھی برابر رہا، مثلاً علاء الدین فوج کو کبھی سال بھر یا چھ مہینے کی مزید تنخواہ دیدیا کرتا تھا،[3] علاء الدین خلجی کے بعد

---

[1] الیٹ جلد چہارم ص ۴۱۲ [2] تاریخ شیرشاہی از عباس خان بحوالہ الیٹ جلد چہارم ص ۴۱۳ [3] برنی ص ۲۴۸

قطب الدین خلجی تخت پر بیٹھا تو اس نے لشکر میں چھ مہینے کی تنخواہ بطور انعام تقسیم کیا[۵۱] فیروز شاہ تغلق جب ٹھٹھ کی مہم پر جانے لگا تو اس نے غیر وجہ دار سپاہیوں کو تنخواہ سے چار گنی رقم زیادہ انعام میں عطا کی[۵۲]

فیروز شاہ اپنے لشکریوں کے ساتھ بڑی لینت اور نرمی سے پیش آتا، جب وہ دور دراز مہم سے واپس آتے تو ان کو وطن جانے کی رخصت بہت آسانی سے دیدیتا، وہ دوسری بار ٹھٹھ کی مہم پر جانے لگا تو لشکری پہلی مہم کی صعوبتوں اور مشکلوں کو سوچ کر گھبرا گئے، اور ان میں سے اکثر ساز و سامان لیکر اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے، فیروز شاہ کو خبر ہوئی تو اس نے تمام منزلوں پر چوکیاں نصب کیں اور جو پکڑے گئے، تو عفیف کا بیان ہے کہ ان کو سزائے خسروانی یعنی قتل اور جلاوطن وغیرہ کے بجائے سزائے معنوی دی، یعنی ان کو تیر ملامت کا نشانہ بنایا[۵۳]

اکبری نظام اکبر نے فوج کی تنخواہوں کے سارے سابقہ نظام کا نقشہ بالکل بدل دیا، اور نئے نئے آئین بنائے، جو ردوبدل ہوتے ہوتے ایک خاص نظام ہو گیا، اس نے اپنی فوج کو ڈسیمل سسٹم پر چھیاسٹھ حصوں میں ترتیب دیا جو دہ باشی سے دہ ہزاری تک پہونچے تھے، اس منصب داری نظام کی تفصیل پہلے آچکی ہے، اس طرح فوجوں کو تقسیم کرنے کے بعد اکبر نے ہر منصب دار کی تنخواہ مقرر کی، اور اس کا نام تنخواہ ذات رکھا،

ابو الفضل نے آئین اکبری میں ہر فوجی عہدہ دار کا ماہانہ لکھا ہے، جو حسب ذیل ہے (جلد اول ص ۱۲۵-۱۳۰)

مناصب	ماہانہ		
	اول	دوم	سوم
دہ ہزاری	۶۰۰۰۰	۰	۰
ہشت ہزاری	۵۰۰۰۰	۰	۰

[۵۱] برنی ص ۳۸۲ [۵۲] عفیف ۱۹۳ [۵۳] عفیف ۲۲۶-۲۷،

مناصب	ماهانه		
	اول	دوم	سوم
هفت هزاری	۴۵۰۰۰	۰	۰
پنجهزاری	۳۰۰۰۰	۲۹۰۰۰	۲۸۰۰۰
چهار هزاری و نه صدی	۲۷۶۰۰	۲۷۴۰۰	۲۷۳۰۰
« هشت صدی	۲۷۶۰۰	۲۷۴۰۰	۲۷۳۰۰
« و هفت صدی	۲۶۸۰۰	۲۶۶۰۰	۲۶۵۰۰
« شش صدی	۲۶۴۰۰	۲۶۲۰۰	۲۶۱۰۰
« پانصدی	۲۶۰۰۰	۲۵۸۰۰	۲۵۷۰۰
« چهارصدی	۲۵۲۰۰	۲۵۰۰۰	۲۴۸۰۰
« سه صدی	۲۴۴۰۰	۲۴۲۰۰	۲۴۰۰۰
« دو صدی	۲۳۶۰۰	۲۲۴۰۰	۲۳۳۰۰
« یک صدی	۲۲۸۰۰	۲۲۴۰۰	۲۳۴۰۰
چهارهزاری	۲۲۰۰۰	۲۱۸۰۰	۲۱۶۰۰
سه هزار و نه صدی	۲۱۴۰۰	۲۱۲۰۰	۲۱۱۰۰
« هشت صدی	۲۰۸۰۰	۲۰۶۰۰	۲۰۵۰۰
« هفت صدی	۲۰۲۰۰	۲۰۰۰۰	۱۹۹۰۰
« شش صدی	۱۹۶۰۰	۱۹۴۰۰	۱۹۳۰۰

مناصب	ماهانه		
	اول	دوم	سوم
سه‌هزار و پانصدی	۱۹۰۰۰	۱۸۸۰۰	۱۸۷۰۰
« چهارصدی	۱۸۳۰۰	۱۸۰۱۴	۱۸۳۰۰
« سه صدی	۱۸۲۰۰	۱۸۰۰۰	۱۷۹۰۰
« و یک صدی	۱۷۸۰۰	۱۷۶۰۰	۱۷۵۰۰
سه‌هزاری	۱۷۰۰۰	۱۶۸۰۰	۱۶۰۷۰۰
دو هزار و نه صدی	۱۶۴۰۰	۱۶۲۰۰	۱۶۱۰۰
« هشت صدی	۱۵۸۰۰	۱۵۶۰۰	۱۵۵۰۰
« هفت صدی	۱۵۲۰۰	۱۵۰۰۰	۱۴۹۰۰
« ششصدی	۱۴۶۰۰	۱۴۴۰۰	۱۴۳۰۰
« پانصدی	۱۴۰۰۰	۱۳۸۰۰	۱۳۷۰۰
« چهار صدی	۱۳۶۰۰	۱۳۴۰۰	۱۳۳۰۰
« سه صدی	۱۳۲۰۰	۱۳۰۰۰	۱۲۹۰۰
« دو صدی	۱۲۸۰۰	۱۲۶۰۰	۱۲۵۰۰
« یک صدی	۱۲۴۰۰	۱۲۲۰۰	۱۲۱۰۰
دو هزاری	۱۲۰۰۰	۱۱۹۰۰	۱۱۸۰۰
هزار و نه صدی	۱۱۹۵۰	۱۱۳۵۰	۱۱۲۵۰
« هشت صدی	۱۱۶۵۰	۱۱۴۰۰	۱۱۳۰۰

مناصب	ماهانه		
	اوّل	دوم	سوم
هزار و هفت صدی	۱۱۲۳۵	۱۱۰۰۰	۱۰۸۰۰
״ ششصدی	۱۰۶۰۰	۱۰۴۰۰	۱۰۲۰۰
״ پانصدی	۱۰۰۰۰	۹۸۰۰	۹۷۰۰
״ چهارصدی	۹۶۰۰	۹۴۰۰	۹۳۰۰
״ سه صدی	۹۲۰۰	۹۱۰۰	۹۰۵۰
هزار و دو صدی	۹۰۰۰	۸۹۰۰	۸۸۰۰
״ یک صدی	۸۷۰۰	۸۵۰۰	۸۴۰۰
هزاری	۸۲۰۰	۸۱۰۰	۸۰۰۰
نهصدی	۷۷۰۰	۷۴۰۰	۷۱۰۰
هشت صدی	۵۰۰۰	۴۷۰۰	۴۴۰۰
هفت صدی	۴۴۰۰	۴۰۰۰	۳۸۰۰
ششصدی	۳۵۰۰	۳۲۰۰	۳۰۰۰
پانصدی	۲۵۰۰	۲۳۰۰	۲۱۰۰
چهارصدی	۲۰۰۰	۱۷۵۱	۱۵۰۰
سه صدی و پنجاهی	۱۴۵۰	۱۳۰۵۰	۱۳۵۰
سه صدی	۱۴۰۰	۱۲۵۰	۱۲۵۰
دو صدی و پنجاهی	۱۱۵۰	۱۱۰۰	۱۰۰۰

مناصب	ماہانہ		
	اول	دوم	سوم
دوصدی	۹۷۵	۹۵۰	۹۰۰
یکصد و پنجاہی	۸۷۵	۸۵۰	۸۰۰
صد و بست و پنج	۷۸۰	۷۶۰	۷۵۰
یوزباشی	۷۰۰	۶۰۰	۵۰۰
چہار بستی	۴۱۰	۳۸۰	۳۵۰
سہ بستی	۳۰۱	۲۸۵	۲۷۰
پنجاہی	۲۵۰	۲۴۰	۲۳۰
ترکش بند	۱۷۵	۱۶۵	۱۵۵
بستی	۱۳۵	۱۲۵	۱۱۵
دہ باشی	۱۰۰	۸۲	۷۵

ان منصب داروں کے علاوہ فوج کے مختلف آدمیوں کی مختلف تنخواہیں تھیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں،

تابنیان: تابنیان منصب داروں کے سوار ہوتے، پانچ سواروں کو چالیس ہزار دام سالانہ ملا کرتے تھے، یعنی ایک سوار کو ۸۰۰ دام ماہانہ ملتے، چالیس دام ایک روپیہ کے برابر ہوتا، اس لحاظ سے ایک سوار کی تنخواہ ۲۰۰ روپیے سالانہ یعنی ۱۶ روپیے دس آنے آٹھ پائی ماہانہ ہوتی، ایک سوار جو ایک سے زیادہ گھوڑا رکھتا، کچھ تنخواہ زیادہ پاتا، دو یا تین گھوڑوں والے سوار کو ۱۱۰۰۰ دام یعنی ۲۷۵ روپیے سالانہ (۲۲ روپیے ۱۴ آنہ ۸ پائی ماہانہ) ملتے، تابنیان کو منصب داروں سے تنخواہ

ملتی تھی، جو اپنے لئے ان تنخواہوں میں سے پانچ فی صدی وضع کر لیا کرتے تھے، تنخواہ عموماً چھ، پانچ اور چار ماہ پر ملتی تھی،

پیادگان، اُن کے چار حصے تھے، اوّل، دوم، سوم، چہارم، اول درجہ کے پیادگان کو پانچسو دام (۱۲ روپیے آٹھ آنے) دوم کو چارسو دام (دس روپے) سوم کو تین سو دام (سات روپے آٹھ آنے) چہارم کو دو سو چالیس دام (چھ روپے) ملتے تھے،[۱]

احدی، اُن کی تنخواہیں مختلف ہوتیں، چالیس روپے سے پانچسو ماہانہ سے زیادہ تک ہوتیں،[۲]

بندوقچی، بندوقچیوں کے سرداروں کی چار قسمیں تھیں، اوّل کو تین سو دام (۷ روپے ۸ آنے) دوم کو دو سو اسی دام (۷ روپے) سوم کو ۲۷۰ دام (۵ روپے ۱۲ آنہ) چہارم کو ۲۶۰ دام (۵ روپے ۸ آنے) ماہانہ ملا کرتے تھے، بندوقچی پانچ حصوں میں تقسیم تھے، اور ہر حصہ کی تین قسمیں تھیں، اوّل کو دو سو پچاس دام (چھ روپے چار آنے) دو سو چالیس دام (چھ روپے) دو سو تیس دام (پانچ روپے ۱۲ آنے) ملتے تھے، دوم کو دو سو بیس دام (پانچ روپے آٹھ آنے) دو سو دس دام (پانچ روپے چار آنے) اور دو سو دام (پانچ روپیے) ملا کرتے تھے، سوم کو ۱۹۰ دام (چار روپیے ۱۲ آنے) ۱۸۰ دام (چار روپے آٹھ آنے) ۱۷۰ دام (چار روپے چار آنے) ملا کرتے تھے، چہارم کو ۱۶۰ دام (چار روپئے) ایک سو پچاس دام (تین روپئے بارہ آنے) ایک سو چالیس دام (تین روپئے آٹھ آنے) پنجم کو ۱۳۰ دام (تین روپے چار آنے) ایک سو بیس دام (تین روپے) ایک سو دس دام (دو روپے بارہ آنے)

آئین اکبری میں بحری بیڑوں کے ملازموں کی حسب ذیل تنخواہیں لکھی ہیں:

ناخدا، ۴۰۰ روپے، تنڈیل معلّم ۲۰۰، تنڈیل ۱۲۰، کرانی ۵۰، ناخدا خشب ۳۰، سرہنگ ۲۵، سکان گیر، بھنڈاری ۱۵، خاروہ ۴۰، دیگ انداز ۱۲ روپیے،[۳]

---

[۱] آئین اکبری ص ۱۳۳ [۲] ایضاً [۳] آئین اکبری جلد دوم آئین ۲۶،

مناصب کی ماہانہ رقموں کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ تنخواہ ذات اور دواب شاہی کے مصارف کا مجموعہ ہیں، آئینِ اکبری میں جدول مناصب میں ہر ہر منصب کے ساتھ کچھ تعداد گھوڑوں، ہاتھیوں، اونٹوں، بیلوں، خچروں اور چھکڑوں کی بھی مندرج ہے، یہ منصب داروں کے خاصۂ لوازمہ نہ ہوتے تھے، بلکہ یہ شاہی چیزیں ہوتی تھیں، جو دوابِ شاہی کہلاتی تھیں، ابوالفضل نے اُن کی خوراک کی رقم کو بھی تنخواہ ذات کے ساتھ شامل کر دیا ہے، اس مصرف کی شمولیت کی وجہ سے منصبداروں کی تنخواہیں بہت بڑی معلوم ہوتی ہیں، حالانکہ وہ محض مناصب یا اربابِ مناصب کی ماہانہ تنخواہیں نہیں، آئینِ اکبری میں ہے،

"بہر یکے از امرا، حلقہا سپر دو دیدبانی فرمود کہ خورش از سرکار والا تنخواہ شود"

ایک دوسری جگہ ہے:

"چنانکہ ہر حلقہ بدیدبانی کہ از امرا باز گردد ہماں طور ہر فیل خاصہ بہ نیا قداری امیرے نامزد"

شمس العلماء مولوی عبدالرحمٰن صاحب دہلوی نے تحقیق کے بعد منصب داروں کی تنخواہ کا ایک اصول وضع کیا ہے، جو یہ ہے، منصب × ۲ + سوار × ۲ + رقم خوراک دواب = ماہانہ منصب وہ لکھتے ہیں:

"یہ فارمولہ میری گھڑت نہیں، اگرچہ ایسی گھڑت میں بھی کوئی عیب نہیں ہے، جو میزان امتحان میں پوری اتر جائے، مگر یہ ضابطہ خود ابوالفضل نے آئین منصب میں بیان کرتا ہے وہ لکھتا ہے، یوزباشی یا زدوگونہ باشد نخست آن کہ با وے صد سوار بودہ شد، ماہوارہ ہفصد روپیہ، یا زدہم آن کہ با وے سوارے نبود، پانصد روپیہ و نہ میانی را در سرِ دہ سوار بست روپیہ افزودہ گردد"

عبدالرحمن صاحب پھر لکھتے ہیں:

"جب یوزباشی باصد سوار ۰۰، پاتا تھا، اور یوزباشی داخلی کے سوار کو ۵۰۰ ملتے تھے تو نتیجہ یہ ہے کہ سواروں پر دو سو روپئے منصبدار کے حق ہوتے تھے یعنی فی سوار دو روپئے یہی نتیجہ دس سواروں پر بیس روپیہ سے نکلتا ہے، رہا خرچ دواب جب اس کو حساب کرکے نکالا تو ۳۰۳ روپئے نکلا، اس اضافہ یعنی ۳ روپیہ کو ذرا حساب سے خارج کر دیجئے، اور پھر دیکھیے کہ ہم نے جو ضابطہ بیان کیا ہے، وہ صحیح ہے، یا نہیں (منصب صد × ۲ + صد سوار × ۲ + خوراک دواب = ۰۰، یہی یوزباشی باصد سوار کا ماہوار ابوالفضل نے لکھا ہے) رہا تین، تیرہ کا خدشہ، اس قسم کی بیشی تقریباً ہر منصب کے ماہوارہ میں پائی جاتی ہے، اس نے مجھے بہت دنوں پریشان رکھا، اور آخر یہ معلوم ہوا کہ دواب کی خوراک کی رقم تحقیقی نہیں، بلکہ تقریبی ہوتی تھی، چنانچہ ضابطہ عالمگیری نام کی بیاض قلمی میں ہے،

"مبلغ کہ بناہر دواب بموجب حساب قرار می باید، آن را از تنخواہ وجہ طلب سراسری نمودہ بموجب تنخواہ در حصہ دواب می گیرند"

"یہ سراسری وہی لفظ ہے جسے ہم سرسری یا تقریبی کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم آئین میں دواب کا خرچ ہر منصب کا تقریبی پاتے ہیں،"

"رہا ضابطہ ماہانہ منصب وہ آئین کے مناصب کاملہ کے اعداد میں غور کرنے سے یہ نکلتا ہے کہ منصب × ۶ برابر ہے ماہانہ منصب کے، اور ماہانہ منصب × ۱۲، اس کا سالانہ ہے، پھر اس میں سے تنخواہ ذات کے نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ منصب کی سالانہ رقم کو دو دفعہ ۱۰/۱۲ کیجئے، منصب سالانہ تنخواہ ذات نکل آئے گی یہ ۱۰/۱۲ کا قاعدہ بلا استثناء، تمام مناصب کی تنخواہ ذات میں جاری ہوا ہے، اور ہو سکتا ہے اب یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ منصب × ۶ یعنی یہ چھ کہاں سے پیدا

ہوگیا.... منصب وسوار کی ہر ہر اکائی پر دو دو روپیہ خود ابوالفضل بناتا ہے، چار تو یہ ہو گئے، خوراکِ دواب جب مناصب کی نکالی تو ہر منصب کے دو چند سے زیادہ نکلی، اس زیادتی کے ساتھ ہم نے وہی عمل کیا، جو یوزباشی کی خوراک دواب کے ۳ روپوں کیساتھ کیا تھا، اس لئے یہ دو ان چاروں کے ساتھ مل کر چھ ہو گئے"[1]

تنخواہ دینے کے طریقے تنخواہ یا تو نقد یا جاگیر کی شکل میں ملتی تھی، سواروں کی تنخواہ منصبدار ادا کرتے تھے، پیادوں اور توپچیوں کو تنخواہ نقد ملتی تھی، یا اسی رقم کے برابر اُن کو کچھ جاگیر دیدی جاتی تھی، منصبداروں کو عموماً جاگیریں ملتی تھیں، اس سے جانبین کو بھی سہولتیں ہوتی تھیں، حکومت کی تنظیم مرکزی ہونے کے سبب دور کے علاقوں کی نگہداشت اچھی طرح ہو نہیں سکتی تھی، چنانچہ دور مقامات کی مالگذاری کی تحصیل جاگیرداروں کے حوالہ کردی جاتی تھی، منصبدار بھی جاگیر کو نعمت سمجھتے تھے، کیونکہ اول تو وہ تنخواہ کے معاملہ میں شاہی دربار کی رضا و رغبت سے مستغنی رہتے تھے، دوسرے پھر جاگیر کے حسنِ انتظام سے کافی رقم پس‌انداز کرلیتے تھے، منصبداروں کو جاگیر عموماً دارالسلطنت سے دور مقامات پر دی جاتی تھی، اگر جاگیر وسعت اور رقبہ میں بڑی ہوتی تھی، تو جاگیردار خود انتظام کرتے تھے، اور اُن کا علاقہ نیم خود مختار ہوتا تھا، اگر جاگیر چھوٹی ہوتی تو جاگیردار فوجدار کے حوالے کر دیتے تھے، جو مالگذاری وصول کرکے ان کو ادا کرتے تھے،

جاگیر یا تنخواہ حاصل کرنے کے طریقے جس رجسٹر میں فوج کے تمام مصارف کا اندراج ہوتا، اس کو توجیہ کہتے تھے، جس درخواست یا سند کے ذریعہ سے جاگیر یا تنخواہ ملتی، اس کو تعلیقہ کہا جاتا، اس کی تنقیح پورے طور پر کی جاتی، جب یہ پیش ہوتا تو عہدہ دار تعلیقہ اس کی پشت پر لکھتا کہ تنخواہ کی برآورد تیار کی جائے، اور حکام متعلقہ چہرہ نویسی کے لئے آمادہ رہیں، اس سلسلہ میں گھوڑے کی بھی چہرہ نویسی ہوتی، گھوڑے کی داغ اندازی کے بعد بخشی بزرگ تعلیقہ کو

---

[1] روداد ادارہ معارفِ اسلامیہ حصہ اول ص ۱۷۔ ۲۶۸،

اپنے پاس رکھ لیتا، اور اس کے عوض ایک تحریر دیتا جس میں ماہانہ تنخواہ کا اندراج ہوتا، اس پر بخشی دستخط کر دیتا، اور اپنی مہر لگا دیتا، اس تحریر کو سرخط کہا جاتا، جو تمام ماتحت بخشیوں کے دفاتر میں داخل ہو جاتے، اسی کی رو سے دیوان سالانہ اور ماہانہ تنخواہ کا حساب لگاتا، اور بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا، بادشاہ جائز دیدیتا، تو اس پر لکھ دیا جاتا کہ تعلیقہ تن یعنی تنخواہ کی سند تحریر کی جائے، یہ حکم تبکچی اپنے پاس رکھ لیتا، اور اسی مضمون کی ایک تحریر تیار کرتا جس کو دیکھ کر دیوان لکھتا کہ اس کو دفتر میں داخل کیا جائے، اور اس پر دیوان بخشی، اور مشرف دیوان کی مہریں لگا دی جاتیں، اور حاشیے پر شاہی عطیہ لکھ کر پھر دیوان کے پاس بھیج دیا جاتا، جو اس پر دستخط کر دیتا، اس کے بعد صاحب توجیہ تعلیقہ کو اپنے پاس رکھ لیتا، اور اس کو فرمان کی صورت میں لکھ کر دستخط کے ساتھ اپنی مہر لگا دیتا، اس کے بعد یہ فرمان مستوفی (اوڈیٹر جنرل) کے ملاحظہ کے لئے بھیج دیا جاتا، وہ اپنی مہر لگا دیتا، مستوفی کے بعد ناظر اور بخشی اپنی اپنی مہریں لگاتے، اور آخر میں اس پر دیوان، وکیل اور مشرف کی مہریں لگائی جاتیں،

اگر فرمان نقد تنخواہ کے متعلق ہوتا، تو اسی قسم کی کارروائی عمل میں لائی جاتی، البتہ اس فرمان کے لئے برأت کی اصطلاح استعمال کی جاتی، برات سال میں دو بار تیار کی جاتی، مشرف اس میں تنخواہ کے علاوہ گھوڑوں کے دانہ، گھاس وغیرہ کی قیمت، مقدار، جنس اور خدمت گاروں کی تنخواہ وغیرہ کی تمام رقمیں اندراج کر کے اپنی مہر لگا دیتا، اور یہ دیوان بیوتات کے پاس چلی جاتی، جو اس کی چھان بین کر کے اس کو مختلف مشرفوں کے پاس بھیج دیتا، مشرف ادائگی کا حکم لکھ کر اپنی مہر لگا دیتے، نقد ادائگی کی صورت میں چوتھائی رقم منہا کر لی جاتی، جس کے لئے دوسری سند دی جاتی، اس کے بعد برات پر صاحب توجیہ، مشرف، ناظر، دیوان بیوتات، دیوان کل، خانساماں، مشرف دیوان، اور وکیل اپنے اپنے دستخط کرتے اور مہریں لگاتے، ان کارروائیوں کے بعد شاہی مہر لگتی، اور مشرف اس کی رسید لکھتا جو مختلف دفاتر میں محفوظ کر لی جاتی[1]

---

[1] آئین اکبری جلد اول ص ۱۳۷-۳۸،

جرمانے | فوجی تہذیب میں اگر کسی قسم کی بے اعتدالی ہوتی، تو جرمانے کئے جاتے، جرمانے تین چیزوں پر ضرور عائد کئے جاتے (۱) تفاوتِ اسپ (۲) تفاوتِ اسلحہ (۳) تفاوتِ تابینان،

۱۔ تفاوتِ اسپ، اگر داغ کے وقت گھوڑوں کی نوعیت میں فرق ہوتا، تو ایک مقررہ رقم منصبدار کی تنخواہ سے کم کرلی جاتی تھی، مثلاً، ایک ترکی گھوڑے کے بجائے عراقی دکھلایا جاتا، تو بارہ روپئے ترکی کے بجائے "مجنّس" تو چھ روپے تا تازی کے بجائے ترکی تو آٹھ روپیہ، یابو کے بجائے ترکی تو نو روپے کم کرلئے جاتے، اسی طرح ترکی، یابو، تا تازی کے بجائے جنگلی گھوڑے دکھائے جاتے تو بارہ، دس اور آٹھ روپے علی الترتیب کم کرلئے جاتے،

۲۔ تفاوتِ اسلحہ، ملاحظہ کے وقت سواروں، سپاہیوں، ہاتھیوں یا گھوڑوں کے سازوسامان میں کسی قسم کی کمی ہوتی، تو جرمانے کئے جاتے تھے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

منصب	رقم جرمانہ مندرجۂ ذیل سامان نہ رہنے کے سبب														
	خود			بکتر			پاکھر			رانک			سہ اسپہ		
	روپیہ	آنہ	پائی	روپیہ	آنہ	پائی	روپیہ	آنہ	پائی	روپیہ	آنہ	پائی	روپیہ	آنہ	پائی
۴۰۰	۲	۰	۰	۵	۰	۰	۴	۰	۰	۲	۰	۰	۱	۰	۰
۳۵۰	۲	۰	۰	۴	۰	۰	۳	۱۲	۰	۱	۱۲	۰	۰	۱۵	۰
۳۰۰	۱	۱۲	۰	۴	۰	۰	۳	۸	۰	۱	۸	۰	۰	۱۴	۰
۲۵۰	۱	۸	۰	۳	۸	۰	۳	۴	۰	۱	۴	۰	۰	۱۳	۰
۲۰۰	۱	۰	۰	۳	۰	۰	۳	۰	۰	۱	۰	۰	۰	۱۲	۰

تفاوتِ تابینان | اسی طرح ملاحظہ کے وقت مقررہ تعداد سے سوار کچھ کم رہتے، تو بھی جرمانے عائد کئے جاتے تھے، چار مہینے کی تنخواہ سے ڈھائی روپئے، پانچ مہینے کی تنخواہ سے تین روپئے، چھ مہینے کی تنخواہ سے

چار روپئے، سات مہینے کی تنخواہ سے سات روپئے اور آٹھ مہینے کی تنخواہ سے ۸ روپئے حذف کر دیئے جاتے تھے،

توقفِ تصحیح | ایک مقررہ مدت کے درمیان شناخت (Verification .) نہ ہوتی، تو منصبداروں کی پوری اور احدیوں کی آدھی تنخواہ تخفیف کر لی جاتی،

گھوڑوں کی برطرفی اور ساقطی | جب سواروں میں سے کسی کے گھوڑے مر جاتے یا بیکار ہو جاتے، تو اُن کو ایک اسپہ اور دو اسپہ کی شرح سے رقم ادا کی جاتی یعنی اگر ایک سوار کا ایک گھوڑا مر جاتا، یا بیکار ہو جاتا تو اس کو ایک اسپہ کے حساب سے ادا کیا جاتا تھا، اور اگر اس کے دونوں گھوڑے بیکار ہو جاتے، یا مر جاتے تو اس کو ایک ماہ تک تنخواہ دیجاتی، اور اس کے بعد وہ کوئی گھوڑا بہم نہ کرتا، تو اس کی تنخواہ روک دیجاتی تھی،

اگر کسی احدی کا گھوڑا مر جاتا، تو منشی ایک ساقط نامہ لکھ دیتا تھا جس سے اس کی تنخواہ ملجاتی تھی، اور اگر اس کا گھوڑا صدر مقام سے دور نہیں مرتا، تو مردہ گھوڑے کے داغ کا نشان اور دم صدر مقام بھیج دی جاتی،

غیر حاضری | اگر کوئی سپاہی چوکی سے تین متواتر حاضریوں میں غائب رہتا، تو اس کی تنخواہ تخفیف کر دی جاتی، اور اگر چوتھی بار وہ حاضر نہ ہوتا، تو وہ معزول کر دیا جاتا، اور اس کی ساری تنخواہیں ضبط کر لی جاتی تھیں، رات کی ڈیوٹی یا جائزہ میں سے کوئی غائب رہتا تو ایک دن کی تنخواہ کاٹ لیجاتی، اور اگر شاہی معائنہ یا عیدین کے روز وہ غائب ہوتا تو اس کی آدھے دن کی تنخواہ جاتی رہتی،

بیماری | بیماری کے سبب چوکی سے تین بار غیر حاضری معاف کی جاتی تھی لیکن اس کے بعد تنخواہ روک لی جاتی تھی، اور ایک بیماری نامہ (میڈیکل سرٹیفکیٹ) طلب کیا جاتا تھا، جس کے بعد رخصت عطا کی جاتی تھی،

اگر کوئی اپنے کام سے رخصت لیکر جاتا، تو اس کو ایک مہینہ کی رخصت نصف تنخواہ کے ساتھ دیجاتی تھی، اور اگر وہ ایک مہینہ سے زیادہ دن رہتا، تو اس کو تنخواہ کا ۱/۵ یا ۱/۱۰ ادا کیا جاتا تھا، تین مہینے کی غیر حاضری کے بعد وہ مفرورین میں شامل کرلیا جاتا تھا، شادی یا غم کے موقع پر ایک سپاہی اپنی ڈیوٹی سے صرف ایک مرتبہ غیر حاضر ہوسکتا تھا، اور اگر کچھ زیادہ دیر ہوجاتی تو اس کی تنخواہ کاٹ لی جاتی تھی،

فراری | اگر کوئی لشکری سے تنخواہ لینے کے بعد فرار ہوجاتا تو اتنی رقم اس کے قبض (تنخواہ کا بل) کے حاشیہ پر لکھ لی جاتی تھی، اور اس کی ضمانت والی رقم سے وصول کرلی جاتی تھی، اگر ایک بندوقچی ایک افسر کی ملازمت چھوڑ کر دوسرے کے ماتحت چلا جاتا، تو اس کی نصف ماہ کی تنخواہ ضبط کرلی جاتی تھی، اور اگر یہ معلوم ہوجاتا کہ میر دہہ یا سزاول نے اس کو ورغلا کر اپنے یہاں ملازم رکھ لیا ہے، تو پھر ایسے افسروں کو خود جرمانے ادا کرتے ہوتے تھے،

فوتی | اس کے لئے مختلف قوانین مروج تھے، عموماً یہ ہوتا اگر کوئی فطری موت مرتا تو اس کے وارثوں کو ایک مہینہ کی تنخواہ ادا کی جاتی، اور اگر کوئی سرکاری خدمت انجام دیتے ہوئے مارا جاتا، تو اس کے وارثوں کو پورے مہینہ کی تنخواہ دی جاتی تھی، مگر اس کے لئے قاضی کے یہاں سے وارث نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا،[۵۱]

اکبر کے بعد جہانگیر اور شاہجہان کے عہد میں منصب داروں اور فوجوں کی تنخواہوں کا معیار تھوڑی سی کمی و زیادتی کے ساتھ قریب قریب یہی رہا[۵۲]، شاہجہانی عہد میں ایک سوار کی تنخواہ بیس روپے،

---

[۵۱] یہ تمام تفصیلات آئین اکبری میں موجود ہیں، اور نیز دیکھو، آرمی آف دی انڈین مغلز از ولیم ارون

[۵۲] تزک جہانگیری میں جہانگیر لکھتا ہے:

"بطریق عموم حکم کردم کہ مناسب جاگیر ہائے نوکران پدر من برقرار باشد بعد ازاں بقدر

تھی، دکن کی مہم کے زمانہ میں اُن کی تنخواہ گھٹا کر ۱۵۰ روپیہ تک کر دی گئی لیکن اورنگ زیب نے اس کے خلاف احتجاج کیا کہ اگر تنخواہ گھٹا دی گئی تو لشکری معاشی تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے خصوصاً جب دکن میں گھوڑوں کی قیمت بڑھ گئی ہے، شاہجہاں نے اورنگ زیب کے اصرار پر لشکریوں کی سابقہ تنخواہ برقرار رکھی،[۱]

عالمگیر کے زمانہ میں یوروپین سیاح برابر آتے رہے، انھوں نے عالمگیری فوج پر وضاحت کے ساتھ تبصرہ کیا ہے، منوکی نے فوجوں کی جو سالانہ تنخواہ اپنی کتاب میں درج کی ہے، وہ حسب ذیل ہے،

	اوّل	دوم	سوم
پنجہزاری	۲۰۵۰۰۰۰	۱۰۲۵۰۰۰	۶۸۰۶۳۰
چارہزاری	۲۰۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	۶۶۶۰۰
سہ ہزاری	۱۵۰۰۰۰	۷۵۰۰۰	۵۰۰۰۰
دو ہزاری	۱۰۰۰۰۰	۵۰۰۰۰	۳۳۳۳۳
ہکہزاری	۵۰۰۰۰	۲۵۰۰۰	۱۶۶۶۶
نہ صدی	۳۳۷۵۰	۱۶۸۷۵	۱۱۲۵۰

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۸) حالت ہر کس بر منصب ہائے ایشاں افزودہ از دہ دوازدہ کم نہ و تا دہ سی چہل اضافہ مقرر گشت و علوفہ جمیع احدیاں را از فرازدہ و پانزدہ و ماہیانہ کل شاگرد پیشہ دوازدہ فرمودم ...... و مدد معاش اہالی ائمہ ممالک محروسہ را کہ لشکر دعا اند یک قلم مطابق فرامین کہ داشتند برقرار و مسلم گذاشتم" (ص ۶ نولکشور)

[۱] آداب عالمگیری بحوالہ ہسٹری آف اورنگ زیب از جدوناتھ سرکاری جلد اول ص ۱۹۶ - ۱۹۷،

مناصب	اول	دوم	سوم
ہشت صدی	۳۰۰۰۰	۱۵۰۰۰	۱۰۰۰۰
ہفت صدی	۲۶۲۵۰	۱۳۱۲۵	۸۷۵۰
شش صدی	۲۲۵۰۰	۱۱۲۵۰	۷۵۰۰
پنج صدی	۱۸۷۵۰	۰	۶۲۵۰
چہار صدی	۱۵۰۰۰	۷۵۰۰	۵۰۰۰
سہ صدی	۱۱۲۵۰	۵۶۲۵	۳۷۵۰
دو صدی	۷۵۰۰	۳۷۵۰	۲۵۰۰
یک صدی	۳۷۵۰	۱۸۷۵	۱۲۵۰
چہار بستی	۳۰۰۰	۱۵۰۰	۱۰۰۰
سہ بستی	۲۲۵۰	۱۱۲۵	۷۵۰
دو بستی	۱۰۰۰	۷۵۰	۵۰۰

لیکن اروِن نے دستور الانشاء اور دستور العمل کے حوالہ سے اس عہد کی جو سالانہ تنخواہیں لکھی ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

مناصب	اول	دوم	سوم
ہفت ہزاری	۳۵۰۰۰۰	×	×
شش ہزاری	۳۰۰۰۰۰	×	×
پنج ہزاری	۲۵۰۰۰۰	۲۴۲۵۰۰	۲۳۵۰۰۰
چہار ہزاری و پنج صدی	۲۷۵۰۰۰	۲۱۷۵۰۰	۲۱۰۰۰۰

مناصب	اول	دوم	سوم
چہار ہزاری	۲۰۰۰۰۰	۱۹۲۵۰۰	۱۸۵۰۰۰
سہ ہزاری و پنج صدی	۱۷۵۰۰۰	۱۶۷۵۰۰	۱۶۰۰۰۰
سہ ہزاری	۱۵۰۰۰۰	۱۴۲۵۰۰	۱۳۵۰۰۰
دو ہزاری و پنج صدی	۱۲۵۰۰۰	۱۱۷۵۰۰	۱۱۰۰۰۰
دو ہزاری	۱۰۰۰۰۰	۹۲۵۰۰	۸۵۰۰۰
یکہزاری و پنج صدی	۷۵۰۰۰	۶۷۵۰۰	۶۰۰۰۰
یکہزاری	۵۰۰۰۰	۴۷۵۰۰	۴۵۰۰۰
نہ صدی	۳۷۵۰۰	۳۶۲۵۰	۳۵۰۰۰
ہشت صدی	۳۱۲۵۰	۳۰۰۰۰	۲۸۷۵۰
ہفت صدی	۲۷۵۰۰	۲۶۲۵۰	۲۵۰۰۰
شش صدی	۲۳۷۵۰	۲۲۵۰۰	۲۱۲۵۰
پنج صدی	۲۰۰۰۰	۱۸۷۵۰	۱۷۵۰۰
چہار صدی	۱۲۵۰۰	۱۲۰۰۰	۱۱۵۰۰

برنیر کا بیان ہے کہ عہدِ عالمگیری میں یک اسپہ سوار کو پچیس روپیہ اور دو اسپہ سواروں کو نسبتًہ کچھ زیادہ تنخواہ ملتی تھی، لیکن سواروں کو کم یا زیادہ دینا بہت کچھ امیروں کی فیاضی پر موقوف تھا، پیدل سپاہ کی تنخواہ بیس پندرہ یا دس روپیے ہوتی تھی، گولہ اندازوں کی تنخواہ بہت زیادہ تھی، خصوصًا فرنگی گولہ انداز بہت زیادہ تنخواہ پاتے تھے، اُن کی تنخواہ دو سو روپیے ماہوار تک ہوتی، مگر جب مغلوں کو اُن کی ضرورت نہیں رہی تو عالمگیر ان فرنگیوں کو مشکل سے نوکر رکھتا تھا، اور رکھتا بھی تو

بیس روپیہ سے زیادہ تنخواہ نہیں دیتا تھا،[۵۱]

مالِ غنیمت میں فوج کا حصہ

اسلام کا قانون یہ ہے کہ لڑائی میں مالِ غنیمت حاصل ہو تو اس میں سے ۱/۵ ریاست کا اور ۴/۵ لشکریوں کا حق ہوتا ہے لیکن ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے اس پر بہت کم عمل کیا، علاء الدین خلجی دیوگری سے چھ سو من سونا، سات من مروارید، دو من لعل، یاقوت، الماس، زمرد، ایک ہزار من چاندی، چار ہزار من ریشم، اور دوسرے قسم کے قیمتی کپڑے دہلی لایا لیکن یہ سب اسی کی ملکیت رہی، جس کو اُس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد شاہی خزانہ میں داخل کر دیا، جو اس کے جانشینوں کی فضول خرچی کے باوجود فیروز شاہ تغلق کے عہد تک بہت کچھ باقی رہ گیا تھا،[۵۲] لیکن علاء الدین خلجی ہی کے زمانہ میں جب الغ خاں اور نصرت خاں گجرات فتح کر کے واپس آرہے تھے تو اس کے لشکر نے خمس کا مطالبہ کیا اور بغاوت پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن یہ بغاوت بڑے ظلم کے ساتھ دبا دی گئی،[۵۳] اور جب فیروز شاہ نے اسلامی قوانین کا نفاذ کرایا، تو اُس نے یہ بھی حکم جاری کیا کہ غنیمت میں ریاست صرف ۱/۵ حصہ لیا کرے، اور جاجنگر کی مہم میں اس نے مالِ غنیمت میں سے ۴/۵ حصہ اپنے لشکر میں تقسیم کر کے اس قانون پر عمل کر کے بھی دکھا دیا، لیکن اس کے بعد یا مغلوں کے زمانہ میں اس کی پابندی بالالتزام نہیں ہوئی، گو اکبر نے بھی اپنے فوجدار کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ مالِ غنیمت تقسیم کرنے میں مساوات برتی جائے، اور کل مال کا پانچواں حصہ شاہی خزانہ میں داخل کیا جائے۔[۵۴]

---

۵۱ سفرنامہ برنیر اردو ترجمہ، گلزار ابراہیم پریس ص ۲۰۹ - ۹۰ ۵۲ برنی ص ۲۲۳، فرشتہ جلد اول ص ۱۹۶

۵۳ برنی ص ۲۵۱-۵۲، ۵۴ آئین اکبری جلد اول دفتر سوم آئین ۳-

بھرتی

سپہگری طرۂ افتخار غزنویوں، غلاموں اور خلجیوں کے زمانے میں فوجی بھرتی عارض ممالک کے ذریعہ ہوا کرتی تھی، یہ زمانہ سپہگری کا تھا، اس لئے زیادہ سے زیادہ اشخاص فوج میں بھرتی ہونا پسند کرتے، اور اپنے سپاہیانہ کارنامے دکھا کر نہ صرف اپنے لئے امتیازی شان پیدا کرتے، بلکہ اپنے نسلی، قبائلی، اور وطنی عزت و وقار کو بھی بڑھانے کی کوشش کرتے،

ذریعۂ معاش روزی کمانے کا بھی اچھا اور معقول ذریعہ سمجھا جاتا تھا، اس لئے جب اور جس وقت کسی بادشاہ کو ایک لشکر تیار کرنے کی ضرورت ہوتی تو بے شمار لشکری آسانی سے مل جاتے تھے،

جذبۂ جہاد اور جب کسی جنگ کے موقع پر لوگوں کے مذہبی جذبات ابھار دیئے جاتے تھے تو جہاد میں شرکت کرنے کی خاطر لوگ جوق در جوق فوج میں بھرتی ہو جاتے، محمود غزنوی کے ساتھ بہت سے ایسے لشکری تھے جو بلا تنخواہ لڑتے، اور مالِ غنیمت پر اکتفا کرتے، اس کے ساتھ قنوج کی مہم میں بیس ہزار ایسے سپاہی تھے جو ترکستان، ماوراء النہر اور خراسان سے شوقِ جہاد میں اس کے ہمرکاب ہو گئے تھے[1]

فوجی امراء کا تعاون خلجیوں کے عہد تک فوجوں کا زیادہ سے زیادہ تعداد میں بہم پہونچانا عارض ممالک ہی کے ذریعہ رہا، تغلقوں کے زمانہ میں جاگیردار امراء بھی لشکری فراہم کرتے، لودیوں کے

---

[1] فرشتہ جلد اول ص ۲۹-۳۳

زمانے میں بادشاہ اُن کی بھرتی فوجی امراء کے ذریعہ کرتا، اور ان ہی پر بھروسہ کرتا، شیر شاہ اپنی ہوشمندی سے فوجی امراء پر بھروسہ نہ کرتا، بلکہ وہ خود بھرتی کرتا،

حلیہ و داغ بھرتی کرتے وقت لشکری سوار اور گھوڑے کی شکل و صورت، خاص خاص نشانات ولدیت، سکونت اور دوسری تفصیلات لکھ لی جاتیں جس کو اصطلاح میں حلیہ کہتے تھے، علاء الدین نے سواروں کے گھوڑوں پر داغ بھی لگوانا شروع کیا تھا، تاکہ لشکر کے گھوڑوں کے علاوہ کوئی دوسرا گھوڑا وہ معائنہ کے وقت دکھاکر فریب نہ دیسکیں[۵۱] فیروز شاہ نے اپنے زمانہ میں حلیہ اور داغ کی پابندی ختم کردی تھی، لیکن سکندر لودی نے اپنے عہد میں حلیہ پر پھر زور دیا جس کو اصطلاح میں چہرہ نویسی کہتے تھے، شیر شاہ نے داغ کے قانون کو اپنے دور میں از سر نو مرتب کیا،[۵۲]

منصب داروں کے ذریعہ بھرتی مغلوں کے عہد میں منصبداری نظام قائم ہوا، تو منصب داروں کے ذریعہ لشکریوں کی فراہمی ہوا کرتی تھی، اس لئے جب کوئی شخص فوج میں بھرتی ہونا چاہتا تو کسی منصب دار کے ساتھ منسلک ہو جاتا، جو اس کو میر بخشی کے پاس لے جاکر حاضر کرتا، اور وہ اس کا نام درج کرلیتا، عموماً افغانی کسی افغانی منصب دار، ایرانی کسی ایرانی منصب دار، راجپوت کسی راجپوت منصب دار (علیٰ ہذا القیاس) کے دامن میں پناہ لیتا، ماوراء النہر کا کوئی امیر منصبدار ہوتا، تو اپنے ساتھ مغل النسل لشکری رکھتا، ایرانی منصب دار ½ مغل ½ افغانی اور بقیہ تعداد میں سید، شیخ، اور راجپوت کو ترجیح دیتا، افغانی منصب دار نصف افغانی، نصف مغل اور کچھ شیخ رکھتا، راجپوت منصبداروں کے ساتھ زیادہ تر راجپوت ہی رہتے، اسی طرح سادات اور شیوخ میں سے کوئی منصبدار ہوتا، تو اپنے ہی قبیلے کے افراد کو اپنے ساتھ رکھنا پسند کرتا، جو منصبدار جس ملک اور علاقہ کا ہوتا، تو وہاں کافی روپے بھیج کر اور ہر قسم کی تحریص و ترغیب دلاکر

---

۵۱ برنی ص ۳۱۵ ۵۲ ایلٹ جلد چہارم ص ۴۱۳،

آدمیوں کو بلاتا، اور فوج میں بھرتی کرتا۔[۵۱]

صوبیداروں اور زمینداروں سے مدد

ایک مقررہ تعداد صوبے، سرکار اور دستور وغیرہ میں بھی متعین کر دی جاتی جو ضرورت کے وقت وہاں کے عہدیداروں اور زمینداروں کے ذریعہ سے طلب کر لی جاتی، آئینِ اکبری میں پوری تفصیل موجود ہے کہ ہر سرکار اور ہر دستور میں کتنے ہاتھی، سوار، اور پیادے مقرر ہوتے، اس کی تفصیل باب "تعداد" میں آگے آئیگی، عہدِ اکبری میں ممالکِ محروسہ کے زمینداروں اور راجاؤں کے پاس چار لاکھ سے زیادہ فوج تھی، جو ضرورت کے وقت ایک مقررہ تعداد میں طلب کر لی جاتی،[۵۲]

سلح دار و بارگیر

جو لشکری اپنے ساتھ اسلحہ بھی لاتے وہ **سلح دار** کہلاتے، اور جن کو حکومت دیتی اس کو بارگیر کہا جاتا، اکبر کے زمانہ میں بارگیر کو صرف گھوڑے دیئے جاتے، لیکن بعد میں اُن کو اسلحہ بھی دیئے جانے لگے تھے، آئینِ اکبری میں ہے:

"قبلۂ عالم اپنی قدرشناسی سے اکثر اشخاص کو سواری کا مستحق و سزاوار خیال فرماتے ہیں، لیکن ان افراد کو گھوڑوں کا بہترین محافظ نہیں سمجھتے، جہاں پناہ نے چند طویلے جدا کرکے داروغگان کے سپرد فرمائے ہیں، اور ان طویلوں کے جداگانہ مشرف کا تقرر فرمایا ہے، ضرورت کے وقت تنکچی کی تحریر کے مطابق ان اشخاص کو سواری کے لئے جانور عطا ہوتے ہیں، اور یہ بلا نگہداشت کی تکلیف برداشت کئے ہوئے آرام حاصل کرتے ہیں، ایسے افراد کو بارگیر سوار کے لقب سے یاد کرتے ہیں،[۵۳]

---

[۵۱] نادر الزمانی از خوشحال چند بحوالہ آرمی آف دی انڈین مو غلز از ولیم اروِن ص ۳۶ [۵۲] آئینِ اکبری جلد اول دفتر دوم آئین ۱ [۵۳] آئینِ اکبری جلد اول آئین ۵۲، نیز دیکھو اردو ترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی ص ۲۶۱،

تابینان | جو سوار منصبدار کے تابع ہوتے، اُن کو تابینان کہتے تھے، اُن کی بھرتی منصب دار کرتے، لیکن وہ اصولاً بادشاہ کے ملازم ہوتے،

کُمکی | کچھ منصب داروں کو بادشاہ بطور مدد (یاوری) لشکری دیتا، ایسے لشکری کو کمکی کہتے تھے،[۱]

احدی | بعض جری اور قابلِ قدر سوار کو منصب دار تو نہیں بنایا جاتا، لیکن اُن کو کسی منصبدار کے ماتحت بھی نہیں رکھا جاتا، ایسے فوجی خدمت گاروں کو **احدی** کہا جاتا، یہ سوار صرف بادشاہ کا حکم براہِ راست بجالاتے، اور وہ اپنی خاص حیثیت کی وجہ سے ممتاز نظر آتے، اُن کی بھی بڑی تعداد ہوتی، اس لئے اُن کے لئے دیوان اور بخشی علیحدہ مقرر ہوتے، احدی ملازمت میں داخل ہونے کے وقت اپنا گھوڑا آپ لاتا، لیکن اُس کے مرنے کے بعد اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا دیا جاتا، گھوڑے کے مرنے کے بعد وہ سند پیش کرتا، جس کو اصطلاح میں **سقط نامہ** کہا جاتا،[۲]

منصب دار کا تقرر | ایک منصب دار کا تقرر **فرمان ثبتی** کے ذریعہ ہوتا، جس کے بعد اس کو منصب اور جاگیر ملتی، اس کی تفصیل باب "تنخواہ" میں جاگیر حاصل کرنے کے طریقے میں بیان کی جا چکی ہے،

قابلِ قدر لشکری | ترک جانباز سپاہی ہوتے، مغل اپنی زیرکی، پامردی اور تنظیمی صلاحیتوں کے لئے مشہور تھے، سادات اپنی شہسواری اور نبرد آزمائی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، افغان شمشیر زنی میں بے مثل سمجھے جاتے تھے، ازبک اور تورانی بڑے اچھے تیر انداز ہوتے، عرب قابلِ اعتماد محافظ کی حیثیت سے قدر کئے جاتے، راجپوت اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر لڑتے، وہ بڑے اچھے نیزہ باز بھی ہوتے، بندیلے اپنی بہادری کے لئے مشہور تھے، دھانگ، بھیل اور میواتی بڑے ماہر تیر انداز ہوتے، بکسریہ کو شمشیر زنی میں مہارت تھی، ایرانی اور فرنگی بڑے اچھے گولہ انداز ہوتے،[۳]

---

[۱] آئین اکبری ج اول ص ۱۲۱ [۲] ایضاً آئین ۸،

بھرتی کرتے وقت ان تمام لوگوں کی بڑی مانگ ہوتی،

سربندی | جنگ کے موقع پر کچھ دن کے لئے لشکری بھرتی کرلئے جاتے، جس کو سربندی کہا جاتا[۱]،
یہ لشکری زیادہ تربیت یافتہ نہ ہوتے،

لشکریوں کی بدعنوانی اور فریب دہی کی روک تھام کا پورا انتظام تھا، جس کی تفصیل "باب معائنہ" میں آئے گی،

---

[۱] بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۲۷،

معائنہ

غزنوی عہد کا معائنہ غزنویوں کے دور میں فوجی معائنہ کی ذمہ داری صاحبِ دیوانِ عرض یا عارض پر ہوتی تھی، وہ تمام لشکریوں کے حالات اور تفصیلات کے رجسٹر رکھتا تھا جس میں اُن کی حاضری، غیر حاضری، رخصت، بیماری، اور موت وغیرہ باضابطہ درج رہتی تھی[1]، صاحبِ دیوانِ عرض کے فرائض میں ایک فرض یہ بھی تھا کہ وہ فوج کی کارکردگی کے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھے، اسی لئے وہ فوج کا معائنہ برابر کرتا رہتا تھا، یہ معائنہ سال میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور ہوتا تھا، لشکر کے تمام افراد حدودِ سلطنت کے اندر اور باہر سے آکر غزنیں کے پاس شابہار کے میدان میں جمع ہوتے تھے، اور پوری فوج صاحب دیوان عرض کے سامنے گذرتی تھی، کبھی کبھی سلطان بھی اس موقع پر چترِ شاہی سر پر ڈالے ہاتھی پر سوار موجود رہتا تھا[2]، سلطان محمود کے زمانہ کے ایک فوجی معائنہ کی تصویر گردیزی نے اس طرح کھینچی ہے:

"سنہ ۴۱۴ھ میں (سلطان محمود نے) فرمایا کہ لشکر کا معائنہ کیا جائے، ۵۴ ہزار سوار شابہار کے میدان عرض کے لئے حاضر ہوئے، ان میں مملکت کے باہر کے سوار اور نواح کے شحنے بھی تھے جو ہاتھی معائنہ کے لئے آئے تھے، ان میں برگستوان اور اسلحہ سے مسلح تیرہ سو ہاتھی تھے، دوسرے جانور مثلاً اونٹوں اور گھوڑوں کی تعداد کی کوئی حد نہ تھی[3]،

---

[1] بیہقی جلد اول ص ۳۲ ۵ بحوالہ المحمود آف غزنہ مصنفہ ڈاکٹر ناظم الدین [2] بیہقی ایلٹ جلد دوم ص ۱۲۱ [3] زین الاخبار ص ۸۰

ہاتھیوں پر سلطان محمود کی خاص توجہ تھی، جب لشکر کے ہاتھی غزنین میں رہنے کی وجہ سے دبلے اور لاغر ہو جاتے تو اُن کو کچھ دنوں کے لئے ہندوستان بھیج دیا جاتا جہاں کی آب ہوا اُن کے لئے مناسب ہوتی،

عہدِ مملوک میں معائنہ

مملوک سلاطین کے یہاں بھی فوجوں کا معائنہ غزنوی اور غوری بادشاہوں کی روایت کے مطابق ہی ہوتا تھا، لیکن سلطان شمس الدین التتمش کے بعد فوجی عہدیدار اپنی اپنی جاگیروں کو موروثی بنا کر اسقدر آسودہ حال اور آرام طلب ہو گئے تھے، کہ معائنہ میں حاضر ہونا ضروری نہیں سمجھتے تھے، معائنہ کے وقت دیوان عرض، نائب عارض ممالک اور اس کے دفتر کے لوگوں کو رشوتیں مثلاً شراب بکری، مرغ، کبوتر، روغن، غلہ وغیرہ دے کر غیر حاضر رہا کرتے تھے، بلبن نے اس کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا، توانا اور تندرست لشکریوں کی جاگیریں بند کر دیں، گو اس کو یہ حکم بعد میں منسوخ کرنا پڑا[1] لیکن معائنہ میں سختی ہونے لگی، بلبن کی یہ ہدایت تھی کہ فوج کی کیفیت روزانہ اس کے سامنے پیش کی جائے، اور اس کے لئے وہ دیوان عرض ممالک کے عہدہ پر بہت زیرک اور ہوشمند خان یا ملک کو مامور کرتا تھا، امیر خسرو کے نانا عماد الملک راوت نے دو قرن تک یہ خدمت انجام دی، بلبن نے اس پر بھروسہ اور اعتماد کر کے اس کو بالکل مطلق العنان بنا دیا تھا، عرض یعنی معائنہ کے وقت جو سوار مستعد اور چالاک نظر آتا، عماد الملک اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیتا، اس کو خلعت دیتا، اور دوسری عنایتوں سے نوازتا، اگر کسی سوار کا گھوڑا یا ہتھیار ضائع ہو جاتا، تو عماد الملک اپنی جیب خاص سے اس کی مدد کرتا، اگر کسی کا گھوڑا لاغر نظر آتا تو پہلے اس سوار کے متعلق دریافت کرتا کہ وہ شراب خواری یا کسی اور علت میں تو مبتلا نہیں ہے، اگر بری عادتوں سے پاک پاتا تو اس کو اپنی پایگاہ سے فربہ گھوڑا یا اس کی قیمت دیتا، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ عماد الملک اپنے لشکریوں پر اس طرح

---

[1] برنی ص ۶۱،

مہربان تھا جیسے طرح ماں باپ اپنے بچوں پر ہوتے ہیں، وہ خود کہا کرتا تھا کہ "میں فوج کا سردار ہوں، اگر اُن کی فریاد نہ سنوں تو پھر میرا وجود اُن کے لئے بیکار ہے،" وہ ہر سال دیوان عرض کو اپنے یہاں مدعو کرتا، اور دفتر کے تمام کارکنوں کو بھی بلاتا، ان کو خلعت دیتا، اور انعام میں بیس ہزار ٹنکے تقسیم کرتا، اور اُن میں سے ہر ایک کو اپنے پاس بُلا کر اُس کے ہاتھ پر بوسہ دیتا، اور اُن کو بڑی نرمی سے مخاطب کر کے کہتا کہ

"تم لوگ بادشاہ پر جو فوج کا مالک ہے، مجھ پر کہ میں فوج کا عارض ہوں، لشکر پر جو سلطنت کی رعایا کا نگہبان ہے رحم کرو، اور لشکریوں سے رشوت کے طور پر کوئی چیز حاصل کرنے کی امید نہ رکھو، اگر تم میں سے ملوک اور امرار کے نائب عرض اپنا حق سمجھ کر لشکریوں سے کوئی چیز حاصل کریں، تو پھر اُن کے نائب دوگنی تین گنی چیزیں لشکر سے وصول کریں گے، اور ان کو اپنا حق سمجھ کر لشکریوں کی تنخواہ سے وضع کریں گے، اس طرح یہ لشکری ½ یا ⅓ تو تم کو دینگے اور ایک ثلث خود رکھیں گے، اس طرح پورا لشکر تباہ ہوجائے گا، لیکن تم اس کو جائز نہ رکھو کہ لشکر کی تنخواہ میں سے ایک جیتل بھی کم ہو، یا ان پر کسی قسم کا بھی ظلم ہو، یا ان کو کوئی بھی تکلیف پہونچے"

وہ اپنی مجلس کے حاضرین سے برابر کہتا کہ

"سلطنت کا نگہبان اور بادشاہ کی مملکت کا مددگار میں ہوں، میرے ہاتھ میں فوج دی گئی ہے، ان کے تمام مشکلات کو حل کرنا میرے سپرد کیا گیا ہے، اگر میں اُن کے کاموں میں غفلت کروں، اور دن رات اُن کی فکر میں نہ رہوں تو دنیا میں حرام خوری میری طرف منسوب ہوگی، اور عقبیٰ میں شرمسار ہوں گا"[1]

---

[1] برنی ص ۱۱۶،

عہدِ علائی میں معائنہ سالانہ معائنہ کے علاوہ جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی، تو روانگی سے پہلے معائنہ ہوتا تھا[1]، کوچ کے درمیان بھی فوجوں کا جائزہ لیا جاتا تھا، چنانچہ ملک کافور جب دہلی سے ارنگل کی مہم پر جا رہا تھا، تو شاہی فوج نے کھنڈا میں قیام کیا، وہاں چودہ دن میں لشکر کا عرض ہوا[2]، میدانِ جنگ میں معرکہ آرائی سے پہلے بھی معائنہ کیا جاتا[3]،

علاء الدین خلجی کے عہد میں فوجی معائنہ میں بڑی سختی کی جاتی تھی، ایک سوار کی غیر حاضری پر اس کی تنخواہ بڑی مدت تک وضع کر لی جاتی تھی، اس کے بارہ میں علاء الدین کا یہ حکم تھا،

"در باب سوارے کہ در عرض نرسد سہ سال مواجب استدراک بستانند حکم کردہ ام"، (ص ۲۹۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تین سال کی تنخواہ وضع کر لی جاتی تھی، فرشتہ نے اس کو ان الفاظ میں لکھا ہے:

"سہ سالہ مواجب بازیافت می کنم"

لیکن یہ سزا بڑی سخت معلوم ہوتی ہے، شاید ایک مہینہ کی تنخواہ تین سال تک وضع کر لی جاتی ہو،

داغ و حلیہ سواروں کی چالاکی اور فریب سے محفوظ رہنے کے لئے علاء الدین نے ہر سوار کے گھوڑے پر داغ لگانا بھی شروع کیا[4]، تاکہ عرض کے وقت وہ دوسرا گھوڑا نہ دکھا سکے، اور ایک ہی گھوڑے کو مختلف سوار بار بار پیش نہ کر سکیں، داغ کے وقت گھوڑے کے حلیہ کی تفصیل لکھ لی جاتی تھی، اس طرح سوار اور گھوڑے دونوں کے حلیے صاحبِ دیوان عرض کے یہاں محفوظ رہتے، جس رجسٹر میں یہ اندراج ہوتا تھا، اس کا نام ہی اصطلاح میں حلیہ پڑ گیا تھا، حلیہ جتنا مکمل طریقہ پر مرتب کر کے

---

[1] خزائن الفتوح ص ۱۲۷، [2] ایضاً ص ۸۲، [3] عفیف ۲۰۱ [4] برنی ص ۳۱۵،

رکھا جاتا، اتنے ہی فوج کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا، برنی کا بیان ہے، (ص ۴۳۸)

حلیہ سر جملہ استقامت حشم است

حلیے میں لشکری اور اس کے گھوڑے کی تفصیل نہایت وضاحت سے ہوتی تھی، اُس کا نام، باپ کا نام، قومیت، چہرہ کا رنگ، اگر چہرہ پر تل، مسہ یا داغ ہوتا، تو اس کی بھی وضاحت ہوتی، پیشانی ابرو، آنکھ، ناک، کان، رخسار، مونچھ، داڑھی، سب کا حلیہ ہوتا، گھوڑوں کے حلیہ میں اُن کی نسل کے اقسام بھی لکھے جاتے تھے، ایسے ہی ہاتھی کا حلیہ اور اس کے اقسام درج کئے جاتے،

عہد تغلق میں معائنہ | غیاث الدین تغلق کے زمانے میں علاء الدین کی یہ روایت برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی، اور جو لشکری کاہل ہوتا، یا جنگ میں جانے سے گریز کرتا، یا لشکر میں حاضری نہ دیتا تو اُس کو نہایت سخت سزا دینے کا حکم تھا[لے]، لیکن فیروز شاہ تغلق اپنی رحم دلی، اور لینت کی وجہ سے معائنہ میں سختی نہ کرتا تھا، اس کے لشکر میں تقریباً اسی ہزار سوار تھے، جو بارہوں مہینے تنخواہ پاتے تھے، اُس نے داغ کی رسم ختم کر دی تھی، اس لئے سوار ادنیٰ درجہ کے گھوڑے دیوان عرض کو دکھا کر تنخواہ پانے کے مستحق ہو جاتے، اگر سلطان کے پاس اس کی شکایت پہونچتی تو وہ سُن کر خاموش رہتا، بعض اوقات سال ختم ہو جاتا، مگر کاہل سوار اپنے گھوڑے معائنہ کے لئے نہ لاتے، اس لئے وہ درج نہ ہوتے، بادشاہ[کے] کو خبر ہوتی تو وہ مزید دو مہینے کی مہلت دیدیتا، اس پر بھی کچھ سوار گھوڑے نہ پیش کرتے، اور کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتے، فیروز شاہ اُن کے خلاف تادیبی کارروائی اور اُن کو برطرف کرنے سے اس لئے گریز کرتا کہ اُن کی ملازمت ختم ہو جانے پر اُن کی معاشی حالت بری ہو جائیگی، اور اُن کے گھروں میں ماتم برپا ہو جائے گا، اس لئے وہ حکم دیتا کہ جو سوار حاضر نہیں ہو سکتا، ہے وہ

لے برنی ص ۴۴۴ کے شمس سراج عفیف نے اس موقع پر النگ کی اصطلاح استعمال کی ہے، "النگ شستن سے مراد شاید معائنہ ہی کی کوئی قسم ہو، (ص ۲۹۸)

اپنے اقطاع کے دیوان عرض کے یہاں اپنے گھوڑے کا معائنہ کرائے یا اپنی جگہ پر کسی اور کو بھیج دے، اور اگر اُس کے پاس گھوڑا نہ ہو تو نیا گھوڑا ہی پیش کر دے، یہ نرمی فوج کے لئے بالکل ہی مناسب نہ تھی، لیکن عفیف کا بیان ہے کہ فیروز شاہ کی اس شفقت و مہربانی کی وجہ سے معائنہ میں خرابی پیدا نہیں ہوئی، اور اُس کے چہل سالہ دورِ حکومت میں کوئی بھی لشکری ایسا نہ تھا جس کا عرض نہ ہوا ہو۔

"چوں مزاج شہنشاہ بریں بود، مدت چہل سال ہیچ کسے در دیوان عرض ناگذشتہ نماند"

(عفیف ص ۳۰۰-۲۹۸)

جشن عید کے موقع پر شاہی لشکر بڑے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ معائنہ کے لئے پیش کیا جاتا، اس موقع پر پورا لشکر بادشاہ کو سلامی دیتا، فیروز شاہی عہد میں عید کے موقع پر جس طرح فوج پیش کی جاتی تھی، اس کا ذکر شمس سراج عفیف نے اس طرح کیا ہے:

"چاشت کے وقت بادشاہ کی تشریف آوری ہوتی، اور وہ محل کوشک میں قیام کرتا، اس وقت ملک نائب باربک بھی باہر آتا، سب سے پہلے شمشیر باز سپاہی حاضر ہوتے، اس کے بعد اکیس چتر میمنہ اور میسرہ میں رکھے جاتے تھے، جن میں دس چتر بادشاہ کے دائیں اور دس بائیں جانب ہوتے، اور ایک خاص بادشاہ کے سر پر ہوتا، ان سب کے رنگ میں بڑا تنوع ہوتا تھا، بعض چتر سرخ بعض سبز بعض سیاہ، بعض سفید بعض گنج (؟) بعض نسیج (؟) ہوتا تھا، برسات کے موسم میں سیکھ (مہلک) رنگ کا چتر بادشاہ کے سر پر سایہ فگن ہوتا، جب چتر اپنی اپنی جگہ پر نصب ہو جاتے تو مکلف اور مکمل نشانات بادشاہ کے سامنے سے گذارتے، نشان پیادہ کو اس دن پیش ہونے کی اجازت نہ تھی، اور مکسانی (؟) نشان جو تعداد میں ایک سو ساٹھ یا ایک سو ستر ہوتے تھے، بہت خوبصورت نظر آتے، اس طرح تمام علمبردار اپنے اپنے مراتب کے مطابق محل کے اندر جاتے تھے، اس کے بعد پائیگاہ

کے زرّین پوش گھوڑے محل میں داخل ہوتے، اس کے بعد طلائی اور نقرئی جھول سے آراستہ ہاتھی تخت کے سامنے زمین بوس ہوتے، سلام کرتے اور دعا دیتے، پھر اپنی اپنی جگہ میمنہ و میسرہ میں کھڑے ہو جاتے،"[1]

عہدِ لودی میں معائنہ | سکندر لودی نے اپنے دور میں حلیہ رکھنے کا قاعدہ پھر سے جاری کیا، اور اس کی اصطلاح چہرہ ہوگئی، اس میں بھی جیسا کہ آگے ذکر آئے گا بڑی تفصیل ہوتی،

ابراہیم لودی کے زمانے میں حکومت کی کمزوری سے امرا نے بے جا فائدہ اٹھانا شروع کر دیا، جب جاگیر کی صورت میں ان کا ماہانہ مقرر ہوتا تو وہ اپنے ساتھ رکھنے والے لشکریوں اور گھوڑوں کی کثیر تعداد دکھا دیتے، اور جب ماہانہ مقرر ہو جاتا تو بیشتر لشکریوں کو علیٰحدہ کر دیتے اور جن کو اپنے ساتھ رکھتے بھی اُن کو تنخواہ دینا ضروری نہیں سمجھتے، معائنہ کے وقت ادھر ادھر سے کچھ آدمی اور گھوڑے جمع کرکے پیش کر دیتے،[2] اس طرح یہ لشکری نہ اچھی تربیت پاتے، اور نہ ان میں کوئی تنظیم ہوتی، اسی لئے جب ابراہیم لودی بابر کے خلاف پانی پت کے میدان میں اترا تو گو بابر کے مقابلہ میں اس کی فوج کی تعداد اور زیادہ تھی لیکن وہ زیادہ دیر تک جم کر نہ لڑ سکی، بابر پانی پت کی لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ غنیم کا لشکر جتنا سامنے تھا، اس کا تخمینہ ایک لاکھ کیا جاتا تھا، اور ہزار کے قریب ہاتھیوں کی تعداد بیان کی جاتی تھی، بابر یہ بھی لکھتا ہے کہ ہندوستان میں یہ طریقہ ہے کہ جس وقت جنگ ہوتی ہے، اس وقت کچھ دن کے لئے فوج بھرتی کر لیتے ہیں، اس کو سربندی کہتے ہیں، ایسی فوج ظاہر ہے کہ زیادہ تر کارآمد نہیں ہو سکتی، بابر کے پاس اس لڑائی میں پندرہ ہزار سے زیادہ فوج نہ تھی لیکن جتنی تھی، وہ تربیت یافتہ تھی، اس لئے جب وہ ابراہیم کی غیر تربیت یافتہ فوج سے لڑی، تو اُن کے پچاس ساٹھ ہزار سپاہیوں کو نہایت آسانی سے مغلوب کر لیا،[3]

---

[1] عفیف ص ۶۳-۶۲-۳۶۲، ترجمہ آزاد ہی [2] ایلیٹ جلد چہارم ص ۱۲ [3] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۲۶۷،

شیر شاہی عہد شیر شاہ لودی سلاطین دہلی کے عہد کی ان بدعنوانیوں سے اچھی طرح واقف تھا، اس لئے وہ اپنی فوج کی تنظیم و ترتیب میں بڑا محتاط رہا، اس نے داغ اور چہرہ کے رواج کو پھر سے جاری کیا، گھوڑوں پر اپنے سامنے داغ لگواتا تھا، اور اس نشان کے بغیر کسی کو تنخواہ نہ دیتا، سپاہیوں اور گھوڑوں کا چہرہ بھی اپنے سامنے باضابطہ لکھواتا تھا اور اسی حساب سے تنخواہ دیتا تھا، اس کا معمول تھا کہ نماز اشراق کے بعد لشکر کا معائنہ کرتا، امراء اور سپاہیوں سے پوچھتا کہ ان میں کوئی بغیر جاگیر کے تو نہیں ہے؟ اگر ہوتا تو مہم سے پہلے اس کو جاگیر دیدیتا، اگر کوئی سپاہی مہم کے وقت جاگیر کے لئے عرض کرتا تو سزا پاتا، پرانے سپاہیوں کے لشکر کی حاضری اور نئے سپاہیوں کا امتحان خود لیتا، اگر اُن سے مطمئن ہو جاتا تو اُن کی تنخواہ میں اضافہ کر دیتا،[۱]

معائنہ کا طریقہ آداب الحرب میں جنگ کے موقع پر معائنہ کی تفصیل اس طرح درج ہے، لشکر کش یعنی سر لشکر کو پہلے میسرہ، پھر قلب، پھر میمنہ کا عرض کرنا چاہئے وہ کسی بلند مقام پر بیٹھ جائے تاکہ پورے لشکر کو دیکھ سکے، اس کے سامنے سوار گھوڑے، پیادے، اسلحہ اور دوسرے ساز و سامان ہوں، پہلے سوار، اس کے لباس اور اسلحہ کا عرض کرے، پھر پیادوں کا معائنہ ہو، اور اُن کو صف آرائی کی ہدایت دیدے تاکہ میدانِ جنگ میں اسی ترتیب سے کھڑے ہوں، بڑے بڑے فوجی امراء کا بھی عرض ہو، پھر ان امراء کا بھی معائنہ ہو، جو کوس و علم رکھتے ہوں، پھر سرہنگ اور خیل کو دیکھے، ہر شخص سے لطف و کرم سے بولے، اور اُن کو انعام و اکرام کی ترغیب و تحریص دے تاکہ وہ پوری رغبت سے جنگ کریں، اور وہ کسی حال میں شکستہ دل اور بددل ہو کر دشمن سے نہ مل جائیں، لشکر کو عارض پر پورا اعتماد ہونا چاہئے، عارض اس کا بھی خیال رکھے کہ اس کے لشکر کی تعداد جاسوسوں کے ذریعہ سے غنیم کو نہ معلوم ہونے پائے،[۲]

---

[۱] تاریخ شیر شاہی از عباس خاں بحوالہ الیٹ جلد چہارم ص ۴۱۳ [۲] عرض کی تفصیل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے عکسی نسخہ کے باب ہژدہم میں ملے گی،

بابری عہد کا معائنہ بابر و ہمایوں کی زندگی زیادہ ترکیب ہی میں گزری، اس لئے وہ اپنی فوجوں کا معائنہ قدیم روایت کے مطابق کرتے تھے کبھی مہم سے پہلے، کبھی کوچ کے درمیان، کبھی میدانِ جنگ میں، ۹۳۲ھ میں جب بابر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا، اور بگرام کے پاس دریائے سیاہ کے پاس پہنچا تو امیروں بخشیوں اور مصاحبوں کے چھ سات حصے کر کے اُن کو نیلاب کے گھاٹ اترنے والے لشکر کا جائزہ لینے اور اُن کا شمار کرنے کے لئے مقرر کیا، انھوں نے جائزہ لینے کے بعد بادشاہ کو لشکر کی صحیح تعداد سے مطلع کیا،[1] دوسری جگہ بابر لکھتا ہے کہ معمول ہے کہ جب فوج تیار ہو کر چلنے لگتی ہے تو کمان یا چابک ہاتھ میں لے کر دستور کے موافق اس کا تخمینہ کیا جاتا ہے اور اسی کے بموجب حکم لگایا جاتا ہے کہ اتنا لشکر ہے،

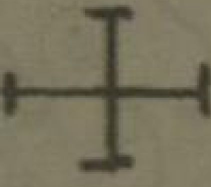
ہمایونی عہد میں معائنہ جب ہمایوں، شیر شاہ سے جنگ کرنے کو قنوج کی طرف روانہ ہوا تو بھوجپور میں اس کی فوج ٹھہری، اس نے یہاں فوج کا جائزہ لیا، سواروں کی تعداد نوے ہزار تھی، اُن میں سے بعض کے گھوڑے اور اسلحہ خاطر خواہ نہیں تھے، اس لئے ہمایوں نے اُن کو گھوڑے اور اسلحہ دینے کا حکم دیا، اعلیٰ عہدیداروں کو خلعت اور دوسرے اعزاز سے سرفراز کیا، اور ہونے والی جنگ کے لئے اُن میں جوش و خروش پیدا کرنے کی کوشش کی۔[2]

اکبری عہد میں معائنہ اس قسم کا فوری معائنہ اکبر سے لے کر آخری دورِ مغلیہ تک برابر ہوتا رہا، اکبری عہد سے عرض کا نظام بہت مرتب ہوتا گیا، اور داغ کا قانون روز بروز اہم بنتا گیا، آئینِ اکبری میں قانونِ داغ کی تفصیل ایک جگہ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ داغ اندازی کے وقت کبھی "نظر" اور کبھی "داغ نشانِ داغ" کا لفظ اور کبھی سات کا ہندسہ گھوڑے پر لکھ دیا جاتا، سرکاری گھوڑے کے چہرے کے دائیں جانب لگایا جاتا تھا، اور جب وہ شاہی اصطبل میں واپس ہو جاتا تو بائیں جانب داغ دیا جاتا، کبھی کبھی گھوڑے کی قیمت بھی لکھ دی جاتی، عراقی و مجنس گھوڑے کی قیمت داہنے اور ترکی اور تازی گھوڑے کی قیمت بائیں رخسار پر درج ہوتی، مثلاً اگر دس مہر کا گھوڑا ہوتا، تو دس ہندسہ لکھ دیا جاتا، اگر بیس مہر کا ہوتا تو ۲۰ لکھا جاتا،

---

[1] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۲۶۹ [2] تذکرۃ الواقعات،

اگر بخشی کے وقت اس کی قیمت میں اضافہ یا کمی ہوتی تو پرانے نقش کو مٹا کر جدید قیمت کے لحاظ سے داغ اندازی کی جاتی،[1]

لیکن داغ کے نشانات خود اکبر ہی کے دور میں وقتاً فوقتاً بدلتے رہے، ابوالفضل کا بیان ہے کہ ابتدا میں جب داغ لگانے کا رواج ہوا تو گھوڑے کی گردن کے دائیں طرف سین کے دندانوں کی شکل (۳) کا ایک نقش بنا دیا جاتا تھا، اس کے بعد کچھ عرصہ تک نشان کی شکل دو الف کی ہوتی تھی، جو ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ پر قطع کرتے تھے، () الف کے سرے جلی ہوتے تھے، اور یہ نشان گھوڑے کی داہنی ران پر ڈالا جاتا تھا، اس کے بعد کمان کی شکل کا نشان بنایا جاتا جس کا چلہ اترا ہوا ہوتا تھا، لیکن آخر میں ہندسوں سے داغ ڈالنے کا طریقہ جاری کیا گیا، یہ نشانات بھی گھوڑے کی داہنی ران پر لگائے جاتے تھے، پہلی مرتبہ داغ لگانے میں ایک کا ہندسہ گھوڑے کی ران پر بنا دیا جاتا تھا، اور دوسری مرتبہ دو کے ہندسے سے داغ دیا جاتا تھا، اور اسی طرح جس قدر داغ ڈالے جاتے، اسی اعتبار سے ہندسوں میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، بعد میں اکبر نے شہزادوں، شاہی خاندان والوں، سپہ سالاروں اور دوسرے درباریوں کے جانوروں کے لئے علیحدہ علیحدہ نشانات مقرر کئے، داغ مکرر کے وقت اگر سوار نیا گھوڑا لاتا تو یہ درخواست کرتا کہ اسے آخری تنخواہ پانے کے بعد سے گھوڑا لانے کے وقت تک کی کل بقایا رقم دیجائے جس کو بخشی دلواتا تھا،[2]

دورِ اکبری میں ہر تیسرے سال نقش پذیری کی تجدید ضروری تھی، اگر کوئی عہدے دار داغ ڈلوانے میں تاخیر کرتا تو اس کی جاگیر کا دسواں حصہ ضبط کر لیا جاتا، بہت سے تنکچی اور ایسے ملازم جن کو اپنی جاگیر کا انتظام کرنے کی مہلت نہ ملتی، سرکاری خزانے سے نقد وصول کر لیتے، اور ڈیڑھ برس کے بعد اپنے جانوروں پر داغ ڈلواتے، جو منصب دار دار الخلافت سے دور رہتے، اُن کے لئے طویل

---

[1] آئین اکبری ص ۹، [2] آئین اکبری ص ۱۳۵-۱۳۴،

مدت مقرر تھی لیکن اگر نقش پذیری پر مسلسل چھ سال گذر جاتے تو جاگیر کا دسواں حصہ ضبط کر لیا جاتا جس امیر کے منصب میں اضافہ ہوتا، اور اس کے جانوروں کو نقش پذیری کو تین سال گذر چکے ہوتے تو اس کی ذاتی تنخواہ میں اضافہ کر دیا جاتا، لیکن اس کے اضافہ شدہ سوار اور سپاہی کی تنخواہیں داغ پذیری کے بعد جاری کی جاتیں، اس داغ پذیری کے بعد ترقی یافتہ امیر کے نئے اور پرانے ملازم اپنی مقررہ رقم وصول کرتے، اگر تجدید کے وقت کوئی سوار کسی نقش پذیر گھوڑے کے بدلے دوسرا عمدہ گھوڑا لاتا تو نیا جانور بادشاہ کے سامنے پیش ہوتا، اور شاہی حکم کے مطابق قبول کر لیا جاتا[۱]

پنجہزاری امرا اور اُن سے اوپر کے منصبداروں کے لئے داغ کے قانون کی پابندی ضروری نہیں تھی، لیکن وہ اپنی فوج کو معائنہ کے لئے ضرور پیش کرتے تھے، جس کے لئے "محلی" کی اصطلاح تھی، لیکن عام طور سے داغ کے لئے بھی "داغ محلی" ہی کی اصطلاح رائج تھی،

ابوالفضل کا بیان ہے کہ اکبر کی حکومت کے ابتدائی دور میں لشکریوں میں بڑی بے ایمانی اور خباثت تھی، بعض طمع دار سوار اپنے عمدہ گھوڑے فروخت کرکے یا پیادوں میں شامل ہو جاتے یا عمدہ گھوڑے کے بجائے ادنیٰ درجہ کے گھوڑے خرید کر سواروں میں شامل ہو جاتے، اور پوری تنخواہ طلب کرتے، اگر تنخواہ ملتی تو بیہودہ گوئی کرکے تشدد پر آمادہ ہو جاتے، گھوڑوں کو عاریتاً ایک دوسرے کو دینا سواروں کے لئے عام بات تھی، اور اس سے فوج میں بڑی بدانتظامی، اور بے قاعدگی پیدا ہو گئی تھی، لیکن ابوالفضل کا بیان ہے کہ داغ اندوزی اور چہرہ نویسی سے یہ خرابی جاتی رہی،[۲] مگر ملا عبدالقادر بدایونی صورت حال کی اس ترقی پر زیادہ مطمئن تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں،

"شہباز خاں میر بخشی نے داغ و محلی کے رواج کو از سر نو جاری کیا، جس کو سلطان علاء الدین خلجی نے جاری کیا تھا، اور بعد میں شیر شاہ کی نسبت بھی یہ طے ہوا کہ ہر امیر بیستی کے منصب

---

[۱] آئین اکبری ص ۱۳۵-۱۳۴ [۲] ایضاً آئین سپاہ آبادی دفتر دوم،

سے اپنے عہدہ کا آغاز کرے، اور اپنے تابینان کے ساتھ کشنک، جار (؟) اور ملجار کے لئے حاضر رہے، اور جب ضابطہ کے مطابق وہ اپنے ہمیں سواروں کو داغ کے لئے حاضر کرے، تو یک صدی یا اس سے زیادہ کا منصب دار بنا دیا جائے، اور دستور کے مطابق ہاتھی گھوڑے اور اونٹ رکھے، اُن کے معائنہ اور استعداد کے شرائط پوری کرنے کے بعد اس کو ہزاری، دو ہزاری بلکہ پنجہزاری منصب دیا جائے، اور اگر معائنہ میں پورا نہ اترے تو پھر اس کا درجہ کم کر دیا جائے، لیکن اس نئے ضابطہ سے سپاہیوں کی حالت اور بدتر ہوگئی، کیونکہ امرا سب کچھ اپنی خواہش ہی کے مطابق کرتے تھے، وہ عرض کے وقت اپنے خاص ملازموں اور بارگیروں کو سپاہی کا لباس پہنا کر لے آتے، اور اپنے منصب کو بحال رکھتے، اور جب اُن کو جاگیر مل جاتی تو بارگیر کو علٰحدہ کر دیتے، اور جب پھر ضرورت ہوتی، تو وقتی طور پر بہت سے سپاہی جمع کر لیتے اور ضرورت پوری ہو جانے کے بعد انکو رخصت کر دیتے، اس طرح منصبداروں کے خزانہ اور جمع خرچ میں کسی قسم کی کمی نہ ہوتی لیکن سپاہی بیچارے پریشانی میں مبتلا اور مستعدی سے کام کرنے کے لائق نہ رہتے، اہلِ حرفہ میں سے ہندو اور مسلمان جولاہے، ندافت، بنجارے، بقال کرایہ پر گھوڑے لے آتے، اور اُن پر داغ ڈلوا کر منصب پا جاتے، یا کروری یا احدی یا داخلی کے زمرہ میں داخل ہو جاتے، مگر کچھ دنوں کے بعد ان موہوم گھوڑوں اور ان کی زین کا کہیں پتہ نہ ہوتا، اور سوار بیدل سپاہی بن جاتے، ایسا بھی ہوتا کہ معائنہ کے وقت بادشاہ دیوان خانۂ خاص میں اپنے سامنے سپاہیوں کو مع ان کے لباس کے وزن کراتا، اور وہ کم از کم ۲½ یا ۳ من بھی ہوتے لیکن یہ سپاہی بھی کرایے کے ہوتے، لباس وغیرہ بھی مانگے کا ہوتا، بادشاہ کو اس کی واقفیت ہوتی تو کہتا کہ میں اس کو جو کچھ دیتا ہوں وہ دیدہ و دانستہ اس کی گذر اوقات کے لئے دیتا ہوں، کچھ دنوں کے بعد احدیوں کو دو اسپہ یک اسپہ اور نیم اسپہ میں تقسیم کیا گیا، نیم اسپہ میں دو سوار کے درمیان ایک گھوڑا ہوتا اور دونوں برابر تنخواہ پاتے ..... لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بادشاہ

اپنے اقبال کی بلندی کے سبب تمام دشمنوں پر غالب آیا، اس کو زیادہ سپاہیوں کی چنداں ضرورت بھی نہ ہوتی تھی، اور امرا بھی اپنے لشکریوں کی بیجا نازبرداری سے محفوظ رہے[1]"

مگر اس میں شک نہیں کہ لشکریوں کی خیانت اور بے ایمانی پر داغ کا قانون ایک بڑا قدغن تھا، اسلئے آخر دور تک اس کا اہتمام رہا، داغ شدہ گھوڑوں کے سوار لشکر کے بہترین سپاہی سمجھے جاتے، "سوار" کے باب میں وضاحت کے ساتھ یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ایک منصب دار اگر اسی صوبہ میں ہے، تو اپنے منصب سوار کی مقررہ تعداد کا ۱/۴ حصہ داغ لگانے کے لئے حاضر کرتا، اور اگر ایسے صوبہ میں ہے، جو اس کی جاگیر میں نہیں ہے، تو وہ اپنے منصب سوار کا ۱/۵ حصہ داغ کے لئے پیش کرتا، تفصیل باب مذکور میں ملے گی،

عالمگیری عہد میں معائنہ | اورنگ زیب نے داغ کے لئے خاص خاص نشانات مقرر کئے تھے، مثلاً پنجہ مرغ (یعنی مرغ کے پنجہ کا نشان) میزان (ترازو کا نشان) چہار پہلو، کھڑی اور پڑی لکیریں وغیرہ، جب جنگ جانشینی کے لئے اورنگ زیب کا لڑکا اعظم شاہ دکن سے روانہ ہوا، تو اس کے گھوڑوں پر "اعظمہ" منقوش تھا، والاجاہ کے جانوروں پر "خیل" اور اعلیٰ تبار کے گھوڑوں پر آنکھ کے داغ تھے، بعض امرا نے اپنے نشانات علیحدہ بنا رکھے تھے، مثلاً تیموری سلطنت کے آخری عہد کے مشہور امیر سید عبد اللہ کے گھوڑے پر عبد کا نشان تھا،

داغ کی تصحیح ہو جاتی تو وہ تصحیحہ کہلاتا، داغ کی نگرانی اور اسکی تصدیق و تصحیح کرنیوالا دارونہ داغ و تصحیحہ کہلاتا تھا، اُن کے ماتحت امیر اور مشرف ہوتے، جو میر بخشی کے ماتحت مقرر ہوتے تھے،

چہرہ نویسی | تیموریوں کے دور میں چہرہ نویسی کا مکمل انتظام تھا، لشکریوں اور گھوڑوں کی تفصیل باضابطہ رکھی جاتی تھی، لشکری اگر ملازمت میں داخل ہوتا تو اس کا نام، اس کے باپ کا نام، اُس کی سکونت، اس کی قومیت لکھی جاتی، مثلاً اگر مسلمان ہے تو مغل یا پٹھان ہے، اگر سید ہے تو حسنی یا حسینی، شیخ ہو تو

---

[1] منتخب التواریخ جلد دوم ص ۱۹۱-۱۹۰

صدیقی یا فاروقی یا عثمانی، اسی طرح اگر ہندو ہے تو راجپوت، دکنی ہے یا کچھ اور، چہرہ کا رنگ بھی درج ہوتا، مثلاً گندم گوں، سبز، سفید، سرخ، شیر فام، میگوں وغیرہ، قد بھی لکھا جاتا کہ بلند ہے، یا میانہ، یا پستہ قد ہے، پیشانی کشادہ ہو یا غیر کشادہ، اگر اس پر تل یا مسہ یا داغ ہوتا تو اس کی وضاحت بھی ہوتی، ابرو کا حلیہ بھی ہوتا کہ پیوستہ ہے یا کشادہ، آنکھ کے حلیہ میں آہو چشم، میش چشم، ازرق چشم، گربہ چشم، یا کور چشم، کی تفصیل ہوتی، اس طرح داڑھی کا رنگ سیاہ یا سفید، تراشیدہ ہے یا دراز، کھوسہ ہے (جس کے داڑھی مونچھ نہ ہو) یا جھبو (گھنی داڑھی) ہے، چہرہ کے حلیہ میں داغ، چیچک، تل، مسہ، زخم شمشیر، برچھی، اور تفنگ وغیرہ کی بھی تفصیل ہوتی تھی، گھوڑوں کے چہروں میں اس کی اقسام نسل ترکی، یابو عراقی، مجنس تازی وغیرہ کا حال لکھا جاتا، ان کا رنگ مثلاً نیلہ بوز، نیلہ کبود، نیلہ سرخنگ، نیلہ گمسی، لاکھوری، کشمشی، سرنگ، سرمئی، ابلق مشکی، سفید، سنجاب، بلور، صندلی. وغیرہ کی تفصیل ہوتی، ہاتھی کا حلیہ اور اس کے اقسام کا بھی رجسٹر[1] ہوتا

چہرہ نویسی کی تصدیق ہر تھوڑی مدت کے بعد ہوا کرتی تھی، ابوالفضل کا بیان ہو کہ ہر چوتھے مہینے چہرہ نویسی کے لئے احدیوں کا مجمع ہوتا جس میں ایک سند جس پر دیوان اور بخشی کے دستخط ثبت ہوتے خزانے کے اہلکار کو دیجاتی، اور وہ اس سند کی بنیاد پر جس کو اصطلاح میں تصیحہ کہتے تھے. ایک رسید لکھتا، اور اس پر اپنے دستخط کرتا، اس کے بعد اس رسید پر وزیر کی مہر ثبت کیجاتی اور خزانچی اس رسید کو اپنے پاس رکھ کر رقم ادا کرتا،[2]

سیاہہ داغ و تصیحہ اور اوراق چہرہ کے علاوہ سررشتہ فوج کے اور دوسرے کاغذات جو میر بخشی کے معائنہ کے لئے پیش ہوتے، اُن میں سے بعض کے نام یہ تھے،

فہرست برطرفی و بحالی، سیاہہ طلب تنخواہ، سیاہہ نگہداشت، ادارجہ مساعدت، (ادارجہ کے معنی وہ فہرست ہے جس میں ہر شے کی تفصیل علیحدہ علیحدہ ہوتی، یہ سیاہہ کی ایک قسم تھی، مساعدت سے مراد قرض اور مالی امداد ہے) تمسکات حاضر ضامنی تصیحہ نامہ سیاہہ چوکی، سیاہہ حضور، فہرست تعیناتیاں وغیرہ .... نوعیت اُن کے ناموں سے ظاہر ہوگی،

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو معارف ماہ نومبر سنہ ۱۹۵۵ء [2] آئین اکبری ص ۱۳۲،

کوچ

محمود غزنوی کی تیزگامی

فوج کی کامیابی عموماً کوچ کی غیر معمولی سرعت اور تیز گامی پر بھی منحصر ہوتی تھی، محمود غزنوی کی فوجیں اپنی تیز رفتاری کے لئے مشہور تھیں، اس نے ہندوستان پر دوسری بار یورش کی تو غزنی شوال ۳۹۱ھ[۱] (مطابق ستمبر ۱۰۰۱ھ) میں چھوڑا، اور ۸ محرم ۳۹۲ھ (مطابق ستمبر ۱۰۰۱ء) کو وہ جے پال کے خلاف پشاور میں جنگ کر رہا تھا[۲]، پشاور کی فتح کے بعد وے ہند جاکر لڑا، اور وہاں سے فارغ ہوکر اپریل ۱۰۰۲ء میں غزنی واپس پہونچ گیا[۳]، چوتھی بار وہ ۲۹ ربیع الثانی ۳۹۹ھ (مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۰۰۸ء) کو غزنی سے رخصت ہوا[۴]، وے ہند کے مقام پر انند پال اور اس کے دوسرے ہمراہی راجوں کی ایک زبردست فوج سے معرکہ آرا ہوا، ان کو شکست دے کر ان کے تعاقب میں نگرکوٹ تک گیا، جہاں کے قلعہ کا محاصرہ کیا، یہ قلعہ کانگڑہ کے پاس پہاڑی علاقہ میں واقع تھا، دریاے بان گنگا سے گھرا ہوا تھا، اس کی تسخیر میں اُس کو بے شمار دولت حاصل ہوئی، اس کو لے کر ۳۹۹ھ کے اختتام پر (مطابق جون ۱۰۰۹ء) اس کی فوجیں غزنی پہونچ گئیں[۵]، پانچویں بار محمود نے ۴۰۰ھ کے موسم بہار میں (مطابق مارچ ۱۰۱۰ء) غزنی سے روانہ ہوا، نارودین میں بھیم پال سے گھمسان کی لڑائی لڑا، نندانہ کے قلعہ کو تسخیر کیا، پھر جھیلم کے پاس ترلوچن پال سے جنگ کی، ہر جگہ فاتح و کامران ہوکر ۴۰۵ھ کے موسم گرما

---

۱ تاریخ فرشتہ ص ۲۴، ۲ گردیزی ص ۶۶ ۳ گردیزی ص ۶۶ ۴ گردیزی ص ۶۹ ۵ عتبی ص ۲۲۶ بحوالہ محمود آف غزنہ از ڈاکٹر محمد ناظم ص ۹۰،

میں (مطابق جولائی۔ اگست ۱۰۱۴ء) غزنی پہونچ کر آرام لے رہا تھا،[1] ناردین کی مہم کا کوچ اس لحاظ سے بہت ہی صبر آزما تھا کہ جب لشکر ہند کی سرحد پر پہونچا تو اتنی برف باری ہوئی کہ پہاڑی درون کے راستے مسدود ہو گئے، پہاڑوں اور وادیوں کی سطح برابر ہو گئی، سڑکیں نظر نہیں آتی تھیں، دائیں بائیں آگے پیچھے کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی تھی، محمود ہمت نہیں ہارا اور اپنی فوج کے ساتھ سرحد پر مقیم ہو کر رسد کے تمام سامان ادھر ادھر سے فراہم کرتا رہا، اور اس کے مختلف علاقوں کے فوجی سردار لشکریوں کی بڑی تعداد بھی لاتے رہے، اور جب برفباری ختم ہوئی، تو پھر لشکر، پہاڑ، دریا اور جنگل کو طے کرتا ہوا منزل مقصود کو پہونچا،[2] قنوج فتح کرنے کے لئے محمود ۱۳ رجمادی الاول ۴۰۹ھ (مطابق ۲۷ ستمبر ۱۰۱۸ء) غزنی سے روانہ ہوا، ۲۰ رجب ۴۰۹ھ (مطابق ۲ دسمبر ۱۰۱۸ء) کو اس نے جمنا عبور کر کے دوآب میں مختلف لڑائیاں لڑیں، پھر قلعہ سرسوا، برن، مہابن، متھرا کو فتح کرتا ہوا ۸ شعبان ۴۰۹ھ (مطابق ۲۰ دسمبر ۱۰۱۸ء) کو قنوج پہونچا،[3] سومناتھ کی مشہور اور تاریخی جنگ کے لئے وہ ۲۲ شعبان ۴۱۶ھ (مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۰۲۵ء) کو غزنی سے روانہ ہوا، ۱۵ رمضان المبارک (مطابق ۹ نومبر) کو ملتان پہونچا، کچھ دنوں ٹھہر کر وہاں سے ۲ شوال (مطابق ۲۶ نومبر) کو روانہ ہوا، اور بہت ہی مشکل گذار علاقوں اور جنگلوں کو طے کرتا ہوا ۲۰،۲۴ ذیقعدہ (مطابق ۲ جنوری ۱۰۲۶ء) کو سومنات پہونچا،

غوری کی رفتار شہاب الدین غوری کی فوج میں محمود کے لشکریوں کی طرح تو تیز گامی نہیں تھی، لیکن اس کی روایت شہاب الدین غوری کے سامنے برابر رہی، ہندوستان سے آخری بار وہ غزنی کو روانہ ہوا، تو لاہور سے ۱۶ رجب ۶۰۲ھ کو چلا، ۲ شعبان ۶۰۲ھ کو دریائے جہلم کے پاس دمیک پہونچا، ۳ شعبان کو وہیں شہادت پائی، اس کی فوج اس کا جنازہ لے کر ۲۲ شعبان کو غزنی پہونچی،[4]

---

[1] گردیزی ص ۷۲، [2] ایلیٹ جلد دوم ص ۴۳، [3] گردیزی ص ۷۶، ناظم ص ۱۰۸، [4] طبقات ناصری ص ۱۲۴

ایبک کی قطع مسافت | قطب الدین ایبک کے عہد میں ۵۹۳ھ میں جتوان نے ہانسی میں نصرۃ الدین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، تو قطب الدین اس کو فرو کرنے کے لئے دہلی سے روانہ ہوا تاج المآثر کا بیان ہے کہ وہ اپنی فوج لے کر اُن کے ساتھ رات بھر میں بارہ فرسنگ کی مسافت طے کرتا تھا،

"خسرو فیروز جنگ کہ عتبہ افروگاہ او برتر از گنبد مہر و ماہ بود دریک شب دوازدہ فرسنگ براند، رہے کشندہ کہ مرغ از فراز کہسار آن دشوار گذشتے و باد از مساحت دشت آن عاجز آمدے"

بختیار خلجی کی برق رفتاری | قطب الدین ایبک کے ایک فوجی سردار بختیار خلجی نے بہار اور بنگال کی تسخیر محض اپنی مٹھی بھر فوج کی برق رفتاری ہی کی وجہ سے کی، وہ بنارس سے منیر کی طرف بڑھا، اور منیر سے دو سو سواروں کے ہمراہ وہی ہار (جہاں اب بہار شریف ہے) کے قلعہ کے پاس بجلی کی طرح آچکا، اور یہاں کے تمام لوگ اس کی اچانک آمد سے ششدر ہوگئے، اور اُن کے لئے اس کی اطاعت قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا، اور جب ندیہ کی طرف اس کی یورش ہوئی، تو اُس کی تیز گامی نے وہاں کے باشندوں کو اور بھی حیرت میں ڈال دیا، بہار سے وہ جھار کنڈ کے اجنبی اور دشوار گذار جنگلی راستوں سے ہوکر ندیہ کی طرف بڑھا، اس کی فوج پیچھے رہ گئی، تو وہ کل اٹھارہ سواروں کے ہمراہ رائے لکھمنیا کے محل کے سامنے یکایک نمودار ہوا، اور اس کا محاصرہ کر ڈالا، راجہ کو پچھلے دروازہ سے محل چھوڑنا پڑا، جس کے بعد لکھنوتی میں بختیار خلجی نے ایک ایسی حکومت قائم کی، جو تین سو برس تک برابر قائم رہی،

علاء الدین خلجی کا کارنامہ | علاء الدین خلجی نے جلال الدین خلجی کے عہد میں کرہ (اودھ) سے دیوگیری کی طرف جس طرح کوچ کرکے یورش کی ہے، وہ اس عہد کا عجیب و غریب فوجی کارنامہ ہے، کرہ سے دیوگیری سات سو میل ہے اس وقت تک وہاں دہلی کی نئی حکومت کی کوئی فوج نہیں پہونچی تھی، علاء الدین

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۴۷

چپ چاپ گڑھ سے آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ روانہ ہوا، راستے میں دشوار گذار جنگل تھے، اور کوہ وندھیا کے پہاڑی علاقوں کو بھی طے کرنا آسان نہیں تھا، راہیں تنگ اور پُرپیچ تھیں، جہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں، میسر ہوتا تھا، پھر پہاڑی علاقوں کے باشندے بڑے اچھے تیر انداز ہوتے تھے، جن کے پوشیدہ حملوں سے ادھر سے گذرنے والے لشکر کے لئے ہلاکت اور موت کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہ ہوتا، لیکن علاء الدین اُن ہی راستوں سے گذرتا ہوا چندیری اور بھیلسا ہوتا ہوا ایلچ پور پہونچا، راستے میں اس نے فوج کو سستانے کا موقع نہیں دیا، ایلچ پور میں دو روز ٹھہر کر آرام لیا، اور وہاں سے پچھم کی طرف مڑ کر گھاٹی بجورا کے درے کو عبور کرتا ہوا دیوگیر پہونچا، اسی یورش اور مہم کے بعد علاء الدین خلجی کی جرأت و سپہگری اور جانبازی کی دھاک بیٹھ گئی،

خزائن الفتوح میں امیر خسرو نے لکھا ہے کہ علاء الدین کی فوجیں ضرورت کے وقت کوچ میں دن اور رات کا فرق نہ کرتی تھیں[1]، اور اُس کے سوار جیسا کہ باب "سوار" میں ذکر آچکا ہے، بڑے بڑے دریا کو دتے پھاندتے نکل جاتے، اور دشوار گذار ساحلی علاقوں پر بطوں کی طرح گذرتے ہوئے نظر آتے ہیں[2] لیکن بعض اوقات اس فوج کی رفتار سست بھی ہو جاتی، مثلاً علاء الدین ہی کے عہد میں اس کی فوج دہلی سے معبر بارہ مہینے میں پہونچی[3]، یہ رفتار زیادہ تر مہم کی اہمیت کی نسبت گھٹتی بڑھتی رہتی تھی،

کوچ میں ہولناکی بعض اوقات کوچ میں لشکریوں کو بڑی ہولناکی اور ہلاکت خیزی کا سامنا کرنا پڑتا، محمد تغلق نے قراجیل کی مہم میں ایک بہت بڑی فوج بھیجی جس کی تعداد اسی ہزار سے ایک لاکھ تک بتائی جاتی ہے، رسد کی فراہمی کے لئے جابجا چوکیاں قائم کردی گئی تھیں، لیکن اصل منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے پہاڑی علاقوں کے راستے بہت ہی دشوار گذار تھے، کوہ قراجیل میں صرف

۱؎ خزائن الفتوح ص ۴۰ ۲؎ ایضاً ص ۵۰ ۳؎ ایضاً ص ۱۲۳،

ایک درہ تھا، اس کے نیچے دریا بہتا تھا، پہاڑ پر ایک آدمی سے زیادہ ایک دفعہ نہیں چڑھ سکتا تھا لیکن پھر بھی شاہی لشکر ہمت کرکے اوپر چڑھ گیا، اور ایک مقام ورنگل نامی کو قبضہ میں کرلیا لیکن برسات شروع ہوئی، تو لشکر میں بیماری پھیل گئی، گھوڑے مرنے لگے، اور کمانیں نمی کی وجہ سے بیکار ہوگئیں، لشکر کو مجبوراً دامن کوہ کی طرف مراجعت کرنا پڑا، غنیم نے اس مراجعت سے فائدہ اٹھایا، وہ غاروں اور تنگ نالوں میں آکر چھپ گئے، اور بڑے بڑے درخت کاٹ کر پہاڑ پر سے لڑھکا دیتے تھے، جس سے دب کر بہت سے لشکری ہلاک ہوجاتے تھے، سات روز تک ان لشکریوں کو کوئی رسد بھی نہ ملی، فاقہ، بیماری، اور غنیم کی جنگ سے سارے لشکری لقمۂ اجل بن گئے، اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس کثیر فوج کے صرف دس آدمی زندہ رہ گئے، جن سے اس مہم کی ہولناک تفصیل معلوم ہوسکی[1]

فیروز شاہ ٹھٹھہ کی مہم سے مراجعت کرکے گجرات کی طرف روانہ ہوا، تو اس کے ساتھ کچھ ایسے سندھی راہبر ساتھ تھے، جو دوست کے بجائے دشمن نکلے، اور ان راہبروں نے پورے لشکر کو کچھ کی طرف موڑ دیا، جہاں نہ کھانے کی کوئی چیز ملتی تھی، اور نہ پینے کو پانی، اور اگر ملتا تو وہ اس قدر نمکین ہوتا، کہ چند قطرے بھی کوئی پیتا تو حلق اور زبان چھل جاتی، بھوک اور پیاس سے لشکری ہلاک ہونے لگے، فوج ہمت کرکے آگے بڑھتی تو اور گھنے جنگل میں چلی آتی، جہاں نہ گھاس ہوتی، اور نہ درخت، اور یہ زندہ لشکر مردہ بن کر حرکت کررہا تھا، اور جب سب اپنی زندگی سے ناامید ہوچلے تھے، تو یکایک بارش ہوگئی، جس سے لشکر میں جان پڑی، اور اسی مصیبت اور پریشانی میں لشکر کسی طرح گجرات پہونچا،[2]

لکڑہاروں وغیرہ کی کارگذاری

فوج کے ساتھ لکڑہارے اور بیلدار بھی ہوتے، لکڑہارے کوچ کے موقع پر جنگل صاف کرکے فوجوں کے لئے راستے ہموار کرتے رہتے، اور بیلدار ضرورت کے وقت کنویں

---

[1] برنی ص ۸۔۴، سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۶۷ [2] عفیف، ص ۲۱۴، ۲۰۷،

کھود کر پانی فراہم کرتے، بڑھئی بھی ساتھ ہوتے جو موقع ہو تو لکڑی کے پل اور کشتی بنا کر فوجوں کو دریا عبور کراتے،[1] بلبن کی فوج کسی دریا کے پاس پہنچتی تو وہ خود دریا کے کنارہ آکر کھڑا ہو جاتا، اور امراء اور ارکانِ دولت کو حکم دیتا کہ وہ اپنی نگرانی میں لشکر کو عبور کرائیں، پہلے مریضوں، عورتوں، بچّوں اور کمزور جانوروں کو پار کرایا جاتا، جن کی مدد توانا اور تندرست لشکری کرتے، اس کے بعد گھوڑے ہاتھی اور دوسرے جانور پار ہوتے، پھر عام لشکریوں کو موقع دیا جاتا، اس طرح کئی روز صرف ہو جاتے،[2] فیروز شاہ تغلق اپنی فوج کو ہاتھیوں کے سہارے ندی کی پرشور لہروں سے گزارنے جاتا تھا، ندی کے دونوں کنارے ہاتھی کھڑے کر دیئے جاتے، اور موٹی موٹی ڈوریاں ان میں باندھی جاتیں، اور اُن ہی کے سہارے لشکری ندی پار کرتے، اور لہروں میں غرقاب ہونے سے محفوظ رہتے،[3]

ساعتِ مبارک اور زیارتِ مزار

اہم فوجی مہم میں سلطان خود ساتھ ہوتا، وہ نہ ہوتا، تو کوئی شہزادہ، یا دربار کا کوئی ممتاز امیر یا اہم فوجی عہدیدار ہوتا، فوج کی روانگی مبارک ساعت پر ہوتی، روانگی سے پہلے یا کوچ کے درمیان اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین سے فیوض و برکات بھی حاصل کئے جاتے،[4] التمش تو حضرت بختیار کاکیؒ کا مرید اور خلیفہ بھی تھا، اس لئے اُن کی دعاؤں کا برابر طلب گار رہا، علاء الدین خلجی اپنی دکنی مہم میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی دعاؤں کا خواستگار ہوا تھا، فیروز شاہ ٹھٹھہ جا رہا تھا، تو حضرت فریدالدین گنج شکر کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر اُن کے فیوض کا طالب ہوا تھا،[5]

بابری کوچ

بابر کے جانشینوں نے ہندوستان میں فوجی مہم کے کوچ میں تیمور ہی کی تیزگامی اور محنت کوشی کی روایت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی، تیمور اپنے لشکر کو برفستانی اور یخ بستہ علاقہ سے لے کر گزرتا تو برف کے تودے اس کی راہ میں حائل نہ ہوتے، اور رات کو جب برف جم جاتی تو وہ

---

[1] برنی ص ۵۰ [2] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۷۶ [3] عفیف ص ۱۱۰ [4] ایضاً ص ۱۹۲ [5] ایضاً ص ۱۹۵

سواروں کو اسی برف پر چل کر راستہ طے کرنے کا حکم دیتا، لیکن دن کو جب برف پگھلنے لگتی، تو ان سواروں کو آگے بڑھنے سے روک دیتا[1]، وہ اپنی فوجوں کو ریگستانوں، بیابانوں اور بنجر پہاڑیوں میں سے بھی کامیابی کیساتھ نکال لیجاتا تھا سائبریا کے صحرا سے وہ ایک جرار لشکر کیساتھ گذرا اسکے ساتھ اونٹوں کی قطاریں تھیں جن میں فوجیوں کا سامان تھا، ہر دس سپاہی کے ساتھ ایک خیمہ اور ہر خیمہ کے سامان میں دو پھاوڑے، ایک آری، ایک تبر، ایک درانتی، ایک کلہاڑی، اور ایک رسیوں کا بنڈل، ایک دیگچہ، اور ایک نمط (بیل کا چمڑا) خوراک کے لئے ہلکی او مختصر جنس، آٹا، جو، خشک میوے، اور ایسے ہی اور چیزیں تھیں، ہر سوار سواری کے گھوڑے کے علاوہ ایک کوتل گھوڑا بھی دیا گیا تھا، فوجوں کے دستے صف آرائی کے قواعد کے مطابق حرکت کرتے تھے، لشکر گاہ میں جب فوجیں اترتی تھیں، تو صفوں کی ترتیب کو قائم رکھتی تھیں، رات کی تاریکی میں بھی یہ اہتمام برقرار رکھا جاتا، جس وقت سوار کوچ کرتے ہوتے تو آرام سے گھوڑوں پر بیٹھے بات چیت کرتے تھے، لیکن اُن کے سردار اُن کو ایسا چوکنا رکھتے تھے کہ اس کا حکم سنتے ہی جنگ کی ترتیب اختیار کر لیتے، لشکر کی صفیں میلوں تک پھیلی ہوتیں، دور تک صف آرائی کرنے میں ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ گھوڑوں کو چرائی کے لئے زمین زیادہ مل جاتی تھی، ریت میں جہاں کہیں سبزہ ہوتا تھا، وہاں گھوڑے کچھ دیر آسانی سے چر لیتے تھے،

تیمور کا قول تھا کہ اس کا موقع کبھی نہ دیا جائے، کہ دشمن پہلے چڑھ آئے، اور خود اپنا بچاؤ کرنا پڑے، اس لئے لشکر کو تیز رفتار کر کے دشمن پر خود ہی دھاوا کرنا چاہئے، اگر ٹھیک موقع پر دس آدمی بھی ساتھ ہوں تو یہ بہتر ہے کہ دس ہزار لشکری ساتھ ہوں، لیکن ٹھیک موقع پر غیر حاضر ہوں، تیزی سے حملہ کر کے دشمن کے زور کو توڑ دینا ہمیشہ مفید ہوتا ہے، تیمور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ لڑائی پر

---

[1] ظفر نامہ جلد دوم ص ۲۰،

جاتے وقت صرف اتنی فوج ساتھ ہونی چاہئے جس کے زادِراہ کے لئے کافی سامان رسد مہیا کرنا ممکن ہو[51]

تیمور کی اولاد مندرجۂ بالا اصولوں کی پابندی کرنے کی کوشش کرتی رہی، بابر چھوٹے یا بڑے لشکر کے ساتھ کسی مہم میں جاتا تو محض اپنی فوجی قیادت سے اس کو مشکل گذار دروں، وادیوں، اور پہاڑوں سے کامیابی سے کوچ کراتا چلتا، سمرقند کی مہم کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

"درۂ کھمرود میں آکر ہم اوپر کی جانب چلے، ان تنگ راستوں عمیق گڈھوں، اور نہایت خوفناک گھاٹیوں میں ہمارے بہت سے گھوڑے اور اونٹ تھک کر چلنے کے قابل نہ رہے تین چار منزلیں طے کر کے ہم سرۂ تاق کی گھاٹی میں پہونچے، گھاٹی اور کس بلا کی گھاٹی! میں نے کبھی ایسی ڈھلواں اور تنگ گھاٹی نہیں دیکھی تھی، اور کبھی ایسے تنگ راستوں اور مشکل گڈھوں میں سے مجھے چلنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، بڑی تشویش اور صعوبت کے ساتھ ان خطرناک گڈھوں سے نکل کر نہایت رنج و مشقت اٹھانے کے بعد اونچی اونچی تنگ اور مہلک گھاٹیوں کو طے کر کے فان کی نواح میں پہونچنا ہوا"[52]

بابر کی سواری کے گھوڑے تھک کر گر جاتے یا مر جاتے، لیکن خود بابر تکان سے ہمت نہیں ہارتا، اندجان کی مہم میں کئی گھوڑے تھک کر اُس کی ران کے نیچے مر گئے، لیکن بابر گھوڑے بدل کر آگے بڑھتا رہا، وہ ایسے ڈھلواں پہاڑ کے اوپر بھی گھوڑے کو لے جاتا، جہاں گھوڑوں کا قدم نہ ٹک سکتا تھا، اسی سلسلہ میں وہ لکھتا ہے:

"جہاں تک گھوڑوں کی طاقت دیکھی، وہاں تک دوڑائے چلے گئے، جس کا گھوڑا بیکار

---

[51] یہ تفصیلات ہیرلڈ لیمب کی "تیمور" سے مستعار ہیں، جس کا اردو ترجمہ عنایت اللہ صاحب نے کیا ہے، اور معارف پریس ہی میں چھپی،
[52] تزک بابری اردو ترجمہ ص ۸۱،
[53] ایضاً ص ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ -

ہوتا گیا، وہ رہتا گیا، دوست بیگ کا گھوڑا بھی تھک کر رہ گیا، اور جس گھوڑے پر میں سوار تھا، وہ بھی سستی کرنے لگا، قنبر علی نے اپنا گھوڑا دیا، میں اس پر سوار ہو گیا، قنبر علی میرے گھوڑے پر چڑھ گیا، اور پیچھے رہ گیا، خواجہ حسینی لنگڑا تھا، وہ پشتوں کی طرف بھاگ گیا، اب صرف میں اور مرزا قلی کوکلتاش رہ گئے، ہمارے گھوڑوں میں قوس نبا کر اڑنے کا دم نہ رہا تھا، مگر گر ہم پو نیا کئے ہوئے چلے گئے، میرزا قلی کا گھوڑا بھی کمی کرنے لگا، میں نے اس سے کہا کہ تجھ کو اکیلا چھوڑ کر کہاں جاؤں، ؟ جلد آ، ہمارا تیرا ایک ہی جگہ مرنا جینا بہتر ہے"[1]

وہ برفستانی پہاڑوں میں کس طرح سفر کرتا تھا، اس کا حال بھی لکھتا ہے :

"تقریباً ہفتہ بھر برف کاٹتے ہوئے چلے اور کوس ڈیڑھ کوس سے زیادہ نہ چل سکے، میں دس پندرہ مصاحبوں سمیت جس میں قاسم بیگ مع اپنے دونوں بیٹوں کے اور قنبر علی اپنے دو تین نوکروں کے ساتھ تھے، پیدل ہو گئے، ہم سب مل کر برف کاٹتے تھے، ہر قدم پر کمر اور سینہ تک برف میں دھنس جاتے تھے، اور برف کھودتے تھے، چند قدم چلنے کے بعد جو آگے ہوتا تھا، وہ تھک کر اور چل کر کھڑا ہو جاتا تھا، دوسرا آگے بڑھتا تھا، ہم ہی دس پندرہ آدمی برف کھودنے والے تھے، یہ حال تھا کہ ایک خالی گھوڑے کو کھینچے لاتے تھے، رکاب اور خوگیر تک وہ برف میں دھنسا رہتا تھا، دس پندرہ قدم پر چل کر ٹھہر جاتا، اس کو کونے میں کھڑا کر دیتے تھے، اور دوسرے کو بڑھا لاتے تھے، اسی مصیبت سے یہ دس پندرہ آدمی برف کاٹتے تھے، اور اپنے گھوڑے گھسیٹ لاتے تھے، باقی تمام اچھے سپاہی اور وہ لوگ جو سردار کہلاتے تھے، گھوڑوں پر سے کھسکتے تھے، کھڑے ہوئے اور صاف راستہ سے سر جھکائے ہوئے چلے آتے تھے، یہ موقع ایسا نہ تھا کہ کسی کو تکلیف

---

[1] تزک بابری اردو ترجمہ ص ۱۰۸،

دی جائے جس کو ہمت ہو وہ خود چل پڑے، خیر اسی طریق سے برف کاٹتے ہوئے اور راستہ بناتے ہوئے تین چار روز میں کوتل زریں کے آخری خوال قرلی نام ایک مقام ہے، اس میں آئے، اس دن بڑی پریشانی ہوئی، ایسی برف پڑی کہ سب کو موت دکھائی دینے لگی، یہاں والے غار اور کھو کو خوال کہتے ہیں، اس خوال کے پاس جو پہونچے تو اور بھی پریشانی پیدا ہوئی، اس خوال کے پاس ٹھہر گئے، برف بلند، راستہ چھپا ہوا، کھدی ہوئی راہ میں بھی گھوڑے دقت سے چلتے، دن تھوڑا رہ گیا، آگے چلنے والے دن دن میں خوال کے پاس جا پہونچے، مغرب سے عشا تک تو لوگ آ گئے، پھر نہ آ سکے، جو جہاں تھا وہیں رہ گیا، بہتیروں نے تو گھوڑوں کی پیٹھ پر رات گذاری، خوال بھی چھوٹی معلوم ہوئی، میں نے خوال کے منہ تک پاس برف ہٹا کر تکیہ نمد کے برابر اپنے لئے جگہ نکالی، اور وہیں سمٹ کر بیٹھ گیا، سینہ تک برف کھودی تھی، پھر بھی برف نہ نکلی، ہوا کا بچاؤ ہو گیا، میں وہیں بیٹھ گیا، کئی آدمیوں نے کہا کہ اندر چلے جائیے میں نے دل میں کہا کہ سب تو برف اور پریشانی میں ہیں، اور میں گرم مکان میں چلا جاؤں اور آرام کروں، ساری قوم مصیبت و پریشانی میں مبتلا رہے، اور میں لمبے پاؤں پسار کر سوؤں، یہ تو مروت اور یک جہتی سے بعید ہے، جو تکلیف گذرے، میں بھی اس کا مزہ چکھوں، جس طرح اور خدا کے بندے مصیبتیں سہیں، میں بھی سہوں، فارسی مثل مشہور ہے، "مرگ بہ یاراں عید است" اسی ٹھنڈا اور گڑھے میں جو کھود لیا تھا میں بیٹھا رہا، عشا کے وقت اتنی برف پڑی کہ میں جو گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے بیٹھا تھا، لیکن میری پیٹھ پر میرے سر پر اور کانوں پر چار چار انگل برف تھی، اسی رات میرے کانوں میں سردی بیٹھ گئی، عشا کے وقت کچھ لوگوں نے غار کو ٹٹولا، وہ چلائے کہ کھو بہت فراخ ہے، سب کو جگہ مل جائے گی، یہ سن کر سر اور منہ پر سے برف جھاڑ کر میں کھو کے اندر چلا گیا، جو لوگ کھو کے باہر ادھر ادھر گرد

سروی کھا رہے تھے، اُن کو بھی بلالیا، چالیس پچاس آدمیوں کو فراغت سے جگہ مل گئی[1] ہمراہیوں کے ساتھ بابر کے اسی حسن سلوک کی وجہ سے اس کے ارد گرد ساتھ چلنے والے لشکری ہمیشہ اُس کے فدائی بنے رہے، اور اس کی معیت میں برفانی علاقوں، پہاڑی دروں اور خطرناک جنگلوں میں جان کی بازی لگا کر کوچ کرنے میں تامل نہ کرتے،

بابر ہمایوں کو نصیحت کیا کرتا کہ وہ ضرورت کے وقت خطرہ مول لینے میں نہ ہچکچائے، مشقت کا عادی رہ کر تن آسانی اور راحت پسندی سے باز آئے، اور فوج کے نظم و نسق کو ہر حال میں برقرار رکھے، لیکن ہمایوں کو باپ سے یہ چیزیں وراثت میں نہیں ملیں، اسی لئے بابر جس تیزی اور سرعت کے ساتھ اپنی فوج ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا تھا، وہ ہمایوں کو وراثت میں نہیں ملی، وہ جہاں قیام کرتا، وہاں ضرورت سے زیادہ ٹھہر جاتا، وہ جب ۱۵۳۷ء میں بنگال کی مہم پر جا رہا تھا، تو جنار میں آکر اتنے زیادہ دن مقیم ہو گیا کہ . . . . بنگال میں اس کے حریف شیر خاں نے اس تاخیر سے پورا فائدہ اٹھا لیا، اور جب وہ بنگال پہونچا تو گوڑ میں آکر بھول گیا کہ وہ ایک بادشاہ ہونے کے ساتھ ایک فوجی سردار بھی ہے، اور وہاں سے برق رفتاری کے ساتھ چونسا کی طرف پلٹنے کے بجائے گوڑ کے محل میں عیش و عشرت میں پڑ گیا، اگر چونسا پہنچنے میں وہ عجلت کرتا تو شیر خاں کے ہاتھوں اس کی ہزیمت نہ ہوتی، یہ کاہلی اور راحت پسندی اس کے آخری دنوں میں جاتی رہی تھی، اور جب وہ ہندوستان کا تخت و تاج کھو بیٹھا، تو اُس نے پھر بابر ہی کے عزم، ارادے اور حوصلے کی پختگی دکھائی جس کے بعد ہندوستان میں از سر نو حکومت قائم کر سکا،

اکبر کی تیز گامی اکبر اپنی تیز گامی کے لئے مشہور رہا، وہ اپنے چھٹے سال جلوس میں آگرہ سے مالوہ اپنی فوج کے ساتھ شکار کھیلتا ہوا سولہ روز میں گیا، وہاں کل چار دن قیام کیا، اور پھر آگرہ

---

[1] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۱۹۸-۱۹۷، [2] اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۴۴،

متواتر کوچ کرتا ہوا سترہ روز میں واپس آگیا[1]، اسی طرح اپنے دسویں سال جلوس (۹۷۲ھ) میں قنوج سے لکھنو ایک دن اور ایک رات میں پہونچا[2]، اس کے فوجی افسر اسی کی تقلید کرتے، اور ایک رات میں وہ لشکر کے ساتھ چالیس چالیس کوس کوچ کر جاتے تھے[3]، ۹۸۱ھ اور اٹھارہویں سال جلوس میں اکبر سانگانیر (نزد جے پور) سے فتح پور سیکری ایک دن دو رات میں متواتر کوچ کرکے پہونچا[4]، اور اسی سال وہ آگرہ سے احمد آباد نو روز میں گیا،

اورنگ زیب کی کارکردگی مغل بادشاہوں کے زمانے میں تمدن کے لوازم جتنے بڑھتے گئے، اتنا ہی فوجی کیمپ کے ساز و سامان میں بھی اضافہ ہوتا گیا، جس کی تفصیل آیندہ باب میں معلوم ہوگی، اس سے کوچ کرنے کی رفتار کبھی کبھی سست ہو جاتی، لیکن کوچ میں فوجوں کی رفتار کی تیزی اور سستی زیادہ تر فوجی سرداروں کی کارکردگی پر منحصر ہوتی، جنگ جانشینی کے لئے اورنگ زیب آگرہ کی طرف بڑھا تو وہ برہانپور سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۶۵۸ء کو روانہ ہوا، نربدا ۳ اپریل کو عبور کیا، اور پھر اجین کی گھاٹیوں کو طے کرتا ہوا ۱۳ اپریل کو مراد سے جا ملا، اور ۱۴ اپریل کو دھرماوت میں جسونت سنگھ کے خلاف معرکہ آرا ہو گیا، اور یہاں سے پایۂ تخت آگرہ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ دارا نے آگرہ سے کوچ کرکے دھول پور پہونچ کر دریائے چنبل کی ناکہ بندی کر دی کہ اورنگ زیب دریا کو عبور نہ کر سکے، دارا یہاں اپنے لڑکے سلیمان شکوہ کی کمک کا بھی منتظر رہا، لیکن سلیمان شکوہ کی فوج سست رفتاری کی وجہ سے ٹھیک وقت پر اس کی مدد کو نہ پہونچ سکی، چنبل کی ناکہ بندی کے سلسلہ میں دارا نے دریا کے ہر قابل عبور مقام پر بڑی بڑی توپیں لگا دی تھیں، لیکن اورنگ زیب نے غیر معمولی فوجی قیادت سے کام لیا، گوالیار میں اس کو معلوم ہوا کہ دھول پور سے چالیس میل پورب جانب دریا پایاب ہے، اس نے اپنے توپخانہ کو اس مقام پر

---

[1] اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۴۴ [2] ایضاً ص ۲۵۲ [3] اکبر نامہ جلد دوم ص ۲۵۷ [4] ایضاً جلد سوم ص ۳۸
[5] ایضاً ص ۵۱،

پہلے روانہ کر دیا، اور حکم دیا کہ لشکر رات کو کوچ کر کے فجر سے پہلے وہاں پہونچ جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خود گوالیار سے صبح کو روانہ ہوا، اور چالیس میل کی مسافت میں صرف دو جگہ دم لینے کے لئے ٹھہرا، راستہ بہت ہی ناہموار تھا، گرمی شدت کی تھی، پیاس سے بہت سے لشکری ہلاک ہوگئے، لیکن اورنگ زیب نے غیر معمولی ہمت اور جرأت خود دکھائی، اس لئے اس کے لشکری بڑھتے چلے گئے، اور دارا بالکل بے خبر رہا۔ اور جب اورنگ زیب نے دریائے چنبل کو عبور کر لیا، تو دارا چوکنا ہوا، اس کی ساری ناکہ بندی بیکار ثابت ہوئی،[۵۱] کوچ کے موقع پر اورنگ زیب کی فوجی قیادت، دلیرانہ رہنمائی اور سپاہیانہ احتیاط کی اعلیٰ مثالیں شاہجہانی عہد میں بلخ اور قندھار کی مہموں میں ملتی ہیں، بلخ کی مہم میں اورنگ زیب اور اس کے لشکر کے کھانے دس روز تک متواتر ہاتھیوں کی پیٹھ پر پکتے رہے، اور فوج کو پڑاؤ کر کے کھانے پکانے میں وقت ضائع کرنے کی مطلق اجازت نہ تھی،[۵۲] اسی مہم میں آقچہ کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں ازبک تیر اندازوں اور چھپ چھپ کر لڑنے والوں سے اورنگ زیب تیر اندازوں کو جس طرح بچا کر بلخ لے گیا ہے، وہ بھی اس کا بڑا فوجی کارنامہ ہے، گرمی شدت کی پڑ رہی تھی، لیکن اورنگ زیب صبح سے شام تک لو کی لپٹ میں اپنی فوج بڑھاتا چلا جاتا، دوپہر کو خود بھی آرام نہ کرتا، اور نہ لشکر کو دم لینے دیتا، رات کو لشکر کا کہیں پڑاؤ ہوتا، تو فوجی سردار رات رات بھر گھوڑوں کی پیٹھ پر سوار ہو کر کیمپ کے ارد گرد خندق کھدوانے میں مشغول رہتے، کیونکہ ازبک تیزی سے آکر حملہ کرتے اور فرار ہو جاتے، اورنگ زیب دو دن متواتر کوچ کرانے کے بعد لشکر کو کچھ دم لینے کی اجازت دیتا، اس کے لئے خود نیند حرام تھی،[۵۳] بلخ کی میدانی جنگ میں تو اورنگ زیب کامیاب رہا، لیکن جب وہ ہندوستان کی طرف لوٹا تو اس کے لشکر کی پریشانیوں کی کوئی حد نہیں رہی، ہندوکش کے درّے جاڑوں میں برف کے تودوں سے بھر گئے، رسد کی فراہمی

---

[۵۱] عالمگیر نامہ ص ۸۰-۷۹ [۵۲] خافی خاں جلد دوم ص ۶۹، ۶۸، ۶۶ [۵۳] بادشاہ نامہ از عبدالحمید لاہوری جلد دوم ص ۶۹۲-۹۴،

نہ ہو سکی، اور جب لشکر میں قحط کا سامنا ہوا تو اورنگ زیب واپس چلا، غزنی بیگ کے درّے بڑی مصیبت میں پار کئے گئے، پہاڑی قبائل جو ہزارہ کہلاتے تھے، برابر چھاپہ مارتے رہے، دریائے سرخاب کی کی گھاٹیوں میں راستے بہت ہی تنگ اور ناہموار تھے، کوہ ہندوکش میں برف کے تودے جمے تھے اُن ہی کو پار کرنا تھا، اورنگ زیب خود تو غزنی بیگ، غوری، دریائے سرخاب، ہنک شہر، چہار چشمہ، درّہ ہندوکش، غوربند، چری کر ہوتا ہوا اپنے ہمراہی لشکریوں کیساتھ کابل پہنچ گیا، لیکن اس کے بعض فوجی سردار برف باری کی وجہ سے اورنگ زیب کا ساتھ نہ دیسکے بہج سنگھ، ذوالقدر خاں، اور بہادر خان پیچھے رہ گئے، ذوالقدر خاں پہاڑ کی برفستانی چوٹی پر سات دن تک قیام کرکے اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کا انتظار کرتا رہا، بہادر خاں کو پہونچنے میں اس لئے بھی تاخیر ہوئی کہ پہاڑی اس پر چھاپہ مار کر لوٹ مار بھی کرتے رہے، ان برفستانی راستوں کو عبور کرنے میں اونٹ، گھوڑے، برف میں دب دب کر مر گئے، اور بہت سے لشکری ٹھٹھر ٹھٹھر کر جان دیتے رہے، اور جب پورا لشکر کابل پہونچا تو ان درّوں اور گھاٹیوں میں دس ہزار جانیں بے گور و کفن تلف ہو کر رہ گئیں[1]،

۱۶۹۹ء میں وہ برہما پوری (اسلام پوری) سے مرہٹوں کے قلعے کی تسخیر کے لئے چلا تو اُس کو منزل مقصود پر پہونچنے کی بڑی عجلت تھی، اس لئے اُس نے حکم دیا کہ وہ خواہ بیمار ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن جمعہ کے علاوہ کسی روز فوج کہیں قیام پذیر نہ ہو، راستہ میں وہ دو بار بیمار پڑا، لیکن جمعہ کے علاوہ کسی روز فوج کہیں نہیں ٹھہری، خواص پور پہونچ کر جمعرات کی شب کو اس کے گھٹنے میں چوٹ آگئی، اُس نے کوچ کا نقارہ بجانے کا حکم دیا، اس کے ایک فوجی افسر حمید الدین خاں نے کہا کہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی ہو گی، اورنگ زیب نے سُن کر کہا کہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ جمعہ کے روز فوج قیام کرے، یہ نہیں کہا تھا کہ کوچ نہ کرے، میرے اس حکم میں کوئی منطقیانہ نقیض نہیں (انک ڈونس آف اورنگزیب از جدوناتھ سرکار ص ۱۰۰)

---

[1] بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۶۶۹،

کوچ میں صف آرائی | پایۂ تخت سے فوج روانہ کی جاتی تو وہیں اس کی صف آرائی ہو جاتی، اور ہر بازو کے فوجی سردار وہیں مقرر ہو جاتے، اور فوج اسی تنظیم کے ساتھ کوچ کرتی[۵۱] اور میدانِ جنگ میں صف آرا ہوئی، ... تیمور کا بھی یہی دستور تھا، شاہجہاں بلخ اور قندھار کی مہم میں پایۂ تخت میں بیٹھکر صف آرائی میں ترمیم اور تبدیلی کا فرمان جاری کرتا رہتا تھا،

قائد کی پرشکوہ روانگی | اہم مہم میں بادشاہ خود لشکر کی قیادت کرتا، یا پھر یہ خدمت شہزادہ یا کسی ممتاز منصبدار کو سپرد کی جاتی، اور یہ فوجی رہنما سج سجا کر جب خوش و خرم روانہ ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ وہ موت کے منہ میں جانے کے بجائے ایسی جگہ جارہے ہیں جہاں شوکت اور حشمت ان کے قدموں پر نثار ہوکر رہے گی، بادشاہ گھوڑے یا ہاتھی پر روانہ ہوتا، آخری زمانہ میں بادشاہ کے لئے تختِ رواں کی سواری بھی ہوا کرتی تھی،

مبارک ساعت | لشکر کی روانگی سے پہلے مبارک اور نیک ساعت کا بھی لحاظ رکھا جاتا[۵۲] نجومی اگر کسی دن کو منحوس بتادیتے تو اس دن روانگی ملتوی کردی جاتی، اکبر تو نجومیوں اور پنڈتوں کا کچھ ایسا قائل ہوگیا تھا کہ وہ فوجی مہم سے واپسی پر دارالسلطنت میں داخل بھی نیک ساعت میں ہوا کرتا تھا، ۹۸۱ھ میں وہ سانگانیر سے فتح پور سیکری بڑی تیزی سے اپنی فوج کو کوچ کراتا ہوا واپس آیا، لیکن جب فتح پور سیکری آٹھ کوس رہ گیا، تو ایک جوتشی نے تین دن تک آگے بڑھنے سے روک دیا، اور اکبر وہیں مقیم رہا، اور شیخ سلیم چشتی اور اعیانِ سلطنت اس سے آکر وہیں ملتے رہے[۵۳] لشکر کی روانگی مبارک ساعت میں ممکن نہ ہوتی، تو کم از کم تھوڑی سی فوج بھی کچھ دور آگے بھیج دی جاتی، اکبر اور جہانگیر تو دیوانِ حافظ سے فال بھی دیکھا کرتے تھے[۵۴]

---

۵۱ عملِ صالح جلد اول ص ۶۰۴، ج ۲ ص ۲۶۲۴، بادشاہ نامہ جلد اول ص ۴۰۵ جلد ۲ ص ۴۸۲، ۱۳۱، ۵

۵۲ اکبر نامہ جلد سوم ص ۸۲۲ ۵۳ اکبر نامہ جلد سوم ص ۳۸ ۵۴ اکبر نامہ جلد دوم ص ۴۷ جلد ۳ ص ۲۲۰، تزک جہانگیری ص ۱۰۵

مزار پر حاضری

صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دے کر اُن سے مدد طلب کی جاتی، اکبر نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار اقدس پر معلوم نہیں کتنی بار حاضری دی[۵۱]، وہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے مرقدِ مبارک پر بھی جایا کرتا تھا، جہانگیر تو ان بزرگوں کے علاوہ اپنے باپ کی قبر پر بھی حاضر ہوا کرتا تھا[۵۲] اور یہ روایت آخر وقت تک قائم رہی، فرخ سیر جب پنجاب سے آگرہ روانہ ہوا، تو جھوسی میں شاہ تقی الدین کورہ، شاہ بدیع الدین اور مکھن پور میں شاہ مدار کے مرقدِ قدسیہ کی خاک پاک کو آنکھوں سے لگایا،

جاسوس

پایۂ تخت سے لشکر کوچ کرتا تو ابتدائی منزل کی رفتار سُست رہتی تاکہ جو فوجی کسی وجہ سے پیچھے چھوٹ جاتے، وہ آکر مل جاتے، فوج کا ایک چھوٹا دستہ جو کبھی مقدمۃ الجیش، کبھی منقلہ یا کبھی طلیعہ کہلاتا، آگے روانہ کر دیا جاتا، تاکہ وہ غنیم کی فوجوں کی خبر رکھے، اور راستہ کے محفوظ ہونے کی خبر دیتا رہے، لشکر کے چاروں طرف دور دور تک جاسوس بھیج دیے جاتے، جو ہر قسم کی خبریں پہونچاتے رہتے، ان جاسوسوں کو اس زمانہ میں ہرکارہ کہا جاتا،

بیلداروں وغیرہ کی کارگذاری

بیلداروں، بڑھیوں، لکڑہاروں کی جماعت بھی ساتھ رہتی تاکہ وہ راستوں کو ہموار کر کے لشکر کو آگے بڑھنے میں معاون ہوں، اگر دریا کے ساحل پر فوج مقیم ہوتی، تو بیلدار ہی کے ذریعہ ساحل کاٹ کاٹ کر غنیم کی طرف لشکر میں پانی بہا کر اس میں سراسیمگی پھیلا دی جاتی[۵۳]،

۲۶ سنہ سال جلوس میں اکبر نے بیلداروں ہی کے ذریعہ کلانور میں دریائے راوی پر پل بنا کر اپنی فوج کو پار کیا[۵۴]، اقبال نامہ جہانگیری کے مصنف نے لکھا ہے کہ لشکر عبور کرانے کے سلسلہ میں پل بنانے

---

۵۱ اکبرنامہ جلد دوم ص ۳۵۰-۳۵۶، جلد سوم ص ۱۶۳، ۲۵۲ وغیرہ ۵۲ تزک ص ۲۶،

۵۳ اکبرنامہ جلد سوم ص ۸۴۲ ۵۴ اکبرنامہ جلد سوم ص ۳۴۹

کا طریقہ یہ تھا کہ تاڑ کے بڑے بڑے درخت پانی کی سطح پر ڈال دیئے جاتے تھے، اور اُن کے دونوں سروں کو پتھر سے باندھ کر مضبوط کر دیا جاتا تھا، اور اس کے اوپر لکڑی کے چوڑے تختے ڈال کر اُن میں میخیں ٹھونک دیجاتیں، اور پھر ان کو مضبوط رسیوں سے باندھ کر مستحکم کر دیا جاتا تھا، یہ تیار ہو جاتا تو تھوڑی تھوڑی مرمت کے بعد برسوں قائم رہجاتا[1] پل بناتے وقت غنیم کی یورش روکنے کے لئے توپوں سے گولہ باری کی جاتی تھی،[2]

باربرداری کے جانور فوجی سامان کی باربرداری کے لئے لشکر کے ساتھ گھوڑے، اونٹ، خچر، بیل وغیرہ سب ہی رہتے، اونٹ خچر اور بیل پر تمام سامان لادے جاتے، چنانچہ اونٹوں اور خچروں کی اچھی سے اچھی نسل تیار بھی کی جاتی، اور اجمیر، جودھپور، ناگور، بیکانیر، جیسلمیر، بھنڈا میں اونٹوں کی اچھی نسلیں پیدا کرنے کی کوشش کی گئیں، اور ایک ایک شخص کے پاس دس دس ہزار اونٹ ہوتے تھے، اچھے اونٹ لڑائی میں بھی استعمال کئے جاتے، اور اُن کی پیٹھ پر سے شتر نال چھوڑی جاتی، اونٹوں کے نگہبان کو دارونہ شتر خانہ کہا جاتا، شاہی لشکر میں جو اونٹ ہوتا، اس کا ماہانہ خرچ اکبری عہد میں ۲۴۰ دام ہوتا، اس کو چھ سیر غلہ روزانہ دیا جاتا، گھاس کے لئے ایک دام، ساز و سامان کے لئے ۲۰ دام اور شتربان کی تنخواہ کیلئے ۲۰ دام ہوتا تھا، ان پر چھ سے دس من تک کے سامان لادے جاتے تھے،[3]

خچر صرف پہلی میں ہوتے، مگر یہ سواری کے لائق نہ ہوتے تھے، عہد اکبری میں اس کی نسل کو اس قدر ترقی ہوئی، کہ ہزار روپے تک اس کی قیمت پہونچی، اور لوگوں کو اس کی سواری سے عار نہ رہا،[4]

لشکر کی غارتگری سے تحفظ جب فوج کوچ کرتی، تو اس کے سردار حتی الوسع کوشش کرتے کہ وہ علاقہ اور علاقہ کے لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہونچائیں، اور اگر وہ کوئی ظلم و ستم کرتی تو اس کو پوری سزا دیجاتی، مثلاً

لہ اقبال نامہ جہانگیری ص ۱۳۶، کہ تزک بابری ص ۳۲۸،

سہ آئینِ اکبری جلد اول آئین ۶۲، دفتر دوم، آئین ۲، ٹہ آئین اکبری جلد اول ص ۱۴۸،

۹۲۵ھ میں بابر کی فوج بھیرہ میں داخل ہوئی تو وہ لکھتا ہے کہ

"لوگوں نے عرض کی کہ کچھ سپاہیوں نے بھیرہ والوں کو ستایا ہے، اور ان پر ہاتھ ڈالا ہے،"

فوراً ان سپاہیوں کو گرفتار کر کے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا، اور بعض کی ناکیں کٹوا کر تشہیر کرایا، اس ملک کو تو ہم اپنا ہی جانتے تھے، اس وجہ سے اس کو بالکل محفوظ مامون رکھا[۱]،

شیر شاہ کی فوج بھی اگر کہیں ظلم و ستم کرتی، تو وہ بھی اسی قسم کی سختی کیا کرتا تھا،

جہانگیر اپنے تیرہویں سال جلوس جب احمد آباد گیا، تو اس کا لحاظ خاص طور پر رکھا کہ شاہی لشکر کا کوئی فرد وہاں کے باشندوں پر ظلم نہ کرنے پائے، چنانچہ روزانہ تین گھنٹے جھروکہ میں بیٹھکر مظلوموں کی فریاد سنتا اور ظالموں کو سزا دیتا تھا، احمد آباد میں وہ علیل ہو گیا تھا لیکن علالت کے زمانہ میں بھی جھروکہ کی نشست ختم نہیں کی، وہ ایسے موقع پر جسمانی راحت کو حرام سمجھتا تھا[۲]،

عبد الحمید لاہوری کا بیان ہے کہ شاہجہاں ۱۶۲۳ء میں لاہور جا رہا تھا تو اس نے بخشیوں کو حکم دیا کہ وہ تیر اندازوں کو لے کر راستہ کے ایک جانب کی حفاظت کریں اور میر آتش کو بندوقچیوں کے ساتھ راستے کی دوسری سمت تعینات کیا تاکہ شاہی فوج کھیتوں کی فصل کو نقصان نہ پہنچا سکے لیکن یہ بھی احتمال تھا کہ اس انتظام کے باوجود فصل کو کچھ نہ کچھ نقصان ضرور پہونچ جائے گا، اس لئے پہلے ہی داروغہ مشرف اور امین مقرر کر دیئے گئے تھے، کہ رعایا اور ایک ہزار سے کم کے جاگیرداروں کے نقصان کا معاوضہ دیا جائے[۳]، ایک بار شاہی فوج ۱۶۴۹ء میں قندھار کی طرف جا رہی تھی جس سے غزنی میں کھیتوں کو بڑا نقصان پہونچا، چنانچہ وہاں کے کاشتکاروں کو اس معاوضہ میں دو ہزار اشرفیاں دی گئیں، کاشتکاروں کی بڑی پاسداری کی جاتی، کیونکہ ان ہی پر حکومت کی اصلی آمدنی کا انحصار تھا[۴]،

---

[۱] تزک بابری ص ۲۲۷، [۲] تزک جہانگیری ص ۲۲۱ [۳] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۴ [۴] ایلیٹ ص ۸ [۵] طبقات ناصری ص عفیف ۵۰۰ [۶] اکبرنامہ جلد سوم ص ۷، ۸ ماثر الامراء جلد اول ص ۴۵

قاضی لشکر ہر فوج کے ساتھ ایک قاضی ہوتا، جو قاضی اردو یا قاضی عسکر کہلاتا[۱]، قاضی نماز کے اوقات میں لشکریوں کی امامت کرتا، مغلوں کے زمانہ میں قاضی عسکر کے لئے میر عدل کی بھی اصطلاح استعمال ہوتی رہی[۲]، وہ لشکریوں کے باہمی جھگڑوں کو چکاتا، سلاطین دہلی کے عہد میں لشکریوں کے جھگڑے چکانے کے فرائض امیر داد یا دادبک کے ذمہ تھے[۳]،

[۱و۲] طبقات ناصری ص ۴۴، عفیف ۵۰۰، اکبر نامہ جلد سوم ص ۷۴، مآثر الامرا جلد اول ص ۴۳۵،

[۳] برنی ص ۳۹۱-۳۵۸،

جھنڈے

سلاطین دہلی کے جھنڈے

غوریوں کی فوج میں دو رنگ کے علم ہوتے تھے میمنہ (دائیں بازو) میں غوری ملوک و امرار کے ساتھ سیاہ رنگ کا علم ہوتا تھا، اور میسرہ (بائیں بازو) میں ترک ملوک و امرار کے ہمراہ سرخ رنگ کا علم لہراتا تھا[۱]، ان ہی دونوں رنگ کی تقلید مملوک حکمرانوں نے بھی کی[۲]، تاج المآثر کے مصنف کا بیان ہے کہ قطب الدین ایبک کے جھنڈوں پر کبھی شیر، کبھی اژدر، کبھی عقاب، اور کبھی ہلال کی بھی تصویر ہوتی، علاء الدین خلجی کے علم پر ہلال کا نشان[۳] ہوتا تھا، غیاث الدین تغلق جب ناصر خسرو کے خلاف جنگ کر رہا تھا، تو امیر خسرو نے تغلق نامہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے[۴]،

علم ماہی داد با فر شاہی چو سعد اکبر اندر برج ماہی

غیاث الدین تغلق کبھی پر طاؤس بھی لگا دیا کرتا تھا[۵]،

محمد تغلق کے زمانہ میں شاہی علم کے علاوہ خوانین و امرار کے بھی امتیازی جھنڈے ہوتے تھے بعض خوانین کو سات علم رکھنے کی اجازت تھی، اور بعض امرار تین علم رکھتے تھے[۶]، فیروز شاہ تغلق جب بنگال کی مہم پر گیا، تو اس کے ساتھ پانچ سو نشانات یعنی جھنڈے تھے[۷] بعض نشانات فیروز شاہ

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۲۷، [۲] ایضاً ص ۱۷۹، ۲۰۷، [۳] خزائن الفتوح، [۴] و [۵] تغلق نامہ ص ۱۲۲،
[۶] صبح الاعشیٰ بحوالہ معارف نمبر ۶ جلد ۲۶ ص ۴۲۲، ۴۲۱، [۷] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۱۱۵،

کے ایجاد کردہ تھے، دو پتیل کے نشانات تھے، جن کا وزن ایک من تھا، اسی طرح دو لوہے کے نشانات بھی وضع کئے تھے، جن کے وزن تیس تیس سیر تھے، یہ نشانات فوج کے دائیں بائیں ہاتھیوں پر لہراتے تھے، ہاتھی کی پیٹھ پر ایک صندوق رکھا جاتا تھا، صندوق میں نشان رکھ کر ڈوریوں سے ہاتھی کی پیٹھ سے باندھ دیا جاتا تھا، اور دو آدمی صندوق میں بیٹھ کر نشان کو پکڑے رہتے تھے، اس طرح یہ نشانات دو تین کوس کے فاصلے پر دکھائی دیتے تھے[1]

علم و نشانات کا محافظ قوربیگ کہلاتا تھا، فوج کے دائیں بائیں دونوں طرف ایک قوربیگ ہوتا تھا[2] جس جگہ علم و نشانات رہتے وہ قورخانہ کہلاتا تھا، مغلوں کے دور میں قورخانہ اسلحہ خانہ کو کہتے تھے، شاہی علم کی محافظت پر پورا زور دیا جاتا تھا، اس کے چاروں طرف جانباز لشکری اس کی حفاظت کے لئے کھڑے رہتے تھے، جب تک یہ لہراتا رہتا، لشکریوں کے پاؤں میدانِ جنگ میں اکھڑنے نہیں پاتے تھے، غیاث الدین تغلق ناصر خسرو سے لڑ رہا تھا، تو ناصر خسرو کی فوج نے تغلق کے بہت سے جھنڈوں کو کاٹ کر گرا دیا، جس سے تغلق کی فوج میں سراسیمگی پھیل گئی، اور وہ منتشر ہونے لگی، لیکن تغلق نے اپنے علم خاص کو جس پر مچھلی کی شکل بنی ہوئی تھی، ایستادہ رکھنے کی کوشش کی، اُس نے علمبردار سے کہا کہ اگر تو نے علم کو قائم رکھا تو تیرے قد سے اونچا روپے کا ڈھیر لگا کر تجھکو مچھلی کی طرح تیرا دوں گا، کیونکہ یہ علم قائم رہا تو مجھکو دشمن کی سو صفوں کا بھی خوف نہیں ہے، علمبردار نے ہمت سے کام لے کر علم کو اپنی جگہ پر برقرار رکھا، امیر خسرو کا بیان ہے کہ تغلق کی اس حکمت کی بدولت اس کے جو سوار منتشر ہو گئے تھے، علم کو ایستادہ دیکھ کر پھر پلٹ آئے، اور اس جانبازی سے لڑے کہ ہاری بازی جیت گئے[3]

عہدِ مغلیہ کے نشانات | مغلیہ عہد کے نشانات حسب ذیل تھے:

---

[1] عفیف ص ۲۷۰، [2] تاریخ مبارک شاہی ص ۶۲ [3] تغلق نامہ ص ۱۳۰ - ۱۲۹ -

(۱) **علم**:- شاہی سواری کا خاص نشان تھا، اس کی تعداد کم از کم پانچ ہوتی تھی، یہ ریشمی غلاف میں ملفوف رہتا تھا لیکن میدانِ جنگ میں غلاف سے باہر نکال لیا جاتا تھا،

(۲) **چتر توق**: یہ ذرا چھوٹا ہوتا تھا، اور تبت کے باز کی دم سے بنایا جاتا تھا،

(۳) **تمن توق**: یہ چتر توق ہی کی طرح ہوتا، لیکن نسبتاً کچھ لمبا ہوتا،

(۴) **جھنڈا**: یہ ایک ہندوستانی علم تھا،

ان میں پہلے دونوں صرف بادشاہِ وقت کے لئے مخصوص تھے، بقیہ امرا، اور فوجی سرداروں کو بھی بطور امتیاز عطا ہوا کرتے تھے[۱]

اکبر کے علم پر چاند کی شکل بنی ہوتی،[۲] جو شاہجہانی اور عالمگیری عہد کے علم پر بھی رہی،[۳]

علم کی اہمیت کبھی میدانِ جنگ میں شاہی علم (قور) کے نیچے جمع ہو کر باہمی مشورے کئے جاتے،[۴]

علم کی حفاظت میدانِ جنگ میں شاہی علم کی حفاظت پورے طور پر کی جاتی، اور اس کو کسی حال میں سرنگوں ہونے نہیں دیا جاتا، بلکہ اس کو بلند رکھنے کی خاطر فوجی سردار اپنی جان کی بازی لگا دیتا، جہانگیر کے عہد میں ۱۰۲۱ھ میں عثمان خاں افغانی نے بنگالہ میں بغاوت کی تو اس کو فرو کرنے کے لئے جہانگیر نے شجاعت خان کی سرداری میں لشکر بھیجا، میدانِ جنگ میں عثمان خاں

[۱] آئین اکبری حصہ اول آئین ۱۹ [۲] اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۳۹، ۱۴۰، [۳] بادشاہ نامہ جلد اول ص ۲۹۶، جلد دوم ص ۲۲۶ و عالمگیر نامہ ج اول ص ۶۱،

[۴] اکبر نامہ جلد سوم ص ۴۸۲،

کی فوج نے شاہی لشکر کو کافی نقصان پہونچایا، اور جب اُس کے جرانغار (بایاں بازو) برانغار (دایاں بازو) اور ہراول (اگلی صف) میں کافی انتشار پھیل گیا، تو افغانی قول (مرکز) کی طرف بڑھ کر شجاعت خاں پر حملہ آور ہوئے، اور ایک مست ہاتھی گجپت نامی کو اسس پر چھوڑ دیا، شجاعت خاں نے پہلے اپنے برچھے کی ایک زد ہاتھی پر لگائی، لیکن ہاتھی پیچھے نہ ہٹا، غصہ میں شجاعت نے اپنی تلوار نکال کر ہاتھی پر دو دو ہاتھ لگائے، پھر بھی ہاتھی پسپا نہ ہوا، اسکے بعد اس نے جمدھر کے دو وار کئے، لیکن ہاتھی نے منہ نہیں موڑا، اور شجاعت کو مع گھوڑے کے زین پر دے مارا، شجاعت خاں نے گھوڑے سے جدا ہوتے ہی جہانگیر شاہ کا نعرہ لگایا، اور پھر اُٹھ کھڑا ہوا، اس کے ایک جلودار نے بڑھ کر ہاتھی کے اگلے پاؤں پر دودستی تلوار کی ایک ضرب لگائی جس سے ہاتھی زمین پر گر پڑا، جلودار نے فیل بان کو بھی مغلوب کر لیا اور ہاتھی پر اتنے وار کئے کہ وہ اُٹھ کر چیختا ہوا اپنی فوج کی طرف بھاگا، شجاعت خاں گھوڑے پر سے گرا، تو خود بھی صحیح سالم اُٹھا، اور گھوڑے کو بھی اٹھایا، اور اس پر سوار ہونا ہی چاہتا تھا کہ دشمنوں نے اس کے علم بردار پر دوسرا ہاتھی دوڑا دیا، جس سے علم بردار اپنے گھوڑے پر سے نیچے آگیا، شجاعت خاں علم کو نیچے گرتے دیکھ کر بے حد مضطرب ہوا لیکن اسی وقت اُس نے ایک کڑک کر نعرہ لگایا اور علمبردار کو للکارا" مردانہ باش! من زندہ ام"

اس کو سُن کر شاہی فوج کے لوگ تبر، جمدھر اور تلواریں لیکر ہاتھی پر ٹوٹ پڑے، تاکہ علم پامال نہو سکے، شجاعت خاں بھی مردانہ وار علم بردار کے پاس پہونچ گیا، اور کڑکتی ہوئی آواز سے اس سے اٹھنے کیلئے کہا اور سپاہیوں سے اسکو اٹھا کر دوسری گھوڑے پر سوار کیا اور علم کو پھر بلند کیا، اور پھر اسی علم کی حفاظت کے لئے علم ہی کے پاس بڑی خونریز جنگ ہوئی جس میں شاہی لشکر غالب رہا، جہانگیر نے شجاعت خاں کو اس بہادری پر رستم خاں کا خطاب[1] دیا،

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۰۵ - ۱۰۴،

باجے

سلاطین دہلی کے عہد کے باجے لشکر کے ساتھ جنگی باجے بھی ہوتے تھے، سلاطین دہلی کے عہد کی تاریخوں میں حسب ذیل باجوں کے نام ملتے ہیں،

(۱) کوس (۲) بوق (۳) چنگ (۴) ارغون (۵) سرنا (۶) نفیری (۷) دمامہ (۸) دہل،

پہلے چھ باجے تھے، اور آخری دو نقارے اور ڈھول تھے، دمامے عموماً اونٹوں، گدھوں اور گھوڑوں پر لاد کر بجائے جاتے تھے[1]، فیروز شاہ نے دو اتنے بڑے دہل ایجاد کئے تھے کہ وہ صرف ہاتھی ہی پر رکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتے تھے، اور دو آدمی اپنی پوری قوت سے اُن پر ضرب لگاتے تھے[2]، جنگی نقارخانہ شاہی خیمہ کے سامنے کسی اونچی جگہ پر ہوتا، دہل کی آواز سے لڑائی کا آغاز ہوتا، پہلی آواز میں لشکر اپنے جنگی ساز و سامان سے تیار ہو جاتا، دوسری آواز میں صفوں کی ترتیب ہو جاتی، اور تیسری آواز میں لشکری اپنے اپنے فوجی سرداروں کے حکم کے منتظر رہتے، جاؤش نفیری پھونکتا، تو لڑائی شروع ہو جاتی[3]،

دہل زن کی پامردی میدان جنگ میں فوجی باجوں کی بڑی اہمیت ہوتی، بعض دہل زن کی شجاعت اور پامردی کی وجہ سے جنگ کا نقشہ بدل جاتا، غیاث الدین تغلق امیر خسرو کے مقابلہ میں

---

[1] عفیف ص ۱۴۵، [2] ایضاً ص ۳۶۰، [3] آداب الحرب والشجاعہ، تغلق نامہ ص ۹۲؛ خزائن الفتوح ص ۱۰۱

پسپا ہو رہا تھا تو اس کی سب سے بڑی فکر یہی تھی کہ فوجی دہل زن اور علمبردار اپنی اپنی جگہیں نہ چھوڑیں، وہ دہل زنوں کو للکارتا رہا کہ وہ اپنے گھوڑوں پر پوری مستعدی سے سوار ہیں، اور پھر اُن کو انعام واکرام کا بھی لالچ دلایا،

زبہر عیش روز و روزگارت
دہل پر زر فشانم در کنارت

تغلق کی اس ترغیب پر دہل زن پوری پامردی کے ساتھ... اپنی جگہوں پر قائم رہ کر نوبت بجاتے رہے، جس سے منتشر اور پراگندہ فوجیں جمع ہو کر دلیری سے لڑیں، اور فتحیاب ہوئیں،[1]

عہدِ مغلیہ کے باجے | مغلوں کی لڑائیوں میں بھی جنگی باجے کی اہمیت قائم رہی، جس وقت بوق ونفیر کی آوازیں بلند ہوتیں، تو سواروں کے گھوڑے بدکتے اور بھڑکتے، سوار سختی سے راسیں کھینچ کر اُن کو شایستہ بناتے، عالمگیر نامہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ فوجی باجے سے غنیم کا پتہ پانی ہو جاتا، اور شاہی لشکر کے جوانوں کو غیرت آجاتی، اور اُن کی مردانگی کا جوش بڑھ جاتا،[2]

اکبر نے ۱۰۰۱ھ میں زین خاں کوکہ کو بجوڑ کی مہم پر بھیجا، تو کندہی کھار کے پاس تاریکیوں کے قبیلہ نے شاہی فوج کو آگے بڑھنے سے روکا، اور اپنے قلعہ کنشتان کے پاس ایک زبردست مورچہ بنایا، اور راستے کو پتھروں سے اس قدر ناہموار بنا دیا کہ سواروں کا گذرنا مشکل ہو گیا، لیکن زین خاں کوکہ نے تختہ بیگ، سعید خاں اور حیدر علی عرب کے ہمراہ، اپنے ہراول کو بھیجا کہ کسی مناسب مقام کو لڑائی کے لئے منتخب کریں، تاریکیوں نے بڑھ کر اس پر حملہ کیا، اور قریب تھا کہ ہراول کو شکست ہو جائے کہ زین خاں اُن کی مدد کے لئے آگے بڑھا، اور جنگی باجوں کو زور سے

[1] تغلق نامہ ص ۱۲۹ [2] عالمگیر نامہ ص ۶۱ ۳

بجانا شروع کیا، ان باجوں کی آواز سُن کر شاہی ہراول کی ہمت بڑھی، اور اُن کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سے جم گئے،[۱]

پہلے ذکر آچکا ہے کہ عالمگیری عہد میں میر جملہ آسام کی مہم پر گیا تو یہاں لڑائیاں بحری اور بری دونوں فوجوں سے ہوئیں، ایک موقع پر کھڑ گاؤں کے پاس بحری اور بری فوج کا تعاون نہ ہو سکا، اس سے فائدہ اٹھا کر آسامیوں نے شاہی بیڑے پر حملہ کر دیا، اور قریب تھا کہ شاہی بیڑہ کو شکست ہو جائے کہ میر جملہ نے دور سے لڑائی کی توپوں کی گرج سُن کر اپنے ایک فوجی سردار محمد مومن کو مدد کے لئے روانہ کیا، موخر الذکر غنیم کے پاس پہونچا تو اُس نے اپنے کرناجیوں کو زور سے کرنا بجانے کا حکم دیا، اُن کی آواز سُن کر غنیم کو یقین ہو گیا کہ بری فوج مدد کے لئے آپہونچی ہے اور پھر اُن کی ہمت ایسی پست ہوئی کہ وہ جیتی بازی ہار گئے،[۲]

مغلوں کے عہد میں حسب ذیل باجے اور نقارے میدانِ جنگ میں بجاتے جاتے تھے،

(۱) **نقارہ**: اس کے کم و بیش بیس جوڑ بجائے جاتے تھے، اُس کی آواز سخت اور بھاری ہوتی تھی، بعض نقار خانے سونے اور چاندی کے بنائے جاتے تھے،[۳]

(۲) **دہل**: ایک ساتھ چار بجائے جاتے تھے، چھوٹے دہل کو کوس اور بڑے کو کورگہ بھی کہتے تھے، (اکبرنامہ جلد سوم ص ۱۴۷، واقبال نامہ جہانگیری ص ۱۲۶)

(۳) **کرنا**: یہ چاندی، سونے اور پیتل کے بنتے تھے، اور چار سے کم نہیں بجائے جاتے تھے،

(۴) **سرنا**: اس کی دو قسمیں ہوتی تھیں، پارسی اور ہندی، یہ نو عدد ملا کر بجائے جاتے تھے،

(۵) **نفیر**: یہ تین قسم کے ہوتے، پارسی، فرنگی، اور ہندی، اور ہر قسم میں سے چند عدد

---

[۱] اکبرنامہ جلد سوم ص ۴۰۰، [۲] عالمگیرنامہ ص ۱۴۷، [۳] اقبال نامہ جہانگیری ص ۱۲۶،

لے کر ساتھ بجاتے تھے،

(۶) **سینگ**: اس کو تانبے سے بناتے تھے، اس کی شکل گائے کی سینگ کی ایسی ہوتی تھی، اور دو کو ساتھ بجاتے تھے،

(۷) **سنج**: اس کے تین جوڑ کو ملا کر بجاتے تھے[1]،

---

[1] آئینِ اکبری جلد اول آئین ۱۹

کیمپ

تزک و احتشام

شاہی فوج جب میدانِ جنگ کو جاتی تھی، تو بہت آراستہ و پیراستہ ہو کر، اُن کی حکومت اس سرزمین میں جتنی زیادہ مستحکم ہوتی گئی اتنی ہی اُن کی فوج کی شان و شوکت میں اضافہ ہوتا گیا، تیموری عہد سے پہلے کے مورخوں نے تو اپنے عہد کی فوجی شان و شوکت کی تفصیل بیان کرنے میں بخل سے کام لیا ہے لیکن ہمیں ذرا بھی شک و شبہہ کی گنجایش نہیں کہ اس دور کے لشکریوں کی کارکردگی اور نبرد آزمائی تیموری عہد کی فوج سے کسی لحاظ سے بھی فروتر نہیں تھی، اگر اس دور میں بھی کوئی ابوالفضل یا عبدالحمید لاہوری یا کاظم شیرازی ہوتا، تو اس زمانے کے فوجی کارنامے بھی تیموری عہد ہی کی طرح پرشکوہ معلوم ہوتے، لیکن اس دور کے مورخوں کی خاموشی کے باوجود سلاطینِ دہلی کے فوجی دبدبے کا جو غلغلہ بیرونی ممالک میں بلند ہوتا رہا، اس کو وہاں کے بعض اہلِ قلم نے بڑے ولولہ انگیز طریقے پر لکھا ہے، چنانچہ صبح الاعشیٰ کے مصنف کا بیان ہے کہ سلطان محمد تغلق جب کسی فوجی مہم پر جاتا تھا، تو بڑے تزک و احتشام سے روانہ ہوتا تھا، ایک سوار تاج شاہی پر چتر لگائے رہتا تھا، سلاح دار زرق برق لباس میں ملبوس چمکیلے ہتھیار سنبھالے ہوئے سواروں کے پیچھے ہوتے تھے، تقریباً بارہ ہزار خدام پیادہ رہتے تھے، سواری کے آگے طبل بجتا جاتا تھا طبل میں ۲۰۰ نقارے ۴۰ کوس، ۲۰ بوق اور ۱۰ چنگ ہوتے تھے، سلطان کے ساتھ دوسرے اعیانِ سلطنت اپنے اپنے امتیازی جھنڈوں کے ساتھ ہمرکاب ہوتے تھے، بعض خوانین کو سات سات جھنڈے رکھنے کی اجازت ہوتی تھی، اعیانِ حکومت کے چند دوسرے امتیازات خصوصی بھی ہوتے تھے،

مثلاً خوانین عام طور پر دس کوتل گھوڑے اپنے ساتھ رکھ سکتے تھے، اور امراء کو ۲۰ کوتل گھوڑوں کی اجازت ہوتی تھی،[1]

خیمے لشکر کوچ کرتا تو ہاتھیوں، سواروں، اونٹوں، پیادوں، بار برداری کے جانوروں، بیلداروں نجاروں اور لوہاروں اور بنجاروں وغیرہ کی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ ہوتی تھیں، اور خاص فوجی تنظیم کے ساتھ آگے بڑھتی تھیں، پڑاؤ کے لئے بڑے بڑے خیمے ساتھ ہوتے، ابن بطوطہ نے تغلق کے عہد کے خیموں کے دو نام لکھے ہیں، سراچہ اور صیوان، شاہی سراچہ کا رنگ سرخ اور امراء کے سراچہ کا رنگ سفید ہوتا تھا، جس پر نیلے رنگ کا نقش بھی ہوتا، صیوان سراچہ کے اندر سایہ کے لئے لگایا جاتا تھا، جو دو بڑے بانسوں پر کھڑا رہتا تھا،[2] فیروز شاہ کے خاص خاص خیموں کے نام یہ تھے، دہلیز، بارگاہ، خوابگاہ، فیروز شاہ کی ایک ایجاد گنبد سفید بھی تھا، جو بارگاہ کے ساتھ نصب کیا جاتا تھا جس کے نیچے وہ پوری شان وشوکت کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا،[3]

خیموں کی ترتیب جب خیمے پڑاؤ پر نصب کئے جاتے تو ان کی ترتیب میدانِ جنگ ہی کی طرح دی جاتی تھی، یعنی آگے تو مختلف قسم کی فوجوں کے خیمے ہوتے، اور بیچ میں بادشاہ، فوج کے اعلیٰ عہدیداروں اور حرم کی عورتوں کے خیمے ہوتے، ان کے پیچھے اسلحہ خانہ، بار برداری کے جانور اور فوج کے دوسرے متعلقات ہوتے، اس کا بھی لحاظ رکھا جاتا، کہ فوج کی پشت پر حفاظت کے لئے یا تو پہاڑی ہو یا ندی، اور اگر اس قسم کی حفاظت کا فطری سامان نہ ہوتا، تو خندقیں کھودی جاتیں، یا خاردار شاخوں کی باڑ لگادی جاتی،

اکبر کا کیمپ تیموری دور کے فوجی کیمپ کے ساز وسامان کی بہت واضح تفصیلات ملتی ہیں، اکبر کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ فوج کے ٹھہرنے کی جگہ میرانِ منزل منتخب کرتا، یہ جگہ ۱۵۳۰ گز لمبی ہوتی، اس کے

---

[1] صبح الاعشیٰ ترجمہ معارف نمبر ۶ جلد ۲۶، ص ۴۲۴ [2] سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۲۲۴ [3] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف،

اگلے حصّہ میں قول کی فوج ٹھرتی، اور دائیں بائیں بازو میں جرانغار اور برانغار کا لشکر ہوتا، قول کے پیچھے اکبر کے محل کی بوڑھی عورتوں (مثلاً مریم مکانی، گلبدن بیگم وغیرہ) کی قیامگاہ ہوتی، اس کے بعد قنات کا ایک حصار بنایا جاتا، اس کو گلال بار کہا جاتا تھا، جو سو گز مربع ہوتا تھا، اس حصار کے اندر شرقی جانب داخل ہونے کے لئے دو خیمے ہوتے، جو سرغہ کہلاتے تھے، اُن میں ۵۴ خانے ہوتے تھے، ان دو خیموں کے بعد ایک بڑی چوبیں راوٹی ہوتی تھی جس کے گرد سراپردہ ہوتا، اس کی چوبیں راوٹی سے متصل ایک دو منزلہ خیمہ کھڑا کیا جاتا، جہاں بادشاہ عبادت کرتا، اور صبح کو امرا کا مجرا قبول کرتا، اس چوبیں راوٹی کے بعد چوبیس راوٹیاں اور کھڑی کی جاتیں، ان میں سے ہر ایک دس گز لمبی اور چھ گز چوڑی ہوتی، یہ بیگمات کے لئے مخصوص ہوتیں، یہ حصّہ شبستانِ اقبال کہلاتا تھا، اس کی بعض راوٹیاں زر بفت اور مخمل سے تیار کی جاتی تھیں، اسی سے متصل کنیزوں اور مسلح عورتوں (اردو بیگی) کے لئے بھی سراپردہ گلیمی نصب کرتے، جس کے اندر کئی خیمے ہوتے، شبستانِ اقبال کے باہر ایک چوڑا صحن چھوڑ دیا جاتا جو مہتابی کہلاتا، اس صحن کے دونوں طرف ایک سراچہ نصب کیا جاتا تھا، جو چھ گز لمبے ڈنڈوں کے اوپر تانا جاتا، اور یہ ڈنڈے ہر دو گز پر نصب کئے جاتے، اُن کے سرے پر ایک قبہ ہوتا، پاسبان یہیں کھڑے ہو کر پہرہ دیتے، اس صحن کے وسط میں ..... ایک چبوترہ بنایا جاتا جس پر ایک شمگیرہ سایہ فگن رہتا، شام کے وقت بادشاہ اپنے مخصوص امرا، کے ساتھ یہاں بیٹھتا، اس کے بعد دولتخانہ خاص کا خیمہ ہوتا، جو بارگاہ کہلاتا، اُس کو ہزار فراش ایستادہ کرتے تھے، اس میں ۷۲ کمرے ہوتے اور اُس کے گرد بارہ بارہ گز کے پچاس شامیانے کھڑے کئے جاتے تھے، اس حصّہ کو مختلف رنگ کے قالینوں سے ایسا سجایا جاتا کہ ایک کھلا ہوا چمنستان معلوم ہوتا، یہ دیوان خاص کہلاتا، جہاں امرا مشورے کے لئے بلائے جاتے، اس سے ساڑھے تین سو گز کے فاصلے پر ایک دوسرا خیمہ ہوتا، جو دیوانِ عام کہلاتا تھا، اسی کے سامنے اکاس دیا چالیس گز کے ستون پر روشن رہتا،

پھاٹک پر نقار خانہ ہوتا، اس کے دائیں اور بائیں جانب زین خانہ اور دفتر خانہ رہتا تھا، زین خانہ کے سامنے اصطبل، داروغہ اسپان، اور مشرف اصطبل و فیل خانہ کی جگہ ہوتی، اسی طرح دفتر خانہ کے سامنے سکھ پال، توپخانہ اور جبّہ خانہ کے لئے جگہیں مخصوص ہوتیں، حصار کے بیرونی حصہ کے دائیں اور بائیں جانب اور پشت پر تین تین سو گز کے قطعے چھوڑ دیئے جاتے تھے، جن میں شہزادوں کے خیمے نصب کئے جاتے تھے، شاہی خیمہ کی پشت پر قور خانہ اور محافظوں کا دستہ تعینات رہتا، اور اس سے متصل اکبر کے محل کی بوڑھی عورتیں مثلاً مریم مکانی اور گلبدن وغیرہ کے خیمے لگائے جاتے، جس کے آگے قول کی فوج ہوتی[۱]

حصار کے بیرونی حصہ کے دائیں جانب یعنی شہزادوں اور امراء کے خیموں سے متصل روزانہ کی ضروریات کے سامان مثلاً مشعل خانہ، چراغ خانہ، توشک خانہ، خوشبو خانہ، آفتابچی خانہ وغیرہ کے علٰحدہ علٰحدہ چھوٹے چھوٹے خیمے ہوتے، اسی کے بغل میں جرانغار کی فوج ہوتی، اسی طرح حصار کے بیرونی حصے کے بائیں جانب آبدار خانہ، شربت خانہ، تنبول خانہ، میوہ خانہ، رکاب خانہ، مطبخ، حوائج خانہ وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے خیمے ہوتے، اور اسی کے بغل میں جرانغار کی فوج ہوتی، حصار کے چھ گوشوں پر پہرہ دار تعینات رہتے، اور حصار کے تیس گز کے فاصلے پر چاروں کونے پر بازار لگائے جاتے، بازار کے چاروں طرف ارکین دربار اپنے اپنے عہدوں کے مطابق قیام پذیر ہوتے تھے[۱]

کیمپ کے ساز و سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں سو ہاتھیوں، پانچ سو اونٹوں، چار سو عرابے (گاڑیاں) اور ایک سو کہاروں کی ضرورت ہوتی تھی، پانچ سو منصبدار اور احدی اُن کے جلو میں رہتے تھے، اُن کے علاوہ ایک ہزار ایرانی، تورانی، اور ہندی فراش، پانچ سو بیلدار، سو سقے، پچاس بڑھئی، خیمہ دوز، مشعلچی، تیس موچی، اور ڈیڑھ سو خاکروب بھی ساتھ ہوتے تھے[۲]

---

[۱] تفصیل کے لئے تصویر آئین اکبری، متعلقہ ص ۲، نولکشور پریس اڈیشن ص ۲۷، ۲۸،

[۲] ایضاً ص ۱۶،

ضرورت کے مطابق ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی،

یہ لشکر کوچ کرتا تو نشان کا ہاتھی آگے ہوتا، اس کے بعد اور ہاتھیوں کی قطار ہوتی، پھر ماہی مراتب اور نشانوں کے دوسرے ہاتھی ہوتے جنگی ہاتھیوں کی فولادی پاکھریں ہوتیں، ان کی پیشانی پر ڈھالیں لٹکتی رہتیں، بعض کی مستکوں پر نقش و نگار ہوتا، بعض کے چہروں پر گینڈوں اور بھینسوں اور شیروں کی کھالیں کلوں سمیت چڑھی ہوتیں، وہ اس ہیبت ناک اور ڈراؤنی صورت کے ساتھ سونڈوں میں گرز برچھے اور تلواریں بھی لئے ہوتے، جو خاصے کے ہاتھی ہوتے، ان پر جھلابور جھولیں ہوتیں، جن پر موتی اور جواہر ٹنکے ہوتے، وہ زیوروں میں لدے پھندے، سونے چاندی کی زنجیریں سونڈوں میں ہلاتے، جھومتے جھامتے خوش مستیاں کرتے چلے جاتے تھے، اُن کے ساتھ سواروں کے دستے، پیادوں کے قشون ہوتے، ترک سپاہی ترکی و تاتاری لباس میں ملبوس اور راجپوت سورما کیسری وگلے پہنے، اور ہتھیاروں میں ادچے بنے آگے بڑھتے تھے، دکھنیوں کے ساتھ دکھنی سامان ہوتے، فوجی سرداروں کے علم، چتر توغ، تمن توغ اور جھنڈے فضا میں لہراتے رہتے، کبھی نقارے کی آواز سنائی دیتی، کبھی ڈھل بجتے، کبھی کرنا، سرنا، نفیر، سینگ، اور سنج کی باہمی آوازیں فضا میں گونجتیں، راجپوت شہنائیوں میں کڑکے گاتے، اور جب دمامے پر ڈنکا پڑتا تو سینوں میں دل دہل جاتے،

اورنگ زیب کا کیمپ — اورنگ زیب کے ایک ہم عصر فرانسیسی مورخ نے اُس کی ایک فوج کے کوچ کرتے وقت کے ساز و سامان کی تصویر اس طرح کھینچی ہے،

"بڑی بڑی توپیں پہلے بھیجی گئیں، یہ گویا ہراول کا دستہ تھا، اس کے پیچھے ساز و سامان ترتیب کے ساتھ روانہ کیا گیا، پہلے اونٹوں کی قطار تھی، جن پر شاہی خزانہ لدا تھا، سو اونٹوں پر سونا، اور دو سو پر چاندی کے سکے تھے، ہر اونٹ پر پانچ سو پونڈ سے زیادہ کا بوجھ نہ تھا، اونٹوں کے پیچھے

---

[1] محمد حسین آزاد کی اصطلاح ہے، جو آئین اکبری میں استعمال کی ہے [2] ایضاً،

شکاری کتے تھے، یہ ہرنوں اور چیتوں کے شکار کے لئے ساتھ رکھے گئے تھے، ان کے بعد اسی اونٹوں تیس ہاتھیوں اور بیس گاڑیوں پر سرکاری کاغذات بار تھے، مغل بادشاہوں کا دستور تھا کہ وہ ضروری کاغذات کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، ٹھیک اس قطار کے بعد پچاس اونٹوں پر بادشاہ اور شہزادوں کے پینے کے لئے پانی تھا، ان اونٹوں کے پیچھے اونٹوں پر شاہی مطبخ کا سامان تھا، دودھ کے لئے پچاس گائیں بھی ساتھ تھیں، کیونکہ اورنگزیب زیادہ تر دودھ ہی استعمال کرتا تھا، ایک سو باورچی پیچھے پیچھے گھوڑوں پر سوار تھے، ہر باورچی علٰحدہ قسم کا کھانا پکاتا تھا، اس کے بعد بادشاہ اور حرم کی بیگمات کے لباس و پوشاک کا ساز و سامان تھا، جو پچاس اونٹوں اور ایک سو گاڑیوں پر بار تھا، تیس ہاتھیوں پر بیگمات کے جواہرات، خنجر اور شمشیریں تھیں، یہ خنجر اور شمشیر بادشاہ اپنے فوجی افسروں کو تحفہ دیا کرتا تھا، توپوں کے آگے آگے دو سو بیلدار راستوں کو ہموار کرنے کے لئے تھے، اونٹوں اور ہاتھیوں کے چلنے سے راستے میں جو ناہمواری پیدا ہو جاتی تھی، اس کے لئے ایک ہزار بیلدار علٰحدہ تھے، ساز و سامان کے پیچھے سواروں کا دستہ تھا، سواروں کے بعد بادشاہ کی سواری تھی، جو زیادہ تر ہاتھی پر سفر کرتا تھا، ہاتھی کے ہودج پر ایک کمرہ تھا جس میں شیشہ کی کھڑکیاں تھیں، اور آرام کرنے کے لئے ایک پلنگ بھی تھا، ہاتھی کے ساتھ ساتھ پالکیاں بھی تھیں، تاکہ جب بادشاہ کا دل چاہے، ان پر بھی سفر کر سکے، ہاتھی کے پیچھے بادشاہ کی سواری کے لئے کچھ گھوڑے بھی ساتھ ساتھ تھے، کیونکہ اورنگزیب شہسواری کا بہت شائق تھا، اور بوڑھاپے میں بھی اپنی سلطنت کا سب سے بہتر شہسوار سمجھا جاتا تھا، بادشاہ کے ہاتھی کے آگے آگے کچھ اونٹ تھے، جن پر انگیٹھیاں رکھی تھیں، ان میں خوشبودار مسالے جلا کر فضا معطر کی جاتی تھی، تاکہ بادشاہ کے سفر کا راستہ معطر رہے، اس کی سواری کے دونوں بازوؤں پر شاہی محافظوں

کے دستے تھے، شاہی سواری کے پیچھے حرم کی بیگمات تھیں، ہاتھی پر اُن کے ہودج ایسے باریک ململ سے ڈھکے تھے کہ وہ باہر کی سب چیزیں دیکھ سکتی تھیں، لیکن اُن پر کسی کی نظر نہیں پڑتی تھی حرم کی برقعہ پوش خادمائیں گھوڑوں پر پیچھے پیچھے تھیں، عقب میں بکثرت آدمی تھے، اُن میں کچھ تو ہاتھیوں، اونٹوں اور گھوڑوں سے متعلق خدمت گذار، کچھ خیمہ بردار، کچھ فوجی عہدیداروں کے غلام وچاکر تھے، لیکن یہ بھی فوجی تنظیم کے ساتھ قطاروں میں آگے بڑھتے تھے"[1]

اورنگ زیب کے زمانے کے ایک فوجی کیمپ کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز مورخ گرانٹ ڈف لکھتا ہے:

"اورنگزیب نے دکن کی طرف (مرہٹوں کے خلاف) کوچ کیا تو اُس نے اپنی قوت کا مظاہرہ ایسے پرشکوہ اور شاندار طریقہ پر کیا کہ اس سے زیادہ مظاہرہ بہت کم ہوا ہے، اس کی فوج میں غیر ملکیوں کے علاوہ اُس کے سواروں کے دستے میں کابل، قندھار، ملتان، لاہور، راجپوتانہ اور اُس کی وسیع مملکت کے دوسرے صوبوں کے لشکری تھے، اور وہی اس کی فوج کے گلدستے بنے ہوئے تھے، ان کی صفوں میں قوی ہیکل سوار اور گھوڑے تھے، جو سب اسلحہ سے آراستہ تھے، ظاہر ہے کہ ان کا مقابلہ ہلکے ہلکے ہتھیار رکھنے والے دکنی مشکل سے کر سکتے تھے، اورنگ زیب کے پیادے بھی بکثرت تھے جن میں توپچی، بندوقچی، اور تیرانداز تھے، وہ بھی اچھی طرح مسلح تھے اُن میں بندیلوں اور میواتیوں کا بھی گروہ تھا، جو مرہٹوں کے پہاڑی علاقوں میں لڑنے کے عادی تھے، اور کئی ہزار کرناٹک سے بھی پیدل لشکری شامل کرلئے گئے تھے، میدانی توپیں بھی شاہی خیموں کے ساتھ ساتھ تھیں، کئی سو توپیں ہندوستانیوں کی نگرانی میں تھیں لیکن ان کی رہنمائی فرنگی توپچی کر رہے تھے، ان توپوں کے ساتھ ہر قسم کے کاریگر بھی تھے، جنگی ہاتھیوں کے پیچھے پیچھے بہت سے اور ہاتھی بھی تھے، جن پر یا تو شاہی حرم کی بیگمات تھیں، یا وہ بڑے بڑے خیمے تھے جو اونٹوں پر لادے نہیں جا سکتے تھے، شہنشاہ کی سواری کے گھوڑے کی تعداد بہت تھی، اُن پر

---

[1] آرمی آف دی انڈین مغلس از ولیم ارون ص ۵ - ۲۰۳

شاندار جھولیں پڑی تھیں، دنیا کے منتخب اور نادر جانور بھی ساتھ تھے، اور اس شان و شوکت کے اضافہ کے لئے باز، کتے، شکاری شیر اور تربیت یافتہ ہاتھی بھی تھے، جو شکار میں کام آتے تھے، شاہی خیموں کا حصار ۱۲۰۰ گز کا تھا، جس کے اندر وہ تمام کمرے اور حجرے تھے جو بڑے سے بڑے محل میں ہوا کرتے ہیں، دیوان عام بھی تھا، دیوان خاص بھی، اُن کے ساتھ اور دوسرے دوسرے کمرے بھی منسلک تھے، جن میں ہر ایک کی زینت و آرائش بہتر سے بہتر طریقہ پر کی گئی تھی، اسی میں ایک جگہ بادشاہ کا تخت بھی تھا، جس کے چاروں طرف سنہرے ستون تھے، اوپر مخمل کا شامیانہ تھا، جس میں زری کا بہتر سے بہتر کام تھا، ایک علیحدہ خیمہ میں مسجد اور عبادت خانہ تھا، غسل خانے بھی الگ الگ تھے، تیر اندازی کی بھی گیلری بنی ہوئی تھی، ورزش کے لئے بھی خیمہ تھا، اور حرم سرا تو دہلی کے محل سے کم نہ تھا، ایرانی قالین، مشجر فرش اور منقش پردے بھی تھے، فرنگی مخمل اور ساٹن کی بہاریں بھی نظر آتی تھیں، چینی ریشمی کپڑے بھی جابجا تھے، ہندوستانی ململ اور زردوزی کے کپڑے بہت ہی لطافت اور نزاکت کے ساتھ تمام خیموں میں دکھائی دیتے تھے، شاہی خیموں کے اوپر سنہری گنبدیں اور قبے تھے، ان خیموں کے بیرونی حصوں میں طرح طرح کے رنگ نظر آتے تھے، جس سے شوکت میں مزید اضافہ ہوتا تھا، شاہی قیامگاہ کے حدود میں داخل ہونے کے لئے ایک وسیع پھاٹک تھا، جس کے دونوں طرف دو خوبصورت خیمے تھے، اور ان دونوں خیموں کے بازوؤں پر توپوں کی قطار تھی جس کے آخر میں فوجی نقارے اور باجے تھے، اس سے آگے ایک محافظ تھا، جو امرا ہی میں سے ہوتا، حصار کے دوسرے جانب علیحدہ علیحدہ خیموں میں اسلحہ خانے اور جنگی ساز و سامان تھے، پھر ایک خیمہ میں پانی تھا، جو شورہ سے برابر ٹھنڈا کیا جاتا، ایک دوسرے خیمہ میں پھل تھے، تیسرے میں مٹھائیاں تھیں، چوتھے میں پان تھا، اور اسی طرح باورچی خانے

اور اصطبل کے لئے جگہیں مقرر تھیں عیش و عشرت کے اتنے سامان کیمپ میں مشکل سے تصور کئے جا سکتے ہیں، اس کے علاوہ ہر خیمہ کا منشی ہوتا جو کوچ سے پہلے روانہ کر دیا جاتا تاکہ شہنشاہ کے پہونچنے سے پہلے وہ نصب کر دیئے جائیں، وہ کوچ کرتا تو ایک شاندار جلوس بن جاتا اور جب وہ اپنے خیمہ میں داخل ہوتا تو پچاس یا ساٹھ توپوں کی سلامی دی جاتی، اور وہ ان تمام آداب و مراسم کا پابند ہوتا، جو پایۂ تخت کے دربار میں ضابطہ کے ساتھ عمل میں آتے رہتے تھے، اورنگ زیب خود تو سادہ بلکہ زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا لیکن کیمپ میں شان و شوکت کا مظاہرہ اپنی قوت دکھانے کی خاطر کرتا تاکہ اس کی رعایا اس کے دبدبہ سے مرعوب رہیں[1]"

کیمپ کا ضبط و نظم لشکر پورے ساز و سامان کے ساتھ کوچ کرتا تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک پورا شہر حرکت میں ہے، لیکن اس میں ضبط و نظم قائم رکھنے کی پوری کوشش کی جاتی۔ ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی مغلوں کے فوجی کیمپ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"مغلوں کے فوجی نظام میں ایک نمایاں چیز ان کا کیمپ ہے، ترک اور مغل فسلاً خانہ بدوش تھے، لیکن انھوں نے کیمپ کے ساز و سامان کو اعلیٰ فروغ دیا، اگر یہ کیمپ نہ ہوتے تو اچھا سے اچھا حکمران اپنی نیک نیتی کے باوجود فوج کی لوٹ مار اور تشدد کو روکنے میں ناکام رہتا، مغل کیمپ کوچ کرتے وقت عظیم الشان چیز تھی، یہ ایک شہر بن جاتا، اور پانچ سے بیس میل تک یا اس سے زیادہ کا رقبہ گھیر لیتا، اس میں ایک دو لاکھ آدمی ہوتے، یہ متحرک کیمپ اس زمانہ کے یورپ کے کسی بڑے شہر کے برابر ہوتا، اور لندن سے تو یقیناً بڑا ہو جاتا، اور یہ بلاشبہہ مغلوں کے نظم و نسق کی صلاحیت اور کارکردگی کی دلیل ہے کہ آدمیوں کے اتنے کثیر انبوہ میں وہ ضبط و نظم

---

[1] ہسٹری آف مرہٹہ جلد اول ص ۲۶۵، ۲۶۶،

قائم رکھتے، جہانگیر کے زمانے میں جورڈین (gourdain) نے لکھا تھا کہ "اس کیمپ میں ہم لوگ اپنے کو گھروں ہی کی طرح محفوظ پاتے ہیں، میں نے کیمپ میں جیسی بہتر حکومت ہوتی دیکھی میں نے کہیں اور نہیں دیکھی"،

یہ کیمپ اتنی احتیاط اور عمدگی سے نصب کر لیا جاتا کہ لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں کوئی مشکل نہ ہوتی، اُن کو معلوم ہوتا کہ وہ کسی مستقل آبادی ہی میں چل پھر رہے ہیں، بہت ہی تیزی سے کیمپ کھڑا کر لیا جاتا، اس میں چار گھنٹے سے زیادہ نہ لگتے[1]،

دہکلہ بار شاہی کیمپ کو غنیم کی توپوں کی زد سے محفوظ رکھنے کی خاطر اُس کے آگے توپوں کی صف کھڑی کر دی جاتی، جس کو دہکلہ بار کہتے تھے[2]،

رسد کی فراہمی اگر فوج دار السلطنت سے قریب ہی کسی مہم پر ہوتی تو لشکریوں کے خورد و نوش کا سامان دار السلطنت سے بھیجا جاتا تھا، اور اگر دور دراز مقام پر ہوتی، تو لشکر کے ساتھ بنجارے اور سوداگر چلتے، جن کے لئے ضیاء الدین برنی نے "کاروانیاں" کی اصطلاح استعمال کی ہے (برنی ص ۳۱۴-۵۷)، سوداگر غلے وغیرہ کی دوکانیں فوجی کیمپ کے ارد گرد لگاتے تھے، کبھی آس پاس کے علاقے کے مقطع یا باجگذار ریاستیں بھی فوجی رسد سستی قیمت پر فراہم کیا کرتی تھیں[3]، کبھی مفتوحہ علاقہ سے مال غنیمت کے طور پر غلہ حاصل ہو جاتا تھا، جو پورے لشکر میں تقسیم کر دیا جاتا،

علاء الدین خلجی نے اپنے سپاہیوں کو ارزاں قیمت پر اجناس فراہم کرنے کے لئے باضابطہ قوانین جاری کئے تھے، اور اُس کے عہد میں ہر جگہ فوجیوں کو سستی چیزیں مل جاتی تھیں، مثلاً ایک لشکری ساڑھے سات جیتل میں ایک من گیہوں، چار جیتل میں ایک من جو، پانچ جیتل میں ایک من چنا، اور پانچ جیتل میں ایک من ماش

---

[1] رائز اینڈ فال آف دی موغل امپائر از رام پرشاد ترپاٹھی ص ۲۳۶، [2] ارگنائزیشن آف دی مغل آرمی ص ۲۰۰، [3] برنی ص ۳۲۸،

خرید سکتا تھا،[1]

تیمور جب اپنی فوج لے کر ہندوستان آیا تھا، تو پہلے آس پاس کے علاقے سے غلہ کا ذخیرہ جمع کر لیتا، تب لڑائی چھیڑتا، یا کسی قلعہ کا محاصرہ کرتا،[2] جب تیموریوں کی باضابطہ سلطنت قائم ہو گئی، تو ان کے فوجی کیمپ کے ساتھ سفری بازار ہوتا، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اس بازار میں بنیے اپنی دوکانیں لگاتے، اور بنجارے باہر سے غلہ لاتے،[3] کبھی دارالسلطنت سے غلہ بھیجا جاتا،[4] کبھی خورد و نوش کا سامان لشکریوں کے ساتھ ہوتا،[5] ہر سپاہی چار روز کا آذوقہ ساتھ رکھتا تھا،[6] کبھی ارد گرد کے علاقہ سے بھی فراہم کر لیا جاتا، اور فوج کی روانگی کے وقت اس کا ضرور لحاظ رکھا جاتا کہ آس پاس کے علاقہ سے غلہ آسانی سے فراہم ہو جائیگا، ورنہ مہم ملتوی رہتی،[7]

اگر رسد کی فراہمی کا معقول انتظام نہ ہوتا، تو فوج ہلاکت و مصیبت میں مبتلا ہو جاتی، بختیار خلجی جب لکھنوتی سے تبت کی مہم پر روانہ ہوا، اور راہ کی دشواری کی وجہ سے اس کو لوٹنا پڑا، تو واپسی میں دشمنوں نے راستے کے تمام علاقہ کو اس طرح جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا کہ اس کے لشکریوں اور گھوڑوں کو کھانے پینے کی کوئی چیز بھی نہیں مل سکی، اس لئے مجبوراً لشکریوں نے گھوڑوں کو ذبح کر کے کھانا شروع کیا،[8] فیروز شاہ تغلق ٹھٹھ کی پہلی مہم میں محض اس لئے ناکام رہا تھا کہ اس کی فوج میں غلہ کی کمی ہو گئی، اور اس کا نرخ ایک ٹنکہ یا دو ٹنکے فی سیر ہو گیا تھا، اور لشکری مردار جانوروں کا گوشت کھانے، اور کچے چمڑے کو پانی میں جوش دے کر شکم پری کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، اس پر

---

۱ تفصیل کے لئے دیکھو برنی ص ۳۰۵ ۲ ملفوظات تیموری ایلیٹ جلد سوم ص ۴۴۳، ۳ اکبرنامہ جلد دوم ص ۱۳۶ و اقبال نامۂ جہانگیری، (اردو ص ۱۱۱) ۴ بدایونی جلد دوم ص ۳۷۹، ۲۲۷ ۵ ایضاً ص ۱۰۲ ۶ سیر المتاخرین جلد دوم ص ۵۷۴ ۷ بادشاہ نامہ جلد ا ص ۱۳۱، و ج ۲ ص ۴۵۷، ۸ طبقاتِ ناصری ص ۱۵۳،

بھی لشکر کے زیادہ تر سپاہیوں کی جانیں فاقے سے تلف ہوگئیں، خود شاہی خاندان کے افراد نے کھچڑی کھا کر جان بچائی[۵۱]

ہمایوں اور سلطان بہادر گجراتی سے جب مانڈو میں جنگ ہوئی، تو سلطان بہادر توپوں کا ایک مستحکم مورچہ بنا کر ہمایوں سے دو مہینے تک لڑتا رہا، مگر آخر میں ہمایوں نے سلطان بہادر کی فوج کی رسد پہونچنے کے تمام راستوں کی اس طرح ناکہ بندی کر دی کہ سپاہیوں کے لئے غلہ، ایندھن، اور جانوروں کے لئے چارہ پہنچنا مشکل ہوگیا، جس سے سلطان بہادر کی فوج میں قحط کے ساتھ وبا بھی پھیل گئی، اور بے شمار لشکریوں اور جانوروں کی جانیں تلف ہونے لگیں، یہاں تک کہ سلطان بہادر لشکر چھوڑ کر فرار ہوگیا[۵۲]

اکبر کے ۳۰ ویں سال جلوس میں شاہی فوج جانی بیگ کے خلاف ٹھٹھ گئی، تو رسد کی بڑی کمی ہوگئی، جس سے ساری فوج کو بڑی پریشانی اٹھانی پڑی، اور شاہی فوج کے دستے ادھر ادھر جا کر باضابطہ جنگ کرتے تو کھانے پینے کی کچھ چیزیں مل جاتیں[۵۳]

۴۵ ویں سال جلوس میں اکبر کی فوج نے جب قلعۂ اسیر کا محاصرہ کیا تو محصورین کے لئے غلہ آنے جانے کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فاقہ اور وبا سے چالیس ہزار محصورین موت کے گھاٹ اتر گئے[۵۴]، شاہجہاں کے زمانہ میں جب اورنگ زیب بلخ کی مہم پر گیا، تو اثنائے جنگ میں غذا کی ایسی قلت ہوگئی کہ ایک ایک روٹی دو دو روپیے میں بکنے لگی تھی، اس پر بھی کسی کو ملتی، اور اور کسی کو نہیں ملتی، مگر اورنگ زیب نے اپنی غیر معمولی مستقل مزاجی، ہمت، اور بردوت سے کام لے کر فوج کو ہمت ہارنے سے بچائے رکھا[۵۵]

سفری اسپتال | ہر لشکر کے ساتھ زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کے لئے ضروری سامان بھی ہوتا، اور اس کا

---

۵۱ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ۱۰-۲۰۸ ۵۲ طبقات اکبری ص ۳۳-۳۴ ۵۳ اکبر نامہ جلد سوم ص ۶۰۸ ۵۴ ایضاً ص ۸۲-۸۱ ۵۵ خافی خاں جلد اول ص ۲۶۶،

اہتمام ہر دور میں رہا، غیاث الدین تغلق جب اپنے حریف اور تخت دہلی کے دعویدار خسرو خان پر غالب آیا، تو موخر الذکر کے بہت سے سپاہی اور سردار میدانِ جنگ میں اس کے سامنے پیش کئے گئے، اُن کے ساتھ وہ بہت لطف و کرم سے پیش آیا، زخمیوں کی مزاج پرسی کر کے اُن کی ہمت بڑھائی، اُن کے علاج معالجہ کا انتظام کیا، اور بعض سرداروں کی خود تیمار داری کی، اُن ہی میں ایک سردار تمر تھا، جس کو غیاث الدین تغلق کے سپاہی قتل کر دینا چاہتے تھے، لیکن خود غیاث الدین تغلق نے اس کو بچا لیا، اور اپنے ہاتھ سے اس کے زخموں میں ٹانکے دیئے، دوا ٹپکائی، اور اس کی برابر خبر گیری کرتا رہا، چنانچہ امیر خسرو تغلق نامہ میں فرماتے ہیں :-

بدستِ خود جراحت ہاش می بست ۔۔۔ دواہا بہر راحت ہاش می بست

بتکیہ پیش خویشش داشت معذور ۔۔۔ دمے از تکیہ گاہ او نہ شد دور

دلش داد و بجاں بخشیش جاں داد ۔۔۔ ازیں بہ بخششے خود چوں تواں داد

بریشان دیگران را نیز بسیار ۔۔۔ نوازش کرد بیش از قدر و مقدار

چو ہر مجروح را مرہم رسانید

دوائے جان ہر دو رہم رسانید[1]

اکبری عہد میں منعم خاں خانخاناں شاہی لشکر لے کر داؤد خاں کی سرکوبی کے لئے اڑیسہ گیا، تو بجورا میں ایک بڑا معرکہ ہوا، اور شاہی لشکر کے سپاہی زخمی ہوئے، تو اُن کے علاج معالجہ کیلئے خانخاناں کو وہاں کچھ دنوں ٹھہرنا پڑا، منتخب التواریخ میں ہے ،

"خانخاناں دراں منزل چند روزے توقف نمودہ بمداوائے جراحت خود و سائر مجروحان پرداخت" (جلد دوم ص ۱۹۶)

---

[1] تغلق نامہ ص ۱۰۲ مرتبہ سید ہاشمی فریدآبادی،

سموگڈھ کی لڑائی میں شہزادہ مراد دارا کے خلاف بڑی دلیری اور پامردی سے لڑا تھا اس کے جسم اور چہرہ پر بہت سے کاری زخم لگے تھے، لڑائی ختم ہونے کے بعد اورنگ زیب اُس کے پاس گیا، اور بڑی شفقت سے پیش آیا، میدانِ جنگ میں فوراً ماہر جراحوں کو طلب کر کے علاج معالجہ کا سامان کیا،

منتخب اللباب میں ہے،

"چوں بر بدن و چہرہ محمد مراد بخش زخمہائے تیر بسیار رسیدہ بود بر ہم لطف و دلداری ظاہر اوکشیدہ جراحان چابکدست را حاضر ساختہ، سر او بر زانوے شفقتِ خود گذاشتہ بعلاج زخمہا پرداختند" (جلد دوم ص ۲۹)

انتخابِ میدان

انتخابِ میدان کے شرائط — عام طور سے معرکۂ کارزار کے لئے ایک بہت ہی وسیع اور کشادہ میدان منتخب کیا جاتا تھا جس کے لئے حسبِ ذیل چیزوں کا خاص طور سے لحاظ رکھا جاتا تھا،

(۱) میدان آبادی سے زیادہ دور اور نہ نزدیک ہو،

(۲) اُس کی زمین سخت ہو لیکن پتھریلی نہ ہو تاکہ گھوڑوں کے کھُر زخمی نہ ہونے پائیں،

(۳) زمین گیلی اور ریتیلی نہ ہو، تاکہ فوجوں کی نقل و حرکت میں آسانی ہو،

(۴) زمین پر زیادہ گرد و غبار نہ ہو تاکہ جنگ کی شدت کے وقت گرد کے بادل اس میں حائل نہ ہوں،

(۵) اس کے آس پاس پانی آسانی سے دستیاب نہ ہو جاتا ہو،

(۶) اس کے اردگرد دشمن کمین گاہ نہ بنا سکتے ہوں[۱]،

میدانِ جنگ میں فطری سہولت اور مدافعت بھی مد نظر رکھی جاتی تھی، مثلاً خسرو خاں غیاث الدین تغلق سے جنگ کرنے کے لئے سیری سے باہر آیا، تو اُس نے حوض علائی کے پاس جنگ کے لئے اس طرح میدان منتخب کیا کہ حوض علائی کے سامنے باغات تھے، اور پشت پر دہلی کا حصار تھا[۲]، محمد تغلق اودھ کے حاکم

---

[۱] آداب الحرب: مسلم یونیورسٹی کے عکسی نسخہ میں اُس کی تفصیل باب بست و سوم میں ملے گی،

[۲] برنی ص ۴۱۷،

عین الملک کی بغاوت فرو کرنے کے لئے قنوج پہنچا تو لڑائی کے وقت اُس کے لشکر کی پشت پر شہر قنوج اُس کی محافظت کر رہا تھا۔[1]

میدانِ جنگ کے لئے خندق

کبھی غنیم کے راستہ کو مسدود کرنے کے لئے لشکر گاہ اور میدانِ جنگ کے چاروں طرف خندق کھودی جاتی تھی، اور خندق کے گرد لکڑی کا حصار بنا لیا جاتا تھا، علاء الدین مغلوں سے سیری کے پاس جنگ کرنے آیا تو مولانا برنی رقمطراز ہیں،

"سلطان علاؤ الدین باندک سوارے کہ در شہر داشت از شہر بیروں آمدہ در سیری لشکرگاہ کردہ از غلبۂ مغل و ہجوم مغل سلطان را ضرورت شد کہ گرد بر گرد لشکر خود خندق کاوانید و بر گرد خندق از تختہ ہائے درہائے خانہائے مردماں حصار چوبی بدوانید و راہ در آمد مغلاں را در لشکرگاہ خود مسدود کردہ"[2]

شیر شاہ ہر جنگ میں اپنے لشکر گاہ کے ارد گرد خندق کھدواتا، اور مٹی کا حصار بنواتا تھا، اس کا حریف ملو خاں (والی منڈو، اجین، سارنگ پور وغیرہ) سپر ڈال کر اس سے ملنے آیا تو عباس خاں سروانی کا بیان ہے کہ

"شیر شاہ نے ملو خاں کو اپنے تمام لشکر کی ترتیب دکھائی جس کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا کبھی اُس نے ایسی فوج نہیں دیکھی تھی، جس وقت بادشاہ کا چتر سواروں کو دکھائی دیا تو وہ اپنی تلواریں میان سے نکال کر چتر کی طرف دوڑے آئے، اور گھوڑوں سے اُترے سواروں کے کل دستوں نے اس طرح سلام کیا کہ وہ لڑائی کے دن کیا کرتے تھے، جب اس کو معلوم ہوا کہ ہر منزل میں سپاہی ایسی محنت و مشقت کرتے ہیں کہ لشکر کے گرد خندق کھودتے ہیں، اور قلعہ بناتے ہیں، تو اُس کے ہوش اڑ گئے، اُس نے افغانوں سے کہا اللہ اکبر کیسی محنت کرتے ہو، مجھ بھر

۱؎ ابن بطوطہ ص ۱۸۰ ۲؎ برنی ص ۲۰۱،

آرام لینا حرام جانتے ہو، افغانوں نے کہا کہ ہمارے بادشاہ کا بھی اسی طرح محنت کرنے کا دستور ہے، اس لئے ہم کو بھی محنت و مشقت کی ایسی عادت ہوگئی کہ اس سے کلفت مطلق نہیں معلوم ہوتی ہے، سپاہی کو چاہئے کہ اس کا بادشاہ جیسی بھی محنت و مشقت و خدمت لینی چاہے اسکو کرنے سے وہ تنگ نہ آئے، آرام کرنا عورتوں کا کام ہے، نیک مردوں کے واسطے آرام کرنا شرم کا مقام ہے۔[۱]"

آگے چل کر عباس خاں سروانی کا بیان ہے کہ شیر شاہی لشکر کے گرد خندق کھودنے میں بڑے بڑے امراء بیلداروں کی طرح پھاوڑے چلاتے تھے، ملو خاں کو خوف ہوا کہ کہیں اس کو بھی بیلداری نہ کرنی پڑے، اس لئے شیر شاہ کو چھوڑ کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ فرار ہوگیا، ۹۵۰ھ میں شیر شاہی لشکر ناگور، اجمیر، اور جودھپور کی طرف روانہ ہوا، تو ریگستانی علاقوں میں ریت کی وجہ سے قلعہ اور خندق تیار نہ ہوسکی، شیر شاہ کے پوتے محمد خاں بن عادل خاں نے پھر یہ ترکیب کی کہ تھیلیوں میں ریت بھر کر قلعہ بنایا[۲]،

انتخاب میدان میں تیمور کی ہدایت

مندرجۂ بالا باتوں کا خیال تیموریوں کے زمانہ میں بھی کیا جاتا تھا، تیمور "تزوک" میں جنگ و جدل کے سلسلہ میں لکھتا ہے۔

"و امر نمودم کہ امیر الامراء در زمین جنگ گاہ چہار چیز ملاحظہ نماید اوّل آب آن سرزمین دوم زمینے کہ سپاہ را نگاہ دارد، سیوم کہ بر غنیم مشرف باشد و آفتاب روبرو نباشد تا شعاع آفتاب چشم سپاہ را خیرہ نگرداند، چہارم پیش روے جنگ گاہ کشادہ و وا باشد"[۳]

---

[۱] تاریخ شیر شاہی مصنفہ عباس خان سروانی بحوالہ الیٹ جلد چہارم ص ۴۰۹-۴۹۳، نیز دیکھو تاریخ ہند جلد سوم مصنفہ شمس العلماء محمد ذکاء اللہ ص ۲۱۰-۵۳، الیٹ جلد چہارم ص ۴۰۵، ذکاء اللہ ص ۳۱۹

[۳] تزوک تیموری ص ۱۹۱

میدانِ جنگ میں مذکورہ بالا سہولتیں میسر ہو جائیں تو تیموری لشکر کے سپاہی ایک بے پناہ قوت بنجاتے دشمنوں سے لڑتے، اور فتح وکامرانی حاصل کرتے، چنانچہ میدان جنگ میں اُن کی نبرد آزمائی، اور معرکہ آرائی کا خوف اور رعب اُن کے مخالفوں پر ہر زمانہ میں رہا،

خراب میدان کی وجہ سے دقتیں

اگر مذکورہ بالا سہولتیں میسر نہ ہو جاتیں تو شاہی لشکر کو بڑی دقتیں اور مشکلیں پیش آتیں، چونسا کی جنگ میں ہمایوں کو شیر خاں کے مقابلہ میں جو شکست ہوئی، تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہمایوں کی فوج کو خاطر خواہ میدانِ جنگ نہیں ملا، دونوں مخالف فوجیں گنگا کے ساحل پر مقیم ہوئیں، دونوں کے درمیان گنگا کی ایک شاخ پچیس گز چوڑی بہتی تھی، شیر خاں نے سبقت کرکے ایک ایسے مقام پر اپنی فوج کو لاکر کھڑا کیا، جو اس کے لئے ہر طرح مفید ثابت ہوا،[1] ہمایوں کی فوج کو مجبوراً ایسی جگہ قیام کرنا پڑا، جہاں کی زمین بہت ہی ڈھلوان تھی، اس کی گہرائی میں کیچڑ اور دلدل ایسی تھی کہ سوار اور گھوڑے اس میں پھنس کر رہ جاتے تھے[2]

اکبری عہد میں گڈھ کی رانی درگاوتی کے خلاف خواجہ آصف خاں نے لشکر کشی کی تو رانی درگاوتی نے کھلے ہوئے میدان میں آنے کے بجائے نرہی کے پاس اپنی فوج کا پڑاؤ اس طرح ڈالا، کہ اس کے چاروں طرف سر بفلک پہاڑ تھے، اردگرد درختوں کے گھنے جنگل تھے، سامنے دریائے گور تھا، اور اس کے دوسری طرف دریائے نربدا تھا، اس دریا کے پاس ایک پہاڑی پشتہ (گریوہ) تھا جس سے ہو کر نرہی کا راستہ جاتا تھا، لیکن یہ راستہ بہت ہی تنگ اور ہولناک تھا، چنانچہ رانی درگاوتی کے لشکر کے ناکے بہت ہی دشوار گذار تھے، تیموری فوج کو رانی کے لشکر تک پہونچنے کے لئے بظاہر کوئی ذریعہ میسر نہ تھا، مگر شاہی فوج کے سپاہی جانبازی سے کام لے کر پہاڑی پشتہ پر

---

[1] تاریخ شیر شاہی از عباس خان سروانی از عباس خاں سروانی بحوالہ ایلیٹ جلد چہارم ص ۳۷۶ و ذکاء اللہ جلد دوم ص ۲۹۳

[2] تزوک تیموری ص ۱۹۱،

پہونچ گئے، اور یہاں اپنی توپوں کا ایک مورچہ بنا کر زبردست آتشباری کی،[1]

ابراہیم حسین مرزا کے خلاف اکبر گجرات میں معرکہ آرا ہوا تو اُس کی سب سے بڑی دقت میدان جنگ کی سرزمین تھی، جو بہت ہی خراب اور کانٹوں سے بھری تھی، دو سوار پہلو بہ پہلو ساتھ گذر نہیں سکتے تھے، ان خار دار جھاڑیوں سے فائدہ اٹھا کر غنیم کے دو سواروں نے اکبر پر حملے کئے، اکبر کے فوجی سردار پاس ہی کھڑے تھے، مگر جھاڑیاں بیچ میں حائل تھیں، اس کی مدد کو نہ پہونچ سکے، اکبر نے غیر معمولی سُرعت سے جھاڑیوں کے اوپر سے اپنے گھوڑے کو جست کرایا، اور دشمنوں کا مقابلہ کیا،

خانِ اعظم مرزا کوکہ نے سلطان مظفر گجراتی کے خلاف لشکر کشی کی، تو دونوں فوجیں سابرمتی کے پاس متقابل ہوئیں، لیکن شاہی لشکر کو زمین کے نشیب کے باعث پیچھے ہٹنا پڑا،[2]

اوڑیسہ میں افغانوں نے اکبری فوج . . . کا مقابلہ کیا، تو ملنا پور میں انھوں نے اپنی فوج کو اس طرح کھڑا کیا، کہ بیچ میں جنگل تھا، اور اس کے چاروں طرف ایک دریا بہتا تھا، شاہی فوج کی باگ راجہ مان سنگھ کے ہاتھ میں تھی، اُس نے پیش قدمی کر کے غنیم کی فوج کے نزدیک ایک سرکوب پر قبضہ کر لیا، اور وہاں فوراً ایک قلعہ تعمیر کر لیا، جہاں سے توپوں کی آتشباری کر کے دشمنوں کو پسپا کیا،[3]

شاہجہانی عہد میں اوزبکوں نے شاہی فوج کا تسلط اور اقتدار بدخشاں اور بلخ میں اس لئے قائم نہیں ہونے دیا، کہ وہ دروں میں چھپ چھپ کر شاہی فوج کی غارتگری کرتے تھے، عالمگیری عہد میں آسام کے علاقوں میں گھ اور اہوم کی مخالفت محض اس لئے جاری رہی کہ وہ جنگلوں اور بحری دروں میں لڑنے کے عادی تھے، مرہٹے پہاڑیوں میں چھپ چھپ کر شاہی فوج کا مقابلہ کرتے رہے، اس لئے عالمگیر اُن پر غلبہ حاصل نہ کر سکا،

---

[1] اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۵، [2] ایضاً ص ۴۹۵ [3] ایضاً ص ۱۲-۱۱۶۱،

میدانِ جنگ کی حفاظت | میدانِ جنگ میں فوجیں صف آرا ہوتیں، تو تیموری بھی لشکر گاہ کی مدافعت کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرتے تھے، امیر تیمور جب محمود تغلق کے خلاف جمنا کے کنارے جنگ کرنے آیا، تو اُس کے لشکر گاہ کے چاروں طرف خندق کھودی گئی، وہ خود لکھتا ہے،

"وازیں جہت در دور لشکر خندق کندم، د میانِ خندقِ خود را استوار ساختم"[1]

ہاتھیوں کو پسپا کرنے کے لئے تیمور نے صف لشکر کے آگے چبروں سے حصار بنایا، اور اس کے گرد خندق کھودی، خندق کے سامنے بھینسوں کی گردنوں اور ٹانگوں کو چمڑے سے باندھ کر اُن کو کھڑا کیا، اور آہنی کانٹے بنا کر پیادوں کو دیئے کہ ہاتھی حملہ آور ہوں تو یہ کانٹے راستہ میں بکھیر دیئے جائیں[2]

بابر نے پانی پت کے میدان میں اپنے لشکر گاہ کا تحفظ اس طرح کیا کہ دائیں طرف پانی پت شہر کے محلے اور مکانات کی آڑ لی، سامنے توپوں کے ارابے اور مٹی کے تو برے رکھے، بائیں طرف خندق کھود کر درختوں کی شاخوں کی باڑ لگائی[3] کنواہہ کی جنگ کے موقع پر بھی بابر نے اپنے لشکر گاہ کو ارابوں اور خندقوں سے مستحکم کیا تھا[4]، ہمایوں کے خلاف سلطان بہادر مانڈ سور میں صف آرا ہوا تو اس نے لشکر کے گرد خندق ہی کھود کر ہمایوں کا مقابلہ کیا، طبقاتِ اکبری میں ہے،

"رومی خان نے جس کے اختیار میں سلطان بہادر کا توپ خانہ تھا، کہا کہ صفوں کی جنگ میں توپ و تفنگ کام نہیں آتا ہے، توپ خانہ تو کافی فراہم کر لیا گیا ہے، چنانچہ قیصر روم کے سوا اس قسم کا توپخانہ کسی اور کے پاس نہیں، لیکن مناسب یہ ہے کہ لشکر کے گرد خندق کھودی جائے، اور ہر روز جنگ ہوا اور جب مغلوں کے لشکر مقابلہ میں آئیں گے، تو توپ و تفنگ کی ضرب سے اُن میں سے اکثر ہلاک ہو جائیں گے، سلطان بہادر نے یہ رائے پسند کی، اور اپنے لشکر کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا، دو ماہ کی مدت تک دونوں لشکر ایک

---

[1] تزوک تیموری ص ۱۰۷، [2] ظفر نامہ جلد دوم ص ۱۰۲۲، [3] بابر نامہ ص ۲۹۹ [4] ایضاً ص ۳۱۰

دوسرے کے مقابل میں پڑے رہے[۵۱]

ابوالفضل کا بیان ہے کہ خندق کے چاروں طرف ارابہ کا حصار بھی بنایا گیا، اور حصار پر توپیں نصب کردی گئیں، مگر توپوں کی یہ قلعہ بندی کام نہیں آئی، ہمایوں نے حصار کے باہر توپوں کی زد سے دور تیراندازوں کی ایک بڑی جماعت دشمنوں کی رسد کو تاراج کرنے کے لئے مقرر کردی، چنانچہ ہر طرف سے سلطان بہادر کی فوج کی رسد بند ہوگئی، جس سے لشکر میں بڑی سراسیمگی پھیل گئی، اور یہ توپخانہ کا قلعہ قید خانہ بن گیا، بالآخر سلطان بہادر ہلکی سی جھڑپ کرنے کے بعد توپخانہ میں آگ لگا کر فرار ہوگیا[۵۲]

سنہ ۹۹۲ھ میں اکبر نے سلطان مظفر گجراتی سے احمد آباد کے پاس سرکیج میں جنگ کی، تو شاہی فوج کے ایک طرف شہر اور دوسری طرف دریا تھا، میدانِ جنگ کو خاردار شاخوں سے استوار کیا، اور پھر ان خاردار شاخوں کو مٹی کی دیوار بنا کر مستحکم کیا[۵۳]

اکبر کے اکتالیسویں سال جلوس میں صادق خان نے نظام الملک کے خلاف دکن میں فوج کشی کی تو جنگ و جدل کا مقام ھنکر واقع دریائے بان گنگا (شاخ گوداوری) تھا، شاہی فوج نے لشکرگاہ کو اس طرح ترتیب دیا کہ سامنے دریا، اور پشت پر ایک رودبار تھا[۵۴]

جہانگیر کے اٹھارویں سال میں شاہی فوج گجرات میں عبداللہ خان کے خلاف معرکہ آرا ہوئی تو تزک جہانگیری میں ہے، (ص ۳۷۲)

"از اتفاقات حسنہ جائے کہ لعنت اللہ (یعنی عبداللہ) فرود آمدہ بود، زمین پست و بلند بود، از قوم زار انبوہ و کوچہائے تنگ داشت بنابریں سلسلۂ افواج او انتظام شایستہ نیافت"[۵۵]

---

۵۱ طبقات اکبری جلد دوم ص ۳۵ ۵۲ اکبرنامہ جلد اول ص ۱۳۳، ۵۳ ایضاً جلد سوم ص ۴۲۵ ۵۴ ایضاً ص ۷۱۵،

شاہجہانی عہد میں دارا اور اورنگ زیب کی جنگ جانشینی کی پہلی لڑائی میں دارا کی طرف سے مہاراجہ جسونت سنگھ نے نربدا کے ساحل پر دھرماوت میں میدانِ جنگ منتخب کیا، لیکن اس کی زمین بہت ہی تنگ، پست، ناہموار، اور نشیب و فراز سے پُر تھی، مہاراجہ جسونت سنگھ نے حسب معمول لشکرگاہ کے چاروں طرف خندق کھدوائی، اور میدان کی زمین میں پانی ڈال کر اسکو کیچڑ بنا دیا، جو سواروں کے گھوڑوں کے لئے مضر ثابت ہوئی[۱]،

خندق کھود کر لشکرگاہ کو محفوظ کرنے کی تدبیر آخر وقت تک قائم رہی، بہادر شاہ اول کی وفات کے بعد اُس کے لڑکوں میں جانشینی کی جنگ شروع ہوئی، تو شہزادہ عظیم الشان نے لاہور کے پاس راوی کے ساحل پر اپنے لشکر کی قیامگاہ کو جس طرح ترتیب دیا، وہ خافی خاں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو،

"پشت بدریائے راوی دادہ فرود آمدہ دو طرف لشکر حکم کندن خندق فرمود و طرف دیگر لشکر عظیم الشان دریا داشت[۲]"

فرخ سیر اور جہاندار شاہ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوئے تو جہاندار شاہ نے پہلے اپنے لڑکے عزالدین کو پچاس ہزار سوار دے کر فرخ سیر کے مقابلہ کے لئے بھیجا، عزالدین کھجوہ میں اپنے لشکر کیساتھ قیام پذیر ہوا، لشکر کے گرد اُس نے خندق کھدوائی، جو پندرہ فٹ چوڑی اور دس فیٹ گہری تھی، خندق کی مٹی لشکر کے طرف ڈال دی گئی، جس کی اونچائی قدآدم کے برابر تھی، اس اونچائی پر مورچال بنایا گیا، (تفصیل کے لئے دیکھو خافی خان جلد دوم ص ۶۹۹)

خندق کھود کر توپوں کے لئے جو مورچے تیار کئے جاتے وہ ملچار یا مورچل یا مورچال کہلاتے تھے، گو یہ اصطلاحات قلعہ اور حصار کی جنگ کے سلسلہ میں زیادہ استعمال کی گئی ہیں، جیساکہ آئندہ ذکر آئے گا، مگر میدانِ جنگ میں بھی زمین کھود کر توپوں کی مورچہ بندی کے لئے ملچار اور مورچل بنائے جاتے

[۱] واقعاتِ عالمگیری عاقل خان ص ۲۰، لاہور اڈیشن [۲] منتخب اللباب جلد سوم ص ۶۸۶،

مثلاً شاہجہانی عہد میں شہزادہ اورنگ زیب بلخ کی مہم میں اوزبکوں سے لڑ رہا تھا، تو تیمور آباد کے پاس اُس نے اپنے لشکر گاہ کے گرد ملچارہا تعمیر کئے، بادشاہ نامہ میں ہے،

"و باشارۂ آں والا گوہر برداراں ظفر آئین کوہ تمکین بر دور اردو ملچارہا مقرر نمودہ و در ہر جانب با سپاہیان نبرد گزیں مراسم حفظ و حراست بتقدیم رسانیدہ شب گذرانیدند"[1]

دارا شکوہ اپنی جنگ جانشینی کی دوسری لڑائی کے سلسلہ میں اورنگ زیب سے لڑنے کے لئے دھولپور پہنچا تو عاقل خاں کا بیان ہے،

"در ساحلِ آبِ چنبل خیمہ و خرگاہ تا گنبد نیلگوں برافراشت و بر مسالک و معابر مورچال مقرر کردہ جا بجا افواج و توپخانہ تعبیہ نمود از جانب و اطراف راہ عبور بر موکب منصور مسدود ساخت"[2]

پانی کی کمی سے نقصانات

دارا شکوہ جب دھول پور سے بڑھ کر سموگڈھ میں معرکہ آرا ہوا، تو میدانِ جنگ میں اس کی فوج کو پانی کی کمی کی وجہ سے شدید نقصانات پہنچا، اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب اُس کے لڑکوں میں تخت و تاج کے لئے قتال و جدال کا میدان گرم ہوا، تو جاجو کی جنگ میں شہزادہ اعظم شاہ کے لشکریوں کو بھی پانی کی قلت کے سبب بڑی صعوبت اور مصیبت اٹھانی پڑی،

گرد و غبار سے نقصانات

جاجو کا میدان اعظم شاہ کی فوج کے لئے اس کی گرد آلود زمین کے باعث بھی نہایت مضر اور ہلاکت خیز ثابت ہوا[3]، جنگ جب انتہائی شدت کو پہونچ گئی، تو یکایک

---

[1] بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۶۹۲ [2] واقعاتِ عالمگیری ص ۳۲ [3] منتخب اللباب جلد دوم ص ۵۹۴ [4] عہد اکبری میں شاہی فوج جانی بیگ کے خلاف سیہوان (ٹھٹھ) کے قریب جنگ کر رہی تھی تو شاہی فوج کو گرد آلود زمین کی وجہ سے میدانِ جنگ میں بہت دقتیں اٹھانی پڑیں جنگ کے درمیان تیز ہوا چلنے لگی "و از شورش باد و خاک از یک دیگر آگہی نبود" (اکبر نامہ جلد سوم ص ۶۰۹)

اعظم شاہ کی مخالف سمت سے بہت تیز اور تند ہوا چلی کہ گرد و غبار کی کثرت سے لڑائی کا میدان لشکریوں کی آنکھوں میں ایسا سیاہ اور تاریک ہو گیا کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز باقی نہیں رہی، لیکن یہی ہوا اعظم شاہ کے حریف معظم شاہ کے لئے فتح و کامرانی کی وجہ بن گئی، موخرالذکر کے لشکر سے جو تیر پھینکا جاتا، وہ ہوا کی مدد سے اول الذکر کے فوجیوں کے زرہ و بکتر میں تیزی سے پیوست ہو جاتا تھا، اور جو سنگ ریزہ باد صرصر سے اڑ کر اس کے لشکر میں پہونچتے، وہ گولیوں کی طرح لشکریوں کے چہروں پر لگتے تھے، برخلاف اس کے اعظم شاہ کی طرف سے جو بان، تیر اور گولہ پھینکا جاتا، وہ مخالف ہوا کی وجہ سے یا تو چند قدم پر جا کر گر جاتا، یا پلٹ کر خود اسی کی صف میں چلا آتا تھا، (خافی خاں جلد دوم ص ۵۹۴)

بہادر شاہ کی وفات کے بعد شہزادہ عظیم الشان لاہور کے پاس راوی کے کنارے جہاندار شاہ سے جنگ کر رہا تھا کہ یکایک ایک آندھی آئی اور راوی کی ریت ہوا میں بادل کی طرح چھا گئی، لشکریوں کو غبار کے سوا کوئی چیز نظر آ رہی تھی، وہ مشکل سے اپنی آنکھیں کھول سکتے تھے، وہ صرف توپوں کی صدائیں سن رہے تھے، اور بے حس و حرکت کھڑے تھے، اس تاریکی اور بے بسی سے فائدہ اٹھا کر کچھ لشکریوں نے عظیم الشان کے خزانے کو لوٹنا شروع کر دیا[1]،

---

[1] سیر المتاخرین جلد دوم ص ۳۸۳،

مجلسِ مشاورت

مجلسِ ملکی لڑائی شروع ہونے سے پہلے اعلیٰ فوجی عہدیداروں کی ایک مجلس مشاورت منعقد ہوتی تھی، سلاطینِ دہلی کے زمانہ میں اس قسم کی مجلس کے لئے امیر خسرو کبھی صرف مجلس، اور کبھی مجلسِ ملکی[2] اور عصامی نے انجمن کی اصطلاح استعمال کی ہے،[3] امیر خسرو نے اس مجلس میں شریک ہونے والوں کو رائے زنانِ لشکر کہا ہے، یہ مجلس سرلشکر کی صدارت میں منعقد ہوتی،[4] فوج کے اکثر ملوک کبار، مردانِ رزم و کار اور ویغان سال خوردہ اس میں شریک ہوتے، کیونکہ مہم کی کامیابی کی ذمہ داری ان پر بھی ہوتی تھی[5] عارض اور اُس کی عدم موجودگی میں نائب عارض اس مجلس میں ضرور شریک ہوتا، اہم فیصلے غور وخوض اور بحث ومباحثہ کے بعد کئے جاتے، کیونکہ اگر لشکریوں کی اکثریت کو یہ یقین ہوتا کہ سرلشکر کے کسی حکم سے اُن کی جانیں محض تلف ہو جائیں گی، تو وہ اس کے حکم کو بجالانے سے انکار کر دیتے، اس لئے آداب الحرب والشجاعہ کے مؤلف فخر مدبر نے لشکر کے نگہبانوں کے لئے یہ ہدایت لکھی ہے کہ فوج کی کثرت اس وقت تک مفید اور موثر نہیں ہو سکتی ہے،

---

۱ تغلق نامہ ص ۴۴، ۲ خزائن الفتوح ص ۴۴، ۳ فتوح السلاطین ص ۲۴۵، ۴ خزائن الفتوح ص ۱۴۲، ۵ خزائن الفتوح ص ۱۳۹، تغلق نامہ ص ۴۲، مجلس مشاورت کی مثالوں کے لئے دیکھو تاریخ فیروز شاہی از عباس شروانی (جلد چہارم ص ۲۴ - ۲۰۳ - ۲۸۱، وغیرہ)

جب تک کہ باقاعدہ مشوروں سے مہم میں کافی احتیاط اختیار نہ کی جائے[۱]۔

تیموری اور جنگی مشورے | تیموریوں کے زمانہ میں بھی لڑائی کے موقع پر جنگی مشاورت کی خاص اہمیت تھی، امیر تیمور نے تزوک تیموری میں اُن کے متعلق جو اپنے خیالات جابجا ظاہر کیے ہیں، وہ ملاحظہ ہوں:

"مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ مخالفوں پر غالب آنا نہ لشکر کی کثرت سے اور نہ اُن سے مغلوب ہونا فوج کی کمی سے ہوتا ہے بلکہ غلبہ صرف تائید اور تدبیر سے حاصل ہوتا ہے"

مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ رائے تدبیر، اور مشورہ عقلمند اور ہوشیار آدمی سے کرنا چاہیئے، اگرچہ کامیابی کا راز پردۂ تقدیر میں چھپا ہوا ہے، لیکن رسول اللہ صلعم کی سنت کے موافق میں نے جو کام کیا، مشورے سے کیا، جب ارباب رائے واصحاب مشورہ اکٹھا ہوئے تو بُرے بھلے، نفع ونقصان اور پیش آنے والے کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق میں نے اُن سے گفتگو کی، اور جب اُن کی باتیں سنیں، تو دونوں پہلوؤں پر غور کیا، اور نفع ونقصان کو سوچا، اور اس کام کے خطرات کو غور سے دیکھا جس کام میں مجھ کو دو خطرے نظر آئے، اس کو نظر انداز کر دیا، اور جس کام میں صرف ایک خطرہ تھا، اس کو اختیار کر لیا.............

میں نے تمام کاموں میں مشورہ سے کام لیا، اور اس کام کے انجام دینے میں صحیح تدبیر کی، اور اس کام کے پورے کرنے کی راہ پر غور کرنے کے بعد اس کام کو شروع کیا اور تدبیر، عزم صحیح، احتیاط، انجام بینی، اور دور اندیشی سے اس کام کو پورا کیا، مجھ کو تجربہ سے معلوم ہوا کہ صاحب مشورہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں، جو باتفاق اپنے قول وفعل پر مصمم عزم کر لیں، اور اس کام کو کسی وجہ سے نہ چھوڑیں، اور اگر یہ کہیں کہ ہم اس کام کو نہ کریں گے،

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا عکسی نسخہ باب سیزدہم،

تو اس کے پاس بھی نہ پھٹکیں گے"

مجھ کو تجربہ سے معلوم ہوا کہ مشورہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک زبان سے دوسرا تہِ دل سے، میں نے جو زبانی مشورہ سنا اس کو صرف کان سے سُن لیا، اور جو مشورہ تہِ دل سے سُنا، اُس کو کان اور دل دونوں میں جگہ دی،

فوج کشی کے وقت میں نے صلح و جنگ دونوں کے متعلق گفت گو کی، اور اپنے امرا کے دل کی بات کا سُراغ لگایا کہ وہ جنگ چاہتے ہیں، یا صلح اور اگر انھوں نے صلح کا مشورہ دیا، تو صلح کے فوائد کا مقابلہ جنگ کے نقصانات سے کیا، اور انھوں نے اگر جنگ کی بات چیت کی تو اُس کے فائدے پر صلح کے نقصان کے متعلق غور کیا جس میں فائدہ زیادہ نظر آیا، اسی کو اختیار کرلیا، اور وہ مشورہ جو فوج میں نا اتفاقی پیدا کرتا تھا، اُس کے سننے سے میں نے احتراز کیا، اور جس صاحب مشورہ نے بے اختیارانہ مشورہ دیا، اُس کو سُن لیا، اور جس شخص نے عاقلانہ اور مردانہ بات کی، اُس کو بھی سُنا،

میں نے مشورہ ہر شخص سے طلب کیا، لیکن ہر بات کی بھلائی اور بُرائی پر غور کیا، اور اس کے صلح و صواب کے پہلو کو اختیار کیا،[1]

مجالس کنکاش تیمور کے جانشین مذکورۂ بالا زریں مشوروں سے برابر مستفید ہوتے رہے، اُن کے عہد میں لڑائی کے موقع پر "مجالس کنکاش"، اور انجمنوں کی مثالیں بکثرت ہیں[2]، میدانِ جنگ میں بادشاہ کی موجودگی میں ایسی انجمن اور مجلس کنکاش کا انعقاد اسی کی صدارت میں ہوتا، وہ نہ ہوتا تو صدارت کے فرائض سپہ سالار انجام دیتا، اور اس میں امرائے ذوی الاقتدار[3]، "اہلِ اعتبار[4]"، "خبرت گزینانِ[5] کار و دولت"

ے۱ تزوکِ تیموری ص ۹، ۸، ۷، ۶، ۵ ے۲ تزک بابری اردو ترجمہ ص ۲۶۴، ۲۹۲، ۳۰۹، ۱ اکبرنامہ جلد سوم ص ۴۸۰، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴ ے۳ طبقاتِ اکبری جلد سوم ص ۲۵، ے۴ اکبرنامہ جلد سوم ص ۱۴۰،

کارآگاہان، سران لشکر یعنی قشون اور تومان کے سردار وغیرہ شریک ہوتے، اس انجمن مشاورت میں خوب مباحثے ہوتے، اور ہر ایک فراوانی سے اپنی رائے کا اظہار کرتا، ضرورت کے وقت یہ انجمن عین لڑائی کے دوران میں بھی منعقد کی جاتی، اس وقت اجتماع شاہی تورک کے نیچے ہوتا، مباحثے میں زیادہ تر ہر اول، آزمائی حملہ آوری اور صف شکنی کے قواعد وضوابط اور تولغما وہجا کے رسوم وآداب پر گفتگو ہوتی،

مجلس مشورت میں پرجوش تقریریں — اس مجلس اور انجمن میں بعض اوقات ولولہ انگیز تقریروں سے لشکر کے سرداروں اور عہدیداروں میں غیر معمولی جوش وخروش پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی، بعض مثالیں ملاحظہ ہوں،

ظفر خاں کی تقریر — علاء الدین خلجی کی فوج کیلی میں مغلوں کے مدمقابل ہوئی، تو ظفر خاں نے فوجی سرداروں کی ایک انجمن منعقد کی، اور ان کو مخاطب کرکے کہا، اے سران سپاہ! میدان جنگ میں کون سی تدبیر اختیار کرنی چاہئے، اگر ہم ان کفار سے جان بچا کر فرار ہو جائیں، تو ہم اپنے سلطان کو کیا منہ دکھائیں گے، اور اگر ہم لڑنے کو آمادہ ہو جائیں، تو دس ہزار فوج کے مقابلہ میں ہمارے پاس ایک ہزار فوج ہے، ہم عجب کشمکش میں ہیں، دو بھیڑیوں کے درمیان ایک بھیڑ آگئی ہے، نہ پیچھے ہٹنے اور نہ لڑائی لڑنے میں چین ہے، لیکن میں وہی کروں گا جو اس مجلس میں موجودہ کار اصحاب مجھکو کرنے کو کہیں گے، فتوح السلاطین میں اس تقریر کو اس طرح منظوم کیا گیا ہے،

بدیشاں بگفت اے سران سپاہ — چہ تدبیر باید دریں حرب گاہ

ازیں فوج کافر گر بگذریم — چہ رو پیش صفدار عالم بریم

در آید بنگ پیچیم دڑ کارزار — کجا یک ہزار و کجا دہ ہزار

لے اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۴۸ سے ملفوظات تیموری ایلیٹ جلد سوم ص ۴۲۳ ،۴۹۲ ؛ ذکار اللہ جلد سوم ص ۲۶۹،۲۷ ؛

عجب کار ما را بہ پیش آمدہ است　　دو گرگ از پس و پیش پیش آمدہ است

نہ در عطف خیرے نہ در کارزار　　کنیم آنچہ گویند مردانِ کار

اس تقریر کو سُن کر اصحابِ انجمن نے کہا اے خان! مغلوں کو پسپا کرنے میں تمھاری شہرت بہت ہی دور تک پھیل چکی ہے، اس لئے اگر تم لڑائی کئے بغیر سلطان کے پاس گئے، تو تمھاری شان میں کمی نہ ہوگی، اور سلطان تم سے ناخوش نہ ہوگا،

گروہے ز اصحابِ آن انجمن　　بگفتند کاے خانِ فرخندہ فن

شکستی سراسر مغل را سپاہ　　زماہی رسید ایں خبر تا بہ ماہ

کنوں عطف شایانِ تر از کارزار　　کہ شہ را براہت دو چشم است چار

ظفر خاں شجاعت، بہادری، اور معرکہ آرائی کے لئے اپنے زمانہ میں بہت مشہور ہو چکا تھا، اُس نے بزدلی، اور کم ہمتی سے میدانِ جنگ چھوڑ کر واپس جانے میں ذلت اور خواری محسوس کی، اس کو اپنے فوجی سرداروں کا جواب پسند نہیں آیا،

چوں زاں قوم بشنید خاں ایں سخن　　خروشید و جوشید چوں اہرمن

ظفر خاں نے اُن کو مخاطب کر کے پھر کہا "جب ایک دن مرنا ہے تو دشمنوں پر حملہ کر کے مرنا بہتر ہے میں تو اس ہندوستان میں ناموروں کی موت مروں گا، اور آج ہی کی لڑائی میں جان دوں گا، تاکہ میرا نام تاریخوں میں زندہ رہے، جو شخص اس نازک موقع پر وفادار رہنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ تو فوجیوں کے ساتھ آگے بڑھے، تاکہ مرد وفا کی کتاب میں اس کا نام باقی رہے، اور جو مراجعت چاہتے ہیں، وہ واپس ہو جائیں، اُن کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نہیں ہیں وہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے محفوظ مقام پر پہونچ جائیں، فتوح السلاطین کے مصنف کی زبانی بھی اس تقریر کو ملاحظہ فرمائیں،

بگفتا کہ اے قوم آشفتہ رائے | ندانید فرقے ز سر تا بپائے
ہمہ حال چوں جاں بباید سپرد | بباید نمودن یکے دست برد
من امروز آید چو نام آوران | کنم ختم در ملک ہندوستان
وہم جنگے آید کہ در روزگار | بماند بہ شہنامہا یادگار
گرازے کہ با با دریں وقت تنگ | وفائے نماید بہنگام جنگ
ہمو ہست ہمراہ اہلِ غزا | بود نقش نامش بہ مہر و فا
گروہے کہ دارند بر عطف رائے | نہ بستہ است شاں را کسے دست و پائے
سپہ تا نکرد است بر جنگ ساز | سلامت ہمیں دم بگردند باز

ظفر خاں کی تقریر سُن کر تمام فوجی سردار بے حد متاثر ہوئے، یکزبان ہو کر بولے کہ ہم جان دینے اور آگ میں کودنے کے لئے بھی تیار ہیں،

کہ تا جان بود جان سپاری کنیم | بہ پشت سر خود بخاک افگنیم
بفرمان خاں جملہ راضی شویم | اگر خاں فرستد در آتش رویم[۱]

غازی ملک کی تقریر غازی ملک (یعنی غیاث الدین تغلق) جب خسرو خاں کے خلاف جنگ کرنے کیلئے دہلی کی طرف بڑھا، تو خسرو خان نے پیشقدمی کرکے سرسی کے پاس اوس کو روکنا چاہا، خسرو خاں کے پاس کثیر فوج تھی، لیکن غازی ملک نے اپنی پریشانی اور سراسیمگی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ اپنے لشکر کے سرداروں کو بلا کر ایک پرجوش تقریر کی جس کو امیر خسرو نے تغلق نامہ میں اس طرح منظوم کیا ہے،

ملک در پیش یک یک را طلب کرد | پس از دل قصہ را تا ہماں لب برد

۱؎ فتوح السلاطین ص ۲۵۵،

که ما را چرخ پیش آورد کارے | که گردش ہست در وی چرخ وارے
گرانیروے پیل است و دلِ شیر | که ہم بازو شود با ما به شمشیر
نخست از خونِ خود خیزد چو لاله | پس از خونِ عدو شوید پیاله
نه خنجر نہد اوّل سرِ خویش | کشد پس بر دگر سر خنجرِ خویش
بلے مرداں بہر سازے و سوزے | کساں را پرورند از بہر روزے
بود ہر روز عشرت را شمارے | فتد او بعد عمرے کارزارے
بکارے ناید ار یارے دراں روز | بسوزش دل که نبود یارِ دلسوز
بود تیر از براے رزم و نخچیر | تو بے آن چوبۂ واں چوبۂ تیر
کماں گر بشکند ہنگامِ پیکار | زہے کے یابد از لب ہاے سوفار
اگر شاہیں زبوں گردد ز شارک | کلہ گُل مرغ را زیبد بتارک
بیائید آن که دارد کار با ما | شوید از عہد و پیماں یار با ما
شود گر عہد ہا محکم به سوگند | بکارِ جان شویم از جان کمر بند
دگر یارے ندارد میلِ یاری | که دشوار است کارِ جاں سپاری
دریں یاری که دارد کار با من | دلِ من ہست آخر یار با من
بدیں دل کاہنیں سندیست برپاے | کنم گر سد آہن باشد از جاے
مرا یا در بس است و ہم ترازو | دو بازوے من و تعویذِ بازو
شنیدم بود رستم چیره دستے | که گاہ حمله تنہا صف شکستے
نه آن رستم ز من در کار بیش است | که ہر کس رستمے در عہدِ خویش است
چو من بر نامِ یزداں تکیه کردم | یقین است آن که تنہا چیره گردم

مرادِ من چو جز دیں را فرج نیست — من و ایں کار بر غیرے حرج نیست

اس تقریر سے جو اثر پیدا ہوا، وہ بھی سننے کے لائق ہے،

چو بشنید ند مردانِ سرافراز — ز مخدوم خود ایں حرف سرانداز
سراسر چوں ہمہ سر باز بودند — بروے خاک سرہا باز بردند
پس انگاراز سراسر بازی خویش — سر خود خدمتے بردند در پیش
فرو گفتند کاے سرورِ سراں را — بزیر پاے تو سر سروراں را
ہمیشہ باد سر بار کلاہت — کلہ گوشہ کشیدہ سرہا ہت
سرے کز دولتت عمرے کلہ داشت — ز کارت چون توان اکنوں نگہ داشت
بسر بازی چو مارا مژدہ دادی — سر ما در کلہ ناید ز شادی
نہ ماآں سر سری آریم پیشت — کہ ندہیم ارفتد سرہاے خویشت
چہ باشد یک سر ما زیر خنجر — ہزاراں پارہ گردد جملہ یک سر
ز ہر پارہ جدا برخیزد آواز — کہ باز از بہر تو کردیم سرباز
کمر بستیم و پیماں نیز بستیم، — برآں پیمان رگِ جاں نیز بستیم
کہ تا جان در تنِ است و سر بگردن — نخواہم از درت سر دور کردن
چو مارا سر جدا گشت اندریں کار — تو دانی خواہ صلح و خواہ پیکار

بابر کی تقریر | بابر رانا سانگا سے جنگ کرنے کو کنواہہ کے میدان کی طرف بڑھا، تو اُس نے اپنے فوجی امرا اور سرداروں میں سراسیمگی، بددلی، اور کم ہمتی کے آثار دیکھے، لیکن اس نازک موقع پر اس نے

---

۱ تغلق نامہ ص ۸۴، ۸۵، ۸۶، اسی جنگ میں ایک اور موقع پر غیاث الدین تغلق نے ایک تقریر کی تھی، جو تغلق نامہ ص ۲۰ پر درج ہے،

غیر معمولی ہوشمندی سے کام لیا، اپنے ہمراہیوں میں شجاعت و بہادری اور جوش و خروش پیدا کرنے کی کوشش کی اور ایک مجلس کنکاش منعقد کی، اور فوجی عہدیداروں کے سامنے حسب ذیل تقریر کی:

"اے امرا، اور سردارانِ فوج!

ہر کہ آمد بجہاں اہلِ فنا خواہد بود　　آنکہ پایندہ و باقی است خدا خواہد بود

جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے، وہ ضرور ایک دن قبر بھی دیکھے گا، جو دنیا میں آیا ہے وہ یہاں سے جائے گا بھی، بدنام ہو کر جینے سے نیک نام ہو کر مرنا بہتر ہے،

بنام نکو گر بمیرم رواست　　مرا نام باید کہ تن مرگ راست

جانتے ہو کہ یہاں سے ہم لوگوں کا وطن اور شہر کتنی دور ہے؟ کئی مہینوں کا راستہ ہے، خدا وہ دن نہ دکھلائے، کہ ہم کو شکست ہو جائے، اور اگر ہم کو شکست ہو گئی، (نعوذ باللہ) تو پھر ہم کہاں کے رہیں گے؟ کہاں ہمارا وطن؟ کہاں ہمارا شہر؟ ہم اجنبیوں اور بیگانوں کے ساتھ پڑے ہوں گے، جانتے ہو اگر ہم کو شکست ہو گئی، تو مسلمان بادشاہ جو دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہیں، کیا کہیں گے، اور ہم کو کس زبان سے یاد کریں گے، اہل دنیا کی گفتگو اور طعن و ملامت کو چھوڑ دو، قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں کیا عذر پیش کر سکوں گا، کہ ایک سلطنت مسلمان بادشاہ کے ہاتھ سے نکل گئی ہے، اس سلطنت کا بادشاہ اپنے بہت سے ہم مذہبوں اور ہم قوموں کو قتل کر کے بن بیٹھا تھا، اور آج غیر مسلموں سے جنگ کئے بغیر، کم از کم بغیر عذر شرعی کے واپسی کا راستہ تلاش کروں؟ آخر اُن کے ہاتھوں اس ملک کے باشندوں پر کیا کیا مصیبتیں نہ آئیں گی، افسوس! اب وہ وقت ہے، کہ دل میں شہادت کی ٹھان کر جہاد کے لئے بڑھیں،

چوں جان آخر از تن ضرورت رود　　ہماں بہ کہ باری بعزت رود

سرانجام گیتی ہمین است وبس کہ نامی بہ نیکی بماند زپس

اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ سعادت عطا کی ہے اور یہ دولت عنایت فرمائی ہے کہ اگر ہم غنیم پر غالب آئے تو غازی کہلائے، اور اگر مرے تو شہید ہوئے، دونوں حال میں ہم کو بڑا درجہ اور بلند مرتبہ ملتا ہے، آؤ ہم سب مل کر حلف اٹھائیں کہ ہم موت سے نہ بھاگیں گے، اور جب تک دم میں دم ہے اس لڑائی سے منہ نہ پھیریں گے[۱]

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سرداروں، نوکروں چھوٹوں اور بڑوں نے کلام پاک کو ہاتھوں میں لے کر قسمیں کھائیں کہ وہ میدانِ جنگ سے کسی حال میں بھی منہ نہ موڑیں گے، چنانچہ لڑائی ہوئی تو اُن کو فتح و نصرت حاصل ہوئی:

شیرشاہ کی تقریر | شیرشاہ ہمایوں کے خلاف قنوج میں معرکہ آرا ہوا تو جنگ سے پہلے اُس نے اپنے لشکریوں کو اس طرح مخاطب کیا،

"میں نے بہت سعی کرکے تم کو جمع کیا ہے اور تمھاری تربیت میں حتی المقدور کوتاہی نہیں کی، آج ہی کے دن کے لئے تمھاری نگاہداشت کی ہے، آج ہی امتحان کا روز ہے، آج ہی کے دن جو میدانِ حرب میں غالب ہوگا، اپنا رتبہ بڑھائے گا، ایسی کوشش کرو کہ وقت کارزار میں سب افغان یک دل و یک زبان ہوں، افغانوں کی فوج میں اتفاق ہو تو شمشیر زنی میں کوئی اُن کے برابر نہیں، میں اپنے عزیزوں سے یہ التماس کرتا ہوں کہ حسد، خصومت اور اختلاف کو جانے دو، سلطان ابراہیم کے عہد میں یہ حسد، مخاصمت، اور اختلاف ہی کی وجہ سے افغان مغلوب ہوئے جس کا مزہ انھوں نے خوب

---

[۱] یہ تقریر بابر نامہ اردو ترجمہ (ص ۳۱۰ - ۳۰۹) ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم (ص ۱۶)، اور طبقاتِ اکبری جلد دوم ص ۲۶، کے مختلف ٹکڑوں کو ملا کر تیار کی گئی ہے،

چکھا، لشکر کو فیروزمندی اور بلندی اس کی یک دلی سے حاصل ہوتی ہے، اے عزیزو! تم کو یہ معلوم رہے کہ میں نے عزم جزم کرلیا ہے کہ اس رزم گاہ سے اس وقت زندہ نکلوں گا کہ فتح و نصرت ہو، ورنہ میرا سر دشمنوں کے گھوڑوں کے سم سے کچلتا نظر آئیگا، مرنا مسلّم ہے، بہتر ہے کہ ایسے کام میں مریں کہ نیک نام ہوں، اے عزیزو! تم ڈرو نہیں رزم گاہ میں اس طرح جاؤ کہ سر کے ساتھ پاسبانی کلاہ رکھو، سپاہ کے لئے اس سے زیادہ کوئی بدنامی اور شرمندگی نہیں ہے کہ اس کا آقا مارا جائے، اور سپاہی اور خدمت گذار زندہ رہیں، اس جنگ میں ثباتِ قدم کے لئے تحریص کرتا ہوں، کیونکہ ملک ہند کا ہاتھ آنا، اور مغلوں کے ہاتھ سے اہل و عیال کا رہائی پانا اسی پر موقوف ہے، میں بڈھا ہو گیا ہوں، ہزاروں دقتوں سے افغانوں کو جمع کیا ہے، اگر خدانخواستہ اس معرکہ میں یہ لشکر شکست کھاکر پراگندہ ہو گیا، تو پھر اس کا دوبارہ جمع ہونا محال ہے، ہوا سے جو کلیاں درخت سے جھڑ جاتی ہیں، پھر وہ شاخ پر جمع نہیں ہوتیں،"

اس تقریر کو سن کر افغانوں نے پامردی اور جان نثاری دکھانے کا وعدہ کیا،[۱]

اکبر کی تقریر ۹۸۰ھ جلوس شاہی میں اکبر نے دوسری بار احمد آباد میں محمد حسین مرزا کے خلاف اپنی فوج صف آرا کی تو لڑائی شروع ہونے سے پہلے اس نے اپنی فوج کی ہمت ان الفاظ سے بڑھائی،

"غنیم کی تعداد بہ ظاہر بہت ہے لیکن درگاہ الٰہی کے اس نیاز مند کی طرف . . . .

خداوند کارساز کی عنایت اس سے بھی زیادہ ہے، جتنی کہ انسانی عقل کے احاطہ میں آ جاتی ہے،

---

[۱] تاریخ شیر شاہی مؤلفہ عباس خاں سروانی بحوالہ ذکاء اللہ، جلد سوم ص ۳۰۳ - ۳۰۲، و الیٹ جلد چہارم ص ۴۰۸، مجلس مشاورت میں شیر شاہ کی اور تقریروں کے لئے دیکھو الیٹ چہارم ص ۳۰۶، ۳۴۳، ذکاء اللہ جلد سوم ص ۲۹۲،

تمہارا طریقہ یہ ہو کہ تم اپنے کو عاطفتِ ربانی کی مضبوط رسی سے جکڑ لو، تذبذب اور تزلزل کے شائبہ کو دل میں مطلق نہ لاؤ، یک دل، یک رو، اور ایک راہ ہو کر اپنی پراگندگی کو اپنے سے دور رکھو، غنیم کی فوج کا جھنڈا سُرخ ہے اُن کے سر پر خون سوار ہے، تم نصرت کے ہمرکاب ہو کر اُن کے پاس پہونچ جاؤ، میدانِ جنگ میں بہادروں کو جوش میں لڑائی اور تجربے کے مسلک سے باہر نہیں ہونا چاہئے، اور جب ہم اس سرکش کا کام تمام کر لیں گے، تو دوسرے بدبختوں سے چھٹکارا پا لیں گے۔"[۱]

نورجہاں کی تقریر | ۱۰۳۵ھ میں جہانگیر کشمیر سے کابل جا رہا تھا، تو دریائے جہلم کو عبور کرتے وقت مہابت خاں نے سازش کر کے جہانگیر کو اپنی حراست میں لے لیا، نورجہاں بھی ساتھ تھی، جہانگیر کا قید ہونا تھا کہ شاہی فوج میں انتشار پھیل گیا، لیکن نورجہاں اپنی فراست اور تدبیر سے کام لے کر مہابت خاں کے پنجہ سے بچ نکلی، اور دریا کی طرف اپنے بھائی آصف خاں سے جا ملی، وہاں پہونچ کر ارکانِ دولت کو طلب کیا، اور نہایت ہی خشمگیں ہو کر اُن کے سامنے ایک ملامت آمیز تقریر کی کہ

"تمہاری غفلت اور ناتجربہ کاری سے ایسی بات پیش آئی جو کسی کے تخیل میں بھی نہیں آسکتی تھی، تم اب خدا اور خدا کی مخلوق کے سامنے شرمندہ ہو لیکن یہ شرمندگی اس وقت دور ہو سکتی ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے اُس کا تدارک ہونا چاہئے، بتاؤ اب کیا کرنا ہے"،

اس ملامت بھری تقریر کو سُن کر نورجہاں کے ہمراہیوں نے بالاتفاق مہابت خاں کی فوج پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔[۲]

اورنگزیب کی تقریریں | سموگڈھ میں دارا اور اورنگ زیب کی فوجوں کا اجتماع ہوا، تو لڑائی سے ایک رات پہلے اورنگ زیب اپنے لشکر کے "مبارزانِ نصرت کیش" اور "دلیرانِ صف شکن" میں یہ کہکر جوش خروش

۱؎ اکبرنامہ جلد سوم ص ۸۵، ۲؎ اقبالنامہ جہانگیری ص ۲۶۰،

پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا،

"کل بہادری اور مردانگی دکھانے کا دن ہے، اس جگہ سے ہمارا پایۂ تخت بہت دور ہے، یک دل اور یک رو ہو کر دشمنوں پر حملہ کرو، اور اپنی چمکتی ہوئی تلواروں کی ضرب سے حکومت حاصل کرو، فتح پاکر، اور دشمنوں کو پسپا کر کے دنیا میں نام پیدا کرو،

بکوشید کوشیدنِ مردوار   رگِ جاں بکوشش کنید استوار

اگر دست بردیم مارا ست ملک   وگر ماشدیم آنِ دارا ست ملک[۱]

کھجوہ کی جنگ میں جسونت سنگھ کی سرداری میں راجپوت سپاہی آئینِ وفا کے خلاف اورنگ زیب کو چھوڑ کر شجاع سے جا ملے، جسونت سنگھ کے ہاتھ میں اورنگ زیب کی فوج کے یمین یعنی دائیں بازو کی کمان تھی، اُس نے لڑائی سے ایک رات پہلے شجاع سے سازش کر لی کہ رات کو میں عقب سے اورنگ زیب کی فوج پر حملہ آور ہوں گا، اور تم سامنے سے حملہ کر دینا، اس طرح ہم دونوں مل کر اورنگ زیب کو پیس ڈالیں گے، چنانچہ جس وقت اورنگ زیب کو جسونت کی بے وفائی کی خبر ملی تو اس وقت وہ تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا، اس کی فوج میں انتشار پھیلا، لیکن اس کی پیشانی پر بل نہ آیا، اس نے اطمینان کے ساتھ تہجد کی نماز ختم کی، پھر ضبط و ہمت اور وقار و تحمل کا پیکر بن کر تختِ رواں پر سوار ہوا، اور اپنے امراء اور ہمرکابوں کو جمع کر کے اُن سے اس طرح مخاطب ہوا،

"الحمدللہ، اس واقعہ سے منافقوں اور دوستوں کی تفریق ہو گئی، اور اس کو میں مددِ الٰہی سمجھتا ہوں، اور اب یہی چیز میرے لئے فتح و کامرانی کی باعث ہو گی، بعض کوتہ اندیش، اور بدباطن منافقوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ اب غنیم کا غلبہ ضروری ہے، اور اسی لئے وہ دشمنوں سے جا ملے ہیں، لیکن وہ اپنے اعمال اور خیالِ خام کی سزا پائیں گے،"[۲]

---

۱ واقعاتِ عالمگیری ص ۴۴   ۲ عالمگیر نامہ ص ۲۵۵-۵۶، خافی خاں جلد دوم ص ۵۳،

اس تقریر سے اورنگ زیب کے لشکر میں جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی، اور اپنے آقا کا سکون اور اطمینان کلی دیکھ کر اُس کو ڈھارس ہوئی، تقریر کے بعد اورنگ زیب نے نقارہ بجانے کا حکم دیا، اور اپنی سواری کا ہاتھی منگوایا، تمام رات اسی ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی فوجوں کی نگرانی کرتا رہا، آفتاب طلوع ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھی شجاع کے ہاتھی کی طرف بڑھایا جائے، مرشد قلی خاں نے روکا کہ اتنی جرأت بادشاہوں کے دستور کے خلاف ہے، لیکن اورنگزیب نے کہا کہ

"کوئی شخص یونہی بادشاہ نہیں ہو جاتا، اسی قسم کی جرأت سے بادشاہت ملتی ہے، اگر بادشاہت ملنے کے بعد جرأت میں کوئی فرق آجائے، تو سلطنت باقی نہیں رہ سکتی"

عروسِ ملک کسے در کنار گیرد تنگ
کہ بوسہ بر لبِ شمشیرِ آب دار دہد [۱]

---

[۱] احکام عالمگیری بحوالہ مقدمہ رقعات عالمگیر معارف پریس ص ۷۷،

صف آرائی

غزنویوں کی فوج کی صف آرائی

غزنویوں کے عہد میں لڑائی کے موقع پر فوجوں کی ترتیب میں حسب ذیل صفیں ہوتی تھیں،

(۱) مقدمہ (۲) میمنہ (۳) میسرہ (۴) قلب،

تاریخ یمینی کے مصنف عتبی کا بیان ہے کہ نار دین کی معرکہ آرائی کے موقع پر سلطان محمود غزنوی نے اپنی فوج کی ترتیب اس طرح قائم کی،

"سلطان جب اپنی منزل مقصود کے قریب پہونچا تو اُس نے اپنے سواروں کو صفوں میں مرتب کیا، اور مختلف حصوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ میمنہ میں اپنے بھائی امیر نصر بن ناصر الدین کو جانباز بہادروں کے ساتھ مقرر کیا، میسرہ میں ارسلان اجاذب کو طاقتور نوجوانوں کے ساتھ مامور کیا، اور مقدمہ میں عبداللہ محمد بن ابراہیم طے تھا جس کے ساتھ غیظ و غضب سے بھرے ہوئے عرب سوار تھے، قلب میں التون تاش شاہی حاجب تھا، اس کے ہمراہ شاہی غلاموں کی ایک بڑی تعداد پہاڑ بن کر کھڑی تھی[1]"

مقدمۂ فوج کی اگلی صف، میمنہ، دائیں صف، میسرہ بائیں صف، اور قلب مرکز کو کہتے تھے کچھ

---

[1] ایلیٹ جلد دوم ص ۳۰، تاریخ یمینی کا فارسی نسخہ پیش نظر نہیں ہے، اس لئے ایلیٹ کی انگریزی عبارت سے میمنہ، میسرہ اور قلب کی اصطلاح قیاساً لائی گئی ہے،

فوجیں عقب میں بھی رہتی ہوں گی، مگر غزنوی دور میں اُن کے لئے کون سی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی، معلوم نہیں ہو سکی،

غوریوں کے لشکر کی صف آرائی

یہی ترتیب غوریوں کے زمانہ میں بھی رہی، ترائین کی جنگ میں معز الدین محمد بن سام المعروف بہ شہاب الدین غوری نے جو صفوں کی ترتیب دی تھی، اُن کے لئے منہاج سراج نے حسب ذیل اصطلاحات استعمال کی ہیں،

(۱) قدام لشکر (اگلی صف) (۲) میمنہ (۳) میسرہ (۵) قلب (۶) خلف[1] (پچھلی صف)

سلاطین دہلی کی فوجوں کی صف بندی

غلاموں، خلجیوں اور تغلقوں کے زمانہ میں لڑائی کے موقع پر فوجوں کی صفوں کے لئے حسب ذیل اصطلاحات استعمال ہوئیں،

(۱) طلایہ[2]، مقدمہ پیش[3]، یزک[4]، یہ تینوں اصطلاحات فوج کے اس دستہ کے لئے استعمال ہوتی تھیں، جو لشکر سے بہت آگے دشمنوں کی مختلف خبریں پہنچانے پر گویا مامور ہوتا تھا، یہ کبھی کبھی غنیم سے ہلکی جھڑپ بھی کر لیتا تھا،

(۲) مقدمہ یعنی اگلی صف اُس کے کبھی کبھی دو بازو کر دیئے جاتے تھے، جو جناح[5] کہلاتا تھا،

(۳) میسرہ اُس کے دونوں جانب کے حصّہ کو دست راست میسرہ، دست چپ میسرہ کہتے تھے،

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۲۰، نیز دیکھو مبارک شاہی ص ۱۰، [2,3] طبقات ناصری ص ۲۲۸، ۲۲۱، [4] ایضاً ص ۳۱، ۱۲۲، برنی ص ۹۰، ۲۰۴، فتوح السلاطین ص ۲۲۴ و ص ۵۴ وغیرہ [5] جناح کی اصطلاح بالکل واضح نہیں ہوتی، میرا ذاتی خیال ہے کہ اگلی صف کے بازوؤں ہی کے لئے یہ اصطلاح استعمال کی گئی ہے، جناح کے لفظی معنی تو بازو کے ہیں، لیکن اس سے میمنہ یا میسرہ ہرگز مراد نہیں، فتوح السلاطین میں ہے :

(۴) **میمنہ**، اس کے دونوں بازو دست راست میمنہ و دست چپ میمنہ کہلاتے تھے،

(۵) **قلب**، اس کے دائیں بائیں حصے دست راست قلب اور دست چپ قلب کہلاتے تھے،

(۶) **سقہ یا خلف**، (پچھلی صف[۱])

ہر حصہ کی نگرانی علٰحدہ علٰحدہ عہدیداروں کے ذمہ ہوتی تھی، اگلی صف کا نگراں **مقدم** یا سرِلشکر مقدمہ کہلاتا تھا[۲]، میمنہ اور میسرہ کے نگراں علی الترتیب سرفوج میمنہ یا سرفوج میسرہ کے لقب سے ملقب ہوتے تھے[۳]، قلب میں بادشاہ یا اس کا قائم مقام عہدیدار ہوتا تھا، بادشاہ کے اردگرد علماء، ائمہ، اطباء، منجمین اور ان کے بعد تیر انداز پرے جمائے کھڑے رہتے تھے[۴]، شاہی علم، طبل، بوق، دمامے نفیری، ارغون، سرنا وغیرہ بادشاہ کے سامنے ہوتے تھے[۵]، بادشاہ جنگ میں شریک نہ ہوتا تو ساری فوج سرلشکر کے ماتحت ہوتی[۶]، جو یا تو وزیر اعظم یا کوئی بہت ہی اعلیٰ رکن سلطنت ہوتا[۷]،

مقدم، سرفوج میسرہ اور سرفوج میمنہ کوئی معزز خان ہوتا تھا، اس کے ماتحت ملک، ملک کے ماتحت امیر، امیر کے ماتحت سپہ سالار، اور سپہ سالار کے ماتحت سرخیل ہوتے تھے، ایک ملک زیادہ[۸] سے زیادہ دس ہزار سوار، ایک امیر ایک ہزار سوار، ایک سپہ سالار ایک سو سوار، اور ایک سرخیل

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۸) چو قلب و جناح و یسار و یمیں
دو سو شد مرتب دراں دست کیں

[۱] فتوح السلاطین ص ۲۵۰ و برنی ص ۹۰ [۲] برنی ص ۲۶۰ [۳] صبح الاعشیٰ بحوالہ معارف نمبر ۹ جلد ۲۶ [۴] آداب الحرب [۵] برنی ص ۳۰۰، ۳۴۱، ۳۵۱، ۳۴۷ [۶] علاء الدین کے عہد میں سرلشکر ملک نائب کافور تھا،

یا ایک عارف دس سواروں کی نگرانی کرتا تھا[1]، قلب میں خاصۂ خیل یعنی بادشاہ کے خاص محافظوں کی نگرانی سرجاندار کرتے تھے، اور وہ قلب کے دونوں بازوؤں پر ہوتے تھے، اس لئے سرجاندار میمنہ اور سرجاندار میسرہ کہلاتے تھے[2]، لشکر میں شاہی غلمان ہوتے، تو وہ امیر غلمان میمنہ و میسرہ کے ماتحت ہوتے تھے[3]،

اس عہد کے پیادوں کے نگران کے لئے اصطلاحات معلوم نہ ہوسکیں، سہم الحشم و نائب سہم الحشم و شحنہ حشم فوج کے بعض عہدے تھے[4]، حشم سے مراد اگر پیادے ہوں تو شاید یہ عہدے پیادہ فوج ہی سے متعلق ہوں گے،

ہر حصہ میں گھوڑوں کی نگہبانی کے لئے ایک اخوربک، ہاتھیوں کے لئے ایک شحنہ پیل، اونٹوں کے لئے ایک شحنۂ نفر، ہتھیاروں کے لئے ایک سرسلاحدار ہوتا تھا، ایک چاؤش بھی متعین رہتا تھا، جو اس کی نگرانی کرتا کہ ہر لشکری اپنی اپنی جگہ پر موجود ہے، ایک نقیب احکام سنانے کے لئے مامور ہوتا تھا[5]، ضوابط اور احکام کی خلاف ورزی یا صفوں میں بے ترتیبی پیدا کرنے کے سلسلہ میں سخت سے سخت سزا مقرر تھی، علاء الدین خلجی کی فوج کیلی میں مغلوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوئی، تو اس نے اپنی فوج کو یہ حکم سنایا،

کس از سر فرازاں نجنبد ز جائے | مگر ہم بہ فرمان فرماں روائے
دگر خود کسے بگذرد زیں سخن | سر خود نہ بیند بہ پہلوئے تن[6]

صفوں کی ترتیب میں پیادوں، سواروں، اور ہاتھیوں کے تقدم و تاخر میں کسی یکساں ضابطہ کی پابندی نہیں ہوتی تھی، مصالح اور مواقع کی بنا پر کبھی پیادے، کبھی سوار، اور کبھی ہاتھی آگے

---

[1] برنی ص ۱۴۵ [2] مبارک شاہی ص ۶۲، [3] برنی ص ۳۰، [4] مبارکشاہی ص ۶۲ و برنی ص ۳۰ [5] برنی ص ۳۰، [6] فتوح السلاطین ص ۲۵۰،

رکھے جاتے،

پیادے اگر آگے ہوتے تھے تو پہلی قطار میں برگستوان، جوشن اور سپر والے تیر انداز رکھے جاتے، دوسری قطار میں زرہ پوش، نیزہ باز اور تیغ انداز سپر کیسا تھ ہوتے تھے تیسری قطار میں تیر اور گرز برداروں کی جماعت ہوتی چوتھی قطار، سیف، شمشیر اور گرز والوں پر مشتمل ہوتی، تمام قطاروں کے درمیان اتنی جگہ چھوڑ دیجاتی کہ عقب کے سوار اور دوسرے لشکری سامنے لڑائی کے نشیب و فراز کو دیکھ سکتے تھے یا ضرورت کے وقت ان جگہوں سے ہو کر آگے مدد کے لئے بڑھ سکتے تھے، یا آگے بڑھ کر اپنی مقررہ جگہ پر واپس آسکتے تھے[۱]،

سوار اگر آگے ہوتے تو زرہ، خود، جوشن، دستوانہ، اور برگستوان میں ملبوس، تیر کمان، تیغ نیزہ اور تبر سے لڑتے،

ہاتھی کبھی آگے ہوتے تو ان کے پیچھے سوار ہوتے، غیاث الدین تغلق اور خسرو خاں کی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے امیر خسرو اول الذکر کی فوج کی صف آرائی کا حال لکھتے ہیں،

صفِ پیلاں چو صف ابر آزار | ہرا برے، برق، حملہ، باد رفتار
نہ موز ہر پیل چوں کوہے باشکوہ | برو برگستواں چوں ابر بر کوہ
بہ پشت پیل تر کاں تیر در شست | چو کوہے کو بہ پشت کوہ بنشست
پس پیلان سواراں صف کشیدہ | بجوش از پشت ماہی تف کشیدہ[۲]

کبھی ہاتھی ہر صف کے آگے ہوتے، علاء الدین خلجی مغلوں کے خلاف کیلی میں جنگ کر رہا تھا تو فتوح السلاطین کے مؤلف کا بیان ہے کہ

بہر موج دو بندگاں پیل مست | یقین کردہ آن خسرو چیرہ دست

---

[۱] آداب الحرب، [۲] تغلق نامہ ص ۹۳-۹۲،

ازاں ژندہ پیلانِ شرزہ شکار | کہ کس بر نگوید دریں کارزار
بفرمود پس شاہ والا تبار | شدہ پیش ہر صف یکے کوہسار
کس از سرفرازاں بجنبد زجائے | مگر ہم بہ فرمانِ فرمانروائے[۱]

مگر ہاتھی عموماً بادشاہ کے ساتھ قلب میں ہوتے، صبح الاعشیٰ کا مصنف محمد تغلق کی لشکری ترتیب کے سلسلہ میں رقمطراز ہے:

"سلطان خود قلب میں ہوتا ہے ...... اس کے سامنے ہاتھیوں کا جھنڈ ہوتا ہے، ہاتھیوں پر برجوں سے ڈھکے ہوئے آہنی ہودج رکھے جاتے ہیں، جن پر تیرانداز سوار رہتے ہیں، اور پھر ان ہی برجوں کی ہر سمت میں سوراخ بنے ہوتے ہیں، جن سے تاک تاک کر نشانے لگائے جاتے ہیں، اور ان ہی ہودجوں میں روغن نفط ہوتا ہے، جو شیشہ کی نلکیوں سے دشمنوں پر اچھالا جاتا ہے، جس سے شعلے پیدا ہوتے ہیں"[۲]

محمود تغلق امیر تیمور کے خلاف معرکہ آرا ہوا تو اس کی فوج کے قلب ہی میں ہاتھی تھے[۳]، ابراہیم لودی پانی پت کی جنگ میں صف آرا ہوا، تو قلب ہی میں اُس نے ہاتھی رکھے تھے،

قلب کے پیچھے آخری صف یعنی سقہ یا خلف ہوتی، اس کی بھی کئی قطاریں ہوتی تھیں، پہلی قطار میں شاہی حرم کی بیگمات ہوتیں، اُن ہی کے ساتھ شاہی خزانے، اسلحہ خانے، اور باورچی خانے وغیرہ ہوتے، دوسری قطار میں فاضل گھوڑے، اونٹ اور مویشی، قیدی اور زخمی سپاہی رکھے جاتے، پھر تیسری قطار میں فوج کا ایک دستہ ہوتا جو عقب سے دشمنوں کے حملہ کی مدافعت کے لئے تیار رہتا

---

[۱] فتوح السلاطین ص ۲۵۰، نیز دیکھو برنی ص ۳۰۱ سیری کی جنگ میں بھی علاء الدین کی فوج کے ہر حصہ میں ہاتھی تھے، برنی کا بیان ہے، "و در ہر فوجی دانگی نیجگان پیل بر گستوانہا کردہ ایستادانیدند"

[۲] صبح الاعشیٰ بحوالہ معارف جلد ۲۶، نمبر ۹ [۳] ظفر نامہ جلد دوم ص ۱۰۶،

تھا، خلف قلب سے چند گروہ پر واقع ہوتا،[۵۲]

ان مختلف صفوں کے علاوہ کمین گاہوں میں بھی فوجیں پوشیدہ رکھی جاتی تھیں، جو دشمنوں پر اچانک حملہ کرتی تھیں، کوئی صف کمزور دکھائی دیتی تھی، تو اس کی مدد کو بھی پہونچتی تھیں[۵۳]، علاء الدین خلجی کیلی میں منگولوں کے خلاف صف آرا ہوا تو اس کی ہر صف کے پیچھے کمین گاہ تھی،

آداب الحرب کے مصنف نے کچھ جزوی باتیں بھی قلمبند کی ہیں، مثلاً قلب اونچی جگہ پر ہوتا کیونکہ میمنہ اور میسرہ دکھائی دیتا، لڑائی میمنہ سے شروع کرنا بہتر ہوتا، لڑائی شروع کرتے وقت قلب، میسرہ اور سواروں کے لئے کچھ علامتیں ہوتیں جن سے سرلشکر کا حکم آسانی سے سمجھ میں آجاتا، منتخب سوار میدان جنگ سے علیحدہ بھی کھڑے رہتے، کہ وہ اچانک کمین گاہ سے حملہ کر دیتے، کچھ علامتی نشان بھی ہوتا، کہ اس سے دوست اور دشمن کی پہچان ہوتی، کچھ دلیر سپاہیوں کو مختلف صفوں میں اس لئے مامور کیا جاتا کہ وہ میدان جنگ میں لشکریوں کی ہمت بڑھاتے، نفط انداز قلب کے دست چپ منجنیق اور عرادہ والے دست راست پر ہوتے تھے[۵۴]

تیمور کی فوج کی صف آرائی امیر تیمور نے اپنے لشکر کی صف آرائی کے لئے خاص خاص قوانین وضوابط مرتب کئے تھے، اگر اس کی فوج بارہ ہزار سوار پر مشتمل ہوتی، تو اس کی صف آرائی حسب ذیل طریقہ پر ہوتی،

(۱) قراول (ہراول کے آگے) کا حصہ جو چھوٹی ٹکڑیوں سے جو ہراول سے جڑا ہیں کرتا،

(۲) ہراول (اگلی صف)

(۳) جرانغار (بایاں بازو) اس کے تین حصے ہوتے، ہراول جرانغار (بائیں بازو کی

---

[۵۱] آداب الحرب [۵۲] طبقات ناصری ص ۱۲۲ [۵۳] فتوح السلاطین ص ۲۵۰ [۵۴] مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے عکسی نسخہ میں صف آرائی کی تفصیل بحث پنجم باب میں ملے گی،

اگلی صف) چپاول جرانغار (بائیں بازو کا بایاں حصہ) شقاول جرانغار (بائیں بازو کا دایاں حصہ)

(۴) برانغار (دایاں بازو) اس کے بھی تین حصے ہوتے، ہراول برانغار (دائیں بازو کی اگلی صف) چپاول برانغار (دائیں بازو کا بایاں حصہ) شقاول برانغار (دائیں بازو کا دایاں حصہ)

(۵) قول (مرکز)

اور اگر فوج کی تعداد بارہ ہزار سے چالیس ہزار یا اس سے زیادہ ہوتی تو اُس کی صف آرائی کا نقشہ یہ ہوتا،

(۱) قراول (ہراول کے آگے کا حصہ) قراول دست راست (دائیں بازو کا اگلا حصہ) قراول دست چپ (بائیں بازو کا اگلا حصہ)

(۲) ہراول بزرگ (اگلی صف کا اصلی حصہ) ہراول (اگلی صف کا اگلا حصہ)

(۳) جرانغار (بایاں بازو) ہراول جرانغار (بائیں بازو کی اگلی صف) شقاول جرانغار (بائیں بازو کا دایاں حصہ) ہراول شقاول جرانغار (بائیں بازو کے دائیں حصہ کی اگلی صف)

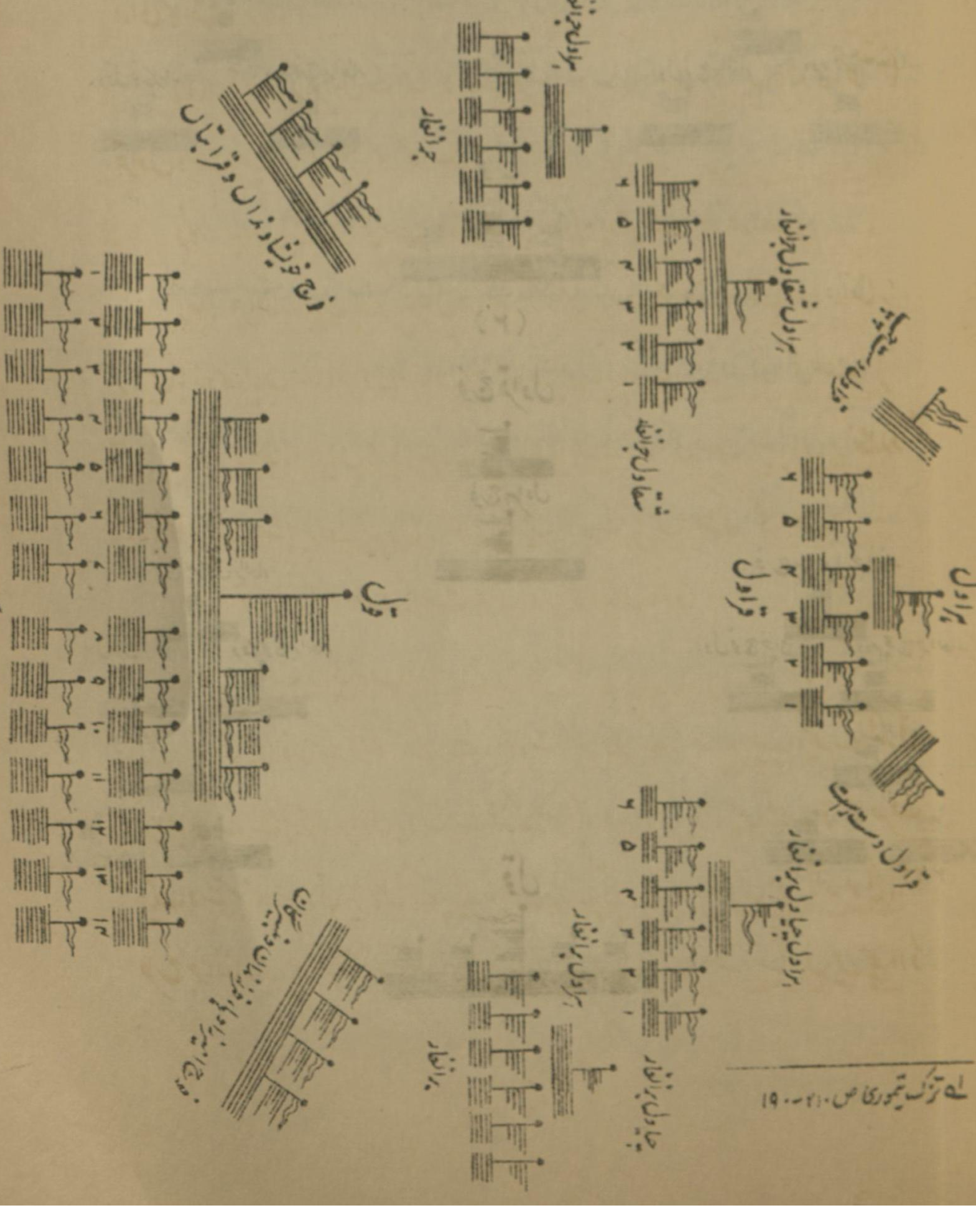
(۴) برانغار (دایاں بازو) ہراول برانغار (دائیں بازو کی اگلی صف) چپاول برانغار (دائیں بازو کا بایاں حصہ) ہراول چپاول برانغار (دائیں بازو کے بائیں حصہ کی اگلی صف)

(۵) قول (مرکز) دست راست قول (مرکز کا دایاں بازو)

(۶) عقب (پچھلی صف)

قراول یعنی فوج کے آگے آگے رہنے والا دستہ، ہراول کے راست وچپ، غنیم کے لشکر کی دیدبانی کے لئے ہوتا، ہراول بزرگ کے آگے بھی ایک ہراول ہوتا جس میں فوج کا صرف ایک دستہ ہوتا، ہراول ہراول کے پیچھے ہراول بزرگ کی فوج چھ دستوں میں منقسم ہوتی، اسی طرح جرانغار میں چھ دستے ہوتے، ہراول جرانغار میں صرف ایک دستہ، شقاول میں چھ، اور

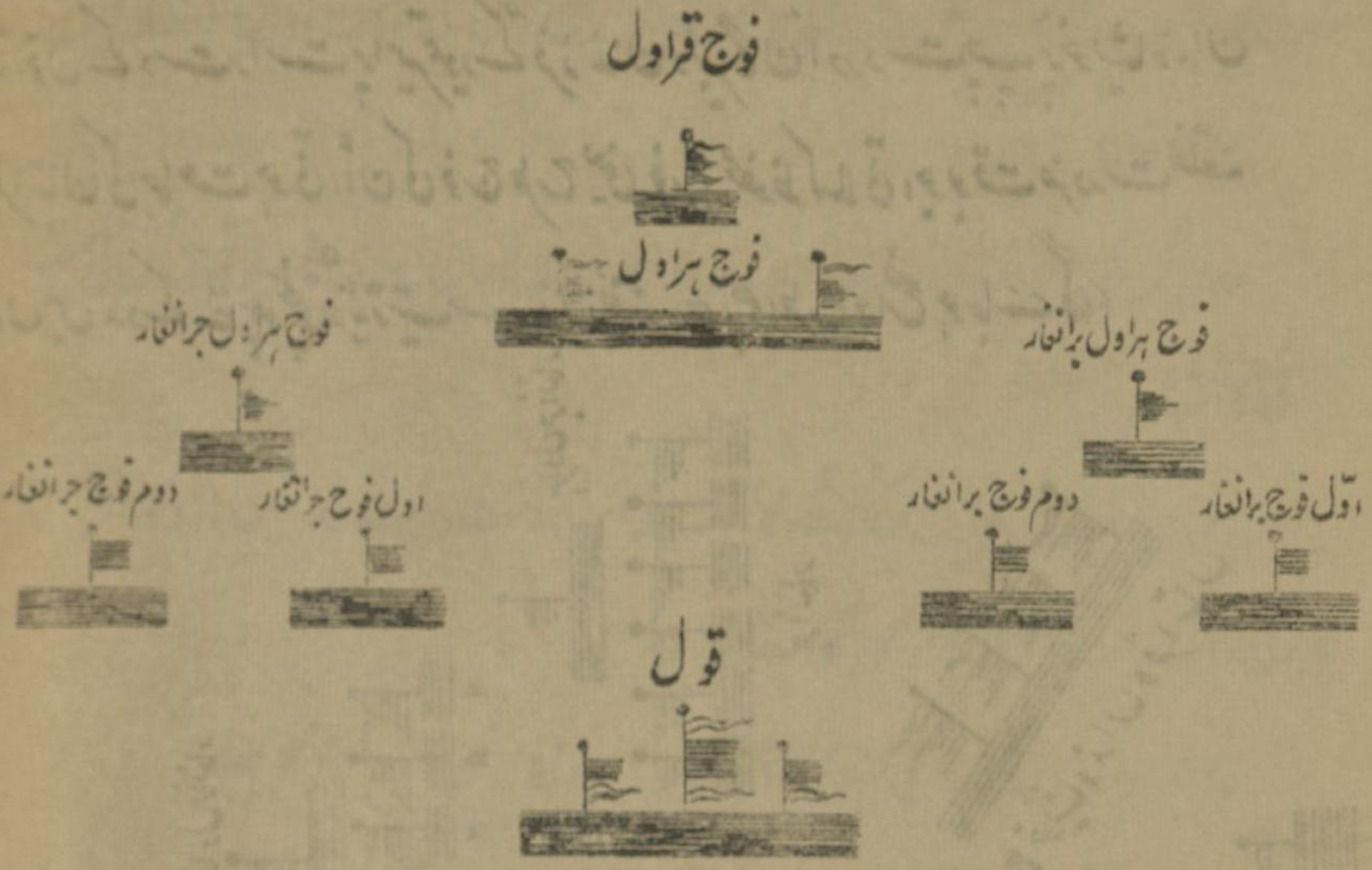
ہراولِ شقاول میں صرف ایک دستہ ہوتا، ہرانغار، ہراولِ برانغار، چپاول، اور ہراول چپاول کی بھی ترتیب ہوتی، قول کی پہلی صف چھ دستوں میں تقسیم ہوتی، اُس کے عقب میں اٹھائیس دستے کھڑے رہتے، قول کے دست راست پر امیر تیمور کے "فرزندان و نبیرگان" اور دست چپ پر "خویشاوندان اور قراتباں" کی جماعت ہوتی، اُن کی فوج طرح یعنی فوج محفوظ کہلاتی، جو بوقت ضرورت مختلف حصوں میں مدد کے لئے پہونچتی[1]، یہ ترتیب حسب ذیل نقشہ سے اچھی طرح واضح ہو جائے گی،



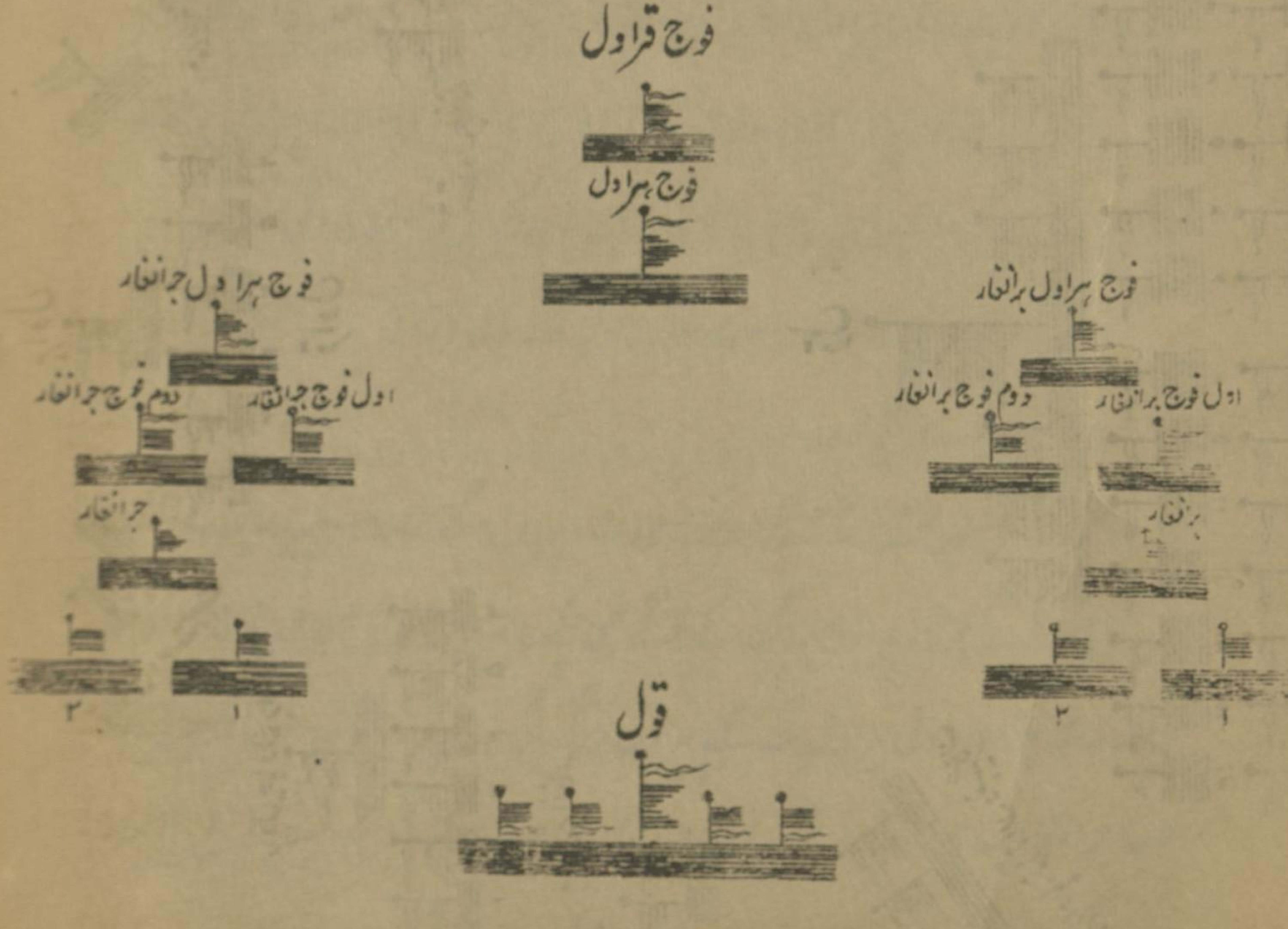
[1] تزک تیموری ص ۱۵۰۰-۲،۱۰

تیمور کے پاس تھوڑی فوج رہتی تو اس کی ترتیب اس طرح ہوتی

(١)



(٢)



بابر کی فوجوں کی ترتیب صف آرائی کی یہ اصطلاحیں بدلتی رہیں، پانی پت کی جنگ میں خود بابر کے بیان کے مطابق حسب ذیل صفیں تھیں،

(۱) قراول

(۲) ہراول، اس کے ساتھ فوج محفوظ کی صف طرح ہراول کہلاتی تھی،

(۳) برانغار، برانغار کی اوج یعنی اس کی داہنی طرف بالکل کنارے پر فوج کا ایک ایسا دستہ تھا، جو پلٹ کر غنیم کے عقب پر تیروں سے حملہ کرتا تھا، اس کو تولقمہ، اوج جرانغار کہا جاتا تھا، جرانغار کے ساتھ ایک فوج محفوظ بھی تھی، جو طرح جرانغار کہلاتی تھی،

(۴) جرانغار جرانغار کے ساتھ بھی تولقمہ، اوج برانغار اور طرح برانغار تھی،

(۵) قول یا غول یعنی مرکز، اس کے دو حصے تھے، دست راست قول، دست چپ قول،

(۶) طرح قول یعنی فوج محفوظ، قول کے پیچھے صف آرا تھی،

کنواہہ کی جنگ میں بابر کی فوج کے جرانغار اور برانغار میں داہنی اور بائیں بازو بھی تھے، جن کے لئے یمین جرانغار، یسار جرانغار، یمین برانغار اور یسار برانغار کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں،[۱]

بابر کے جانشینوں کی فوجوں کی صف آرائی تیموریوں کی سلطنت ہندوستان میں باضابطہ قائم ہوئی، تو مختلف لڑائیوں کے موقع پر صفوں اور ان کی اصطلاحات میں تھوڑی ترمیم ہوتی رہی،

(۱) قراول جو کبھی مقدمۃ الجیش[۲] کبھی منقلا اور کبھی طلیعہ[۳] یا طلایہ کہلاتا تھا،

---

[۱] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۱۴۰۔۳۱۲ و بابر نامہ انگریزی دوم ص ۶۶۔۵۰۵ [۲] بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۶۶۸ [۳] اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۷، ۳۶ ، بدایونی جلد دوم ص ۱۵، تزک جہانگیری ص ۳۵، ۳۲۶، بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری ۱۴۔۲۱۳، وغیرہ وغیرہ [۴] اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۶ ، جلد سوم ص ۵۰۶ عمل صالح جلد اول ص ۴۰۰، منتخب اللباب ص ۵۸۹،

(۲) ہراول، اس کے کبھی کبھی دو بازو، راست ہراول اور چپ ہراول ہو جاتے، بدایونی نے جوزہ[۵۱] ہراول کی ایک اصطلاح استعمال کی ہے اور جو ہراول سے بھی آگے ہوتا جیسا کہ بدایونی نے خود لکھا ہے :

"وچند نفر چیدہ و برگزیدہ بہمراہی سید ہاشم بارہہ پیشتر از ہراول نامزد شدند کہ آنرا جوزہ ہراول می نامیدند"

مگر یہ اصطلاح کسی اور مورخ نے استعمال نہیں کی ہے، ہراول کی فوج محفوظ کو التمش[۵۲] کہتے تھے،

(۳) جرانغار، اس کو کبھی وست چپ، کبھی میسرہ، کبھی صرف یسار کہا جاتا تھا، اس کے دائیں بائیں بازو بھی ہوتے تھے، جو دست راست جرانغار اور دست چپ جرانغار کہلاتے تھے، جرانغار کے ساتھ تولقمہ یا تلقمہ[۵۳] اور طرح[۵۴] بھی ہوتی تھی،

(۴) برانغار جس کے لئے کبھی دست راست، کبھی میمنہ اور کبھی صرف یمین کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی، اس کے بھی دست راست برانغار اور دست چپ برانغار ہوتے تھے، اس کے ساتھ بھی تولقمہ یا تلقمہ اور طرح ہوتی تھی،

(۵) قول یا غول یا قلب، اس کا بایاں بازو دست چپ قول اور دایاں بازو دست راست قول (یا میسرہ قول یا میمنۂ قول[۵۵]) کہلاتا تھا، ان دونوں بازوؤں کے پیچھے کچھ فوجیں محفوظ رکھی جاتی تھیں، جو طرح دست راست اور طرح دست چپ کہلاتی تھیں[۵۶]،

---

[۵۱] بدایونی جلد دوم ص ۲۳۱، [۵۲] اکبرنامہ جلد سوم ص ۲۰۲، ۳۳۲، ۲۲۵، ۴۳۰، [۵۳] اکبرنامہ جلد سوم ص ۲۴، ۱۵، لب التواریخ از خافی خاں حصہ دوم ص ۲، ۸، [۵۴] عمل صالح جلد دوم ص ۷۷، ۲ [۵۵] عالمگیرنامہ ص ۶۵، وص ۹۶، [۵۶] بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری جلد اول ص ۲۰۶، اکبرنامہ جلد سوم (ص ۹۱۴، وص ۴۴۳)

(۹) چنداول جس کو کبھی چندول یا ساقہ بھی کہتے تھے، یہ فوج کی پچھلی صف ہوتی تھی، جو فوجی سامان، شاہی حرم کی بیگمات اور فوجی کیمپ کی محافظت کے لئے متعین ہوتی تھی،

صفوں کو ترتیب دینے کا ذمہ دار بخشی الممالک ہوتا تھا، جنگ سے ایک روز پہلے وہ بادشاہ یا شہزادہ یا جنگ کے حاکمِ اعلیٰ کے سامنے فوجوں کی تعداد اور مختلف فوجی سرداروں کی متعینہ جگہوں کا نقشہ پیش کرتا تھا،[۱] اسی نقشہ کے بموجب وہ میدانِ جنگ میں مختلف عہدہ داروں کو مختلف صفوں میں متعین کرتا تھا، لڑائی میں کوئی سردار جنگی خطا کرتا تو اس کی جگہ پر دوسرے کو متعین کرتا، بخشی الممالک کے ماتحت نائب بخشی بھی ان کاموں میں اُن کی مدد کرتے تھے، کبھی صف آرائی کی خدمت امیر توزک کے بھی ذمہ کی جاتی تھی،[۲] کبھی بادشاہ دارالسلطنت سے فوجوں کی صفوں کو ترتیب دیکر اُن کو روانہ کرتا، فوجیں اسی ترتیب کے ساتھ میدانِ جنگ میں کھڑی ہوتیں،[۳] اہم لڑائیوں میں بادشاہ یا سپہ سالار فوجوں کی صف آرائی بہ نفسِ نفیس خود کرتے،[۴] جانشینی کی جنگ کے مواقع پر شہزادے خود ہی صفوں کو ترتیب دیتے،[۵]

---

[۱] تزک تیموری ص ۱۹۲-۱۹۱، دبابرنامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۳، و ۳۱۴، میں جنگ کے موقع پر نظام الدین علی خلیفہ میر بخشی کی صف آرائی، بابرنامہ انگریزی جلد دوم ص ۵۲۰، ۵۴۲، [۲] عالمگیر نامہ جلد اول ص ۲۴۵،

[۳] عمل صالح جلد اول ص ۴۶۰، جلد دوم ص ۴۶۲، بادشاہ جلد اول ص ۴۰۵، جلد دوم ص ۴۸۲،

[۴] مثال کے لئے دیکھو دارا اورنگ زیب کی جنگ عالمگیر نامہ ص ۹۵، و ۱۰۰، منتخب اللباب جلد دوم ص ۲۴، [۵] اورنگ زیب کی ہدایت تھی، کہ میدانِ جنگ میں شہزادوں اور سپہ سالاروں کے ساتھ غیر ضروری لوگ نہ ہوں، کیونکہ اُن کے ہجوم سے فوج کے نظم و نسق میں خلل پڑتا ہے،

(رقعات عالمگیر ص ۲۳، (معارف پریس)

ہر صف کا نگراں ایک سردار یا سالار[1] ہوتا تھا، پھر ہر صف کے لشکری مختلف حصوں میں منقسم کئے جاتے تھے، یہ حصے قشون[2] (قوشون) یا تومان[3] (تومن) یا کبھی چوکی اور کبھی توپ کہلاتے تھے[4]، ہر قشون کا محافظ ایک علحدہ عہدیدار ہوتا تھا، بابر کی فوج میں ان عہدوں کی نگرانی کسی سلطان یا بیگ یا امیر کے ذمہ ہوتی تھی[5]، اکبری دور میں جب منصبداری نظام قائم ہوا تو پھر فوجوں کے قشون اور تومان کی نگرانی کوئی معزز منصبدار کرتا تھا، دہ ہزاری منصبدار کی رہنمائی میں نو ہزاری سے یکہزاری منصبدار تک ہوتے تھے، اسی طرح ہشت ہزاری کے ماتحت ہشت صدی تک ہفت ہزاری کے ماتحت ہفت صدی تک، پنج ہزاری کے ماتحت پنج صدی تک اور پنج صدی کے ماتحت یک صدی تک مقرر کئے جاتے تھے[6]، جنگ میں بادشاہ یا شہزادہ شرکت کرتا، تو سارے منصبدار اس کے ماتحت ہوتے، بادشاہ یا شہزادہ نہ ہوتا تو سارے سردار یا سالار سپہ سالار[7] کی نگرانی میں ہوتے تھے، مختلف لشکریوں کا سردار

---

[1] تزوک تیموری ص ۲۰۳، جنگ کے موقع پر مختلف سرداروں اور سالاروں کے نام کے لئے دیکھو اکبرنامہ جلد سوم ص ۴۲۴، عمل صالح جلد اول ص ۳۶۹، جلد دوم ص ۳۶۴، بادشاہ نامہ جلد اول ص ۵۰۴ جلد دوم ص ۴۰۲، منتخب اللباب جلد دوم ص ۵۰۰ وغیرہ وغیرہ [2] تزوک تیموری ص ۲۰۳، الیٹ جلد سوم ص ۴۳۴، اکبرنامہ جلد دوم ص ۶۲، بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۴۳ و ص ۲۰۶، سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۰۲، [3] تزوک تیموری ص ۲۰۳، الیٹ جلد سوم ص ۴۳۰، اکبرنامہ جلد دوم ص ۶۲، [4] اکبرنامہ جلد سوم میں ہے "بخشیان را فرمان شد کہ فیروزی سپاہ را چوکی بہ چوکی بشایستگی بگذرانند" اکبرنامہ جلد سوم ص ۴۵۴، خانخاناں لشکر منصور را چہار توپ گردانید، [5] بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۶۶، ۱۶۵، ۱۳۳-۳۱۲، تیمور کی فوج کی سرداری ایک امیر کرتا تھا، اس کی دو قسمیں تھیں، امیر با تمغا، اور امیر بے تمغا (تزوک تیموری ص ۲۰۳) [6] آئین اکبری ص ۱۲۰، آئین در سپاہ آبادی [7] تیمور کی فوج کا اعلیٰ ترین عہدیدار امیر الامراء کہلاتا تھا، (تزوک تیموری ص ۹۱-۱۹۰)

عموماً ان ہی کی قوم کا کوئی منصبدار ہوتا تھا، مثلاً راجپوتوں کی چوکی ایک راجپوت منصبدار، افغانوں کا تو مان ایک افغانی منصبدار، مغلوں کا قشون ایک مغل منصبدار کے ماتحت ہوتا، توپچی برق انداز تفنگچی، اور دیگ انداز وغیرہ ایک ایسے منصبدار کی نگرانی میں رہتے تھے، جو میر آتش کہلاتا تھا،

صف آرائی میں تفنگچی، برق انداز، سوار، ہاتھی، اور پیادے کے تقدم و تاخر میں کسی یکساں ضابطہ کا تحریر کرنا مشکل ہے، مگر بڑی بڑی لڑائیوں کے موقع پر عام طور پر ہراول کی پہلی قطار میں[۵۱] توپچی، برق انداز، گولہ انداز اور دیگ انداز ہوتے تھے، توپیں کبھی بڑے بڑے چھکڑوں (ارابہا) پر رکھی جاتیں، اُن میں سے دو دو چھکڑے زنجیر اور چمڑے سے متصل کر دیئے جاتے، اور دونوں کے درمیان اتنی جگہ چھوڑ دی جاتی کہ اس میں چھ سات مٹی سے بھرے ہوئے، توبڑے رکھے جا سکتے تھے، تفنگچی ان چھکڑوں اور توبڑوں کے عقب میں پناہ لے کر تفنگ اندازی کرتے تھے[۵۲]، کبھی توپوں کو آہنی زنجیروں سے اس طرح منسلک کر دیا جاتا تھا کہ دشمن یلغار اور یورش کر کے گھسنے نہ پاتے تھے[۵۳]، کبھی

---

[۵۱] تیمور کی فوج کے ہراول میں ادچیاں، و شمشیرداران و نیزہ داران و بہادران آزمودہ کار ہوتے، (تزوک ص ۱۹۹) [۵۲] دیکھو بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۲۶۴، طبقات اکبری جلد دوم ص ۱۳، منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۴۳، "لفظ توبرہ" اس کے معنی میں اختلاف ہے، اکبرنامہ جلد اول ص ۹۵، میں توبرہ کے بجائے تورہ ہے، بابرنامہ کے اردو ترجمہ میں اس کے معنی جامی لکھے گئے ہیں، اس سلسلہ میں طبقاتِ اکبری کی عبارت یہ ہے؛

"درمیان ہر دو ارابہ شش ہفت توبرہ تعبیہ نمایند، تا تفنگ اندازان بروز معرکہ درپناہ ارابہ و توبرہ بفراغت تفنگ توانند انداخت"

منتخب التواریخ میں یہ عبارت اور بھی واضح طریقہ پر لکھی گئی ہے؛

"درمیان ہر دو عرابہ شش ہفت توبرہ پرخاک تعبیہ نمودند، تا روز معرکہ تفنگ اندازان درپناہ عرابہ و توبرہ پرخاک بفراغت توانند انداخت"

غنیم کی یورش کو روکنے کے لئے توپچیوں کی صف کے آگے عمیق خندقیں بھی کھودی جاتی تھیں ؁۔ اراباہ کے بعد اونٹوں اور اونٹوں کے بعد ہاتھیوں کی قطار رہتی ؁۔ اونٹوں پر سے شترنال اور زنبورک اور ہاتھیوں پر سے ہتنال اور گجنال چھوڑی جاتی، ہاتھیوں کے بعد برق انداز سوار ہوتے ؁

دیگ انداز، توپچی، تفنگچی، رعدانداز، اور برق انداز کی کثرت زیادہ تر ہراول، اور اس کے دونوں بازوؤں پر ہوتی، مگر جرانغار، برانغار، اور قول کی اگلی قطارین بھی اُن سے خالی نہیں ہوتی تھیں ؁، اسی طرح کبھی کبھی ہر صف میں ہاتھی بھی ہوتے تھے ؁، ہتنال اور گجنال کی کمی ہوتی، تو ہاتھیوں پر تیر انداز بٹھائے جاتے، تیر انداز بہادروں کے ہمراہ ایک ہاتھی ایک ہزار سوار کا کام کرتا تھا ؁، ہر صف میں ہاتھی کے پیچھے سوا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۱) تو برہ کی وضاحت منتخب التواریخ کی توضیح سے ہو جاتی ہے، اس لئے ہم بدایونی ہی کو قابل قبول سمجھ کر توبرۂ پرخاک کو استعمال کرتے ہیں، ؁ بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۳، انگریزی ترجمہ ص ۵۶۴ اکبرنامہ جلد اول ص ۱۰، نیز دیکھو اورنگ زیب اور دارا کی جنگ سموگڑہ کی تفصیل خانی خاں جلد دوم ص ۲۱، ۲۰، کرنال کی جنگ میں توپوں کی زنجیربندی کے لئے دیکھو سیرالمتاخرین جلد دوم ص ۴۸۲،

؁ ملاحظہ ہو، سلطان بہادر شاہ اور ہمایوں کی جنگ طبقات اکبری جلد دوم ص ۳۳، اکبرنامہ جلد دوم ص ۱۳۶، ؁ دارا اورنگ زیب کی جنگ کی ترتیب، ؁ عمل صالح جلد دوم ص ۳۶۵ ؁ دیکھو بابر اور راناسانگا کی لڑائی کی تفصیل بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۱، ۱۷، اکبرنامہ جلد اول ص ۱۰۹، عمل صالح جلد دوم ص ۳۶۵، بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۸۵، ۸۴، نیز دیکھو منتخب اللباب حصہ دوم میں جاجو کی جنگ کی تفصیل ص ۵۰۹ - ۵۰۰، ؁ سلطان مظفر گجراتی سے اکبر کی فوجیں معرکہ آرا ہوئیں، تو ابوالفضل کا بیان ہے، فیلانِ کوہ پیکر بادرفتار در ہر فوج شکوہ دیگر بخشیدند (اکبرنامہ جلد سوم ص ۲۴، نیز دیکھو اڑیسہ کی جنگ اکبرنامہ جلد سوم ص ۶۱۲-۱۳، کابل کی جنگ اکبرنامہ جلد سوم ص ۳۶۵)

؁ آئینِ اکبری باب آئین فیل خانہ،

ہوتے تھے، راجپوت سوار عموماً برچھے[1] سے لڑتے تھے، مغل سواروں کا ہتھیار تیر و کمان تھا، ہر سوار کی کمر میں شمشیر یا تیغ یا تلوار[2] آویزاں ہوتی، کمر کی دوسری طرف کبھی کٹار یا خنجر ہوتا، بائیں کاندھے پر سپر یعنی ڈھال ہوتی، جو لڑتے وقت بائیں ہاتھ میں پکڑ لی جاتی، سواروں کے عقب میں پیادے ہوتے، تیموریوں کے زمانے میں بڑی لڑائیوں میں پیادوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی تھی،

قول میں بادشاہ یا شہزادہ یا سپہ سالار عموماً ہاتھی پر حوضۂ زریں اور چتر مدوّر[3] کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا تھا، وہ ایسی جگہ ہوتا کہ لشکر کے ہر حصہ سے دکھائی دیتا تھا، شاہی جنگی علم کبھی اس کے ہاتھی پر ....

.... یا کبھی اس کے بالکل قریب دوسرے ہاتھی پر لہراتا رہتا تھا[4]، آس پاس دوسرے ہاتھیوں پر فوجی باجوں کی مختلف قسمیں بھی ہوتیں[5]، بادشاہ یا شہزادہ کی عماری میں اس کی کوئی چہیتی اولاد بھی ہوتی، اس کے ہاتھی کے دونوں جانب اعیانِ سلطنت اور ارکانِ دولت گھوڑوں پر سوار رہتے تھے، کبھی کبھی علماء و فضلاء کی جماعت ساتھ ہوتی تھی[6]، بادشاہ یا سپہ سالار قول سے کوئی حکم صادر کرتا تو اس کو

---

[1] مثال کے لئے دیکھو راجہ بھگونت داس کے اسلحہ اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۵ [2] عمل صالح جلد دوم ص ۵،

[3] تیمور جب جنگ میں شریک ہوتا تو قلب میں علم کے پیچھے ہی رہتا، ملفوظاتِ تیموری الیٹ جلد سوم ص ۴۳۹ [4] مثال کے طور پر دیکھو، سموگڈھ میں دارا کی فوج کی ترتیب [5] نور جہاں مہابت خاں سے جنگ کر رہی تھی، تو اس کی عماری میں شہریار کی لڑکی، اس کی انگہ اور صبیہ شاہ نواز خاں ساتھ تھی (اقبال نامۂ جہانگیری ص ۲۶۳، ۲۶۴) اورنگ زیب کی وفات کے بعد اُس کے لڑکوں میں جنگ جانشینی ہوئی، تو شہزادہ اعظم کے لڑکے بیدار بخت کے ہاتھی پر اس کا کمسن بچہ بیدار دل تھا، خود شہزادہ اعظم کے ساتھ اس کا لڑکا شہزادہ علی تبر تھا، اسی جنگ میں اعظم شاہ کے لڑکے شہزادہ والاجاہ کی بیوی ہاتھی کے ہودج ہی میں ایک آتشیں گولہ کی زد میں آکر جاں بحق ہوئی، (منتخب اللباب ص ۵۹۳)

[6] ظفر نامہ ج ۲ ص ۱۰۱،

مختلف حصوں میں تواچی،[1] یساول یا سزاول[2] پہنچاتے یہی یساول اور سزاول اُس کی نگرانی بھی کرتے کہ ہر لشکری اپنی جگہ پر ہو، احکام کی پابندی سختی سے عمل میں آتی، عدول حکمی کی سزا موت تھی،[3]

چنداول قلب کے پیچھے ہوتا، اس کی فوجیں عقب سے غنیم کی یورش روکنے کے لئے مستعد رہتیں، یہ شاہی حرم کی بیگمات اور فوجی کیمپ کی نگہبانی بھی کرتیں، کچھ فوجیں کمین گاہوں میں پوشیدہ ہوتیں، صفوں کو ترتیب دیتے وقت مختلف صفوں کے درمیان اور پھر ہر صف میں جا بجا اتنا خلا اور گذرگاہ چھوڑی جاتی تھی کہ عقب سے لشکر کے سامنے کی چیزیں دیکھی جا سکیں، اور ضرورت کے وقت مختلف گذرگاہوں سے سواروں کے گھوڑے آسانی سے گذر سکیں،[4] ایک صف سے دوسری صف کا فاصلہ کبھی نصف کوس اور کبھی تیر پرتاب کا ہوتا،[5]

ہر صف کے گھوڑوں کی نگہبانی کے لئے ایک اخوربک ہاتھی کے لئے ایک شحنہ پیل آتش اسلحہ کے لئے ایک میر آتش، اور عام اسلحہ کے لئے داروغہ قورخانہ یا قوربیگی ہوتا، قوربیگی کے ہاتھ میں شاہی علم بھی ہوتا، اور پھر ہر صف کی عام نگرانی ایک بخشی کے ذمہ ہوتی،[6]

---

[1] ملفوظات تیموری ایلیٹ جلد سوم ص ۴۳۶، بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۵، اکبرنامہ جلد اول ص ۱۰۷، جلد سوم ص ۲۳،

[2] بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۵، عالمگیرنامہ جلد اول ص ۲۴۵ [3] منتخب اللباب ص ۵۹۰ اکبرنامہ جلد سوم ص ۸۳، ص ۲۲، تزک جہانگیری ص ۲۵۲ [4] تزک تیموری میں ہے "وامر نمودم کہ با امیر ہر فوج کہ یرلیغ فرستم مطابق حکم یرلیغ عمل نمایند وازاں تخلف نہ ورزند، و ہرکس از بیگلر بیگیاں و امراء از حکم تخلف و تجاوز نماید و یرا بہ شمشیر بگذرانند وکوتل ویرا کہ منتظر الامارت باشد بجاے اُے نصب کنند" (ص ۲۰۳)

بابرنامہ میں ہے: "چوں ارکانِ لشکر تمام گشتہ ہرکس بجاے خود قرار یافت، فرمان واجب الاذعان لازم الامتثان شرف اصدار یافت کہ ہیچکس بے حکم از محال خود حرکت نماید و بے رخصت دست بمحاربہ نکشاید"، بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۵)

[5] بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۴۶۳ [6] ایضاً،

جنگ

آغازِ جنگ جنگ عموماً صبح کو شروع ہوتی، اور شام تک ختم کر دی جاتی، مگر فریقین دن کا کچھ حصہ گذار کر لڑائی شروع کرنے کی کوشش کرتے تاکہ ہزیمت اور شکست کی حالت میں رات کی تاریکی فرار ہونے میں معاون ہو، لڑائی شروع ہونے سے پہلے میرِ لشکر کے حکم سے نقارہ بجتا، کرنا پھونکا جاتا، اور تکبیر کہی جاتی تو سارے لشکری تیاری میں مشغول ہو جاتے، نقارہ کی دوسری آواز میں وہ اپنے گھوڑوں کے ساتھ مسلح ہو کر اپنی صفوں میں کھڑے ہو جاتے، تیسری آواز میں وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر مزید حکم کے منتظر رہتے[۱]، چاؤش نفیری بجاتے تو لڑائی شروع ہو جاتی[۲]، مسلمان سپاہی "اللہ اکبر" اور ہندو "نارائن یا مہادیو" یا کسی دیوی یا دیوتا کے نام کے نعروں کے ساتھ آگے بڑھتے[۳]"

سورن تیموریوں کے دور میں بھی کم و بیش یہی طریقہ مروّج تھا، نقارہ اور کرنا ہی سے جنگ کا آغاز کیا جاتا تھا[۴]، جنگی نعرے کے لئے اس دور میں جا بجا سورن کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے، مسلمان سپاہیوں کے لئے اللہ اکبر کے علاوہ مختلف قسم کے سورن تھے، کبھی "وہ بستان" اور کبھی "دہ" کے غلغلے بلند کرتے، اکبری عہد میں تیموریوں کی فوج احمد آباد میں محمد حسین مرزا کے خلاف جنگ کر رہی تھی، تو اس موقع پر ملا بدایونی

---

[۱] آداب الحرب عکسی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، باب بست و نہم [۲] تغلق نامہ ص ۱۲ [۳] ایضاً ص ۲۳، ۱۳۹،

[۴] مثال کے لئے دیکھو ملفوظات تیموری الیٹ جلد سوم ص ۴۳۸، اکبر نامہ جلد سوم ص ۶۰، ۵۱ تزک جہانگیری ص ۱۹،

عالمگیر نامہ جلد ص ۶۱ وغیرہ،

رقمطراز ہیں :

فرو شد بماہی و بر شد بماہ | بن نیزہ و قبۂ بارگاہ
ہوا نیلگوں شد زمیں آبنوس | بجوشید دریا ز آواز کوس
بانگشت لشکر ہما موں نمود | سپاہی کہ آنرا کرانہ نمود
کمان کیانی در آمد بہ زہ | یکے گفت بستاں یکے گفت دہ[1]

کبھی بزن بزن "اور کمش کمش" کی بھی صدائیں بلند ہوتیں[2] اکبر کا سورن یا معین تھا[3] احمد آباد کی ایک جنگ میں سیف خان کو کلتاش "یا اجمیری یا اجمیری" کہتا ہوا جان بحق ہوا[4] کبھی لشکری بادشاہ کے نام کا نعرہ لگاتے ہوئے یورش کرتے[5] کبھی منادی اَلجُرأۃ خیر من الجبن" (جرات بزدلی سے بہتر ہے) کی ندا دیکر لشکر یوں کی ہمت بڑھاتے، (سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۰۴)

ہندو نارائن کے علاوہ "رام رام" کہتے ہوئے آگے بڑھتے[6] مرہٹے گوپال گوپال اور ہر ہر دیو دیو" کے نعرے لگاتے[7]

| امتیازی علامت | جنگ کی شدت میں تیغ اور نیزہ سے لڑنے والے سوار مخالف فوجوں کے ساتھ گڈمڈ ہو جاتے، ایسی حالت میں دوست اور دشمن کا امتیاز یا تو خاص خاص لباس سے کیا جاتا، یا نہیں تو مقررہ الفاظ ہوتے، محمد تغلق جب عین الملک کے خلاف جنگ کر رہا تھا تو اس سلسلہ میں ابن بطوطہ لکھتا ہے،

" بادشاہ نے اس رات اپنی علامت "دہلی" اور غزنی مقرر کی تھی، جب ہمارے لشکر کا کوئی سوار دوسرے کو ملتا تھا، تو دہلی کا لفظ کہتا تھا، اگر دوسرے نے غزنی کا جواب دیا تو معلوم

---

[1] بدایونی جلد دوم ص ۱۶۷ [2] ایضاً جلد اوّل ص ۳۴۵ ، خانی خاں جلد دوم ص ۵۰ [3] اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۵ تزک جہانگیری ص ۴۰ [4] اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۰ ، بدایونی جلد دوم ص ۱۷۰ [5] تزک جہانگیری ص ۱۰۴ [6] واقعات عالمگیری ص ۲۹ [7] واقعات عالمگیری ص ۲۹ ،

ہوتا تھا کہ وہ ہمارے لشکر کا ہے، ورنہ حکم تھا کہ اس کو قتل کرو[1]"

غیاث الدین تغلق خسرو خان سے معرکہ آرا تھا تو اس کی فوج کی علامت کا لفظ قلا تھا[2]، بابر نے تزک بابری میں لکھا ہے کہ اس کی فوج میں اس علامت کو اصطلاحاً پلول کہتے تھے، یہ پلول دو قسم کی تھی، ایک تو قومی ہوتی تھی، مثلاً بعض قوم میں لفظ "دردانہ" بعض میں لفظ "توقبائی" اور بعض میں "لولو" مقرر کر لیتے ہیں، دوسری یہ تمام لشکر میں لڑائی کے وقت دو لفظ پلول کے قرار پا جاتے ہیں، تاکہ معرکۂ جنگ میں جس وقت دو آدمی آپس میں ملیں اس وقت کوئی ایک لفظ مقرر کہے، اور دوسرا جواب میں دوسرا لفظ معہود کہے، اس سے اپنے اور دشمن کے آدمی کی شناخت ہو جاتی تھی، مثلاً اندجان کی لڑائی میں بابر کے پلول کے الفاظ تاشکند اور سیرام تھے، یعنی اگر ایک تاشکند کہے تو دوسرا سیرام، اور اگر ایک سیرام کہے تو دوسرا تاشکند (تزک بابری اردو ترجمہ ص ۱۱)

یورش یورش میں عموماً پہلے مقدمہ کی فوج آگے بڑھتی، پھر میمنہ کی فوج پیش قدمی کرتی[3]، پھر قلب معرکہ آرا ہوتا، میسرہ آخر میں بڑھتا[4]، مسلمان حکمرانوں کے ابتدائی دور میں جب آتشیں اسلحہ کی فراوانی نہ تھی، تو غنیم کی فوجوں میں پہلے تیروں کی بارش سے انتشار پھیلانے کی کوشش کی جاتی، راجہ پتھورا کے خلاف دوسری جنگ کرنے کے لئے شہاب الدین غوری میدان میں اترا تو طبقات ناصری کے مصنف کا بیان ہے کہ سلطان نے حکم دیا کہ میمنہ، میسرہ، خلف اور قدام کے لشکر ہر طرف سے غنیم پر تیر چلائیں، اور اس طرح دس ہزار سواروں نے تیراندازی کی[5]،

مسلمانوں کی حکومت جب ہندوستان میں باضابطہ قائم ہوئی، اور لشکر میں ہاتھوں کی تعداد زیادہ رہنے لگی، تو ہاتھیوں پر برجوں سے ڈھکے ہوئے آہنی ہودج میں بھی تیرانداز سوار رہتے تھے[6]، تغلق نامہ

---

[1] سفرنامۂ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۸۱ [2] تغلق نامہ ص ۱۲۳ [3] مثال کے لئے دیکھو کیلی میں علاء الدین اور قتلغ خواجہ مغل کی جنگ برنی ص ۲۶۰ [4] آداب الحرب باب بست و پنجم عکسی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ [5] طبقات ناصری ص ۱۲۰ [6] صبح الاعشیٰ بحوالہ معارف جلد ۶، نمبر ۶،

میں ہے[1]،

صفِ پیلاں چوں صفِ ابر ازار — ہر ابرے، برق حملہ، باد رفتار

ز خود ہر پیل چوں کوہے باشکوہ — بر و بر گستوان چون ابر بر کوہ

بہ پشت پیل ترکاں تیر درشست — چو کوہے کو بہ پشت کوہ بنشست[1]

یورش کے مختلف طریقے

ہودج کے برجوں کی ہر سمت میں سوراخ بنے ہوتے تھے، جن سے تاک تاک کر تیروں کے نشانے لگائے جاتے تھے[2]، یہ تیر کبھی آتشیں اور کبھی زہر میں بجھے ہوتے تھے، ہاتھی کی عماریوں پر سے شیشہ کی نلکیوں کے ذریعہ سے روغن نفط بھی دشمنوں پر اچھالا جاتا تھا، جس سے شعلے پیدا ہوتے تھے کبھی منجنیق کے ذریعہ سے پتھر اور آتش گیر مادے پھینکے جاتے تھے، محمود تغلق تیمور کے خلاف جنگ کر رہا تھا تو اس کے ہاتھیوں پر "رعد انداز" آتش باز، اور تخش انداز تھے[3]، تیموریوں کی آمد سے پہلے دکنی ریاستوں میں توپوں کا بھی رواج ہو گیا تھا، چنانچہ توپوں اور بارود سے بھی دشمن میں اختلال پیدا کیا جاتا، کبھی اُن کی صف شکنی ہاتھیوں کے یلغار سے بھی کی جاتی،

ان ذرائع سے غنیم کے لشکر میں سراسیمگی پھیل جاتی تو شمشیر، تیغ، تبر، اور نیزے سے لڑنے والے سوار اور پیدل سپاہی اپنے افسروں کے حکم اور اشارے پر تیزی سے آگے بڑھتے، پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہو جاتی،

لڑائی کا سارا دباؤ غنیم کے قلب یعنی مرکزی صف پر ہوتا، جہاں عموماً سرِ لشکر کی جگہ ہوتی، اس لئے حکم انداز یعنی ماہر تیر انداز خاص خاص جگہوں پر مامور کئے جاتے کہ دور سے اپنے تیروں کے نشانہ سے غنیم کے سرِ لشکر کو ہلاک کر دیں، یا اس کے ہاتھی کو مجروح کر دیں، پھر فتح و نصرت میں آسانی ہو جاتی، فوج کا کوئی بازو کمزور ہوتا ہوا نظر آتا تو فوج محفوظ یا دوسرا بازو مدد کو پہونچتا، اس قسم کی مدد

[1] تغلق نامہ ص ۹۲ [2] صبح الاعشیٰ بحوالہ معارف نمبر ۹ جلد ۲۴ ص ۵ [3] ملفوظات تیموری الیٹ جلد سوم،

پہنچانے میں غیر معمولی جنگی احتیاط کی جاتی تھی، ہمایوں اور شیر خان کے درمیان قنوج میں جنگ ہوئی تھی تو عباس خان سروانی کا بیان ہے،

"شہنشاہ (یعنی ہمایوں) کے مقدمۃ الجیش کو خواص خاں کے لشکر نے شکست دی لیکن شیر شاہ کے میمنہ نے جو جلال خان کی نگرانی میں تھا شکست پائی، اس بازو کے چار سرداروں جلال خاں، میاں ایوب سروانی، غازی بگلی، محمد گلگپور نے میدان نہیں چھوڑا، جب شیر شاہ نے دیکھا کہ اس کے میمنہ کو شکست ہو گئی ہے، تو خود قلب سے اپنے لشکر کو لے کر مدد کرنے کا ارادہ کیا، لیکن قطب خاں لودی نے عرض کیا، کہ حضور اپنی جگہ کو نہ چھوڑیں، کہیں لوگوں کا خیال یہ نہ ہو کہ قلب سپاہ کو بھی شکست ہو گئی، اس وقت مناسب یہ ہے کہ دشمنوں کے درمیان گھس جائیں، جب شیر شاہ کی سپاہ سیدھی ہمایوں بادشاہ کے لشکر کی طرف چلی، تو اُس نے اس سپاہ کو شکست دی، جس نے اُس کے میمنہ کو شکست دی تھی، اور وہ بھاگ کر ہمایوں کے قلب سپاہ میں چلی گئی، شیر شاہ میمنہ کے سامنے مغلوں کو پیچھے ڈھکیل چکا تو اُس کے میسرہ کی فوج اپنے مد مقابل فوج کو ہٹا کر ہمایوں بادشاہ کے قلب کی طرف بڑھی، شکست یافتہ میمنہ نے بھی پھر کر ہمایوں بادشاہ کو گھیر لیا،"[۱]

تیموری طریقے امیر تیمور نے غنیم سے لڑنے کے لئے جو خاص خاص ضوابط و قوانین مرتب کئے تھے وہ بہت ہی واضح اور روشن ہیں، وہ خود تزک تیموری میں لکھتا ہے،[۲]

"فوج غنیم سے ایک منزل کی مسافت پر روبرو کھڑی ہو، ......اور میں نے حکم دیا کہ جنگ کے ایک روز پہلے صف آرائی ہو جائے، اور فوج کو آراستہ کر کے قدم آگے بڑھایا جائے، اور جس ایک سمت سے جائیں، پھر اسی سمت اپنے گھوڑوں کے سروں کو نہ

---

[۱] ذکار اللہ جلد سوم ص ۳۰۳، - الیٹ جلد چہارم ص ۳۸۲ [۲] تزک تیموری ص ۲۰۷، ۱۹۱،

پھیریں، اور دائیں بائیں اپنے کو متوجہ نہ کریں، اور میں نے حکم دیا کہ لشکریوں کی نظر غنیم کی فوج پر پڑے تو بلند آواز سے تکبیر کہکر سورن یعنی جنگی نعرے لگائیں، ......

"اور اگر لشکر کا عارض دیکھتا ہو کہ کوئی سردار غلطی کر رہا ہے تو وہ اُس کی جگہ پر دوسرے کو مامور کرے، ......

اور میں نے حکم دیا کہ لشکر کے سردار عارض مدد سے غنیم کی فوج کی کمی اور زیادتی کو ملاحظہ کریں اور اپنے اور اپنے غنیم کے سرداروں کا مقابلہ کریں، اور کمی اور زیادتی کی تلافی اور تدارک کریں، اپنی اور دشمن کی سپاہ کے اسلحہ کا جائزہ لیں، اور غنیم کی رفتار کو دیکھتے رہیں کہ آہستہ اور مسلسل وہ جنگ کرتے ہیں، یا اضطراب کے ساتھ،

"اور دشمن سے لڑنے کا طریقہ ذہن نشین کرلیں کہ ایک ساتھ حملہ کریں، یا ایک فوج کے بعد دوسری فوج کو بھیج کر حملہ کریں، اور یہ دیکھیں کہ حملہ کے وقت دشمن بھونچ کر واپس جاتا ہے، اور پھر دوبارہ حملہ کرتا ہے، یا پہلے ہی حملہ پر اکتفا کرتا ہے، اگر ایسا ہو تو اپنے جانب کی فوج جو اُن کے حملہ کا صدمہ برداشت کرتی ہے، صبر کرے، کیونکہ ایک ساعت کا صبر ہی اصلی بہادری ہے،

"اور میں نے حکم دیا کہ جب تک دشمن خود جنگ میں پیش قدمی نہ کرے، اس پر سبقت نہ کریں، اور میں نے حکم دیا کہ جب دشمن میدان میں آئے، سردار کو افواج نہنگانہ پر نظر رکھنا" اور اُن کو کام کرنے کی ہدایت کرنا چاہئے، کیونکہ سردار کا کام یہی ہے کہ فوج کو کام میں لگائے، اور سردار کو چاہئے کہ کام کے وقت اپنے دل کو کمزور نہ کرے، اور ہوش و حواس میں خلل نہ آنے دے، اور ہر فوج کو منزلہ ایک ہتھیار کے ہاتھ میں رکھے، کوئی تیر ہو، کوئی تبر، کوئی تلوار، کوئی گرز، کوئی چھری، اور کوئی خنجر، اور ہر فوج سے خاص خاص اوقات میں

کام لے، اور سردار کو چاہیے کہ نہ تو فوج کو اور نہ خود اپنے کو ایک کشتی لڑنے والے شخص کی طرح سمجھے جو اپنے ہر عضو یعنی ہاتھ پاؤں، سر اور سینہ وغیرہ سے لڑائی کرتا ہے، اور امید ہے کہ جب تلوار کی نَو ضرب باری باری دشمن کو لگے گی تو وہ نویں ضرب میں ضرور شکست پا جائے گا،

اور سردار کو چاہیے کہ پہلے ہراول فوج کو دشمن کے مقابلے میں بھیجے، اور ہراول برانغار کو اس کے پیچھے مدد کو بھیجے، اور ہراول برانغار کے پیچھے، ہراول جرانغار کو بھیجے، تاکہ دشمن کی فوج پر تین ضرب لگے، اور اگر اس وقت ہراول شکست کھا جائے، تو برانغار کی فوج اوّل کو روانہ کرے، اور اس کے پیچھے جرانغار کی فوج دوم کو بھیجے، اگر فتح حاصل نہ ہو تو برانغار کی فوج دوم کو آگے بڑھائے اور اسکے پیچھے جرانغار کی فوج اول کو روانہ کرے، اور مجھ کو اطلاع دے، اور میرے رایات کا منتظر رہے، اور خدا پر بھروسہ کر کے سردار خود شریک جنگ ہو، اور مجھ کو معرکہ میں حاضر سمجھے کہ بہ توفیق الٰہی جب دشمن پر آٹھ ضرب لگے گی، تو نویں ضرب میں شکست کھا جائیگا اور فتح حاصل ہو جائیگی"

اور سردار کو جلدی بھی نہیں کرنی چاہیے، اور لشکر کو کام پر لگائے، اور جب خود اوسکی باری آئے، تو جہاں تک ممکن ہو، اپنے کو قتل نہ ہونے دے، کہ سردار کے قتل ہو جانے سے بدنامی ہوتی ہے، اور دشمن اور بھی دیدہ دلیر ہو جاتا ہے، پس سردار کو چاہیے کہ رائے اور تدبیر سے کام کرے، اور عجلت نہ کرے، کہ عجلت شیطان کا کام ہے، اور ایسی جگہ نہ جائے جہاں سے نکل نہ سکے،.......

"میں نے حکم دیا کہ اگر غنیم کا لشکر بارہ ہزار سے زیادہ ہو لیکن چالیس ہزار تک نہ پہنچا ہو، تو اس کے مقابلہ میں میرے کامگار فرزندوں میں سے کوئی ایک سردار ہو، اور اس کے رکاب میں دو بیلگر بیگی امرا، اور تین قشون، تومان اور الوس ہوں، جن میں چالیس ہزار سوار سے کم نہ ہوں اور غالب ہونے والی فوج کو چاہیے کہ مجھکو حاضر سمجھ کر تدبیر جوانمردی اور بہادری کے سررشتہ

کو ہاتھ سے جانے نہ دیں ......

اور سردار وہی ہے کہ غنیم کی سپاہ کے سردار کو شمار کرکے اُن کے مقابلہ میں سرداروں کو متعین کرے، اور دشمن کی سپاہ میں او بچیوں، شمشیر اندازوں اور نیزہ بازوں کو نگاہ میں رکھے، اور غنیم کی سپاہ کی رفتار کو دیکھے کہ وہ پیوستہ یا آہستہ فوج پر فوج میدانِ جنگ میں لاتا ہے! یا تیزی سے آتا ہے؟ اور اپنے درآمد اور برآمد کی راہ کو میدان جنگ میں ملاحظہ کرے، اور غنیم کی جنگ کے شیوہ اور روش کو دریافت کرے، کیونکہ کبھی وہ اپنے کو کم نمودار کرتے ہیں، اور اپنے کو بھاگتے ہوئے ظاہر کرتے ہیں، اُن کے مکر اور گریز پائی سے محفوظ رہنا چاہئے،

اور جنگ کا تجربہ کار اور آزمودہ سردار وہی ہے، کہ جنگ کے معاملات کو سمجھتا ہو کہ کون سی فوج کو آگے بڑھانا چاہئے، اور کون سے رخنہ کو تدبیر سے بند کرنا چاہئے، اور کس طرح لڑائی لڑانی چاہئے، سردار وہ ہے جو غنیم کے ارادہ کو سمجھتا ہو کہ کس روش پر وہ جنگ کرے گا" اس کے تمام شیوہ کو اس پر مسدود کر دیتا ہو.......

اور سردار وہ ہے کہ غنیم کی رفتار پر نظر رکھتا ہو، اور ہر ایسے امیر کو جو بغیر حکم کے حرکت اور تیزی کرتا ہو، تنبیہ کرتا ہو، ......

اور سردار وہ ہے کہ غنیم کے درآمد اور برآمد پر نظر رکھتا ہو، اور جنگ کرنے میں اضطراب کا اظہار نہ کرتا ہو، یہاں غنیم خود جنگ میں پیشقدمی کو راہ دیتا ہو، اور جب غنیم لڑائی شروع کر دے، تو سردار کو چاہئے کہ اس کی لڑائی کے طریقے کو دیکھے کہ کس طرح وہ میدانِ جنگ میں داخل ہوتا ہے، اور باہر جاتا ہے، اور کس طرح اس پر حملہ کیا جائے،

"کبھی غنیم اپنی تعداد کو کم دکھانے کی کوشش کرتا ہے، اور بظاہر بھاگتا نظر آتا ہے لیکن اس کے اس قسم کے مکر و فریب میں نہیں آنا چاہئے،

اعلیٰ اور تجربہ کار سردار وہ ہے جو جنگ کے طریقوں سے واقف ہو کہ کونسی فوج کو آگے بڑھانا چاہئے اور اگر فوج میں رخنہ پیدا ہو رہا ہو تو کون سی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے" سردار کو چاہئے کہ غنیم کے ارادے سے واقف رہے کہ کس طرح وہ جنگ کرے گا، اور کس طرح اس کی چالوں کا انسداد کیا جائے گا،......

"اور سردار کو چاہئے کہ یہ دیکھے کہ غنیم میدان میں پیش قدمی کر کے حملہ کرتا ہے، یا اپنے چپ و راست کی فوجوں کو بڑھائے ہوئے ہے، ایسی حالت میں سردار کو چاہئے کہ پہلے ہراول کو اُن کے روبرو کرے، اور جنگ کرے، اور پھر ہراول چپاول اور ہراول شقاول کو ہراول کلان کی مدد کو بھیجے، اور ان کے پیچھے چپاول کی فوج اول، اور شقاول کی فوج دوم کو بڑھا کر جنگ کرے، اور پھر اُن کے پیچھے چپاول کی فوج دوم اور شقاول کی فوج اول کو روانہ کرے،

اگر ان سات ضربوں سے غنیم پر فتح حاصل نہ ہو تو اس وقت ہراول برانغار اور ہراول جرانغار دوڑایا جائے، یہاں تک کہ غنیم پر نو ضربیں وارد ہو جائیں، اور اگر ان نو ضربوں سے بھی فتح میسر نہ ہو تو برانغار کی فوج اول اور جرانغار کی فوج دوم آگے بڑھائی جائے"

اگر ان گیارہ ضربوں پر بھی فتح حاصل نہ ہو تو برانغار کی فوج دوم اور جرانغار کی فوج اول جنگ کے لئے بھیجی جائے، پھر امید ہے کہ ان تیرہ ضربوں کے بعد غنیم کی فوج کو شکست ہو جائے گی، اور فتح حاصل ہو گی،

اور اگر اتفاقاً ان تیرہ ضربوں سے بھی فتح حاصل نہ ہو، تو اس وقت سردار کو چاہئے کہ قول کی فوج کو آراستہ کر کے اس طرح روانہ کرے، کہ غنیم کی نظر میں وہ پہاڑ نظر آئے، وہ آہستہ اور پیوستہ ہو کر روانہ ہو، اور فوجی بہادروں کو حکم دے کہ شمشیریں لے کر ہجوم کریں اور تیچیاں

تیر چلائیں، اور اگر فتح نہ ہو تو خود سردار جنگ کے لئے قدم بڑھائے، اور میرے رایات کا منتظر ہو............

"اور میں نے حکم دیا کہ افواج چھلگانہ کے امرا کو جب تک میرا فرمان نہ پہونچے جنگ شروع نہ کریں، اور جب تک جنگ کی نوبت ان لوگوں تک نہ پہونچے، دست برد نہ دکھائیں لیکن جنگ کے لئے مستعد اور آمادہ رہیں،

اور جب جنگ کا حکم اُن کے پاس پہنچ جائے، تو غنیم کی روش کو دیکھ کر جنگ کریں، یہ دیکھیں کہ غنیم کس راستہ سے آتا ہے، اس راستہ کو اس کے لئے بند کر دیں، اور جو راستہ غنیم کیلئے بند ہو گیا ہو، اس کو پھر تدبیر سے کھولیں،

اور میں نے حکم دیا کہ جب ہراول ہراول جنگ میں پیش قدمی کرے، امیر ہراول ہر دو جنگ کے لئے آگے بڑھے، امیر ہراول اپنی فوج کے چھ حصوں کو یکے بعد دیگرے، اور ایک دوسرے کے پیچھے جنگ کے لئے بڑھائے، اگر اس طرح چھ متواتر ضربیں لگائی جائیں، تو غنیم کو شکست ضرور ہو جائے گی، اس وقت امیر جیاول کو بھی چاہئے کہ اپنی چھ فوجوں کو باری باری کمک کو بھیجے اور خود حملہ آور ہو اور اسی طرح افواج شقاول کے امیر کو اپنی چھ فوجوں کو آگے والی فوج کی مدد کو روانہ کرے، اور اپنے کو بھی وہاں تک پہنچائے، اور جب اٹھارہ ضربیں غنیم پر لگائی جائیں گی تو اُس کو شکست ہو گی،

"اور اگر اس کے باوجود غنیم خیرگی دکھائے، تو امیر برانغار کو چاہئے کہ اپنے ہراول کو بڑھائے، اور امیر جرانغار بھی اپنے ہراول کو روانہ کرے،

"جب چپ و راست سے یہ دونوں ہراول بڑھیں گے، تو البتہ غنیم کا لشکر بے تاب و ناتواں ہو گا،

"اور اگر اس پر بھی غنیم خیرہ رہے، تو امیر برانغار و امیر جرانغار اپنی اپنی فوج کو باری باری غنیم کی طرف بڑھائیں، اور اگر وہ دیکھیں کہ غنیم کی فوج کو افواجِ قاہرہ سے شکست نہیں ہو رہی ہے، تو برانغار اور جرانغار کے امیر خود......... دشمنوں کے رفع دفع کرنے میں متوجہ ہوں،

اور اگر اس وقت برانغار اور جرانغار کے امیروں کا حال خراب ہو تو امیرزادگان جو طرح برانغار میں ہوں، اور خویشاوندان جو طرح جرانغار میں ہوں، غنیم پر حملہ آور ہو جائیں، اس وقت اُن کی نظریں سردار اور سردار کے علم پر ہوں، اور شجاعت اور جوانمردی سے غنیم کی صف شکنی کریں، اور غنیم کے سردار کو گرفتار کرنے کا قصد رکھیں، اور کوشش کریں کہ مخالفوں کا علم نگونسار ہو،

"اور اگر ان تمام ضربوں کے باوجود بھی غنیم اپنی جگہ پر قائم ہو تو اس وقت چاہئے کہ متفرق فوجیں، قول کے بہادر، الوسات (قبیلے) کی فوجیں جو قول کے عقب میں آراستہ ہوں، یک بارگی ہجوم کر کے حملہ آور ہو جائیں،

"اور اگر اس وقت بھی فتح نہ ہو تو سلطان کو چاہئے کہ خود قوی دل اور بلند ہمت کے ساتھ حرکت کرے،

اور اگر غنیم قزاقی کر کے چاول، شقاول، برانغار اور جرانغار کو برہم کر کے قول تک پہونچ گیا ہو، تو سلطان کو واجب ہے کہ اپنے پائے شجاعت کو صبر کے رکاب میں مستحکم کرے اور غنیم کے رفع و دفع کرنے کی طرف متوجہ ہو"

گولہ باری | مندرجۂ بالا طویل اقتباسات سے لڑائی کے موقع پر تیموری فوجوں کی مختلف صفوں کی یورش، یلغار اور طرزِ جنگ کا اندازہ ہوا ہو گا، تیمور کے جانشین مصالح اور مواقع کی بنا پر ان میں وقتاً

فوقتاً فروعی ترمیم کرتے رہے لیکن اصول تمام تر یکساں رہے آتشیں اسلحہ کی ترقی سے بھی یورش ویلغار کی نوعیت بدلتی رہی، جب فوج میں آتشیں اسلحہ کی کثرت ہوتی، تو غنیم کے لشکر میں انتشار پھیلانے اور جلد از جلد زیادہ سے زیادہ نقصان پہونچانے کی غرض سے جنگ کی ابتدا، توپ و تفنگ یعنی رعد، دیگ، بان، زنبورگ، ضرب زن، ہتنال، گجنال، شترنال، شاہین، دھماکے، اور ہبلکے کے وار سے کی جاتی،

رومی طریقہ

رانا سانگا کے خلاف بابر کی فوج صف آرا ہوئی، تو اس نے تفنگچیوں اور رعد اندازوں کو اپنی فوج کے آگے رکھا، ارابوں پر تفنگ اور رعد تھے، اور یہ ارابے زنجیروں سے متصل تھے جن کے پیچھے تفنگچی اور رعد انداز محفوظ کھڑے تھے، یہ طریقہ رومیوں کا تھا، چنانچہ بابر خود اپنی تزک میں لکھتا ہے:

"رعایت خوم را مرعی داشتہ بطریق غزات روم بجہت تفنگچیاں و رعد اندازاں کہ در پیش سپاہ بودند، صفے از ارابہ ترتیب نمودہ بایک دگر بزنجیر اتصال دادہ شد"

(ص - ۳۱۲)

بابر کے قول میں شاہی تفنگچی تعینات ہوئے، اور قول کے دائیں جانب بھی تفنگچی اور ضرب زن تھے جن کی نگرانی نادر العصر مصطفٰے رومی کر رہا تھا، قول کے آگے بھاری بھاری توپوں کے ساتھ نادر العصر استاد علی قلی تھا، لڑائی شروع ہوئی تو مصطفٰے رومی نے ارابے کو آگے بڑھایا، اور تفنگچیوں اور ضرب زنوں کے ذریعہ سے راجپوتوں کی صفوں کو درہم برہم کرنا شروع کیا، اکبر نامہ میں ہے:

"مصطفٰے رومی از غول حضرت جہانبانی ارابہا را پیش آورد، و تفنگ و ضرب زن آنچناں صفوف مخالف را درہم شکست کہ زنگ از آئینہ دلہائے بہادراں بزدود، و وجود بسیارے از مخالفان با خاک ہلاک برابر کردہ برباد فنا داد (ج ا ص ۱۰۰)

اور جب لڑائی گھمسان ہونے لگی تو بابر نے حکم دیا کہ ارابے کے پیچھے سے قول کے راست و چپ

سے اس کی خاص فوج آگے بڑھتے وقت تفنگچیوں کے لئے بیچ میں جگہ چھوڑ دے، اور جب یہ فوج آگے بڑھ رہی تھی، تو استاد علی قلی نے جو قول کے آگے تھا، اپنی توپوں سے آتش باری شروع کی، ان توپوں سے بڑے بڑے گولے پھینکے جانے لگے، ان لوگوں کا ذکر بابر نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"سنگہائے عظیم القدر کہ چوں در پلۂ میزان اعمالش نہند ماحبش فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ نام برآورد، اگر بر کوہ راسخ و جبل شامخش اندازند، كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ از پا درآورد" (ص ۳۱۶)

ان لوگون سے مخالف صفوں میں بڑی سراسیمگی پھیلی، اسی اثنا میں قول کے شاہی تفنگ انداز نے بھی ارابے کے پیچھے سے آگے بڑھ کر یلغار کیا، اور جب یہ غنیم کو پسپا کر رہے تھے، تو بابر قول کے ارابے کو لے کر آگے بڑھ گیا، پھر لڑائی انتہائی شدت کو پہونچ گئی۔[1]

پانی پت کی دوسری لڑائی میں ہیمو کو اپنے توپخانے کی کیفیت اور کمیت دونوں پر بڑا ناز تھا، اس لئے پہلے اُس نے اپنی بھاری بھاری توپوں کو آگے بھیج کر لڑائی شروع کی، لیکن اکبر کے لشکریوں نے عجلت، چابکدستی اور غیر معمولی جانبازی سے کام لے کر ان پر قبضہ کر لیا، جس سے ہیمو کی قوت پر بڑی ضرب کاری لگی۔[2]

گولہ باری سے ہاتھیوں میں سراسیمگی

۹۸۲ھ میں اکبر کی فوج بنگال میں بجورا کے پاس داؤد خاں کے خلاف معرکہ آرائی ہوئی تو دونوں طرف لشکر کے آگے منگلوسی ہاتھی رکھے گئے، اکبر کی فوج میں ضرب زن اور زنبورک چھکڑوں میں رکھے ہوئے تھے، لڑائی شروع ہوئی تو داؤد خاں نے اپنے ہاتھیون کو آگے بڑھایا، لیکن شاہی فوج کے ضرب زن اور زنبورک نے ہاتھیوں کو آگے بڑھنے سے

۱؎ تفصیل کے لئے دیکھو تزک بابری اردو ترجمہ ص ۳۱۴، ۳۱۷، و اکبر نامہ جلد اول ص ۱۰۶، ۱۰۷ ۲؎ اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۶، ۳۵

روکا، گولہ باری سے ہاتھی مڑ کر بھاگے، اور پھر اتنی سخت گولہ باری ہوئی کہ داؤد کے بہت سے فوجی ہلاک ہوگئے،[۱]

اڑیسہ میں اکبری فوج جانی بیگ سے برسرپیکار ہوئی، تو اس لڑائی میں بھی شاہی فوج کی توپوں نے بڑی ہولناکی پیدا کی، لڑائی توپوں کی گولہ باری ہی سے شروع کی گئی، غنیم کو اپنے ہاتھیوں پر بڑا بھروسہ تھا، لیکن توپ کے گولوں سے ہاتھیوں پر ایسی زد لگائی گئی کہ سب کے سب ہلاک ہوگئے، اکبرنامہ میں ہے،

"توپے کہ تخت برکشودند، میان لہری را (کہ سرآمد فیلان غنیم بود) با دیگر فیل خرمن ہستی بسوخت"[۲]

توپ اور تلوار کا مقابلہ

جہانگیر کی فوج عنبر کے خلاف دکن میں صف آرا ہوئی، تو عنبر نے جہانگیر کا مقابلہ بڑی بڑی توپوں کے ساتھ کیا، دونوں طرف سے لڑائی کی ابتدا بان اور توپوں ہی سے کی گئی، غنیم کی فوجوں میں جہانگیر کی توپوں سے ابتری پھیلی تو شاہی فوج کے بہادر اور دلیر سردار تلواریں سونت سونت کر غنیم کے ہراول پر ٹوٹ پڑے، اور ایسی مردانگی دکھائی کہ جہانگیر تزک میں لکھتا ہے کہ "دشمن بنات النعش کی طرح پراگندہ ہوگئے،"[۳]

بان اندازوں کی ہوسناکی

۱۰۵۶ھ میں بلخ میں شاہجہانی فوج کا مقابلہ نذر محمد خان کے لشکر سے ہوا تو اس کی ابتدا جس طرح ہوئی اس کا حال عبدالحمید لاہوری کی زبان سے ملاحظہ ہو[۴]:

"جب دونوں طرف کے فوجی صف آرا ہوگئے تو شاہی لشکر کے بان اندازوں اور

---

[۱] بدایونی جلد دوم ص ۱۹۴، [۲] اکبرنامہ جلد سوم ص ۶۱۲، [۳] تزک جہانگیری ص ۱۵۴،

[۴] آزاد ترجمہ کیا گیا ہے،

تفنگچیوں نے بان اور تفنگ کے وار شروع کیے، بان کی ضرب سے غنیم کی فوجیں ہلاک ہونے لگیں، بان اور تفنگ کے عجیب وغریب وار سے بڑی ڈراؤنی آواز بلند ہوتی گئی، ایسی کہ شیر کا پتہ بھی پانی ہوجائے، ان آوازوں سے غنیم کے برانغار اور جرانغار کی فوجوں کے قدم اکھڑ گئے، اور وہ بھاگنے لگیں، اس بھگدڑ سے نذر محمد خاں نے بھی لڑائی سے منہ موڑ لیا"[1]

دھرماوت میں گولہ باری

دھرماوت کے میدان میں اورنگ زیب اور مہاراجہ جسونت سنگھ سے لڑائی ہوئی، تو اس کا آغاز بھی بان اور تفنگ سے ہوا، اورنگ زیب کے ہراول کی آتش باری اور گولہ باری سے جسونت سنگھ کی صف میں بڑی سراسیمگی پھیلی، راجپوتوں نے اپنے کو ہلاک ہوتے دیکھ کر اورنگ زیب کے توپخانہ پر یورش کی جس سے اورنگ زیب کے توپچیوں میں انتشار پیدا ہوگیا، لیکن اس موقع پر مرشد قلی خاں اور ذوالفقار خاں کی غیر معمولی شجاعت اور مردانگی نے اورنگ زیب کی فوج کو سنبھالا، ذوالفقار خاں گھوڑے سے اتر کر میدانِ جنگ میں کود پڑا، اور تلوار سے راجپوتوں کا مقابلہ کرنا شروع کیا، اسی اثنا میں اورنگ زیب کے توپچیوں نے اپنی توپوں کو اونچی جگہ پر جما کر غنیم کے قلب میں آتشباری شروع کی جس سے ان کے درمیان بڑی ابتری پیدا ہوگئی،[2]

سموگڈھ میں گولہ باری

سموگڈھ کی لڑائی میں دارا کے لشکر کے پورے ہراول میں توپخانہ ہی تھا، بڑی بڑی توپوں کی آڑ میں تفنگچی کھڑے تھے، ان کے پیچھے اونٹوں کی قطار تھی، جن کی پشت پر شترنال تھی، اونٹوں کے پیچھے ہاتھی تھے، جن کے اوپر گجنال تھی، اورنگ زیب کے ہراول میں بھی دو توپخانے علحدہ علحدہ نگراں کی نگرانی میں تھے، طرفین کی طرف سے بان، توپ اور تفنگ ہی سے لڑائی شروع کی گئی، دارا نے حملہ کرنے میں پیشقدمی کی، اس نے اپنی توپوں سے لڑائی کے شعلے بلند کیے، گولوں کے دھوئیں سے

---

[1] بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۵۵۱ - نیز دیکھو بلخ کی جنگ شہزادہ اورنگ زیب کی نگرانی میں ص ۹۰۹ [2] تفصیل کے لئے دیکھو عالمگیر نامہ ص ۷۳، ۶۶،

فضا بالکل تاریک ہوگئی، جیسے اندھیری رات کی تاریکی چھائی ہو، اورنگ زیب نے اپنی توپوں کو استعمال کرنے میں احتیاط کی، دور سے گولہ باری کرکے بارود کو ضائع ہونے نہیں دیا، غنیم کے نزدیک آنے کا منتظر رہا، اُس کی توپوں کی خاموشی سے دارا کے لشکریوں کو غلط فہمی ہوئی، اس کا لڑکا شہزادہ سپہر شکوہ اپنی فوج کے مشہور اور آزمودہ کار ہیرو رستم خان دکنی کو لے کر دس بارہ ہزار سواروں کے ساتھ اورنگ زیب کے توپخانے کی طرف بڑھا، سواروں نے اورنگ زیب کے ہراول میں رخنہ پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن ہراول میں توپیں زنجیروں سے بندھی ہوئی تھیں، اورنگ زیب کا میر آتش اور اُس کے ساتھ تفنگچی اور توپچی اپنی جگہوں پر جمے رہے، انھوں نے غنیم کے بڑھتے ہوئے لشکر پر ایسی ہولناک آتش باری کی کہ اُن کی یلغار بالکل ناکام رہی، ٹھیک اسی وقت ایک گولہ رستم خاں کے ہاتھی پر گرا، جس سے ہاتھی زمین پر ڈھیر ہوگیا، رستم خاں نے اپنی شجاعت کا جوہر دکھانا چاہا، وہ اپنے غنیم کے بائیں بازو کی طرف لپکا، لیکن اورنگ زیب کے توپچیوں نے اُس کے ہمراہیوں پر اتنی سخت گولہ باری کی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دارا اپنے لڑکے سپہر شکوہ اور فوجی سردار رستم خاں کی پسپائی نہ دیکھ سکا، اپنی جگہ چھوڑ کر اورنگ زیب کے توپخانے کی طرف بڑھا، خود آگے آگے تھا، اور اُس کے تفنگچیوں کا دستہ پیچھے پیچھے تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے توپچیوں کو گولہ باری کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوگئی، لیکن اورنگ زیب کے لشکریوں نے بان، توپ، اور تفنگ کا حملہ اتنی تیزی اور شدت سے جاری رکھا کہ دارا کے توپچیوں کو جوابی حملہ کرنے کا بالکل موقع نہ ملا، دارا خطرے میں گھرا ہوا تھا، اس نے اپنے کو پیچھے کرکے توپچیوں کو آگے بڑھانا چاہا، لیکن اس وقت تک بڑی تاخیر ہو چکی تھی، اورنگ زیب کی توپیں برابر کام کر رہی تھیں، اور دارا کے لشکری موت کے گھاٹ اتر رہے تھے، دارا دشمنوں کی آتش باری سے بچنے کی خاطر دائیں جانب اپنے ہراول کی طرف مڑ گیا، لیکن ابھی وہ اپنے ہراول کے پاس پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ اورنگ زیب کی توپوں سے اس کے (یعنی دارا کے) سپاہیوں کی ایک کثیر تعداد لقمۂ اجل بنگئی،

دارا کی فوج میں ابتری پھیلتی جارہی تھی، اورنگ زیب کے میمن یعنی اس کی فوج کے دستِ راست نے اس ابتری سے فائدہ اٹھایا، اور چکر کاٹ کر دارا کی فوج کو گھیر لیا، پھر میمن و میسار کی توپوں نے ایک ساتھ دارا کے لشکریوں پر مسلسل گولہ باری شروع کی، دارا کے توپچیوں کو جواب دینے کا موقع بالکل میسر نہیں ہورہا تھا، اورنگزیب کی فوج سمندر کی موجوں کی طرح دارا کے لشکر کی طرف بڑھتی گئی، اورنگزیب کے پاس بے شمار توپ و تفنگ تھی، جن کی گرج سے میدانِ جنگ میں ایک زلزلہ سا آگیا، آٹھ آٹھ دس دس سیر کے گولے ہوا میں اڑ رہے تھے، توپچی دارا کے ہاتھی کو اپنا نشانہ بنائے ہوئے تھے، دارا کے جان نثار امرا اور لشکری اس کے ہاتھی کے اردگرد کٹ کٹ کر گر رہے تھے، دارا اپنے جان نثاروں کو اس طرح پسپا ہوتے دیکھ کر سراسیمہ اور پریشان ہورہا تھا، لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے، یکایک ایک گولہ اس کے ہاتھی کے ہودج پر آکر گرا، اس سے خوفزدہ ہوکر وہ ہاتھی کے ہودج سے اُتر آیا، اور اتنی عجلت میں کہ وہ اپنی جوتیاں بھی پہن نہ سکا، ہاتھی سے اُتر کر وہ گھوڑے پر سوار ہوگیا، لیکن جب اس کے لشکریوں نے ہاتھی کے ہودج کو خالی دیکھا تو وہ سمجھے کہ جس کے لئے جنگ ہورہی ہے، وہی تمام ہوچکا ہے، اُن کا یہ سمجھنا تھا کہ میدانِ جنگ سے اُن کے قدم اکھڑ گئے[1]

جنگ لاہور میں آتش باری

بہادر شاہ عالم کی وفات کے بعد اس کے لڑکوں میں جانشینی کی جنگ لاہور کے پاس ہوئی، تو توپ و تفنگ کا سخت معرکہ ہوا، شہزادہ عظیم الشان نے اپنے لشکر کا پڑاؤ راوی کے ساحل پر خندقیں کھود کر ڈالا، اُس کے ساتھ کچھ بڑی بڑی توپیں تھیں، جن میں سے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو عالمگیر نامہ ص ۱۰۵، ۶، ۹، واقعات عالمگیری ص ۴۸، ۴۹، خافی خاں ص ۳۱، ۲۰، جدوناتھ سرکار نے بھی اپنی تصنیف ہسٹری آف اورنگزیب کی جلد دوم باب ۱۶ میں مختلف تاریخوں سے اخذ کرکے اس جنگ کی بہت سی تفصیلات لکھی ہیں،

بعض کو ڈھائی سو بیل اور پانچ چھ ہاتھی مل کر کھینچتے تھے، عظیم الشان کے مقابلہ میں جہاندار شاہ، رفیع الشان اور جہان شاہ ایک ساتھ تھے، ان تینوں شہزادوں نے اپنے لشکر کا پڑاؤ عظیم الشان کی فوج کے قریب ہی ڈالا، اور اپنی توپوں کا ایک مستحکم مورچہ تیار کیا، پاس ہی اینٹوں کے بھٹے تھے، جن پر توپوں کے لئے سرکوب بنایا، لڑائی شروع ہونے سے پہلے تینوں شہزادوں کی طرف سے عظیم الشان کے بارودخانے کو اُڑا دینے کی سازش کی گئی لیکن یہ ناکام رہی، عظیم الشان کی جانب سے توپوں کی مسلسل گولہ باری سے لڑائی شروع کی گئی، شہزادوں نے ہر گولہ کا جواب گولہ سے دیا، لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا، دوسرے دن شہزادوں کی فوجوں نے عظیم الشان کے لشکر پر ہولناک آتشباری کی، موخرالذکر کی فوجیں راوی کی ریتیلی زمین میں خندق میں محصور ہو کر لڑ رہی تھیں، ریتیلی زمینوں پر گولے گرتے تو فوج میں بڑی سراسیمگی پھیل جاتی، تین دن اسی طرح لڑائی ہوتی رہی، بالآخر تینوں شہزادوں نے ایک ساتھ عظیم الشان کی فوج پر یلغار کی لیکن عظیم الشان نے اپنی توپوں کی غیر معمولی آتش باری سے اُن کو آگے بڑھنے سے روک دیا، چھ گھنٹے تک دونوں طرف سے گولہ باری ہوتی رہی، بالآخر جہاندار شاہ شدت کی گولہ باری کرتا ہوا عظیم الشان کے لشکر کی خندق کے قریب پہونچ گیا، اب دست بدست جنگ ہونے لگی، یکایک ایک گولہ شہزادہ عظیم الشان کے ہاتھی کی سونڈ پر آکر گرا جس سے اُس کی سونڈ کٹ کر علحدہ ہو گئی، وہ اس طرح زخمی ہو کر راوی میں کود پڑا جس میں تیموری سلطنت کا یہ کام دعویدار ہمیشہ کے لئے غرق ہو گیا، [1]

حسن پور کی لڑائی میں ہولناک گولہ باری

تیموریوں کی حکومت کے آخری عہد تک توپیں استعمال ہوتی رہیں، حسن پور کی جنگ میں محمد شاہ کی توپوں نے سید عبداللہ کی فوجوں میں بڑی ہولناکی پیدا کی، خافی خاں نے اس لڑائی کا بڑا مؤثر اور جانگداز نقشہ منتخب اللباب میں کھینچا ہے جو

---

[1] خافی خاں جلد دوم ص ۶۸۶، سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۲، ۳۸۲،

حسب ذیل ہے[۱]:

"شاہی فوج نے اپنے آگے توپ خانہ کا مورچال رکھ کر حرکت کی، جنگی کوس اور کرنا کے زیر و بم سے لڑائی کی سرزمین میں ولولہ پیدا ہوا، چھوٹی بڑی ہوش رُبا توپوں کی گرج سے زمین اور آسمان میں ایک ہچکولہ آگیا، دوپہر کو دونوں مخالف فوجیں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مقابلہ کے لئے کھڑی ہوئیں، گولوں اور آتش فشاں بانوں کے وار سے غنیم نے اپنی فوج کی ہمت بڑھائی، شاہی فوج کی طرف سے بھی توپوں نے مسلسل ضربیں لگائیں، جن سے اس کے دلاوروں کا نشہ تیز ہوا، اور غنیم کے لشکر میں ہیبت طاری ہونے لگی، غنیم کی فوجوں کی تعداد مور و ملخ کی طرح تھی، اُن میں تزلزل پیدا ہونے لگا، اُن میں بعض یابو سوار بالکل نئے تھے، بعض کو کم تنخواہوں پر ہر گوشہ سے لشکر میں بھرتی کر لیا گیا تھا، اُن کی تعداد کثیر تھی، اُن میں کوئی نظم و نسق بھی نہ تھا، وہ مختلف صفوں سے واقف بھی نہ تھے، اس لئے لازمی طور پر اُن کے پاؤں اکھڑ گئے، ہر لمحہ اور ہر قدم پر توپ و تفنگ کے گولوں کی بارش ہوتی رہی، ہر ساعت ہزاروں آدمی لقمۂ اجل بن رہے تھے، سادات بارہہ نے کئی بار بڑی جرأت اور جوانمردی سے شاہی فوج پر حملے کئے، بالآخر نجم الدین علی خاں بہادر نے سادات کے توپخانے بڑھائے، اُس نے پاس کے گاؤں کی ایک پہاڑی کے درختوں کی آڑ لی، اور چودہ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ شاہی توپخانہ کی طرف یورش کی، شاہی فوج میں بڑی سراسیمگی پیدا ہو گئی، اُن میں سے بعض کے پاؤں اکھڑنے لگے لیکن منصور جنگ اور ناصر جنگ مست ہاتھیوں کی طرح بارہہ کے شیروں کے مقابلہ کے لئے بڑھے، اور اُن کی بڑھتی ہوئی فوج کو روکا، نصرت یار خاں، ثابت خاں اور دوسرے بہادروں نے بھی ثابت قدم رہ کر جرأت دکھائی، شاہی فوج نے جوانمردی دکھا کر غنیم کے کچھ رہکلے پر قبضہ کر لیا، بارہہ نے

[۱] آزاد ترجمہ

درختوں کی آڑ میں جو مورچال بنایا تھا، وہ بھی اُن کے تصرف سے جاتا رہا، آفتاب غروب ہو رہا تھا، بدنصیب سید عبداللہ خان نے رات گذارنے کے لئے ایک خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا، لیکن اس کو پھر خیال ہوا کہ کہیں یہ خیمہ تیروں اور توپوں کا نشانہ نہ بن جائے، اس لئے خیمہ نصب نہیں کرایا، چودہویں رات تھی، چاندنی چھٹکی تھی، لیکن جب رات اندھیری ہوئی تو ناصر جنگ نے ایک عجیب و غریب طریقہ سے توپخانہ آگے بڑھایا، توپوں کے بیلوں کو توپوں کے ساتھ اس طرح باندھا کہ ان کا منہ پیچھے کی طرف رہا، اور دُم آگے رہی، اس طرح ایک متحرک مورچال بن گیا، پھر توپوں سے شدید ضربیں لگائی جانے لگیں، صف شکن اور فیل افگن توپوں نے بارہہ کی فوج میں جو ہولناکی پیدا کی، اس کو بیان کرنا مشکل ہے، ہر گولہ سے ایک ہاتھی اور اس کا سوار مارا جاتا، اس وشت پُر وحشت میں ایک قیامت بپا ہو گئی، .... غازی خان نامی توپ سے جو بھی گولہ آتا، بارہہ کی صفوں کو درہم برہم کر دیتا، شاہ پسند نامی توپ سے آواز بلند ہوتی، اور شعلے پیدا ہوتے، تو زمین اور آسمان میں سیماب کی طرح ایک بے قراری پیدا ہو جاتی، حیدر قلی خان چاندی اور سونے کے سکے توپخانہ والوں کے اردگرد بکھیر رہا تھا، اور اُن سے کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے ولی نعمت کی نظروں میں اپنی کارگذاری سے اور بھی زیادہ محبوب ہو جائیں گے، اور طرح طرح کے انعامات کے وعدے بھی کرتا جاتا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض بڑی توپیں جن سے اور لڑائیوں کے موقع پر صرف ایک دو بار صدائیں بلند ہوتی تھیں، برابر کام کرتی رہیں، اور اُن سے اتنی صدائیں بلند ہوتی رہیں کہ بالآخر غنیم کو پسپا ہونا پڑا، میں نے تاریخ محمد قاسم فرشتہ میں دکن کے فرمانرواؤں کے سلسلہ میں پڑھا تھا کہ توپخانہ کے رواج کی ابتداء ۷۶۷ھ میں محمد شاہ بہمنی کے عہد میں

محمد خاں رومی کی نگرانی میں ہوئی، اور یہ توپخانہ بیجانگر کے راجہ کے خلاف استعمال کیا گیا، لیکن اس وقت سے ابو المظفر ناصر الدین محمد شاہ کے دورِ حکومت تک کسی جنگ میں توپوں نے اتنی ہولناکی پیدا نہیں کی، جتنی کہ اس جنگ میں کی۔[۱]

محمد شاہ نے بھی اس لڑائی میں اپنے آبا و اجداد کی شجاعت و بہادری کی یاد تازہ کی، شب و روز اپنے ہاتھی بادشاہ پسند نامی پر بیٹھکر اپنے لشکریوں کی ہمت بڑھاتا رہا، اس کا ہاتھی غنیم کی توپوں کی زد میں کھڑا تھا، لیکن اس کو پیچھے ہٹنے نہیں دیا۔[۲]

نادر شاہ کی توپیں | نادر شاہ کے خلاف کرنال کی جنگ میں محمد شاہ کے پاس چھوٹی بڑی آٹھ ہزار توپیں تھیں، اُن میں سے بعض توپوں کو پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار بیل کھینچتے تھے، لیکن نادر شاہ کے فنِ جنگ کے مقابلہ میں یہ توپیں مفید ثابت نہیں ہوئیں، اس کے علاوہ نادر شاہ کے لشکریوں میں تیزی اور پھرتی ایسی غضب کی تھی کہ محمد شاہ کی بھاری بھاری توپوں کے حرکت کرنے سے پہلے ہی اس کے فوجی اپنی چھوٹی چھوٹی توپیں مثلاً جزائر اور زنبورک کو اونٹوں کی پیٹھ پر لاد کر آگے بڑھے اور اتنی پھرتی سے محمد شاہ کے لشکریوں کو گھیر گھیر کر مارنے لگے کہ سارے لشکریوں اور خصوصاً ہاتھیوں میں بڑی جلدی پراگندگی پھیل گئی،

تیراندازی | بعض قادر تیرانداز کی تنہا کوشش سے لڑائی کا پانسہ پلٹ جاتا، محمود غزنوی کا خسر امیر بلکاتگین گردیز کے حصار کو تسخیر کرچکا تھا کہ یکایک اس کے دشمنوں کی طرف سے ایک تیرانداز نے ایسا تیر لگایا کہ وہ وہیں ہلاک ہوگیا، اور اس کی فوجیں ناکام اور بے مراد واپس ہوگئیں،[۳]

تیراندازوں کی چابک دستی | محمود غزنوی کی طرف سے امیر ایاز نے ہندوستان کے ایک حصار[۴] کا محاصرہ کیا، دشمن کی فوج حصار چھوڑ کر ایک قلعہ کے اندر پناہ گزیں ہوگئی، امیر ایاز قلعہ کے دروازہ پر پہنچ گیا،

---

[۱] خافی خان ص ۲۶-۲۴ ج ۲ [۲] ایضاً ص ۲۸ ج ۲ [۳] آدابِ حرب باب یازدہم [۴] ایضاً آداب الحرب کے مصنف نے حصار کا نام نہیں لکھا ہے،

تاکہ دشمن فرار نہ ہونے پائیں، دشمنوں نے قلعہ کا پھاٹک کھول کر ایک ہیبت ناک سفید ہاتھی باہر چھوڑ دیا، اس کے پیچھے بہت سے سوار تھے، امیر ایاز نے اپنے ایک ماہر تیر انداز علی بخاری نامی کو ایک "لشکر شکن تیر" چلانے کا حکم دیا، ہاتھی کی پیشانی پر ایک چینی آئینہ آویزاں تھا، علی بخاری نے ایک تیر ایسا مارا کہ آئینہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، اور اس کے ٹوٹنے کی آواز دور تک گونجی، ہاتھی خوفزدہ ہوا، علی بخاری نے ایک دوسرا تیر تاک کر ہاتھی کی آنکھ میں مارا جو اس کی آنکھ کو زخمی کرتا ہوا، اس کے سر میں گھس گیا، ہاتھی زخمی ہو کر اپنے ہی لشکریوں کو پامال کرنے لگا، پھر تو امیر ایاز کے فوجیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے،[1]

شمس الدین التمش کی فوج میں بعض ایسے تیر انداز تھے، جو رات کی تاریکی میں ہاتھی کے مستک کو تیروں سے مار مار کر گھائل کر سکتے تھے (تاج المآثر الیٹ جلد دوم ص ۲۳۸)

سلطان بلبن کے زمانہ میں چنگیز خانیوں نے ہندوستان پر حملہ کیا، تو شہزادہ سلطان محمد نواحِ ملتان میں اُن سے معرکہ آرا ہوا، چنگیز خانی پسپا ہو چکے تھے کہ یکایک دشمنوں کی کمین گاہ سے ایک تیر شہزادہ سلطان محمد کو آکر لگا جس سے وہ وہیں شہید ہوگیا، پھر یہ فتح ہزیمت میں بدل گئی، شہزادے کے بہت سے لشکری دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے، ان ہی میں امیر خسرو بھی تھے، شہزادہ کی شہادت کے بعد اس کا لقب خان شہید ہوگیا، اور اس کی شہادت پر اُس زمانہ کے تمام شعرا نے بڑا ہی خونیں ماتم کیا ہے،[2]

ظفر خاں کی تیر اندازی اسی طرح سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں چنگیز خانی حملہ آور ہوئے، تو کیلی کے میدان میں دونوں مدمقابل فوجیں صف آرا ہوئیں، شاہی فوج کی باگ، اس دور کے رستم یعنی ظفر خان کے ہاتھ میں تھی جس کی مردانگی اور شجاعت کی وجہ سے چنگیز خانیوں کے پاؤں

---

[1] آداب الحرب باب ہفدہم ص ۲۵۔ [2] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۱۰۹ و تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۸۲،

میدانِ جنگ سے اکھڑ گئے، ظفر خاں نے تنہا اٹھارہ کوس تک اُن کا تعاقب کیا، ایک مقام پر چنگیز خانیوں نے ظفر خاں کو تنہا پایا، تو پلٹ کر مقابلہ پر آمادہ ہو گئے، اور کمین گاہ سے تیر چلانے لگے، ایک تیر سے ظفر خاں کا گھوڑا لڑکھڑا کر گر گیا، تو انھوں نے بڑھ کر اس کو گھیر لیا، ظفر خاں نے تیروں سے اپنے چاروں طرف دشمنوں کا مقابلہ کرنا شروع کیا، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ ظفر خاں کے ہر تیر سے ایک سوار زخمی ہو کر ہلاک ہو جاتا، لیکن ایک تیر ظفر خان کو یکایک ایسا آ کر لگا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا، اور گو چنگیز خانی شاہی فوج کے خوف سے فرار ہو گئے، لیکن بہادر اور جانباز ظفر خاں کی موت کو یاد کر کے اہلِ ہند برسوں روتے رہے[1]

پانی پت کی پہلی لڑائی میں تیراندازی

تیروں کے ذریعہ سے غنیم کے لشکر میں رخنہ اندازی اور سراسیمگی بھی پیدا کی جاتی، بابر پانی پت کی جنگ کا حال خود لکھتا ہے:

"ہماری فوج میں غنیم کی آمد اور انتظام کی ترکیب دیکھ کر ذرا کھل بلی مچی کہ ٹھہریں یا نہ ٹھہریں، مقابلہ کریں یا نہ کریں، موقع کی بات کرنی چاہئے، ایسوں سے مقابلہ ہے جو بے توقف چلے آتے ہیں میں نے حکم دیا کہ تولقمہ والے غنیم کے دستِ راست اور دستِ چپ سے پھر کر تیر مارنے شروع کریں، اور لڑائی میں مشغول ہوں، برانغار بھی جا پہونچے، تولقمہ والے غنیم کے پیچھے سے پلٹ کر تیروں کا مینہ برسانے لگے، جرانغار میں سے مہدی خواجہ سب سے آگے پہنچا، مہدی خواجہ کے مقابلہ میں کچھ فوج ایک ہاتھی لئے ہوئے آئی، مہدی خواجہ کی جماعت نے تیروں کی بھرمار سے اس فوج کا منہ پھیر دیا، جرانغار کی کمک کے لئے قول میں سے احمدی پروانچی، تردی بیگ، قوچ بیگ اور محمد علی خلیفہ بھیجے گئے، برانغار میں بھی لڑائی شروع ہو گئی، محمدی کوکلتاش، شاہ منصور برلاس، یونس علی اور صدر اللہ کو حکم دیا کہ قول سے آگے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۲۶۱-۲۶۰، و تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۰۴،

بڑھ کر شروع کرو، استاد علی قلی بھی تول کے آگے بڑھ کر فیر کرنے لگا، مصطفےٰ توپچی دست چپ سے خوب گولے مارنے لگا، تولقمہ والوں نے چاروں طرف سے غنیم کو گھیر لیا، اور ہنگامۂ پیکار گرم کر دیا۔"[1]

تیراندازوں کی ہولناکی

پانی پت کی دوسری جنگ میں بھی اکبری فوج کے ازبک تیراندازوں نے ہیمو کے لشکر میں غیر معمولی ہولناکی پیدا کر دی تھی، اس سلسلہ میں ابوالفضل کا بیان ہے :

"دگروہ گروہ فدائیان تیرانداز از اطراف و جوانب بر آمدہ داد کارزار می دادند"[2]

ان بلاخیز تیراندازوں کی بدولت نہ صرف دشمن کا خوفناک حملہ رُک گیا، بلکہ ہیمو کے جنگی ہاتھی، زخمی ہو کر قابو سے باہر ہو گئے، اور انھوں نے خود اپنی فوج کی صفوں میں ہلچل ڈال دی، ان ہی تیراندازوں کا ایک تیر ہیمو کی آنکھ میں آکر لگا، اور اُس کے زخمی ہوتے ہی ہندوستان کی تاریخ کا رُخ بدل گیا،

بیرم خاں خان خاناں جب ہندوستان کے تخت و تاج کا دعویدار ہو کر اکبر کے خلاف گوناچور (پنجاب) کے میدان میں صف آرا ہوا، تو دونوں لشکروں کے درمیان دھان کا ایک کھیت تھا، جس میں کیچڑ کی وجہ سے دلدل ہو گیا تھا، لڑائی شروع ہوئی تو بیرم کے ہاتھی دلدل میں پھنس گئے، بیرم کو اپنے ہاتھیوں پر بڑا بھروسہ تھا، ہاتھیوں کو دلدل میں پھنستے دیکھ کر اکبر کے تیراندازوں نے فائدہ اٹھایا، اور ہاتھیوں پر شدت کے ساتھ تیروں کی بوچھار شروع کر دی، ایک تیرانداز نے ہاتھیوں کے سرگروہ کے فیلبان پر تاک کر ایک ایسا تیر لگایا کہ وہ لڑھک کر ہاتھی کی گردن میں آکر اٹک گیا، بیرم خاں نے اپنے ہاتھیوں کی اس طرح پسپائی دیکھی تو دلدل سے بچ کر خشک راستے سے اُن کی مدد کو پہونچنے کی[3] کوشش کی لیکن شاہی فوج کے سردار آتکہ خان نے دوربینی سے کام لے کر بیرم خاں کی کوشش کارگر ہونے نہیں دی،

---

[1] بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۲۶۶ [2] اکبرنامہ جلد دوم ص ۴۰ [3] ایضاً،

اکبر نے اپنے اکیسویں سالِ جلوس میں راجہ مان سنگھ کی سرداری میں رانا میوار کے خلاف فوج بھیجی تو لڑائی میں رانا پرتاب کو اپنے ہاتھی رام پرشاد نامی پر بڑا غرور تھا، لیکن ٹھیک اس وقت جب رام پرشاد مست ہوکر شاہی لشکر میں انتشار پھیلا رہا تھا اسی وقت شاہی فوج کے ایک تیر انداز نے تاک کر رام پرشاد کے مہاوت کو ایسا تیر مارا کہ لڑھک کر نیچے آیا، اور تڑپ کر جان دیدی، پھر تو یہ ہاتھی آسانی سے مالِ غنیمت میں آگیا، (اکبرنامہ جلد سوم ص ۱۷۵)

فدائی خاں کی جانبدستی ۱۰۳۵ھ میں جہانگیر کشمیر سے کابل جا رہا تھا، تو جہلم کو عبور کرتے وقت مہابت خاں نے جہانگیر کو اپنی حراست میں لے لیا، شاہی جلو کے اکثر امرا اور لشکر کے افراد جہلم کی دوسری طرف جا چکے تھے، جہانگیر نورجہاں کے ساتھ تنہا رہ گیا تھا کہ مہابت خاں نے اپنی راجپوت فوجوں کی مدد سے اس کو اپنا قیدی بنالیا، نورجہاں اپنی دانشمندی اور فراست سے مہابت خان کی نظر بچاکر دریا کے دوسرے جانب شاہی فوج سے آملی، امرا کو غیرت دلائی، فوجوں سے برہمی ظاہر کی، اور اپنے محبوب شوہر کو قید سے آزاد کرنے کے لئے خود آگے بڑھی، امرا میں سے فدائی خان مہابت خاں کی حرکتِ نازیبا سے آزردہ خاطر اور شہنشاہِ ہند کی پسپائی پر بے حد خفیف اور شرمندہ ہوا، اور وہ چند سواروں کے ساتھ اپنے آقا کی رہائی کے لئے روانہ ہوا، راجپوتوں نے دریا کے پل میں آگ لگادی تھی، فدائی خاں نے بڑی دلیری سے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا، اس کے پیچھے اُس کے ہمراہی چلے، دریا میں بڑا تلاطم تھا، زیادہ سوار غرقاب ہوگئے، اور صرف سات سوار فدائی خاں کے پیچھے ساحل کی طرف بڑھے، راجپوت ساحل پر سے تیروں کی بارش کر رہے تھے، مگر فدائی خاں سربکف ہوکر کنارے پہنچا، اور سات سواروں کے ساتھ راجپوتوں پر حملہ آور ہوا، مگر وہ جہانگیر کی قیامگاہ تک نہ پہنچ سکا، مجبوراً پھر دریا عبور کرکے دوسری طرف آیا، شاہی فوج نے پایاب راستہ سے دریا کو عبور کرنے کی کوشش کی، نورجہاں شہریار کی بچی، اور اپنی آتکہ کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہوکر دریا میں داخل ہوئی، اُس کی عماری پر دو ترکش،

دو کمان اور ایک بندوق تھی، شاہی فوج دریا میں تھوڑی دور آگے بڑھی تھی کہ اس میں کئی غار ملے جس
سے فوج کا تسلسل ٹوٹ گیا، اور وہ علٰحدہ علٰحدہ ہوگئی، مہابت خاں کے راجپوت سپاہیوں نے اس
موقع سے فائدہ اٹھا کر ساحل پر ہاتھیوں کی قطار کھڑی کر دی، اور تیروں کی بارش شروع کر دی،
تفنگ کے گولے اور بان بھی برسانے لگے، لیکن پھر بھی نور جہاں کی جان نثار اور جانباز فوج ساحل پر
پہونچ گئی، اور تیر وسناں کی جنگ ہونے لگی، فریقین کے لشکریوں کے خون سے دریا لالہ زار ہو رہا تھا،
اسی دار و گیر میں راجپوت تیراندازوں کا ایک تیر نور جہاں کی عماری میں شہریار کی بچی کے بازو میں
جا لگا، عماری رنگین ہوگئی، لیکن نور جہاں نے کسی قسم کی پریشانی ظاہر نہیں کی، بچی کے بازو سے تیر
نکال کر زخم کو باندھ دیا، راجپوتوں نے نور جہاں کے ہاتھی اور فیلبان کو تلوار اور برچھے سے زخمی
کرنے کی کوشش کی، جس سے ہاتھی سراسیمہ ہو کر دریا کی دوسری طرف بھاگا، مگر کچھ فوجی ایسے تھے جو ساحل
پر پہونچ کر تیروں کی ایسی مسلسل بارش کرتے رہے کہ راجپوت اُن کو آگے بڑھنے سے روک نہ سکے، اسی
یورش میں فدائی خاں بندگانِ شاہی کی ایک مخلص جماعت کو لے کر جہانگیر کی قیامگاہ تک پہونچ گیا،
سراپردہ کے اندر سوار اور پیادے بھرے ہوئے تھے، اس لئے دروازہ پر کھڑے ہو کر تیراندازی
شروع کر دی، اس کے اکثر تیر خلوت خانہ کے صحن میں جہانگیر کے پاس گرے، مخلص خان جہانگیر کے
سامنے آکر کھڑا ہوگیا، اور اُس نے اپنے کو تیرِ قضا کا سپر بنا لیا، مگر پھر بھی فدائی خان کی شجاعت
اور جانبازی جہانگیر کو رہا کرانے میں کامیاب نہیں ہوئی،

مراد کی تیراندازی تیموری شہزادے یا شاہی فوج کے عہدیدار میدانِ جنگ میں ہاتھی کے ہودج
میں ہوتے تو تیر و کمان ہی سے لڑتے، اور تیروں سے زخمی ہو کر میدانِ جنگ سے منہ موڑنا اپنی
حمیت، غیرت اور شجاعت کے خلاف سمجھتے تھے، سموگڈہ کی جنگ میں شاہزادہ مراد نے دارا کے
تیراندازوں کا مقابلہ جس ہمت، دلیری، اور پامردی سے کیا تھا، وہ تاریخِ ہندوستان کا ایک

عجیب وغریب کارنامہ سمجھا جاتا ہے اُس کی عماری پر چار ہزار از بک تیر چلا رہے تھے، ہاتھی کا ہودج تیروں سے چھلنی ہو کر خار پشت (یعنی ساہی) بن گیا تھا، مگر اس عالم رستخیز میں بھی مراد ہمت و استقلال کا پہاڑ بنا ہوا دشمنوں کے تیروں کا مسلسل جواب دیتا رہا، اس کا فیلبان زخمی ہو کر نیچے گر پڑا تو اس نے فوراً ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈلوا دی، راجپوت مراد کی اس ہمت اور پامردی کو دیکھ کر آگے بڑھے، راجہ رام سنگھ راٹھور لڑتا ہوا مراد کے ہاتھی تک پہنچا، اور انتہائی مردانگی کے جوش میں چلایا تو دارا کے مقابلہ میں تخت وتاج کی ہوس رکھتا ہے، یہ کہکر اُس نے مراد پر برچھے سے وار کیا، بہادر شہزادہ نے وار بچا کر راجہ کو ایسا تیر لگایا کہ وہ گھوڑے سے گر کر پھر اٹھ نہ سکا، راجپوت اپنے سوار کو اس طرح مرتے دیکھ کر دیوانہ وار مراد کے ہاتھی پر حملہ آور ہوئے، اُن کے حملہ سے مراد کے چہرہ پر تین کاری زخم لگے، مگر وہ جانبازی اور سرفروشی کے ساتھ لڑتا گیا، اس کے تیروں سے اتنا خون بہا کہ ہاتھی کے ارد گرد زمین ارغوانی اور زعفرانی ہوگئی، مراد کا یہ ہودج دودمان تیموری کی شجاعت، جانبازی اور پامردی کی یادگار میں خزانہ عامرہ میں آخر آخر وقت تک محفوظ رہا، فرخ سیر کے زمانہ میں سادات بارہہ نے تیموری خاندان کے افراد پر استیلا، اور غلبہ پانے کی کوشش کی، تو فرخ سیر کی بہن نے غصہ میں اُن سے کہا کہ ہم اس خاندان کے افراد ہیں جن کی شجاعت کی یادگار یہ مشبک ہودج اب تک محفوظ ہے؛[1]

جاجو کی جنگ میں اعظم شاہ کا سارا جسم تیروں کے زخموں سے خون آلود ہوگیا تھا، لیکن اُس نے اپنے زخموں کی پرواہ مطلق نہ کی، اور بہادری سے لڑتا گیا، یہاں تک کہ ایک گولی کے نشانہ سے جاں بحق ہوا، اس کے لڑکے بیدار بخت کا بدن بھی تیروں سے چھلنی ہوگیا تھا، مگر اُس نے اپنے ہاتھی کو اُس وقت تک نہیں چھوڑا، جب تک کہ ایک گولی سے اس کا کام بھی تمام نہ ہوگیا، اسی جنگ میں شہزادہ عظیم الشان اپنے باپ بہادر شاہ کی حمایت میں ہاتھی پر بیٹھکر لڑ رہا تھا کہ اعظم شاہ کے دو فوجی سردار

---

[1] خافی خاں جلد دوم ص ۳۰،

خانِ عالم اور منور خاں نے جو صف شکنی کے لئے مشہور تھے، اپنے اپنے ہاتھیوں کو عظیم الشان کے ہاتھی کی طرف بڑھایا، خانِ عالم نے تین بار نیزے سے شہزادہ عظیم الشان پر حملہ کیا، لیکن شہزادہ وار بچاتا رہا، اور موقع پاکر اپنے چلّۂ کمان سے خانِ عالم پر تیر کا ایسا نشانہ لگایا کہ وہ تڑپتا ہوا ہودج میں رہ گیا، منور خاں اپنے بھائی خانِ عالم کو ہلاک ہوتے دیکھ کر عظیم الشان پر نیزہ سے حملہ آور ہوا، شہزادہ نے اس کے نیزہ کے وار کو بھی رد کیا، پھر یکایک توپ کے ایک گولہ سے منور خان بھی لقمۂ اجل ہوگیا، [۱]

دکن میں بہادر شاہ اور کام بخش میں جنگ جانشینی ہوئی تو کام بخش تیروں سے ایسا زخمی ہوا کہ اُس کے ہاتھی کا ہودج اس کے خون سے گلرنگ ہوگیا، مگر اس حالت میں بھی وہ خود غنیم پر تیر چلاتا رہا۔ اس کے دو ترکش خالی ہوگئے، تو دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، اس کا لڑکا محی السنت بھی تیروں کی مسلسل بارش سے زخمی ہوا، ہاتھی پر فیلبان اور اس کے ہمراہی مارے گئے، وہ زخمی ہوکر خود نڈھال ہوگیا تھا، مگر اُس نے میدانِ جنگ سے منہ موڑنا گوارا نہیں کیا، فیلبان کے مرنے پر ہاتھی خود ہانکنے لگا، لیکن گولیوں کے زخموں سے بیہوش ہوگیا، تو ہاتھی ادھر اُدھر بہک گیا، [۲]

۱۱۲۴ھ میں فرخ سیر ساداتِ بارہہ کی مدد سے جہاندار شاہ کے خلاف تخت و تاج کا دعویدار ہوا تو فریقین میں آگرہ کے پاس جنگ ہوئی، اس لڑائی میں فرخ سیر کی حمایت میں سید حسین علی خان اور سید عبداللہ خا دونوں بھائیوں نے شجاعت اور مردانگی کے اعلیٰ جوہر دکھائے، جب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی، تو سید حسین علی خان ہاتھی سے نیچے اُتر آیا، اور ہاتھ میں تلوار لے کر پیادہ لڑنے لگا، غنیم کے تورانی تیر انداز چکر کاٹ کر سید حسین علی خاں کے پیچھے آگئے، اور اس کو تیروں سے ایسا زخمی کیا کہ وہ زمین پر گر کر بیہوش ہوگیا، اس کا گرنا تھا کہ ساداتِ بارہہ نے اس کو گھیر لیا، اور اس کے جسم کو

---

[۱] خافی خان جلد دوم ص ۵۹۰، ۵۹۱ وغیرہ [۲] ایضاً ۳۵، ۶۲۳،

فرید گزند سے بچانے کی خاطر خود کٹ کٹ کر مرنے لگے، فوج کے دوسرے حصہ میں سید عبداللہ خاں بھی تورانی تیراندازوں کی تاب نہ لا کر دوسری طرف رُخ کرنا چاہتا تھا کہ یکایک جہاندار شاہ کی طرف سے عبدالغفار خان سید عبداللہ خاں کے ہاتھی کے پاس پہنچا، اور چلّہ کمان سے ایک تیر نکال کر عبداللہ خان کو نشانہ بنایا، لیکن مؤخر الذکر نے نہایت سرعت سے اپنی کمان سے ایک تیر ایسا چلایا کہ عبدالغفار خان کا تیر اس سے ٹکرا کر بیچ ہی میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، عبداللہ خاں نے فوراً ہی ایک دوسرا تیر مارا، جس سے عبدالغفار خان زخمی ہوکر دوسری طرف مڑ گیا، اسی اثنا میں سید عبداللہ خاں کی مدد کو کمک پہونچ گئی، جس کی مدد سے ساداتِ بارہہ نے جہاندار شاہ کے ہاتھی پر تیروں کی اتنی بارش کی کہ ہاتھی خوف زدہ اور سراسیمہ ہوکر اپنے لشکریوں ہی کو پامال کرنے لگا، اس کے بعد جہاندار شاہ کی فوج میدانِ جنگ میں نہ ٹھہر سکی،[1]

محمد شاہ نے ساداتِ بارہہ کے خلاف حسن پور کے میدان میں جنگ کی، تو سید عبداللہ خان بڑی دلیری اور شجاعت سے لڑا، اس کے جسم پر آہنی لباس تھا، جس کی وجہ سے اس کو زخمی کرنا آسان نہ تھا، اس کے ہودج پر تیروں کی مسلسل بارش ہو رہی تھی، محمد شاہ خود اس کو اپنے تیروں کا نشانہ بنائے ہوئے تھا، عبداللہ خان بہادری کے جوش میں شمشیر اور سپر سے پا پیادہ لڑنے کی خاطر ہاتھی سے نیچے اُتر آیا، مگر اُس نے ہاتھی کا ہودج چھوڑا، تو اُس کے ہمراہی سمجھے کہ وہ مارا گیا، اور ادھر اُن کے پاؤں اکھڑ گئے، مگر عبداللہ خاں کے قدم پیچھے نہیں ہٹے، وہ جانبازی سے لڑتا رہا کہ یکایک کسی قادر تیرانداز نے تاک کر اس کی پیشانی پر ایک تیر لگایا، اس تیر کی زد سے وہ سنبھلنے نہ پایا تھا کہ کسی نے بڑھ کر شمشیر سے اس کے ہاتھ پر ایک ضرب کاری لگائی، جس سے بے بس ہوکر وہ شاہی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا،[2]

---

[1] خافی جلد دوم ص ۳-۶۷۲، مآثر الامرا، جلد اول ص ۳۲۳، و جلد سوم ص ۳۴-۱۳۳ [2] مآثر الامراء جلد سوم ص ۶-۱۳۵ و سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۲۴، ۴۴۱،

عام طور سے اوزبک[1] اور تورانی تیر اندازی میں بڑے مشتاق اور ماہر سمجھے جاتے تھے، تورانیوں کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنے ہر تیر سے گھوڑے کی پیٹھ اُس کے سوار سے خالی کرا دیتے تھے، تیروں کا حملہ روکنے میں افغانی امتیازی حیثیت رکھتے تھے، عظیم الشان اور جہاندار شاہ کے درمیان جنگِ جانشینی ہوئی تو اول الذکر کے افغانی لشکریوں کے ارد گرد تیروں کی جو بارش ہوئی تو مورخوں کا بیان ہے کہ افغانی اس کو پھولوں کی بارش تصور کر رہے تھے،

تیموری شہزادوں کو تیر اندازی کی اعلیٰ تعلیم دیجاتی تھی، جہانگیر کی تیر اندازی کی مہارت یہ تھی کہ وہ ایک ہی تیر سے بھیڑیے کو ہلاک کر دیتا تھا، حالانکہ مشہور ہے کہ بھیڑیے بیس بیس تیس تیس تیر کھا کر بھی نہیں مرتے، وہ خود تزک میں لکھتا ہے:

"ایک بھیڑیا میرے سامنے آیا میں نے ایک تیر اس کے کان کے پاس مارا، جو قریب ایک بالشت کے پیوست ہوگیا، وہ بھیڑیا اس تیر سے گر کر ہلاک ہوگیا، اکثر ایسا ہوا ہے کہ میرے سامنے سخت کمان والے جوانوں نے بھیڑیے کو بیس تیر تیس تیر مارے ہیں مگر وہ نہ مرا، اپنے بارے میں کچھ لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے ان واقعات کو لکھنے میں زبانِ قلم کو کوتاہ رکھتا ہوں"[2]

اورنگ زیب اپنے بڑے لڑکے شہزادہ سلطان محمد کو برابر تاکید کیا کرتا تھا کہ وہ روزانہ دو گھڑی تیر اندازی اور بندوق کی مشق میں صرف کیا کرے[3]

---

[1] ۱۰۵۶ھ میں بلخ کی مہم میں شاہجہانی فوج پر بارہ ہزار اوزبک تیر انداز ایک ساتھ تیر چلا رہے تھے، جس سے قریب تھا کہ شاہی فوج کے پاؤں اکھڑ جائیں مگر پھر توپ اور تیغ و سنان کی زد ان پر ایسی پڑی کہ اوزبکوں کی فتح ہزیمت سے بدل گئی، خافی خان جلد ۱ ص ۶۶۵ [2] تزک جہانگیری ص ۳۰۷ [3] رقعات عالمگیری معارف پریس ص ۲۰۱،

شمشیرزنی جب غنیم کی صفوں میں تفنگ، تیر یا کبھی ہاتھیوں کی یورش سے انتشار، خلل اور رخنہ پیدا ہوجاتا تو سوار اپنی اپنی تلواروں کو سونت سونت کر مخالف فوجوں کے ساتھ گڈمڈ ہوجاتے جس کو معاصر مورخین چقلیش مردانہ یا چپقلیش رستمانہ کہتے ہیں، اصلی شجاعت تلواروں ہی سے لڑنے میں سمجھی جاتی، بابر کے ماموں کا قول تھا کہ اگر شش پر، پیازی کبستن اور تبر تیشہ لگے، تو ایک جگہ زخم دے، اور تلوار لگے، تو سر سے پاؤں تک کام کر جائے[1]،

قندھار کی دوسری جنگ میں ایرانی لشکریوں کے پاس آتشیں اسلحہ کی کثرت تھی، تو شاہجہانی فوج اُن کو طعنہ دیتی تھی کہ وہ اپنی بزدلی اور کم ہمتی کے سبب تلواروں سے لڑنے کے بجائے توپوں اور بندوقوں سے جنگ کرنے کے عادی ہیں، اعظم شاہ جاجو کی جنگ میں شریک ہوا تو اپنی بہادری اور شجاعت کے نشہ میں مخمور ہوکر بار بار کہتا کہ توپ و تفنگ تو بازیچۂ اطفال ہیں، بہادروں کا ہتھیار تلوار ہے، جنگ کا فیصلہ تلوار ہی سے ہونا چاہئے،

لڑائی جب زور شور کی ہوتی اور بہادر لشکری دلیری اور سرفروشی کے نشہ سے سرشار ہوجاتے تو وہ اپنے ہاتھی اور گھوڑے کی پیٹھ پر سے نیچے اُتر آتے تاکہ یہ بے قابو ہوکر دھوکہ نہ دے سکیں، پھر زمین میں پاؤں جماکر کھڑے ہوجاتے، اپنی پوشاک کے دامن کو سمیٹ کر کمر سے باندھ لیتے، اور ہاتھ میں تلوار لے کر لڑنا شروع کردیتے، دائیں بائیں آگے پیچھے بڑی پھرتی سے اپنی تلوار سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارتے، اور اپنی جان کی فکر مطلق نہ کرتے، یہ شجاعت اور بہادری کی اعلیٰ مثال سمجھی جاتی، راجپوتوں کی جنگ میں اس قسم کی بہادری کی مثالیں بہت ملتی ہیں، مسلمانوں نے ان ہی سے یہ طریقۂ جنگ لیا،

دھرمات کی جنگ میں اورنگ زیب کے ہراول کی طرف راجپوت بڑھے، تو ذوالفقار خاں نے

۱؎ تزک بابری ص ۱۰۴

محسوس کیا کہ بڑا نازک موقع آگیا ہے، اور دشمنوں کی یلغار کو روکنے کی ضرورت ہے، وہ اپنے گھوڑے سے اُتر گیا، اور ہاتھ میں تلوار لے کر تنہا راجپوتوں میں کود پڑا، اور پھر قدم جما کر اپنی شجاعت و جانبازی کا پورا جوہر دکھایا اُس کا جسم متواتر زخموں سے خون آلودہ ہوگیا لیکن اُس کی سپاہیانہ غیرت اور حمیت نے دشمنوں سے پسپا ہو کر پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا[1]،

اس واقعہ کو مورخوں نے بڑے آب و تاب سے لکھا ہے چنانچہ منشی محمد کاظم بن محمد امین عالمگیرنامہ میں لکھتا ہے:

"و ذوالفقار خاں بآئین دلاوراں ناموس جوے ہندوستان کہ چوں کار جنگ تنگ شود از اسپاں پیادہ شدہ دل بر ہلاک می نہند و اکثر اوقات بحسن ثبات قدم و رسوخ عزیمت غنیم را ہزیمت می دہند، از اسپ فرود آمدہ باعدودے پائے ہمت و جلادت بقصد نیل سرخروئی و شہادت در میدان و غا افشردہ داد شجاعت و دلیری دادہ دراں آزمونگاہ جوہر مردانگی گوے ثبات و استقلال از اقران و امثال برد، اگرچہ گل زخمی از شاخسار مردی چید، لیکن بہ برکت توجہات والائے حضرت شاہنشاہی و میامن حسن اعتقاد و نیکو خواہی از آسیب ہلاک ایمن ماند[2]"

بہادر شاہ کی وفات کے بعد عظیم الشان اور جہان شاہ میں جنگ ہوئی، تو عظیم الشان کی طرف ممتاز خاں نے اسی شجاعت اور مردانگی کی مثال پیش کی، لڑائی تیز ہوئی، تو وہ لڑتا ہوا جہان شاہ کے پاس پہونچا اور گھوڑے سے کود کر پا پیادہ ہوگیا، اور کبھی تیر چلاتا، اور کبھی دشمنوں کو اپنی تلوار سے لقمۂ اجل بناتا، اسی بہادری سے وہ لڑتا گیا یہاں تک کہ دشمنوں کو پیچھے ہٹنا پڑا،

سادات بارہہ لڑائی کی سرزمین میں قدم جما کر تلوار سے لڑنے میں بہت مشہور تھے سنہ ۱۱۲۳

---

[1] عالمگیرنامہ ص ۲۰۰ [2] ایضاً،

میں سید حسین علی خاں فرخ سیر کی حمایت میں جہاندار شاہ سے لڑا تو میدان جنگ میں ہاتھی سے اتر کر اپنی شمشیر آبدار کے جوہر خوب دکھائے، مآثر الامرا میں ہے :-

"حسین علی خاں در روز جنگ کہ در حوالی مستقر الخلافہ با جہاندار شاہ اتفاق افتاد باتفاق حسن بیگ صف شکن خاں کہ نائب صوبہ داری اوڑیسہ بود زین الدین خان پسر بہادر خاں ... روہیلہ بمقابل ذوالفقار خاں کہ توپ و ضرب زن بسیار پیش روچیدہ ایستادہ بود، اسپاں تاختہ بہ زنجیرۂ توپخانہ در آمد، چوں عرصۂ بر خود تنگ دید، باین ناموس پرستان ہند پیادہ گشتہ بہ زخمہائے طاقت ربا بزمین افتاد"[۱]،

قطب الملک سید عبد اللہ خاں نے بھی (سید حسن علی خاں کا بھائی) حسن پور کی جنگ میں اسی جوہر شجاعت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، لڑائی شدت پر تھی کہ سید عبد اللہ خاں شمشیر اور سپر لے کر ہاتھی سے نیچے اتر آیا، اور جن دشمنوں نے اس کو گھیر رکھا تھا، ان سے تنہا بڑی دیری کے ساتھ جنگ کرنے لگا، وہ سر سے پاؤں تک آہنی لباس میں ملبوس تھا، اس لئے اس کو زخمی کرنا آسان نہ تھا، وہ دشمنوں کو اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اتارتا رہا، مگر قسمت نے یاوری نہیں کی، یکایک اس کی پیشانی پر ایک تیر لگا، اور اسی کے ساتھ کسی نے بڑھکر تلوار سے اس کے ہاتھ کو زخمی کیا، جس کے بعد دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا،[۲]

---

[۱] مآثر الامرا جلد اول ص ۳۲۳ خافی خان میں ہے :

"و حسین علی خاں چناں عرصۂ کارزار تنگ گردیدہ کہ بدستور بہادراں تہور پیشۂ ہندوستان خود را از فیل انداختہ با چندے از شجاعت پیشگاں بارہہ تردد رستمانہ نمود، بعد برداشتن زخمہائے کاری بے خبر گشتہ در معرکہ افتاد" (جلد دوم ص ۷۰۳)

[۲] خافی خاں جلد دوم ص ۹۳۲، و سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۱۔۴۴،

ایک سپاہی تلوار کی ضرب جس قدر زیادہ تیزی، پھرتی اور سختی سے لگاتا، اسی قدر وہ بہادر اور آزمودہ کار سمجھا جاتا، اکبر اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب میں شیر ہلاک کر ڈالتا تھا[۱]، عالمگیر نے اپنی شہزادگی کے زمانہ میں ایک مست ہاتھی کو اپنی تلوار سے زخمی کر کے اس کو پیچھے ہٹا دیا تھا، بہادر سوار گھوم گھوم کر اپنی تلواروں سے ہاتھیوں پر حملہ کرتے، اور ان کو زخمی کر کے پسپا کر دیتے، مست ہاتھی کے قریب آکر تلوار کی ضرب سے اس کی سونڈ کو اڑا دینا، اور پاؤں کو بے کار کر دینا کوئی بڑی بات نہیں سمجھی جاتی تھی[۲]،

نیزہ بازی | نیزہ کے متعلق آداب الحرب میں ہے:

"اگر کسے گوید کہ یک مرد ہزار سوار را بزور براند، جز نیزہ بردار نباشد"

بعض نیزہ باز اپنے نیزہ سے سوار کو گھوڑے کی پیٹھ پر سے اوپر اٹھا لیتے تھے[۳]،
محمود غزنوی کی فوج کے بعض نیزہ باز ایسے تھے، جو اپنے نیزوں سے آہنی زرہ میں چھید کر کے دشمنوں کو ہلاک کر دیتے تھے، (تاریخ یمینی الیٹ جلد چہارم)

سلطان شہاب الدین غوری ترائین میں راجہ پتھورا کے خلاف جنگ کر رہا تھا، تو اس نے راجہ کے بھائی گوبند رائے کو اس کے ہاتھی پر اپنے گرز ہی سے زخمی کیا، جس سے اس کے دو دانت ٹوٹ گئے، گوبند رائے نے اپنے برچھے سے وار کا جواب اس طرح دیا کہ سلطان شہاب الدین غوری اپنے گھوڑے سے لڑھک کر نیچے گر گیا، جس کے بعد ایک خلجی سوار اس کو میدان جنگ سے لے بھاگا،

مخالف سوار یورش کر کے گڈمڈ ہو جاتے تو لمبے نیزوں اور برچھوں سے ان کی پیش رو کی جاتی[۴]،

۱؎ اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۸۴ ۲؎ بادشاہ نامہ جلد اول ص ۹۰-۹۴ ۳؎ مثال کے لئے دیکھو تزک جہانگیری ص ۱۰۳-۴ عمل صالح جلد دوم ص ۵۳۷ ۴؎ اکبر اپنے سترھویں سال جلوس میں ابراہیم حسین مرزا کے خلاف گجرات میں جنگ کر رہا تھا، تو اس لڑائی کے سلسلہ میں ابوالفضل رقمطراز ہے:

مخالف سواروں کے تیز رفتار گھوڑے کبھی گرز اور سنان ہی سے زخمی کئے جاتے تھے، ہاتھیوں کو مجروح کرنے میں بھی یہ ہتھیار موثر ثابت ہوتے تھے[1] مخالف سوار ہاتھیوں کے قریب آکر ہودج نشینوں پر نیزوں اور برچھوں ہی سے وار کرتے تھے[2]

کرنال کی جنگ میں نادر شاہ کے ایک نیشاپوری سوار نے اپنے نیزہ کے استعمال کا ایک عجیب و غریب نمونہ پیش کیا، شدت کی لڑائی جاری تھی کہ یہ نیشاپوری سوار محمد شاہ کے فوجی سردار سعادت خاں کے ہاتھی کے پاس پہنچا، اور پھرتی سے اپنا نیزہ زمین میں نصب کیا، گھوڑے کی باگ نیزے سے باندھ دی، اور سعادت خاں کے ہاتھی کے ہودج کی جو ڈور نیچے لٹک رہی تھی، اس کو پکڑ کر آناً فاناً

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۸)

ودریں وقت کہ (ہر طرف ہنگامۂ جان فشانی و جاں ستانی گرم بود) سہ دلیرے بے آزرم از گروہِ مخالف بصورتِ شہریار شیر دل تاختند یکے ازاں بد نہاداں پیش دستی نمودہ متوجہ راجہ بھگونت داس شدہ نیزہ حوالہ کرد، راجہ پیشتر ازاں پا در رکاب محکم کردہ ایستادہ می باشد کہ برچھہ خود را با و رساند نیزۂ او خالی افتاد و راجہ برچھہ خود را براں مدبر آنچناں زد کہ حال دگرگوں شدہ برگشت" (اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۵)

[1] مثال کے لئے دیکھو فرشتہ جلد اوّل ص ۳۰۴، عبدالحمید لاہوری جلد اوّل ص ۵۹۵، ۴۸۹ خافی خاں جلد اوّل ص ۴۴، [2] مثلاً سموگڑھ کی جنگ میں مراد کے ہاتھی پر راجپوتوں کا حملہ ہوا تو خافی خاں رقمطراز ہے:

"دریں حال راجہ رام سنگھ کہ میان راجپوتاں بہ تہوری شہرت نام داشت، شہرۂ مروارید بیش قیمت بر سر بستہ رخت زعفرانی با ہمہ ہمرہاں بدعوی پر دلی پوشیدہ جلو ریز خود را بفیل سواری محمد مراد بخش رساند و بے باکانہ و گستاخانہ گفت تو مقابل دارا شکوہ ہوس بادشاہی در سر داری و برچھے طرف محمد مراد بخش انداخت و بر سعادت حمایت تمام بانگ زدہ گفت کہ

ہودج پر چڑھ گیا، جس کے بعد محمد شاہ کا فوجی سردار بے بس تھا[۱]،

مندرجۂ بالا اسلحہ کے علاوہ دست بدست لڑائی میں جمدھر، خنجر، کھپوا، گرز اور تبر بھی کبھی کبھی استعمال کئے جاتے تھے،

جنگی حیلے | جنگی حیلوں میں یہ حیلہ عام طور سے رائج تھا کہ لشکر ہی میدانِ جنگ سے بظاہر بھاگتے نظر آتے، اور جب اُن کے دشمن اُن کا تعاقب کرتے ہوئے کچھ دور آگے بڑھ جاتے، تو وہ پلٹ کر اُن پر حملہ کر دیتے، اس قسم کے جنگی فریب کی مثالیں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے ہر دور میں ملتی ہیں، شہاب الدین غوری نے رائے پتھورا پر جو فتح و کامرانی حاصل کی تھی، اس میں اس قسم کا جنگی حیلہ بھی معاون ہوا تھا[۲]،

سلطان فیروز شاہ تغلق پہلی بار شمس الدین کے خلاف لکھنوتی جنگ کرنے گیا، تو وہ یعنی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۹) فیل را بنشان آن بہادر شیر صولت حملۂ اورا دو نمود و چناں تیر جاں ستاں بہ پیشانی او رساند کہ از خانۂ زیں سرنگوں ساخت" (جلد دوم ص ۲۷)

۱۱۱۹ھ میں شاہ عالم اور اعظم شاہ کی جنگ جانشینی کے سلسلہ میں خافی خان لکھتا ہے،

"و ہر لحہ آتش پیکار شعلہ میگردید، تا آنکہ خان عالم و منور خاں کہ از دلاوران صف شکن و کن گفتہ می شدند در مبارزت بارہا علم شہرت برافراشتہ بودند نعرہ زناں فیل جرأت مقابل فیل محمد عظیم پیش راندند، و منور خاں بے باکانہ بحملۂ رستمانہ نیزہ طرف شاہزادہ انداخت محمد عظیم نیزۂ او را رد کرد، آن نیزہ بر جلال خاں قراول ردیف محمد عظیم رسید، محمد عظیم نیز بحلۂ کماں در آورده چناں بہ سینۂ حریف رساند کہ کارِ او ساختہ شد" (جلد دوم ص ۵۹۱)

[۱] سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۸۳، مآثر الامرا، جلد اول ص ۴۶۵ [۲] طبقاتِ ناصری ص ۱۲۰،

سلطان فیروز لکھنوتی چھوڑ کر پیچھے چند میل ہٹ گیا، شمس الدین کی فوجوں نے خیال کیا کہ سلطان فیروز پسپا ہو کر مراجعت کر رہا ہے، اس لئے وہ قلعہ سے نکل کر باہر آگئیں، اور شاہی فوج کا پیچھا کرنے لگیں لیکن ان کو شکست کھانی پڑی[1]،

شیر شاہ بنگال میں ابراہیم خاں کے خلاف سورج گڑھ کے مقام پر صف آرا ہوا، تو اُس نے بھی اپنے غنیم کو جنگی فریب ہی سے شکست دی، لڑائی شروع ہونے سے پہلے اُس نے اپنے فوجی سرداروں کو حسب ذیل ہدایتیں دیں،

"غنیم کے لشکر میں بہت سے ہاتھی، بہ کثرت بندوقیں اور کثیر التعداد پیدل سپاہی ہیں، لیکن ہم اُن سے اِس طرح لڑیں کہ وہ اپنی اصلی صفوں کو برقرار نہ رکھ سکیں، اُن کے سواروں کو ہم بندوقچیوں سے علٰحدہ کر دیں، اور اُن کے پیدل سپاہیوں اور سواروں کو اُن کے ہاتھیوں کے ساتھ گڈمڈ کر دیں تاکہ اُن کی فوج میں ترتیب باقی نہ رہے، میرے ذہن میں ان بنگالیوں کو شکست دینے کی ایک ترکیب ہے، سامنے ایک پہاڑی ہے، اپنی فوج کی ایک بڑی تعداد کو اس پہاڑی کے پیچھے لے جا کر کھڑی کر دوں گا، لیکن تجربہ کار اور جری شہسواروں کی ایک مختصر جماعت کو جارحانہ حملہ کرنے کے لئے تیار رکھوں گا، غنیم اسی طرح لڑیں گے جس طرح کہ پہلے لڑ چکے ہیں، اُن کو اپنی شکست کا مطلق خیال نہ ہوگا، میں اپنے منتخب دستہ کو آگے بڑھاؤں گا، وہ بنگال کی فوج پر تھوڑی دیر تک تیر چلا کر پیچھے ہٹتے نظر آئے گا، ابراہیم خاں کو یقین ہو جائے گا کہ اس کی طاقتور فوج سے پسپا ہو کر افغان بھاگ رہے ہیں، ابراہیم خاں کے حوصلے بڑھ جائیں گے، اور میری فوج پر اور بھی زیادہ دباؤ ڈالنے کے لئے اپنی توپوں اور پیدل سپاہیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھ آئے گا، اس طرح اس کی صفوں میں بے ترتیبی پیدا ہو جائیگی،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از سراج عفیف ص ۱۱۴،

اس کے بعد میں پہاڑی کے پیچھے سے اپنی فوج کو لے کر غنیم پر حملہ کردوں گا، اس طرح بنگالی سوار توپخانے اور پیدل سپاہیوں کی مدد سے بالکل محروم ہو جائیں گے، اور وہ افغان شہسواروں کا مطلق مقابلہ نہ کر سکیں گے،

یہ ترکیب بڑی ہوشیاری اور ہوشمندی سے عمل میں لائی گئی، اور وہی ہوا جس کی امید شیر خاں کو تھی، ابراہیم خاں کی فوج دام فریب میں پھنس گئی،[۱]

اکبر نے اپنے انیسویں سال جلوس میں داؤد کے خلاف اپنی فوج بنگال بھیجی، تو لڑائی کے درمیان شاہی فوج کے التمش اور قول کو شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا، ان فوجوں کو پیچھے ہٹتے دیکھ کر داؤد یہ سمجھا کہ یہ اُن کا محض فریب ہے، اس لئے اُس نے اُن کا تعاقب نہیں کیا، اسی اثنا میں شاہی فوج کے داہنے بازو سے اُن کی مدد کے لئے کمک پہونچ گئی، پھر داؤد کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی،[۲]

تیموری بادشاہ اس قسم کے جنگی فریب کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے اُن کی لڑائیوں میں دجل و مکر کی مثالیں مطلق نہیں ملتی ہیں، کرنال کی جنگ میں نادر شاہ کے بعض دستے میدان جنگ سے بھاگتے نظر آئے، اس طرح کہ اپنے گھوڑوں کی پیٹھ پر الٹے منہ بیٹھ گئے، اور تیر اور بندوق چلاتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو بھگائے گئے، محمد شاہ کے سپاہی ان کا تعاقب کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے، یہاں تک کہ وہ ایک کمین گاہ کے پاس پہونچ گئے، جہاں سے نادر شاہ کے سینکڑوں بندوقچی نکل کر ان پر بری طرح حملہ آور ہوئے،

اس قسم کا جنگی فریب بڑی احتیاط اور ہوشمندی سے عمل میں لایا جاتا، اور جب بھاگتی ہوئی فوج پلٹ کر لڑتی تو اس کو دوگنی قوت، غیر معمولی تیزی اور پامردی سے لڑنا پڑتا،

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی از عباس خاں سروانی، الیٹ جلد چہارم ص ۳۴۴ - ۳۴۱،

[۲] اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۲۶،

شبخون | غنیم کے لشکر پر رات کے آخری حصہ میں اچانک حملہ کرنا بھی ایک جنگی فریب تھا، یہ پرانا طریقہ اس وقت سے جاری تھا، جب کہ انسانوں میں لڑائیاں شروع ہوئیں، لیکن یہ اوچھے قسم کا وار سمجھا جاتا تھا، رات کے اس اچانک حملہ کو شبخون کہا جاتا تھا، اور یہ حملہ اسی وقت کیا جاتا، جب کہ غنیم کی لشکر گاہ پوری طرح محفوظ نہیں ہوتی، حملہ آور کسی طرح غنیم کی لشکر گاہ میں چپکے سے گھس جاتے، اور پھر انتشار و اختلال پیدا کر دیتے، شبخون سے محفوظ رہنے کے لئے فوج چار دستوں میں تقسیم کر دی جاتی،

(۱) پیدل سپاہی تیر و کمان، تلوار، نیزے اور سپر سے مسلح ہو کر لشکر گاہ میں داخل ہونے کے راستے پر متعین کر دیئے جاتے،

(۲) دائیں بازو یعنی یمین اور قلب کے سپاہی اپنی جگہ پر ہوتے، اور اپنے یہاں کی روشنی گل کر دیتے، تاکہ وہ دشمنوں کو نظر نہ آئیں، یا وہ کسی دوسری جگہ جا کر آگ روشن کر دیتے، غنیم گمراہ ہو کر وہاں پہونچ جاتے، تو پھر وہ نرغے میں پھنس جاتے،

(۳) بائیں بازو یعنی یسار کے سپاہی صف باندھے تیار کھڑے رہتے، تاکہ غنیم کا حملہ ہو تو اسکو وہ روک سکیں،

(۴) فوج کا چوتھا دستہ لشکر گاہ کو چھوڑ کر دور کے راستے پر گشت کرتا رہتا تاکہ غنیم کو کوئی مدد نہ پہونچ سکے، شبخون مارنے والے اپنے غنیم کے تمام راستوں کو مسدود کر دیتے، اور چلاتے، اور شور مچاتے کہ فلاں سردار مارا گیا، اور فلاں آدمی قتل کر دیا گیا، اس طرح غنیم کے لشکر میں سراسیگی اور بدولی پھیل جاتی،[1]

جو فوجیں نسبتہً کمزور ہوتیں وہی شبخون مارتیں، سلاطین دہلی کی فوجیں اس قسم کے جنگی فریب

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو آداب الحرب عکسی نسخہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ باب بست دوم،

پسند نہیں کرتی تھیں، لیکن اُن کے دشمنوں کے یہاں اس فریب کی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً محمد تغلق نے قنوج کے پاس گنگا کے ساحل پر عین الملک کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے اپنا پڑاؤ ڈالا، تو مؤخر الذکر نے پچھلی رات کو شاہی لشکر کے اگلے حصہ پر چھاپا مارا، لشکریوں میں بڑا شور مچ گیا، سلطان نے حکم دیا کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلے، اور تلواروں سے لڑائی کی جائے، تمام لشکریوں نے تلواریں کھینچ لیں، اور وہ دشمن کی طرف بڑھے، لڑائی کا ہنگامہ خوب گرم ہوا، عین الملک کا ارادہ بادشاہ کے خیمہ پر چھاپا مارنے کا تھا، لیکن اُس کے رہبر نے اُس کو دھوکا دیا، اور وہ وزیر کی جگہ آ پڑا[۵۱]

پانی پت کی پہلی جنگ میں بابر نے لڑائی کی ابتدا میں ابراہیم لودی کے لشکر پر شبخون مارنے کی کوشش کی، لیکن اُس کی تزک کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس نے یہ شبخون بطیب خاطر نہیں مارا، بلکہ بعض ہندوستانی امرا کے اصرار پر اپنی فوج کو شبخون مارنے کی اجازت دی، پانی پت میں اس کی فوج سات آٹھ دن پڑی رہی، اس کے تھوڑے تھوڑے سپاہی ابراہیم لودی کے لشکریوں پر حملہ کرتے، لیکن یہ اپنی جگہ سے نہ ہلتے، اس لئے بعض ہندوستانی امرا نے شبخون مارنے کی صلاح دی، چنانچہ چار پانچ ہزار سپاہیوں کی ایک فوج شبخون مارنے کے لئے آگے بڑھی لیکن وہ غنیم کے پاس اُس وقت پہونچ سکی جب صبح ہو رہی تھی، اس لئے وہ کچھ نہ کرسکی، اور واپس ہو گئی،[۵۲]

شیر خاں نے چونسا کی لڑائی میں محض حیلہ و مکر سے فتح پائی، وہ ہمایوں کے خلاف تین مہینے تک پڑاؤ ڈالے رہا، بالآخر اُس نے یہ اعلان کیا کہ وہ شاہ آباد ضلع کے مہارٹھ کی سرکشی کو فرو کرنے کے لئے اپنی فوج کے ساتھ وہاں جائے گا، دو دن تک وہ اپنی فوج اسی طرف بڑھاتا گیا، اور جب پچیس میل آگے بڑھ چکا تو یکایک ہمایوں کی لشکر گاہ کی طرف اپنی فوج کو موڑ دیا، اور بڑی

---

۵۱ سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ۱۸۱،

۵۲ بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۲۶۵،

خاموشی اور تیزی سے ہمایوں کے سر پر آدھمکا، مغل فوج بالکل غافل ہو کر رات کی ٹھنڈی ہواؤں میں مزے کی نیند سو رہی تھی، افغان یکایک حملہ آور ہوئے تو ہمایوں کے کسی لشکری کو نہ تو مسلح اور نہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہونے کا موقع ملا، اسطرح ہمایوں اپنی فوج کو جمع نہ کر سکا، اور جب اس کے سپاہی سراسیمہ ہو کر منتشر ہو گئے، تو اس نے خود میدان جنگ چھوڑ دیا، اور اس کو اتنا بھی موقع نہ مل سکا کہ اپنے اہل و عیال کو اپنے ساتھ لیجا سکے،[۱]

اکبر شبخوں مارنے کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا، وہ ابراہیم حسین مرزا کے خلاف احمد آباد اور بڑودہ کے درمیان دریائے مہندری کے پاس معرکہ آرا ہوا، تو اس کے پاس زیادہ لشکری نہ تھے، اس کے فوجی سردار جلال خاں نے اس کو مشورہ دیا کہ جب تک ہمارے پاس کافی فوج نہ پہونچ جائے دن میں لڑائی لڑنا مناسب نہیں، بلکہ رات کو شبخوں مارنا چاہیئے لیکن اکبر نے شبخوں مارنے کی صلاح کو پسند نہیں کیا، کیونکہ شبخون جیسا کہ ابوالفضل نے لکھا ہے "صورتِ تلبیس و تزویر داشت" اکبر نے اپنے لشکریوں کو ہمت بڑھائی اور اُن سے کہا کہ دن کا کام رات پر اٹھا رکھنا بالکل مناسب نہیں، ہم چستی اور ہوشمندی سے کام لے کر رزم آرا ہو جائیں، ہم میں سے ہر ایک شخص قوی دل ہو کر لڑے، اور یہ طے کر لے کہ ہر شخص کم از کم ایک دشمن کو موت کے گھاٹ اُتارے گا،[۲]

احمد آباد کے حوالی میں محمد حسین مرزا کے خلاف اکبر صف آرا ہوا تو اس لڑائی میں بھی اس کو شبخوں مارنے کا مشورہ دیا گیا، لیکن اس مشورہ کو اُس نے حقارت سے ٹھکرا دیا، اس موقع پر ابوالفضل لکھتا ہے :-

شبخوں بود پیشۂ بے دلاں ۔۔۔ ازیں ننگ دارند خیل یلاں[۳]

---

[۱] تاریخ شیر شاہی از عباس خاں سروانی ایلیٹ جلد چہارم ص ۵،۷، ۳، [۲] اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۳،
[۳] ایضاً ص ۵۱،

جہانگیر بھی اپنے باپ کی طرح شبخوں کو "کار بے دلاں اور شیوۂ فریب کاراں" کہا کرتا تھا،[1]

مغل فوج شبخوں تو نہیں مارتی تھی لیکن شبخوں مارنے والوں کی مدافعت کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی، اس لئے وہ اپنی لشکر گاہ کو محفوظ کرنے کے لئے اس کی چاروں طرف یا تو کانٹے بچھا دیتی، یا مٹی کی دیوار کھڑی کر دیتی یا خندقیں کھود دیتی،[2]

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۹ [2] اکبر نامہ جلد ۳ ص ۴۲۵ ، ۵۳۵ ، بادشاہ نامہ جلد سوم ص ۲۴۹ ،

محاصرہ

آداب الحرب کے مؤلف کے لکھنے کے مطابق قلعہ کشائی کے لئے حسب ذیل چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی (۱) زینہ، کھجور کے رسے (۳) بھنگ کے رستے انکڑے والے (۴) خرک (۵) تسریں (۶) دہ مردہ (۷) منجنیق (۸) عرادۂ گرداں (۹) عرادۂ خفتہ (۱۰) دیوار کن (سابل) (۱۱) آتش کش آہنیں (۱۲) زنجیر (۱۳) کدال (۱۴) نیزۂ مردگیر (۱۵) سپرزج (۱۶) نیزہ دندانہ دار (۱۷) پھڑیں (۱۸) ستون وغیرہ[1]

زینے اور رسے تو قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر یلغار کرنے میں کام آتے تھے، منجنیق، عرادہ اور خرک قلعہ شکنی کے آلات تھے، جن کی تفصیل ہم پہلے بتا چکے ہیں، نیزۂ مردگیر اور دندانہ دار نیزوں کی قسمیں تھیں، اور سپرزج (جھبج) ایک قسم کی ڈھال تھی، جو قلعہ کے دروازے پر متعین لشکری رکھا کرتے تھے، دہ مردہ اور تسرس کی اصطلاح سمجھ میں نہیں آئی، بقیہ کی نوعیت اُن کے ناموں سے ظاہر ہے،

منجنیق | منجنیق کے ذریعہ بھاری بھاری پتھر پھینک کر قلعہ کے دروازے اور دیواریں توڑی جاتی تھیں، بعض منجنیق کو استعمال کرنے میں پانچ پانچ سو آدمی کام کرتے تھے، محمد بن قاسم نے سندھ میں اسی قسم کے منجنیق سے کام لے کر دیبل کے بتخانہ کو فتح کیا، اس بتخانہ کی بلندی پر سبز پرچم لہراتا تھا،

---

[1] عکسی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، باب سی وسوم، اورنیٹل کالج میگزین لاہور اگست ۱۹۳۸ء سے بھی مدد لی گئی،

اُس کی اونچائی چالیس گز تھی، اور اس کا گنبد بھی چالیس گز اونچا تھا، اُس پر ایک بہت بلند پرچم لہراتا رہتا، اور جب تک یہ پرچم سرنگوں نہ کیا جاتا، وہاں کے باشندے اپنی شکست تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتے محمد بن قاسم نے اپنے منجنیق کے نگراں جعوبہ کو سنگ باری کر کے اس پرچم کو سرنگوں کرنے کا حکم دیا، جعوبہ نے کہا کہ منجنیق کو اگر دو گز کاٹ کر چھوٹا کر دیا جائے تو پرچم کو سرنگوں کرنا کوئی مشکل بات نہیں، محمد بن قاسم کو خیال ہوا کہ کہیں اس طرح منجنیق بیکار نہ ہو جائے، لیکن جعوبہ نے یقین دلایا کہ اگر اس طرح پرچم سرنگوں نہ ہوا تو میرے ہاتھ قلم کر دیئے جائیں، محمد بن قاسم نے جعوبہ کی یہ رائے حجاج کو لکھ بھیجی، نویں دن جواب آیا اور حجاج نے اجازت دی تو العروس نامی منجنیق کو چھوٹا کر کے سنگ باری کی گئی، اور خاطر خواہ نتیجہ حاصل ہوا[1]،

منجنیق اور عرادہ (جو منجنیق ہی کی ایک قسم تھی) کا استعمال سلاطین دہلی کے زمانہ میں برابر رہا[2]، قلعۂ چتوڑ کے محاصرہ میں علاء الدین نے منجنیق کا استعمال کیا، اور جب اُس نے ملک نائب کو ارنگل کی فتح کے لئے بھیجا تو اہل ارنگل نے قلعہ میں بند ہو کر جنگ کی، ملک نائب نے قلعہ پر منجنیق ہی کے ذریعہ سنگ اندازی کی، اس وقت پتھر کے بڑے بڑے گولے ہوا میں اڑتے نظر آتے تھے[3]، اور ایک سو ہاتھ کی چوڑی دیوار ان ہی گولوں سے توڑی گئی، علاء الدین کو منجنیق کی افادیت پر کچھ ایسا بھروسہ تھا کہ مغلوں کے حملوں کے زمانہ میں اُس نے ہوشیار کاریگروں سے منجنیق اور عرادے بنوا کر محفوظ کر لئے تھے[4]، سلطان محمد تغلق نے بھی قلعۂ نگر کوٹ کے محاصرہ میں منجنیق استعمال کی تھی[5]، میدان جنگ میں اس کے ذریعہ غنیم پر بھاری بھاری پتھر اور لوہے کے گولے اور آتشیں مادے، اور سانپ بچھو وغیرہ بھی پھینکے جا سکتے تھے، اور محاصرہ میں اُس کے ذریعہ قلعہ کی دیوار میں شگاف کر دیا جاتا تھا، اُس سے قلعہ کی دیوار کی بنیاد

---

[1] چچ نامہ ص ۱۰۰-۱۰۴ [2] دیکھو برنی ص ۳۰۲، ۴۴۶، عفیف ص ۱۵۰، سفرنامۂ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۳۹، ۱۰۳ وغیرہ [3] خزائن الفتوح ص ۹ [4] برنی ص ۳۰۲ [5] قصائد بدر چاچ ص ۲۸، نولکشور پریس،

کھوکھلی بھی کی جاتی تھی،

منجنیق اور عرادہ کے علاوہ چرخ، کمان رعدبان، حقۂ آتش کے ذریعہ آتشیں مادہ پھینک کے غنیم میں سراسیمگی پھیلائی جاتی،

پاشیب محمد بن قاسم کے حکم سے سندھ کے راجہ داہر کے ہاتھی پر روغن نفط پھینکا گیا تو ہاتھی اس کی جلن کی تاب نہ لاسکا، اور بھاگ نکلا، اور جب عربوں نے اس کو ایک قلعہ میں پھینکا تو چند باغی عرب جو راجہ سے مل گئے تھے، وہ اس کو گل کر دیا کرتے تھے، سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۸ھ میں جاٹوں کے خلاف جنگ کی، تو روغن نفط کے ذریعہ اُن کی کشتیاں جلادیں، (زین الاخبار ص ۸۸) اور جب یہ تدبیریں کارگر نہ ہوتیں تو پاشیب بنا کر قلعہ کے اندر گھسنے کی کوشش کی جاتی، یہ اس طرح بنایا جاتا کہ مٹی کے بورے نیچے اوپر اس طرح رکھدیئے جاتے کہ یہ ایک چوڑا راستہ یا تودہ بن کر حصار اور قلعہ کی دیوار سے کچھ نیچے یا اس کی سطح کے برابر ہو جاتا، بعض اوقات یہ اتنا چوڑا بنایا جاتا کہ اس پر سو آدمی ایک صف میں آسانی سے گذر سکتے تھے، یہ کچھ ڈھلواں بھی ہوتا کہ لشکری منجنیق لے کر اوپر چڑھ سکیں[1]، اور اس پر سے منجنیق کے ذریعہ سنگ اندازی بھی کی جاتی تھی،

گرگج پاشیب کھلا رہنے کی وجہ سے محصورین کی زد سے محفوظ نہیں رہتا[2]، اس لئے بعض اوقات پاشیب چھوڑ کر گرگج سے قلعہ شکنی کی جاتی، گرگج، پتھر، مٹی، یا لکڑی کا ایک متحرک مینارہ ہوتا تھا، اس کی اونچائی قلعہ یا فصیل کی دیواروں کی سطح سے زیادہ ہوتی تھی، اس پر سے لشکری منجنیق اور دوسرے آلات کے ذریعہ قلعہ کے اندر تاک تاک کر نشانے لگاتے تھے، اس پر چڑھ کر قلعہ کے اندر کی چیزیں بھی معلوم کی جاسکتی تھیں، لیکن یہ اس قدر وزنی ہوتا کہ آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ

---

[1] خزائن الفتوح ص ۹۹ [2] برنی ص ۲۷۷،

حرکت نہیں کرتا تھا، اسی لئے محصورین کی زد میں آسانی سے آجاتا،[۵۱] گرگج کے ساتھ ایک متحرک پل بھی منسلک رہتا، تاکہ ضرورت کے وقت محصورین کی نظر بچا کر گرگج کو اس متحرک پل کے ذریعہ قلعہ کی دیوار سے ملا دیا جائے، اور لشکری قلعہ کے اندر گھس جائیں،

ساباط لیکن پاشیب اور گرگج سے زیادہ مفید اور محفوظ چیز ساباط ہوا کرتی تھی، یہ ایک مسقف گلی یا ڈھکی ہوئی سڑک ہوتی تھی، دو طرف دیوار بنا کر اس کے اوپر ایک چھت ڈال دی جاتی جو اس قدر مضبوط ہوتی کہ محصورین کے حربی آلات کی زد سے محفوظ رہتی، گلی یا سڑک اتنی چوڑی بنائی جاتی کہ ایک ساتھ دس سوار آسانی سے گذر سکتے تھے، اور چھت اتنی اونچی ہوتی کہ ہاتھی پر بیٹھ کر ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے لشکری آجا سکتے تھے، اس کی بنیاد پہلے تو محصورین کی زد سے دور ڈالی جاتی، اور پھر چھت اور دونوں دیواریں قلعہ کی طرف بڑھتی چلی جاتیں، غنیم کی زد سے بچانے کی خاطر اس کے معماروں کو سپر اور ڈھال سے محفوظ رکھا جاتا، پھر بھی معمار زخمی ہو کر ہلاک ہوتے، لیکن اور لشکری اس کی تعمیر جاری رکھتے، یہاں تک کہ وہ قلعہ کی دیوار تک اس کو بنا لیجاتے، پھر اس کے اندر محفوظ ہو کر لشکری یا تو سرنگ کھودتے، یا قلعہ کی دیوار پر یورش کرتے،[۵۲] جس کو اگر توڑ لیتے تو پھر اندر گھس کر معرکہ آرا ہو جاتے،

ہاتھی سے قلعہ شکنی قلعہ کی دیوار توڑنے میں ہاتھی کو بھی استعمال کیا جاتا،[۵۳] ان کی سونڈوں میں بھاری بھاری پتھر اور لوہے کے گولے دیدیئے جاتے، جن سے وہ قلعہ کی دیوار اور دروازے پر ضرب لگاتے،

سرنگ یا پھر سرنگ کھود کر قلعہ کی دیواروں کو بارود سے پاش پاش کرنے کی کوشش کی جاتی،

---

[۵۱] برنی ص ۲۷۰، [۵۲] طبقات اکبری جلد دوم ص ۱۷ - ۲۱۶،

[۵۳] خزائن الفتوح، ص ۱۳،

نار دین کی جنگ کے موقع پر نندانہ کے قلعہ کی تسخیر کے سلسلہ میں محمود غزنوی نے نیچے سے سرنگیں کھدوائیں اور اوپر سے تیروں کی بارش کرائی جس سے گھبرا کر محصورین نے سپر ڈال دی،[۱]

علاء الدین کی فوجوں نے ارنگل اور تلنگ کے محاصروں میں سرنگ کھود کر قلعہ کی دیواروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی،[۲] اسی طرح محمد تغلق کے عہد میں تاج الملک نصرت خاں نے تلنگانہ میں بغاوت کی، تو شاہی فوج نے قتلو خاں کی رہنمائی میں بدر کوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور اس کو سرنگ سے اڑا دینے کی سعی کی، تیمور نے میرٹھ اور بھٹنیر کے قلعوں کو سرنگ ہی کھدوا کر تسخیر کیا[۳] لیکن سرنگ سے زیادہ تر وہی قلعے تسخیر ہوتے جو مٹی سے بنائے جاتے، سرنگ کھود کر لکڑی کے کندے یا بڑی بڑی شہتیریں گڈھوں میں بھر دی جاتیں اور اُن میں گھاس، بھوسے، بھر کر بارود چھڑک دی جاتی، اور اس میں آگ لگا دی جاتی، بارود سے دیواریں پھٹ کر زمین دوز ہو جاتیں،

کمند اور نردبان اگر یہ ساری تدبیریں کارگر نہ ہوتیں تو پھر جانباز اور سرفروش لشکری کمند اور نردبان سے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتے، برنی نے لکھا ہے کہ ورنگل کے محاصرہ میں علاء الدین کے لشکر کے بعض سپاہی حصار کے اوپر نردبان اور کمند کے ذریعہ پرندوں کی طرح اچکتے اور پھدکتے چڑھ گئے تھے، اور محصورین سے تیغ، نیزہ، ناچخ اور چقمار سے لڑنے لگے تھے،[۴]

عبور خندق قلعہ کے چاروں طرف عموماً بڑی چوڑی اور گہری کھائی ہوتی جس میں پانی بھرا ہوتا تاکہ غنیم قلعہ کی دیوار تک نہ آسکیں، لیکن محاصرہ کرنے والے اُن کو ریت کی بوریوں سے بھر کر قلعہ پر یورش کرتے، راناہمیر کے پایۂ تخت رنتھنبور کے قلعہ کے چاروں طرف کھائی تھی، علاء الدین کی فوج اُس کو ریت اور پتھر سے بھر کر قلعہ کی دیوار تک پہونچی،[۵] یہی کارروائی ورنگل کے محاصرہ میں کی گئی، اس کی

---

[۱] زین الاخبار از گردیزی ص ۲، [۲] ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۷، [۳] ظفر نامۂ جلد دوم ص ۱۳۰، ۱۰۷،

[۴] برنی ص ۳۲۹ [۵] ایضاً

کھائی کو ریت اور پتھر سے بھرتے وقت غنیم کے حملوں کو روکنے کے لئے بڑے بڑے درختوں کے تنے آگے ڈال کر باڑ بنا دی گئی تھی تاکہ وہ اچانک حملہ کرکے ساری محنت رائگاں نہ کردیں،

ناکہ بندی | محاصرہ کرنے والے پوری ناکہ بندی بھی کردیتے، تاکہ کہیں سے محصورین کو رسد نہ پہنچے، رسد کی کمی پڑ جاتی، تو محصورین اپنی شکست تسلیم کرلیتے،

فریب دہی | محصورین کو فریب اور دھوکے دے کر بھی ان کو سپر ڈالنے پر مجبور کیا جاتا، مثلاً یہ ظاہر کیا جاتا کہ تازہ کمک کی آمد برابر جاری ہے، محمد تغلق عین الملک کی بغاوت فرو کرنے گیا، تو دارالسلطنت سے اگر سو لشکری آتے، تو وہ ہزار لشکری کو ان کے استقبال کے لئے بھیج دیتا تھا، اور وہ کل گیارہ سو ہو کر سلطان کے کیمپ میں داخل ہوتے تھے، تاکہ غنیم کو ان کی تعداد بہت معلوم ہو[1]، یا کبھی رات کو تھوڑی سی فوج پیچھے بھیج دی جاتی، اور وہ صبح کو طبل بجاتی، اور پرچم لہراتی ہوئی نمودار ہوتی، جس سے محصورین کو یہ معلوم ہوتا کہ تازہ فوجیں روزانہ پہونچ رہی ہیں، یا کبھی محصورین کو رشوت دیکر ہتھیار ڈال دینے کو ورغلایا جاتا، کبھی .. محصورین کے بعض اعلیٰ عہدیداروں کے نام جعلی خطوط اندر پھینک دیئے جاتے، تاکہ محصورین کو یہ شک پیدا ہوجائے کہ ان کے افسر محاصرین سے مل گئے ہیں، یا کبھی غلط افواہیں پھیلا دیجاتیں تاکہ محصورین سراسیمہ یا غافل ہوجائیں، یا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ محصورین کو خبر دیجاتی کہ محاصرین نے راہِ فرار اختیار کرلی ہے تو وہ قلعہ سے باہر نکل آتے لیکن محاصرین کچھ دور آگے جاکے پلٹ آتے، اور کھلی جنگ کرکے غنیم کو پسپا کرتے، سلطان فیروز شاہ تغلق لکھنوتی کی مہم پر گیا، تو سلطان شمس الدین پنڈوہ چھوڑ کر اکدالہ کے حصار میں جاکر پناہ گزیں ہوگیا، ایک عرصہ تک فریقین میں جھڑپیں ہوتی رہیں، لیکن کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوا، فیروز شاہ نے اپنی فوج کو مراجعت کرنے کا بظاہر حکم دیا، اور قلندروں کے ذریعہ افواہ پھیلائی کہ وہ پسپا ہوکر بھاگ رہا ہے، یہ معلوم کرکے سلطان

سلہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۸۰،

شمس الدین اکدالہ سے باہر نکل آیا، اور سلطان فیروز تغلق کے تعاقب میں روانہ ہوگیا، لیکن وہ جب کافی آگے بڑھ چکا تو فیروز شاہ نے پلٹ کر اس کا مقابلہ کیا، اور شکست فاش دی،[1]

محاصرہ کرنے والی فوج بھی اپنی محافظت میں اپنے چاروں طرف کٹگھرہ بنوالیتی، اور خندق کھودوالیتی، تاکہ غنیم کے اچانک حملے سے وہ محفوظ رہے،[2]

محصورین کو مدافعت کی جنگ میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی، اُن کی ایک لمبی فہرست آداب الحرب کے مؤلف نے دی ہے، ہم ذیل میں علٰحدہ علٰحدہ عنوانات کے ساتھ اُن کو درج کرتے ہیں،[3]

محصورین کے لباس جوشن، خود، خفتان، بغلطاق، اور برگستوان، انگشتانے، اُن کی ضرورت اس وقت ہوتی جب کہ محاصرین قلعہ کے اندر گھس کر روبرو جنگ کرتے،

محصورین کے آلاتِ حرب تیر کلک، تیر ناوک، تیر عذرک، تیر ملخک، تیر جوال دوز، تیر دانگ سنگ، و نیم دانگ سنگ، کمان زنبورک، نیم چرخ، چرخ، کشکنجیر منجنیق، عرادہ گرداں، عرادۂ خفتہ منجنیق کے گولے، سنگ دست اور سنگ فلاخن، دیوارکن (سابل) گائے بھینس کا چمڑا، اور زنجیریں جن کے سرے پر کانٹا یا آنکڑا لگا ہو، تاکہ لکڑی اور سرکنڈے کے گٹھے ان میں باندھ سکیں اور خرک پر ڈال دیں تاکہ خرک اور خرک کے آدمی جل جائیں، ریت اور پتھر کے بورے، بھاری سلیں، وزنی پتھر اور چکی کے پاٹ، لوہے کی وزنی منجنیق تاکہ غنیم پر پھینک کر اُن کو مجروح کریں، کمان کی تانت کے واسطے گائے کے پٹھے، گینڈے کی ڈھالیں (سپر کرگ) سپر شوشک منجنیق کی رسیاں، پتھر لادنے کے واسطے ٹوکرے، جلتے تیل کے واسطے لوہے کے کفگیر تاکہ محاصرین پر تیل گرایا جائے،

محصورین کے باجے طبل، علم، نقارہ، ترم (بوق) جھانجھ، ان کے ساتھ کاسہ زن (نقارچی) طبل باز، ڈھولکیا، چوبک زن (ڈنکا لگانے والا) اور دوسرے قسم کے ساز ندے، اور مطرب کہ بہترحوہی

---

[1] عفیف ۱۲۰-۱۱۰ [2] ایضاً ص ۱۱۱ [3] تفصیل کے لئے دیکھو عکسی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ باب سی وسوم تیر اور نٹیل کالج میگزین لاہور،

کے واسطے گاتے رہیں،

متفرقات | اینٹیں تاکہ دیوار میں شگاف پڑ جائے تو مرمت ہو سکے، شہتیر وغیرہ،

ضروریاتِ زندگی | آٹا، گیہوں، جو، لکڑی، گوشت، سکھایا ہوا گوشت، کھٹائی، شیرینی، ٹھنڈائی، اچار، ادویہ، چراغ کا تیل، پلیتہ، مشعل، دیوٹ، ایندھن

کاریگر اور دوسرے اشخاص | مؤذن، طبیب، منجم، باورچی، کمان بنانے والا، تیرگر، کمان گر، بڑھئی، زرہ ساز، زین ساز، لوہار، چیلا مگر (چاقو قینچی بنانے والا)، صیقل گر، جراح، حجام، درزی، دھنیا، جولاہا، بوزہ فروش، کمہار، دھوبی، نعل بند، نمدگر، غسال، گورکن، حلال خور وغیرہ۔

مفید ہدایتیں | محصورین کو جو جنگی ہدایتیں دی جاتی تھیں، آداب الحرب کے مؤلف نے اُن کو بھی قلمبند کیا ہے، جو حسب ذیل ہیں،

(۱) غنیم حصار کے قریب آئے تو اُن کے ساتھ سخت کلامی، یا بیہودہ گفتگو نہ کی جائے (۲) قلعہ خواہ کتنا ہی ناقابلِ تسخیر ہو، نگرانی پوری رکھی جائے (۳) محصورین رات جاگ کر کاٹیں، (۴) فصیل اور شگافوں کی خبر رکھیں (۵) دربانوں پر بھروسہ نہ کریں (۶) رات کے وقت قلعہ کی کنجیاں دربانوں سے لے لی جائیں (۷) ہر رات کو پہرہ داروں کو ایک برج سے دوسرے برج میں بدلتے رہیں، تاکہ وہ محاصرین سے سازباز نہ کر سکیں (۸) دشمن کو دیوار کھودنے اور نقب لگانے کا موقع نہ دیا جائے (۹) قلعہ کا نگرانِ اعلیٰ رات میں کئی بار قلعہ کے دروازوں کو جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھے (۱۰) نگرانِ اعلیٰ دربانوں، سپاہیوں، اور پہرہ داروں سے مہربانی سے پیش آئے اور انعام واکرام کی امیدیں دلاتا رہے (۱۱) منجنیق اور عرادہ اندازوں کو خلعت اور صلہ دیتا رہے (۱۲) ناوک وغیرہ فضول مصرف میں ضائع نہ ہونے دیا جائے (۱۳) اہلِ قلعہ میں سے کوئی باہر والوں کو تیر و ناوک سے ہلاک کر دے، تو اس کو خلعت و انعام دیا جائے (۱۴) اگر دروازہ پر لڑائی ہو تو کوئی فصیل و خندق سے

باہر نہ جائے، اور دروازہ خالی نہ چھوڑا جائے (۱۵) دروازہ پر لڑائی کے دن جانباز اور بہادر سپاہی مقرر کئے جائیں، اور ان کو ہر طرح کا ہتھیار یعنی تیرو کمان، نیزہ، نیم نیزہ، ژوپین، پیلکش، گرز، سپر، تیغ وغیرہ سے مسلح کیا جائے (۱۶) تیر اندازوں، ناوک اندازوں، اور نفط اندازوں کو ہمیشہ قلعہ کے دروازے پر مستعد رکھا جائے،

محصورین کی دفاعی جنگ محصورین مدافعت کی پوری تیاری کر لیتے، تو محاصرین کو اپنی جنگی تدبیروں سے عاجز کر دیتے، اُن کے پاشیب، گرگج، اور ساباط کو قلعہ کے اندر سے سنگ اندازی کر کے مسمار کرتے رہتے، علاء الدین کی فوج نے ورنگل کا محاصرہ کیا، تو محاصرین کی منجنیق کا جواب محصورین عرادے سے دیتے، اور اُن کے حملے اتنے سخت ہوتے کہ علائی لشکر پاشیب بنانے میں ناکام رہتے[۱] علاء الدین کے لشکر نے رنتھنبور کے محاصرہ میں پاشیب اور گرگج بنائے تو محصورین نے سنگ مغربی کی زد سے دونوں کو مسمار کر دیا، وہ اوپر سے آتش باری بھی کرتے جس سے محاصرین سراسیمہ رہتے[۲]، محصورین تیر آتشیں پھینک پھینک کر بھی محاصرین کے کیمپ میں آگ لگانے کی کوشش کرتے، نفط اور بان کے ذریعہ بھی آگ برساتے، کبھی وہ تھوڑی تعداد میں نکل کر محاصرین سے جھڑپیں کر کے واپس جاتے، اس طرح دونوں کو اپنی اپنی قوت کا اندازہ ہو جاتا، فیروز شاہ نے لکھنوتی کی مہم میں اکدالہ کا محاصرہ کیا، تو محصورین برابر باہر نکل کر چھیڑ چھاڑ کرتے، اور اندر چلے جاتے[۳]،

توپ سے قلعہ شکنی توپوں کی ایجاد کے بعد ان سے بھی قلعہ شکنی میں مدد ملنے لگی، پہلے ذکر آچکا ہے کہ گجرات کے محمود بیگڑہ نے چانپانیر کے مشہور ناقابلِ تسخیر قلعہ کی دیواریں اپنی توپوں ہی سے توڑیں[۴]، گجرات ہی کے بہادر شاہ نے چتوڑ پر حملہ کیا، تو اُس کے مستحکم قلعہ میں اپنی توپوں سے قلعہ کی دیوار میں اتنے رخنے پیدا

---

[۱] خزائن الفتوح ص ۱۰۲ - ۹۹ [۲] برنی ص ۲۷۰، [۳] عفیف ص ۱۱۳ - ۱۱۵،

[۴] فرشتہ جلد دوم ص ۲۰۲،

کردیئے کہ قلعہ والے عاجز آکر سپر ڈالنے پر مجبور ہو گئے،[51] ہمایوں نے چانپانیر کے قلعہ کے دروازہ کو توپوں ہی سے مسمار کیا،[52]

اکبر نے رنتھنبور کے قلعہ میں توپوں ہی سے رخنے پیدا کئے، یہ مستحکم قلعہ رن پہاڑی پر واقع تھا، اسلئے جوشن پوش کہلاتا، اور اس کے مقابلے میں دوسرے قلعے برہنہ کہلاتے، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ اتنا بلند تھا کہ خیال کا منجنیق بھی اس کو مسمار نہیں کر سکتا تھا، لیکن اکبر نے اس کے چاروں طرف مورچل لگائے، اور قلعہ کے تمام راستے بند کر دیے، پھر راجہ ٹوڈرمل کی نگرانی میں پہاڑی ہی پر سنگ تراشوں، لوہاروں، اور بڑھیوں نے ساباط تعمیر کئے، جس کی بلندی قلعہ کے برابر تھی، پھر بڑی بڑی توپیں (ضرب زن) پہاڑی پر چڑھائی گئیں، اور مورچل میں سے قلعہ پر گولہ اندازی کی گئی، ابوالفضل کا بیان ہے کہ گولوں کی آواز سے پہاڑی گونج اٹھی، اور ہر ضرب سے قلعہ کی دیواریں رخنے ہوتے تھے، (اکبرنامہ جلد دوم ص ۳۰۰)

پہاڑ پر ساٹھ ساٹھ من کی توپیں چڑھائی گئیں، ایک ایک توپ کو دو دو سو میل تک سات سات آٹھ آٹھ سو کہاروں نے کھینچا، اور ان پہاڑوں کی چوٹیوں اور دھاروں پر مورچل جمائے گئے، جہاں چونٹیوں کے پاؤں پھسلتے تھے، (امرائے ہنود ص ۲۵۲)

۱۶۵۷ء میں اورنگ زیب نے عادل شاہی حکمراں سے لڑ کر بیدر کے قلعہ کو جس طرح اپنی توپوں سے مسمار کرایا ہے، وہ اس کی سپہگری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، بیدر کا حصار نا قابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا، یہ شہر سمندر کی سطح سے ۲۳۳۰ فٹ اونچائی پر واقع تھا، اُس کے قلعہ کا دور ۴۵۰۰ گز تھا، اور اس کی اونچائی ۱۲ گز تھی، اس کے چاروں طرف خندقیں تھیں، جو ۲۵ گز سے کم چوڑی نہ تھیں، اس کے میناروں اور فصیلوں پر بڑی بڑی توپیں رکھی رہتی تھیں، بعض توپ ۲۳ فٹ لمبی تھی، اور اس کا دہانہ ۱۹ -۱ انچ تھا، اس کے نگراں سیدی مرجان نے تیس سال تک اس کو تمام حملوں سے محفوظ رکھا

---

[51] مرآۃ احمدی ص ۲۳۳، [52] مرآۃ سکندری ص ۲۵۱،

تھا، شاہجہاں کے حکم سے اس کا محاصرہ اورنگ زیب کی قیادت میں کیا گیا، جس کے ساتھ میر جملہ اور مراد بھی تھے، محاصرین نے قلعہ کے پاس پہونچ کر خندق کے ذریعہ کھائی تک پہونچنے کی کوشش کی، لیکن محصورین نے اتنے گولے برسائے کہ مغل فوج سراسیمہ ہوگئی، مگر اورنگ زیب اور میر جملہ کی جرأت مندانہ رہنمائی میں اُن کی ہمت پست نہیں ہوئی، اور وہ کھائی تک بالآخر پہونچے اور اس کو بھرنا شروع کر دیا، سیدی مرجان حصار سے باہر نکل کر مغلوں کی پیشقدمی کو روکنے کی خاطر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی لڑتا رہا، لیکن مغل بڑھتے گئے، اور پھر میر جملہ نے اپنی توپوں سے اتنی گولہ باری کرائی کہ دو مینارے منہدم ہوگئے، اور بعض حصوں کی فصیل کی دیواریں زمین دوز ہوگئیں، اسی اثنار میں کھائی بھی بھری جا چکی تھی، پھر تو مراد جانباز لشکریوں کو لے کر آگے بڑھا، اور نردبان لگا کر فصیل کے اوپر چڑھ گیا، سیدی مرجان یورش کو روکنے کے لئے آگے بڑھا، لیکن یکایک کچھ گولے سیدی مرجان کے بارود خانہ پر آکر گرے، اور ایسا دھماکا ہوا کہ . . . وہ اپنے لڑکوں اور ہمراہیوں کے ساتھ بری طرح زخمی ہوگیا، یہ پسپائی دیکھ کر اورنگ زیب نے فتح و کامرانی کے نقارے بجوا دیئے، یہ محاصرہ ۲۰ دن تک جاری رہا، اورنگ زیب بہت ہی فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ یہ ناقابلِ تسخیر قلعہ ایک سال میں بھی نہیں لیا جا سکتا تھا، لیکن اُس نے اس کو آسانی سے زیر نگیں کر لیا، بیدر کو کھو کر عادل شاہیوں نے ہمت نہیں ہاری، اور انھوں نے مغلوں سے جنگ جاری رکھی، باضابطہ اور بے ضابطہ جنگ کرنے کے بعد انھوں نے قلعہ کلیانی میں محصور ہو کر اُن سے لڑنا شروع کیا، میر جملہ کی سرکردگی میں اس قلعہ کا بھی محاصرہ کیا گیا، اس کے بھی اردگرد گہری اور چوڑی کھائیاں تھیں، میر جملہ نے ان گھاٹیوں کو بھرنے کی . . . کوشش کی، تو محصورین کی آتش باری سے اس کو کامیابی نہیں ہوئی، محصورین کی کچھ فوج مغل کیمپ پر چھپ چھپ کر بھی چھاپہ مارتی، اور رعد اندازی سے اُن کو پریشان کرتی رہی، انھوں نے مغلوں کی رسد پہونچنے کے تمام ناکے بھی بند کر دیئے، اور رسد پہونچی بھی تو سخت

کشت و خون کے بعد، تیس ہزار دکینوں نے قلعہ سے باہر چار میل کے فاصلہ پر بھی ایک محاذ جنگ اور کھول دیا، اورنگ زیب اس محاذ پر بھی لڑتا رہا، میر جملہ نے خاردار جھاڑیوں سے کھائی کے ۳/۴ حصے کو پاٹ ڈالا، لیکن محصورین نے بارود اور نفط پھینک کر ان جھاڑیوں کو جلا کر راکھ کر دیا تو میر جملہ کو از سر نو مٹی اور پتھر سے کھائی کو بھرنا پڑا، لیکن اس میں بڑی دیر لگی، اور جب تقریباً تین مہینے کے بعد یہ کھائی بھر گئی، تو مغلوں نے توپوں سے گولہ باری کر کے فصیل توڑ دی، اور وہ ایک برج پر چڑھ گئے، لیکن محصورین نے اس بُرج کے پیچھے ایک اور حصار بنا لیا تھا، اور اُس کی آڑ میں رعد، تیر اور بندوقوں سے حملہ آوروں سے لڑنے لگے، اور بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، بیجا پوری حصار پر سے گولے، نفط آلود چادریں اور جلتی ہوئی گھاس کے تودے اُن پر پھینکتے رہے، پھر بھی اورنگ زیب کے لشکر نے ہمت نہیں ہاری، اور برابر مقابلے کرتا رہا، یہاں تک محصورین نے سپر ڈال دی۔[1]

ہاتھی سے قلعہ شکنی

لیکن ہر قلعہ کی دیواریں توپوں کے ذریعہ سے توڑی نہیں جا سکتی تھیں، اس لئے قلعہ شکنی کی اور تدبیریں بھی اختیار کی جاتی تھیں، مثلاً شاہجہانی عہد ہی میں پرینده کے قلعہ کے محاصرہ میں اس کی دیوار ہاتھیوں کے ذریعہ سے توڑی گئی[2]، وہ بڑے بڑے پتھر اور گولے قلعہ کے دروازے اور دیواروں پر پھینک کر اُن کو مجروح کرتے تھے،

سرکوب و مقابل کوب

اور جب قلعہ شکنی میں تاخیر ہوتی تو تیموری سلاطین بھی دہلی سلاطین کے طریقے پر طرح طرح کی تدبیریں کرتے، اس دور میں گرگچ کی اصطلاح نہیں ملتی، لیکن سرکوب کی اصطلاح بہت ملتی ہے، سرکوب اور گرگچ دونوں ایک ہی چیز ہیں، صرف اصطلاح کا فرق ہے، سرکوب اور مقابل کوب کی اصطلاحیں بھی بظاہر ایک ہی ہیں، شیر خان نے جب چنار میں محصور ہو کر ہمایوں سے جنگ کی تو رومی خان کشتیوں پر کشتیوں کا ایک مقابل کوب بنا کر قلعہ چنار پر گولہ باری کی، اور اسکو فتح کیا، دریا میں یہ مقابل کوب کس طرح بنایا گیا اسکی تفصیل

---

[1] بساتین السلاطین ص ۳۶۵، اورنگ زیب جدو ناتھ سرکار جلد ا ص ۲۶۰، ۲۷۶-۲۷۷، ماثر الامراء جلد اول ص ۲۰۱،
[2] شاہجہاں نامہ ج ا: ص ۳۵۷

طبقاتِ اکبری کے مؤلف نے اس طرح بتائی ہے،

"رومی خاں نے قلعہ کے اطراف کو دیکھا تو معلوم کیا کہ خشکی کی طرف سے قلعہ بہت ہی مستحکم ہے، اس جانب سے قلعہ کی تسخیر کی تدبیر نہیں کی جا سکتی، اس لئے دریا کی جانب ایک بڑی کشتی بنائی اور اُس کے اوپر مقابل کوب بنانا شروع کیا، اور جب مقابل کوب اونچا ہوا، اور ایک کشتی اس کا بار سنبھال نہ سکی، تو ایک اور کشتی ایک طرف اور دوسری کشتی دوسری طرف سے لاکر پہلی کشتی سے باندھ دیا، اور مقابل کوب کو دوسری بار اونچا کیا، اور اسی طریقہ سے جب کشتی بار برداشت کرنے کے لائق نہ ہوتی تو دوسری کشتی سے مدد پہونچائی جاتی، یہاں تک کہ قلعہ کا سرکوب تیار ہو کر مقابل کوب قلعہ کے متصل ہو گیا، اور قلعہ فتح ہو گیا"،

(طبقاتِ اکبری جلد دوم ص ۱۸۱)

گرگج تو متحرک بھی ہوتا لیکن سرکوب زیادہ ترساکن ہی ہوتا، اکبر نے ۹۷۶ھ میں رنتھنبور کے قلعہ کا محاصرہ کیا، تو مدن پہاڑی پر سرکوب بنایا، فرشتہ لکھتا ہے:

"شاہی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کر کے آمد و رفت کا راستہ بند کر دیا، اور شاہی حکم کے موافق کوہ مدن پر جو قلعہ سے قریب تھا، سرکوب تیار کیا، اور پہاڑ پر توپ اور ضرب زن لے گئے، حالانکہ اس سے پہلے پہاڑ کی بلندی کی وجہ سے کوئی بادشاہ اس پر توپ نہ لے جا سکا تھا، ہر توپ کے سر ہونے سے بہت سے مکانات خراب اور تباہ ہو جاتے، سورجن نے عاجز ہو کر امان چاہی اور اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر نکل گیا،

(فرشتہ جلد اوّل ص ۲۵۸)

اکبری دور میں سرکوب کی تعمیر کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، ۳۱ ویں سالِ جلوس میں اکبر کی فوج کشمیر کی تسخیر کے سلسلہ میں گئی تو وہاں بھی سرکوب بنا کر اس پر سے بندوق چلائی گئی اور پتھر

پھینکے گئے[۱]، اور ۲۷ ویں سال جلوس میں اکبری فوج جوناگڈھ کے قلعہ کے لئے بھیجی گئی، تو وہاں ایک پہاڑی پر سرکوب بنا کر اس پر سے دیگ اندازی کی گئی[۲]،

سیبہ | یہ بھی سرکوب ہی کی طرح بلند مینارہ ہوا کرتا تھا، جہاں سے محصورین پر گولہ باری اور سنگ اندازی کی جاتی تھی، یہ درختوں کے تنے سے بنایا جاتا، جن کی تہ میں مٹی بھردی جاتی، اور یہ کئی منزلوں کا ہوتا، چتور کے محاصرہ میں اکبر نے ساباط کے ساتھ سیبہ بھی بنوایا، پھر داراشکوہ نے قندھار کے محاصرہ میں اسی سے گولہ باری کی، عالمگیری عہد میں آسام کی مہم میں میر جملہ نے "سیبہا" ہی پر سے سیلا گڈھ کے قلعہ پر گولہ اندازی کی[۳]،

دمدمہ | یہ ایک بلند چبوترہ ہوتا جو لکڑیوں کو اوپر نیچے رکھ کر بنایا جاتا، جو ت میں پتھر اور مٹی بھردی جاتی، یہ اتنا اونچا تعمیر ہوتا کہ قلعہ کی دیوار سے بلند ہو جاتا، اس پر سے گولہ باری اور سنگ اندازی کی جاتی، خافی خاں کا بیان ہے کہ شاہجہانی عہد میں قلعہ قندھار کی تسخیر میں ایک دمدمہ ایک لاکھ روپیہ کے خرچ سے بنا، اس کی اونچائی ۲۰ درعہ اور لمبائی ۵ ، درعہ تھی، اور اس کے اوپر سے دس توپیں قلعہ پر گولہ باری کرتی تھیں، وہاں اور بھی چھوٹے چھوٹے دمدمے بنائے گئے تھے، جہاں سے ہوائی توپ اور بان سے آتش باری کی جاتی تھی[۴]،

ٹیلہ | ٹیلہ غالباً دمدمہ ہی سے ملتی جلتی چیز تھی، اکبر کے سترہویں سال جلوس میں سورت کے قلعہ کا محاصرہ کیا گیا، تو ابوالفضل لکھتا ہے کہ شاہی فوج نے دو خندق کھودنا شروع کیا، اور خندق کھودتے ہوئے قلعہ کی دیوار تک پہونچ گئے، اور دیوار توڑنا شروع کیا، اور اسی کے اردگرد ٹیلے (تلہا) بھی بنائے جن پر سے دیگ اندازوں نے محصورین پر آتش باری کی[۵]،

---

[۱] اکبرنامہ جلد سوم ص ۵۰۶ - [۲] ایضاً ص ۶۲۰ [۳] عالمگیرنامہ ص ۷۰۶، [۴] منتخب اللباب ص ۷۲۰، ذکر ۱۰۶۳ھ [۵] اکبرنامہ جلد سوم ص ۲۸،

شاطور | منتخب التواریخ میں ہے کہ اسلام خاں سوری کی فوج لاہور کی طرف بڑھی تو دوسری طرف خواص خاں نے پیشقدمی کر کے قلعہ لاہور پر قبضہ کرنا چاہا، لیکن اہل لاہور نے اس کو روکنے کے لئے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، خواص خاں نے وہیں کے سفید ار اور چنار کے درختوں سے شاطور اور زینے بنا کر قلعہ شکنی کی کوشش کی، یہ اصطلاح کہیں اور نظر سے نہیں گزری، منتخب التواریخ کے مترجم جارج رینکنگ کا خیال ہے کہ یہ کوئی چھت دار ہلکا پھلکا گھر یا جھوپڑا ہوتا تھا، جو لکڑیوں سے بنا لیا جاتا تھا، اور لشکری اٹھا کر ادھر سے ادھر لے جاتے تھے، اُس کی اونچائی آٹھ فٹ ہوتی تھی، اس میں چھپ کر لشکری قلعہ تک پہونچتے تھے، اور زینے سے قلعہ کی دیوار پر چڑھ جانے کی کوشش کرتے تھے، یہ رومیوں کے یہاں قلعہ شکنی میں استعمال ہوا کرتا تھا[1]،

مورچل، مورچال، ملجار | محاصرہ کے سلسلہ میں مورچل، مورچال، اور ملجار کا ذکر بہت آتا ہے (طبقات اکبری جلد دوم ص ۸) میں بابر کے ذکر میں ہے،

" روز دیگر در حوالی قلعۂ ملوت نزول اقبال فرمودہ .... وہمت عالی بر تسخیر قلعۂ گماشتہ مورچلہا نزدیک تر بردند"

اکبرنامہ جلد دوم (ص ۱۶۱) میں قلعۂ میرٹھ کی تسخیر کے سلسلہ میں ہے :

" وچوں پردۂ شب درمیان آمد ہر کس بمورچل خود بازگشت،

اکبرنامہ جلد دوم (۳۱۴) میں قلعۂ چتوڑ کے محاصرہ میں ابوالفضل لکھتا ہے :

" توجہ بہ تسخیر آں گماشتہ بخشیانِ عظام را حکم بر تقسیم مورچلہا فرمودند جمعے کہ در رکاب دولت رسیدہ بودند بمورچلہائے خود فرود آمدند، واز عساکر اقبال آنکہ از دنبال می رسید مورچلے جدا می یافت"

---

[1] منتخب التواریخ ج ا ص ۳۸۲، وانگریزی ترجمہ جلد اول ص ۴۹۴،

اسی قلعہ کی فتح کے سلسلہ میں آگے ذکر کرتا ہوا ابوالفضل رقمطراز ہے، (ص ۳۱۶)

"اگرچہ مورچل بسیار بود (چنانچہ دوران راغازیانِ عقیدت مند جدا جدا پناہے برائے خود ساختہ احاطہ کردہ بودند) لیکن سہ مورچل عمدہ بود...... اوّل مورچل خاصہ حضرت شاہنشاہی .... مورچل دیگر بکاردانی شجاعت خاں .... مورچل سیوم بہ عہدۂ اہتمام خواجہ عبدالمجید

قندھار کے محاصرہ کے ذکر میں خافی خاں لکھتا ہے،

"........ رستم خاں را با دیگر امرائے کارطلب جابجا یقین نمودہ مورچال قسمت نمودند وہ ہمراہ ہر یک از توپخانہ وغیرہ مصالح قلعہ گیری تبقسیم درآمد، وہر یکے در تردد کندن و دواندن مورچال بزور بازوئے خود و مددبیلداراں چابک دست سعی موفور بظہور آورد" (ص ۷۱۸، ۱۰۶۳ھ)

آسام کی مہم میں قلعہ گیری کے سلسلہ میں عالمگیر نامہ میں ہے، (ص ۷۰۶)

"میر مرتضیٰ با اہل توپ خانہ از معسکر فیروزی لوا پیش رفتہ در جائے کہ بندوق از قلعہ نمی رسید برابر یکے از برجہائے کلاں مورچال بستند، و توپہائے بزرگ بردہ بمدد آوردہ بر قلعہ می زدند"

مورچل اور مورچال دونوں ایک ہی لفظ ہیں، ذکاء اللہ نے اپنی تاریخ ہند میں اس کا ترجمہ مورچہ کیا ہے، اور بیورج نے اکبرنامہ کے انگریزی ترجمہ میں اس کے لئے Battery کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے معنی آکسفورڈ ڈکشنری کے اردو ترجمہ میں توپخانہ اور مورچہ درج ہیں، یہ دراصل فوجی مورچے تھے، جہاں لشکر کے مختلف حصے متعین کئے جاتے تھے، اُن کے ساتھ خندق کھود کر توپیں بھی نصب کی جاتی تھیں، اور یہ مورچے جنگی تدابیر کے ساتھ یورش کے وقت توپچیوں، تیراندازوں اور دوسرے لشکریوں کے ساتھ آگے پیچھے بڑھتے اور گھٹتے رہتے تھے، یہ میدان اور حصار دونوں کی لڑائیوں

میں بنائے جاتے،

مورچل اور مورچال کے ساتھ ملچار کا بھی لفظ آتا ہے، یہ لفظ اکبر نامہ میں تو نظر سے نہیں گزرا لیکن بادشاہ نامہ اور عمل صالح میں بار بار آیا ہے، مثلاً بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۵۶ میں زمین داور کے سلسلہ میں ہے،

"دراجہ جگت سنگھ برگرد قلعہ دوازدہ ملچار مقرر ساختہ اتمام یکے را بعہدۂ خود و سرانجام یازدہ را بحسن سعی بندگان درگاہ خواص پناہ بازگشت"

اسی بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۲۶۳ میں قلعۂ مو و نور کی تسخیر کے ذکر میں ہے،

"......انجا حصار را بشیران بیشۂ بیکار نمود تا ملچارہا برافراختہ قلعہ را مسخر سازند"

اروِن کا خیال ہے کہ جس خندق کو کھود کر قلعہ کی دیوار تک لیجاتے تھے، اسی کو ملچار کہتے تھے،

ساباط | اس مسقف گلی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، تیموری دور کے مورخین اس کوچہ سلامت بھی کہتے ہیں، تاریخ الفی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ یہ خالص ہندوستانی چیز ہے، اور توپوں اور بندوقوں سے صحیح سالم رہکر اسی ساباط ہی کے ذریعہ قلعہ تک رسائی ہو سکتی ہے[1] ابوالفضل رقمطراز ہے کہ "ساباط...... بہترین روشہائے قلعہ گیری است"[2]

اس کی بنیاد عام طور پر محصورین کی زد سے بہت دور ڈالی جاتی، اور دو علٰحدہ علٰحدہ دیواریں کھڑی کی جاتیں، یہ دونوں دیواریں چھت سے پاٹ دی جاتیں اور چھت پر گائے اور بیل کے چمڑوں کی موٹی تہیں ہوتیں، جو غنیم کی گولہ باری اور آتش باری سے محفوظ رہتیں[3]، لیکن پھر بھی اس کا تعمیر کرانا آسان نہ تھا، اور جب یہ تعمیر ہوتا تو بڑی سرفروشی اور جانبازی سے کام لیا جاتا،

چتوڑ کے محاصرہ میں اکبر نے اپنی نگرانی میں جس طرح دو ساباط بنوائے تھے، وہ اس کی

---

[1] تاریخ الفی بحوالہ الیٹ جلد پنجم ص ۱۷۱، نیز دیکھو بادشاہ نامہ جلد اول و دوم ص ۱۰، [2] اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۱۸

[3] تاریخ الفی الیٹ جلد ۵ ص ۱۷۲،

جانبازی اور سرفروشی کی اعلیٰ مثال ہے، وہ خود شب و روز جاگتا رہا، اور تقریباً سات آٹھ ہزار سوار اور تفنگچی اُس کی محافظت میں چاروں طرف پھیلے رہتے تھے، پھر بھی محصورین ساباط پر مسلسل آتش باری کرتے رہتے، اور تقریباً سو دو سو آدمی ساباط کے اندر روزانہ ہلاک ہوتے لیکن اُس کے بنانے والے سراسیمہ ہونے کے بجائے ان لاشوں کو اینٹ اور پتھر کی طرح ساباط ہی میں استعمال کرتے، اور تعمیر میں مشغول رہتے تھے، اکبر اُن کی ہمت بڑھانے کے لئے اُن پر روپیوں اور داموں کی بارش کرتا رہتا، آخر بالآخر وہ ایک ساباط کو قلعہ کی دیوار تک بنانے میں کامیاب ہوگیا، جو قلعہ چیتوڑ سے اونچا تھا، اور اندر اتنا چوڑا تھا کہ دو ہاتھی اور دو سوار ایک ساتھ گذر سکتے تھے، اس کے سرے پر اکبر نے خود اپنے لئے ایک بالاخانہ تعمیر کرایا، جہاں سے بیٹھ کر وہ اپنے لشکریوں کی دلیرانہ جنگ دیکھنے کے علاوہ قلعہ کے اندر کے کچھ حالات بھی معلوم کرسکتا تھا، ساباط کے اندر بڑھئی، سنگ تراش، لوہار، بیلدار اور گلکار نہر کھودتے رہے، اور جب قلعہ کی دیوار کی جڑ تک وہ سرنگ کھود چکے تو دو جگہ بارود ڈال کر قلعہ کو اڑانے کی کوشش کی گئی، ایک جگہ بارود اس طرح پھٹی کہ فصیل کی دیوار ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، اور اس کے پتھر، دور دور جا کر گرنے لگے، شاہی فوج کے بہادر سپاہیوں نے آگے بڑھ کر قلعہ کے اندر یلغار کی، اور جب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی تو دوسری سرنگ پھٹی لیکن اس میں اتنی بارود دی گئی تھی کہ فصیل کی دیوار پھٹی تو سو دو سو من کے پتھر چار چار کوس پر جا کر گرے، اور پھر محصورین کے علاوہ خود اکبر کی فوج کے بہت سے آدمی نذر آتش ہوگئے، اور فضا پتھروں، لاشوں اور جسم کے ٹکڑوں سے بھر گئی، اکبر کی ہمت پست نہیں ہوئی، وہ اس قلعہ کو ہر حال میں تسخیر کرنا چاہتا تھا، تاکہ پھر کسی اور قلعہ کے لینے میں رکاوٹ نہ ہو، اس لئے اُس نے اپنی جان کی بھی بازی لگادی، اس نے دوسرے ساباط کی تعمیر کی رفتار تیز کردی، اور اس پر ایک بالاخانہ بنا کر خود بیٹھ گیا، اور اس کے نشانے کی زد میں جو آجاتا، اس کو وہ ختم کردیتا، اس کے لشکری بھی برابر تیر اندازی اور گولہ باری کرتے

رہے، اور جب وہ ساباط بڑھا کر قلعہ کی دیوار میں شگاف کرنے میں کامیاب ہوگئے، تو اکبر کو موقع ملا اور بالاخانہ سے جے مل سنگھ کو اُس نے اپنی بندوق سنگرام نامی سے ایسا تاک کر مارا کہ وہ ہلاک ہوگیا، جس کے بعد محصورین کی ہمت جاتی رہی، اور قلعہ فتح ہوگیا[۱]،

ساباط کی تعمیر تقریباً ہر محاصرہ میں ہوتی، چنانچہ اس کا ذکر شاہجہانی عہد کے وسط و نیز اورنگ عالمگیری دور میں آسام کی لشکرکشی کے سلسلہ میں بار بار آتا ہے[۲]،

سرنگ | سرنگ کے ذریعہ قلعہ شکنی کی مثالیں بکثرت ملیں گی، اکبر کی فوج نے چالیسویں سال جلوس میں احمد نگر کے قلعہ کا محاصرہ کیا، تو شہزادہ مراد کے ساتھ خانخاناں عبدالرحیم خاں، شاہ رُخ مرزا، شہباز خاں، راجہ جگناتھ، راجہ درگا اور رام چند وغیرہ فوجی امراء بھی تھے، احمد نگر کے حکمراں حسین نظام شاہ کی لڑکی چاند خاتون نے باپ کے قلعہ کو بچانے کی خاطر جان کی بازی لگادی اور جب شہزادہ نے سرکوب بنانے کی کوشش کی تو چاند خاتون نے مسلسل آتشی گولہ باری کراکر شاہی لشکر کے جوانوں کے منہ پھیر دیئے، محاصرہ کی مدت کچھ طویل ہوگئی، اور قلعہ تک پہونچنے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی، تو مراد نے پانچ سرنگیں، تین مہینے میں کھدوائیں، اور ان میں بارود بچھادی تاکہ وہ پھٹ کر قلعہ کی دیواروں کو منہدم کردیں، چاند خاتون کو ان سرنگوں کا سراغ مل گیا، اُس نے بارود ہٹا کر سرنگوں کو بھرنا شروع کیا، مراد خانخاناں کو لاعلمی میں چھوڑ کر قلعہ کے دروازہ کے پاس پہونچ گیا، کہ جب سرنگوں کے پھٹنے سے دیواریں منہدم ہوکر گریں تو وہ قلعہ کے اندر فوراً یلغار کردے اور اس کی تسخیر کا سہرا اسی کے سر رہے، چاند خاتون دو سرنگوں کو بھروا چکی تھی، اور جب تیسری میں

---

۱ تفصیل کے لئے دیکھو تاریخ الفی الیٹ ج ۵ - ص ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، طبقات اکبری، جلد دوم ۲۸ - ۲۷ اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۲۰ - ۳۱۹، ۲ بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۵۶،

۳ عالمگیر نامہ ۷۰۶،

ہاتھ لگایا تو مراد نے بارود میں آگ لگانے کا حکم دیا، بڑے زور کا دھماکا ہوا، تیس گز کی دیوار کا ایک حصہ منہدم ہو کر زمین پر گرا، شہزادہ محصورین کے سامنے مغل اور راجپوت لشکریوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا، قلعہ کے اندر بڑی سراسیمگی اور بددلی پھیلی، لیکن چاند خاتون اپنی رہایش گاہ سے مسلح نکلی، ہاتھ میں تلوار لے کر اور منہ پر نقاب ڈال کر گھوڑے پر سوار ہوئی مراد بقیہ دو اور سرنگوں کے پھٹنے کا منتظر تھا لیکن چاند خاتون ان کو بھروا چکی تھی، اُس نے اپنے سپاہیوں کو للکار کر ہمت بڑھائی، اور رخنہ کے پاس بیسیوں توپیں لگا دیں، مغل اور راجپوت آگے بڑھے لیکن قلعہ کے اندر گھس نہ سکے، چاند خاتون نے اُن کا مردانہ وار مقابلہ کیا، شام تک لڑائی ہوتی رہی لیکن مراد کو کہیں فتح کی جھلک بھی نظر نہیں آئی، اور رات کو جب لڑائی بند ہوئی تو چاند خاتون نے ٹوٹی ہوئی دیواروں کو از سر نو بنوانا شروع کیا، اس کی قیادت میں قلعہ کے اعلیٰ و ادنیٰ، مرد و عورت سب ہی تعمیر میں لگ گئے، اور صبح تک پتھر، مٹی اور لاشوں سے بھر کر سارے رخنے بند کر دیئے گئے، صبح کو مراد یہ دیکھ کر متحیر تھا کہ قلعہ کی ٹوٹی ہوئی فصیل تین گز بلند ہو کر اُس کے خلاف حائل تھی، چاند خاتون کی اس عاجلانہ کارروائی اور غیر معمولی جنگی ہوشمندی کی تعریف دوست اور دشمن سب ہی کرنے لگے، اور اسی وقت سے وہ چاند سلطانہ کہلانے لگی، اکبر کی فوج بددل ہوئی، اسی دوران میں یہ خبر پھیلی کہ بیجاپور کے عادل شاہی لشکر کا سردار خواجہ سہیل نظام شاہی اور قطب شاہی سپاہیوں اور سواروں کو ساتھ لے کر تقریباً ستر ہزار فوج کے ہمراہ احمد نگر کی طرف بڑھ رہا ہے، بادشاہی لشکر میں غلہ کی گرانی کی وجہ سے باربرداری اور سواری کے جانور کمزور ہو گئے تھے، محصورین بھی محاصرہ کی سختیوں اور تکلیفوں سے گھبرا چکے تھے، اس لئے خانخاناں عبدالرحیم خاں نے چاند سلطانہ کو صلح کا پیام بھیجا تو اس نے صلح کرنے سے انکار نہیں کیا، [1]

شاہجہانی عہد میں قندھار کی مہم میں بھی ہندوستانی فوج نے وہاں کے قلعہ کو سرنگ سے اڑانے

---

[1] فرشتہ جلد اول ص ۲۷۹ و اکبر نامہ جلد سوم ص ۷۰۰؛

کی کوشش کی، تین سرنگوں میں بارود بچھا کر اُس میں آگ لگا دی لیکن صرف دو سرنگیں پھٹ سکیں جس سے ایک بُرج اور اُس کے نیچے کی دیوار زمین دوز ہوگئی لیکن محصورین نے تفنگ، حقۂ آتش، پتھر، اور بارود کی مشکوں کی اتنی بارش کی کہ محاصرین اندر داخل نہ ہو سکے[1]

پرتگالیوں کے خلاف شاہجہانی لشکر نے ہوگلی میں فوج کشی کی، تو وہاں بھی سرنگ لگائی گئی، اور وہاں کے ایک پرتگالی اڈے کو بارود سے اس طرح اڑایا گیا کہ دھواں کی طرح یہ عمارت ہوا میں اڑنے لگی[2]

خندق کا بھرنا حصار اور قلعہ کے چاروں طرف بڑی گہری اور چوڑی خندقیں بھی ہوتیں، محاصرین اُن کو پتھر، مٹی، ریت، اور درختوں کی شاخوں اور خار دار جھاڑیوں سے بھر کر عبور کرتے ۱۰۴۷ھ میں شاہجہانی فوج نے قلعہ دادر کا محاصرہ کیا، تو راجہ جگت سنگھ نے لشکر کو قلعہ کی خندق سے عجیب و غریب طریقہ سے عبور کرانے کی کوشش کی، بادشاہ نامہ جلد دوم (ص ۵۶) میں ہے:

"چوں راجہ جگت سنگھ دریافت کہ بدیں آئین کار بدرازی می کشد، از طرف ملچار خود برائے برآوردن آب جوی کند، واز آنروکہ آب ازیں راہ کم بر می آمد قرار داد کہ از چوب و تختہ استوار جری ساختہ بر لب چہ ... ترتیب دہد، و بجر ثقیل بر روئے خندق کشیدہ لشکر از آب بگذارند، تا دیوار پراگندہ باد، غل حصین در آیند"[3]

قندھار کے محاصرہ میں دارا شکوہ کے ایک فوجی سردار عبداللہ بیگ نے قلعہ کے چاروں طرف کی خندق کے پانی کو ایک سرنگ کھود کر اس سے بہا دیا، لیکن محصورین نے اندر سے ۱۳۰ گز لمبی، تین گز چوڑی اور سات گز گہری نہر کھود کر پھر خندق میں پانی بھر دیا[4]

اورنگ زیب نے بیجاپور کا محاصرہ کیا، تو اس کے قلعہ کے اردگرد چالیس سے پچاس فٹ تک

---

[1] بادشاہ نامہ جلد اول ص ۲۷۷ [2] ایضاً ص ۴۳۸ [3] ذکاء اللہ جلد ہفتم ص ۴۲۲

چوڑی خندقیں تھیں، جن کو عالمگیری فوج بھرنے کی کوشش کرتی تو محصورین اتنی آتش باری کرتے کہ کوئی ان خندقوں تک پہونچنے کی ہمت نہ کرتا، تین مہینے تک یہ خندقیں بھری نہ جا سکیں، بالآخر یہ اعلان کیا گیا کہ جو لشکری ایک ٹوکری مٹی بھی ان خندقوں میں ڈالے گا، اس کو چار آنے فی ٹوکری انعام دیا جائے گا، اس انعام کی لالچ میں کچھ لشکریوں نے مٹی ڈالنے کی کوشش کی، لیکن اُن کی جانیں تلف ہو گئیں، یہ انعام ایک روپیہ فی ٹوکری تک بڑھا دیا گیا، پھر بھی خندقیں بھری نہ جا سکیں، تو یہ انعام ایک اشرفی فی ٹوکری تک کر دیا گیا، پھر تو جان پر کھیل کر لشکریوں نے تمام خندقیں بھر دیں (اینیکڈوٹس آف اورنگ زیب از جدوناتھ سرکار جلد چہارم ص ۳۲۲)

کمند اور نردبان جب محاصرین قلعہ کے پاس پہونچ جاتے، اور اندر گھسنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تو سلاطین دہلی ہی کے زمانہ کی طرح کمند اور نردبان کے ذریعہ قلعہ کی دیوار کے اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے، چانپانیر کے قلعہ کی دیوار پر بیرم خان اور ہمایوں خود لشکریوں کو لے کر چڑھا تھا،[۵۱] اُس قلعہ کی اونچائی ساٹھ ستر گز تھی،

اسیر کے قلعہ میں اکبر نامہ کے مؤلف ابو الفضل نے دیوار پر چڑھنے میں خود پیش قدمی کی،[۵۲] بیدر کے قلعہ کی تسخیر میں شاہجہاں کے لڑکے مراد نے دیوار پر نردبان کے ذریعہ پہونچکر یورش کرنے میں خود سبقت کی، اُس کے پیچھے اُس کے لشکری تھے،[۵۳] ۱۰۴۰ھ میں شاہجہانی لشکر نے دھارور پر یورش کی، تو اس کا قلعہ دکن میں ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا، وہ ایک پشتہ کے اوپر واقع تھا، اور اس کی دو طرف گہرے دشوار گذار چشمے بہتے تھے، اس لئے کسی لشکر کے گذرنے کی گنجائش نہیں تھی، شاہجہانی فوج کے اعلیٰ عہدیدار اعظم خاں نے قلعہ کی چار دیواری کے پاس آ کر کیمپ ڈالا، اُس نے قلعہ کی دیوار میں ایک دریچہ دیکھا، جو گج اور سنگ سے بلند تھا، اس کو خیال ہوا کہ اس کو بارود سے اُڑایا جا سکتا ہے، اس نے

---

۵۱ اکبر نامہ جلد اول ص ۱۳۰، ۵۲ اکبر نامہ جلد سوم ص ۸۰۰، ۵۳ عمل صالح از کنبوہ ۵،

بیلداروں کو سرنگ کھودنے کا حکم دیا، اور ملچار بڑھا کر محصورین کو تنگ کرنا شروع کیا، محصورین نے بھی بان، توپ، اور تفنگ سے مقابلہ کیا، شاہی لشکر کی طرف سے ہر ملچار سے تیر و بندوق کا وار جاری تھا، لیکن محصورین کی آتش باری سے محاصرین گھبرا گئے، اور انھوں نے اعظم خاں کو اس کی تسخیر کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھنے کا مشورہ دیا، لیکن وہ نہ مانا، اور خود دو ہزار لشکریوں کو لیکر محصورین کی آگ سے کھیلتا ہوا، قلعہ کے دروازہ پر پہونچا، اور ملچار کو آگے بڑھانے کا حکم دیا، اور جب خندق کے پاس شاہی لشکر کا ہجوم ہو گیا، تو محصورین نے تیر، تفنگ، حقۂ آتش اور پتھروں کی بارش کی، لیکن اعظم خان اُن کی ہمت بڑھاتا رہا۔ ایک گروہ دیوار کے اوپر چڑھ گیا، اور ایک فوجی سردار اندر پہونچ کر محصورین سے لڑتا بھڑتا مارتا کاٹتا قلعہ کے دروازہ پر پہونچ گیا، اور اس کے پھاٹک کو کھول دیا، پھر تو اعظم خاں اپنے تمام سرداروں کے ساتھ قلعہ کے اندر تھا، جس کے بعد قلعہ کی تسخیر میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی،[1]

عالمگیر کے عہد میں آسام پر لشکر کشی کے سلسلہ میں میر جملہ نے قلعہ سیلا گڈھ کا محاصرہ کیا تو یہ قلعہ ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا، اسکی دیواریں ایک طرف سے ایک پہاڑی اور دوسری طرف دریائے برہم پتر سے ملتی تھیں، اس میں پانچ برجیاں تھیں، جن میں سے ہر ایک ۲۰۴ گز مدور تھی، اور ہر برجی پچاس گز کے فاصلہ پر تھی، اور اس قلعہ کے اندر اور باہر بڑی گہری خندقیں تھیں، اس کی فصیل پر توپ، بادج، تفنگ اور دوسرے آلات حرب لگے ہوئے تھے، عالمگیر نامہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ قلعہ کے اندر تین لاکھ آسامی جنگ کے لئے جمع ہوئے تھے، شاہی لشکر میں بڑا ہراس تھا، لیکن ایک بہادر قوی سردار دلیر خاں نے لشکریوں کی ہمت بڑھا کر خود پیشقدمی کی، اور غنیم کے نشانہ سے دور قلعہ کے پاس پہونچ کر ایک مورچال بنایا، اور دمدمہ پر توپ رکھکر

---

[1] بادشاہ نامہ جلد اوّل ص ۳۴۳ - ۳۴۲،

قلعہ کی دیوار پر گولہ باری شروع کی، کوچہ سلامت یعنی ساباط بھی بنایا، اور سیبہ کو بڑھا کر حصار کی دیوار تک لے جایا گیا، محصورین بھی برابر گولہ باری کرتے رہے اُن کی توپوں سے فضا گونجتی تھی، اور اُن کے گولے بارود سے محاصرین کی جانیں ضائع ہوتی رہیں، اور جب شاہی لشکر کی گولہ اندازی کی کوشش کارگر نہیں ہو رہی تھی، تو دلیر خاں نے انتہائی مردانگی اور بہادری سے کام لیا، وہ ایک ہاتھی پر سوار ہو کر خندق میں کود پڑا، اس کی یہ شجاعت دیکھ کر اُس کے ہمراہی بھی مردانہ وار آگے بڑھے، خندق میں محصورین نے قلعہ سے اتنی آتش باری کی کہ یہ لاشوں سے بھر گئی، دلیر خاں کے جسم پر بھی پانچ تیر لگے، لیکن وہ جنگی لباس پہنے ہوئے تھے، اس لئے جراحت سے محفوظ رہا، اس کے ہاتھی کا جسم تیروں سے چھلنی ہو رہا تھا، لیکن وہ اپنے چند جانباز لشکریوں کے ساتھ قلعہ کی دیوار تک پہونچنے میں کامیاب ہو گیا، اور دیوار کے اوپر چڑھ گیا، دلیر خاں کو دیوار پر چڑھتے دیکھ کر اور لشکری بھی جان پر کھیل گئے، فصیل پر پہونچے تو محصورین سے جنگ ہونے لگی، نیچے میر مرتضیٰ قلعہ کے پھاٹک پر گولہ باری کرنے لگا، یہاں تک کہ دروازہ ٹوٹا، اور تمام لشکری قلعہ کے اندر تھے[1]

ناکہ بندی | ناکہ بندی کرکے بھی محصورین کو سپر ڈالنے کے لئے مجبور کیا جاتا[2]، ہر طرف کے راستے بند کر کے اُن کی رسد کی فراہمی روک دی جاتی، جس سے وہ بھوکوں مرنے لگتے، اور امان کے طلبگار ہوتے، جہانگیر کے عہد میں ۱۰۲۹ھ میں شہزادہ خرم کانگڑہ کے قلعہ کی تسخیر کے لئے بھیجا گیا، تو اس کے ساتھ راجہ بکرماجیت بھی تھا، راجہ نے قلعہ کے پاس پہونچکر مورچل تقسیم کر دیئے، اور قلعہ کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی، تاکہ کہیں سے کوئی رسد نہ پہونچے، قلعہ والوں کو سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑا، جب اُن کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں رہا تو گھاس کو جوش دے کر اور اس میں نمک ملا کر کچھ کھا لیتے، اس طرح چار ماہ گذر گئے، اور جب کوئی صورت نجات کی نظر نہیں آئی، تو انھوں نے امان مانگ

---

[1] عالمگیر نامہ ص ۱۰۷۱-۱۰۷۰، [2] اقبالنامۂ جہانگیری ص ۱۷۴، ۱۷۳،

قلعہ سپرد کر دیا،[1]

وباء | اور کبھی قلعہ کی تسخیر میں تاخیر ہو جاتی تو اندر وبا پھوٹ پڑتی، اور بے شمار جانیں نذر اجل ہو جاتیں، اکبر کے زمانہ میں اسیر کے قلعہ کے محاصرہ میں محصورین کی ۲۵ ہزار جانیں وباء کی وجہ سے موت کے گھاٹ اُتریں،[2]

جنگی حیلے | کبھی محصورین کو فریب دے کر اُن میں سراسیمگی پھیلائی جاتی، رائے سین کے قلعہ پر شیر شاہ حملہ آور ہوا، تو محاصرہ کے دوران میں اُس نے راجپوت سرداروں کے نام کچھ جعلی خطوط قلعے کے اندر پھینکوا دیئے، جو راجہ مالدیو کے ہاتھ میں پڑ گئے، وہ سمجھا کہ راجپوت سردار دشمنوں سے مل گئے ہیں، وہ اس فریب سے ایسا سراسیمہ ہوا کہ قلعہ چھوڑ کر فرار ہو گیا (طبقات اکبری حصہ دوم ص ۱۰۵-۱۰۴)

امان طلبی | اور جب محصورین امان طلب کرتے تو اُن کے ہتھیار ڈالتے، یا قلعہ چھوڑتے وقت کوئی مزاحمت نہیں کی جاتی، شاہجہانی عہد میں بیدر کے محصورین نے امان چاہی تو ان کی جانوں کی پوری حفاظت کی گئی، لیکن اُن کا مال فاتح کے قبضہ میں آگیا،

محصورین کی مدافعت | محصورین اپنے دفاع میں ہر طرح کی جنگی تدبیریں کرتے، وہ بھی بڑی بڑی توپوں سے گولہ باری کرتے، پہلے ذکر آچکا ہے کہ قندھار اور بلخ کی مہم میں اس لئے ناکامی رہی کہ شاہجہانی توپیں وہاں کے محصورین کی توپوں کے مقابلہ میں کمزور پڑیں، ابوالفضل نے خود اعتراف کیا ہے کہ چتوڑ کے محاصرہ میں راجپوت محصورین کی آتش باری سے روزانہ دو سو آدمی ہلاک ہوتے تھے، توپ و تفنگ کی گولہ باری اور تیراندازی کے علاوہ عام طور پر حسب ذیل چیزیں پھینک کر محاصرین کو پسپا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی،

---

[1] اقبال نامۂ جہانگیری ص ۱۷۴، ۱۷۳ [2] اکبر نامہ جلد سوم ص ۸۲، ۸۱، مزید مثال کے لئے دیکھو منتخب التواریخ ج ۲ ص ۱۳۵،

وزنی پتھر، سنگ نائرہ، سنگ آسیہ، خرسنگ ہائے کلاں، لوہے کے گولے، یا اور ٹکڑے (پارچہ آہن) گرم گرم تیل، روغن نفط زدہ، نفط آلود چادریں، جلتے ہوئے روئی کے تودے، حقۂ آتش، مشک ہائے باروت، بان، ساچمہ (؟) اینٹ وغیرہ[1]،

جوہر | اور جب محاصرین قلعہ کے اندر چلے آتے تو اس وقت بھی محصورین بڑی جانبازی سے اُن کا مقابلہ کرتے، چتوڑ کے قلعہ میں جب اکبر داخل ہوا ہے تو راجپوتوں نے جس جرأت اور پامردی سے شاہی فوج کا مقابلہ کیا ہے، اس کی تعریف خود ابوالفضل نے کی ہے، اکبر نے قلعہ میں داخل ہوتے ہی اپنے جنگی ہاتھیوں کو محصورین میں سراسیمگی پھیلانے کی خاطر چھوڑ دیا، لیکن ایسرداس چوہان انتہائی دلیری کا ثبوت دے کر آگے بڑھا، ایک ہاتھی مدھ کر نامی کا دانت اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا، اور اپنے جمدھر سے کاری ضرب لگا کر طنزاً بولا کہ میرا مجرا جاکر دنیا کے بادشاہ سے کہو، ایک دوسرا ہاتھی جنگیا نامی کو دیکھ کر ایک دوسرے راجپوت سردار نے اسکی سونڈ پر اپنی تلوار کا ایسا وار لگایا کہ وہ کٹ کر دور جا گری، پھر اور ہاتھی سبدلیہ نامی سے راجپوت سرداروں نے باضابطہ کشتی لڑی، اور ایک تنگ رہگذر پر راجپوتوں نے اپنی شمشیر بازی اور بہادری کی ایسی مثالیں دکھائیں کہ خود اکبر دیکھ دیکھ کر متحیر تھا[2]، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ایسی لڑائی دیکھنے میں نہیں آئی،

چنیں رزمہا در جہاں کس ندید	نہ از کاروانان گیتی شنید
چہ گویم ازاں جنگ وآں کارزار	کہ یک شمہ نتوانم از صد ہزار

ٹاڈ نے لکھا ہے کہ اکبری فوج کو قلعہ کے اندر آتے دیکھ کر آٹھ ہزار راجپوتوں نے رخصتانہ پان کے بڑے کھائے، زعفرانی لباس پہن لئے، اور وطن کی ناموس اور عزت کی خاطر ہتھیلیوں پہ جانیں لیکر

---

[1] تفصیل کے لئے اکبرنامہ جلد دوم ص ۲۰ - ۳۱۹، ۱۶۱ بادشاہ نامہ جلد اول ص ۳۷۶، جلد دوم ص ۵۶، ۱۰۸ عمل صالح جلد دوم ص ۱۶۷، [2] اکبرنامہ جلد دوم ص ۳۲ - ۲۲،

کٹ مرنے کے لئے آگے بڑھ گئے[51]، رانیوں، راج کماریوں اور دوسری راجپوت عورتوں نے مردوں کی سرفروشی دیکھی تو جوہر کے لئے تیار ہوگئیں، صندل، عود، تیل جمع کرکے لکڑیوں کے ایک انبار میں آگ لگائی گئی، اور جب اُس کے شعلے آسمان سے بلند ہونے لگے، تو تین سو[52] رانیاں اور راجکماریاں راجپوت عورتوں کی غیرت، عصمت، اور عفت کو ہمیشہ ہمیشہ روشن رکھنے کی خاطر ان شعلوں میں کود پڑیں، یہ جوہر کی رسم مغلوں کے زمانہ میں راجپوت عورتوں میں برابر قائم رہی، اور آج بھی عزت و ناموس کی تاریخ قلمبند کرتے وقت بڑے فخر سے اس کا ذکر کیا جاتا ہے،

راجپوتوں نے بڑے بڑے قلعے بنائے، جیسا کہ باب "قلعے" کی تفصیل سے ظاہر ہوگا، اور تمام ملک خصوصاً شمالی ہند میں قلعوں کا جال بچھا ہوا تھا، لیکن شاید ہی کوئی قلعہ ہو جس کو سلاطینِ دہلی یا مغل بادشاہوں نے فتح نہ کیا ہو گو یہ قلعے دشوار گذار پہاڑیوں پر ہوتے، ان قلعوں کی تسخیر کی بڑی وجہ تو یہ تھی کہ ہر راجپوت راجہ انفرادی طور پر قلعہ میں محصور ہو کر جنگ کرتا، اور اس کا پڑوسی راجہ اس کی مدد کرنے کی کوئی فکر نہ کرتا، اس اختلاف نے ان میں کبھی اجتماعی قوت پیدا ہونے نہیں دی، جس سے وہ ہمیشہ مغلوب ہوتے رہے،

قلعے ایسی جگہ بنائے جاتے، جہاں دشمن آسانی سے پہونچ نہ پاتے، دشوار گذار راستے دشمنوں کی یلغار اور یورش کو روکنے میں تو مفید ضرور پڑتے، لیکن ان راستوں ہی کی وجہ سے محاصرے کے وقت کھانے پینے کی چیزیں آسانی سے نہیں پہونچ پاتیں، جس سے قلعہ کے اندر قحط پڑ جاتا، محاصرہ کے وقت شہر اور آس پاس کی آبادی قلعہ ہی میں سمٹ کر آجاتی، اور جب محاصرہ طویل ہو جاتا، تو اس آبادی کے لئے خورد و نوش کا مہیا کرنا آسان نہ ہوتا، محصورین بھوکوں مرنے لگتے، ان میں وبا

---

[51] ٹاڈ، جلد اول ص ۲۵۳

[52] اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۲۰،

پھیل جاتی، پھر سر ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا، رنتھنبور، چتوڑ، جالور اور راجپوتانہ کے قلعے زرخیز علاقوں میں واقع نہیں ہوئے تھے، اس لئے محاصرہ طویل ہوجاتا تو وہ مجبور ہو کر صلح پر آمادہ ہوجاتے، یا پھر عزّت و ناموس اور حمیّت و غیرت کی خاطر جان دیدیتے،

اس کے علاوہ سلاطینِ دہلی اور شاہانِ مغل دونوں کے پاس قلعہ شکن آلاتِ حرب زیادہ ترقی یافتہ تھے، اس کے مقابلہ میں محصورین کے آلاتِ مدافعت اتنے مؤثر، مفید اور کارگر نہ تھے، جیسا کہ گذشتہ صفحات کی تفصیل سے ظاہر ہوا ہوگا،

قلعے

آئینِ اکبری میں اکبری عہد کے صوبوں میں جو جو قلعے تھے، اُن کے نام جا بجا درج ہیں، ہم اسی کی مدد سے حسب ذیل قلعوں کے نام لکھتے ہیں:

بنگالہ لکھنوتی یا جنت آباد، محمود آباد، سنار گاؤں، سلہٹ، چاٹ گاؤں، سات گاؤں، چاکنہ، کھلنا، اکدالہ

اڑیسہ بال کوہسی، سوکرہ، بانس تالی، دوہ پور، پر بدا، بھوگرائی، تلیہ، جلیسر، تنبولک، نرکول، رمنا، رام چندر پور، ازنکا، سلدہ، رین، رائے پور، سبنگ، گھڑاک سو، کیدار کھنڈ، میدنی پور، مہاکان گھات، نرائن پور عرف کندھار، برور، بھدرک، سنہلو، کایمان، اٹھ گڑھ، پورب دیکہ، برنگ، پرسوتم، چوبیس کوٹ، چشن عرف جاج پور، دکھن دیکہ، کوٹ دیس، کٹک بنارس، کھترہ،

بہار بہار، پٹنہ، سیور، گیدھور، مونگیر، حاجی پور، پلاموں،

الہ آباد لمباس، بھدوئی، سنگڑور، کنشت، کھاراگڈھ، تہہ، کیتھر، جونپور، خرید، سکندر پور، ارول، جلال پور، بلکھر، جائس، دلمئو، رائے بریلی، سلون، مانک پور، چناده، اگواسی، الہ جگڈھ، سہندہ، سموتی، کھرملہ، مہوبا، موودھا، کالنجر، جاجمئو، کوڑہ، کڑہ، کرارہی، کونرا، کوسوں،

اودھ انہونہ، بلہری، دریاباد، ردولی، سیلک، سلطان پور، سات پور، کشنی، اترولہ، بنایک پور،

تیل پور، چلوپارا، دریابارہ، دیواپارہ، گورکھپور، کٹھلا، کھلاپارہ، مہولی، گھمرورتن پور، بہرائچ، حسام پور

فخرپور، نواگڈھ، فیروزآباد، کھرونسا، بسوہ، بہرواڑہ، سانڈی، گوپامئو، کھیری، کھیری گڈھ، نیم کہار

انام، املیٹھی، اسولی، بلگرام، بنگرمئو، دیوی، رن بیرپور، رام کوٹ، سندیلہ، انبٹی، کرسی، کاکوری،

ملیح آباد، موہان، موراؤں، مئوہی، ہڑیہ،

آگرہ | اٹاوہ، اودہ، بجوارہ، بیانہ، جلیسر، دھول پور، راپری، فتح پور، دہادن، متھرا، ہتکانت، راٹھ،

مہوگاؤں، قنوج، اہار، دینہانی، سکندرہ راؤ، سورون، کول، نوح، انہونی، بدرہٹھ، چناور، چھلوڈا،

سرہنڈہ، علاپور، کھتولی، پرہار، جھتراہ، ریاپانہ، کھٹولہ، کونچ، ہتکیس، کھایرہ، جنور، رتن گڈھ،

سوہنڈی، کیسود، بجھارہ، ہنو، برونی، بدلی، سیتورپوری، کولارس، نرور، اونگر، الور، بیراٹ، حاجی پور،

گھاٹ سورن، منڈاور، اندور، پنگوان، انبوہرا، تجارہ، جھنجوت، فیروزپور، کوٹلہ، بابائی، جھوجون،

کوٹ پوتلی، نارنول، ترہر، سہار،

مالوہ | اجین، بدھناور، نولائی، رائے سین، موگڈھ، بیراگڈھ، شاہ پور، چوراگڈھ، اودے پور،

بھوراسہ، تہنوارہ، چندیری، جورسنگار، دوب جاگر، رنود، رودہی، راگہ، گسناہ، کدروالہ، کولاکوٹ

مونگاوتی، سارنگ پور، کھن گاؤں، جلال آباد، چاری، مورانہ، ناوری، گاگروں،

برار | ایلچ پور، پنار، ایتز، بتیالہ، رام گڈھ، ماہور، مانک درگ، نرنالہ،

خاندیس | تہیل ڈولی، اسیر،

گجرات | احمدآباد، بیرپور، جھالاوار، دہندہوک، کرنج، موراسہ، مستوآباد، منگریج، پٹن،

بڈنگرہ، تھراڈ، مہرواڑہ، رادھن، دیسہ، بہادرپور، دبھوئی، بھروچ، چانپانیر، دھود، بیاورہ،

سورت، کوس، احمدنگر،

اجمیر | اجمیر، انبیر، سانبھر، سروار، ہرپور، بدوھنور، پھولیا، جین، برسی، حاجی پور، چتور،

ساندری، مانڈل گڈھ،

رن تھنبور | رن تھنبور، بوندی، بولی، کوٹا، کھندار، کرور، لاکھری، جودھپور، اسوپ، پھلودھی، پالی، پوڈہہ، بہادراجون، جیتارن، دونارا، سوجہت، سانبھر، سیوانا، کھیون سر، کوندوج، ابوگڈھ، بانسواڑہ، جالور، خارج کھتو، وینہ وانہ، فتح پورجھنجون، سیرتہ، ناگور،

دہلی | دہلی، اسلام آباد، پانی پت، برن، پلول، پوتھہ، تلپت، جہارسہ، رہتک، سونی پت، سفیدون، سرادہ، گنور، کنگیرکیرہ، میرٹھ، مسعود آباد، بدایون، کوٹ سالباہن، سنبھل، اندری، بھوگپور، سرسانہ، منگلور، تاوڑو، سہنہ، اگھیرو، بھٹنر، ٹوہانہ، حصار، سرسا، فتح آباد، جہم، ہانسی، پایل، تھاڑہ، خضر آباد، سرہند، سنام، سادھورہ، کیتھل، کہرام، لدھیانہ، چھیواڑہ، گڈھ مکتیسر، دیوبند،

لاہور | لاہور، پالکواہ، تاناپور، جالندھر، جسون بالاکوٹی، دیسوہہ، ڈڈیال، ڈاڈہ، راجپوری، سلطان پور، سیبہ، کوٹ لہر، کہرک وہار، کھیون کیرا، گنگوٹ، پٹھان کوٹ، کانگڑہ، امناباد، پٹی ظفر، چنیوٹ، جمو، سیالکوٹ، مانکوٹ، کھوکھرا، ہزارہ، بھرہالہ، حویلی رہتاس، کچاکوٹ، ملوٹ، نندن پور،

ملتان | اسلام پور، ملتان، دودائی، موہ، مررٹ، دیپال پور، دھنکتاہ، قبولہ، قیام پور، بابابھوج، اور، بھکر، سیوستان،

قندھار | قندھار، ولایت دوکی، ولایت پشنگ، ولایت سال، ولایت شتنگ، قلات،

اور دوسرے بیرونی قلعے | کھمرد، قندز، بست، غضنی،

اثنائے مطالعہ میں اور قلعوں کے جو نام ملے، وہ یہ ہیں،

اندور، ارک، اوسا، اوندچھ، بیجاپور، بیدر، بادریسا، باندھو، تبسی، بہروچ، پرلی، پرنالہ، ترچناپلی، تلنم، جاج نگر، جنجی، دمن، دندا، راجوری، دھامونی، دکیور، دیوگڈھ، رابری، روراں

زمین داور، سری نگر، ساربان، سالیر، ستوندہ، سلیم گڈہ، سرونج، سیوی سویر، شیرگڈہ، توشنج، گنت گنشال، کوٹھ، کولاس، کھجوہ، کینی، گڈہ پٹلی، للنگت، مالی، ماندل، مانک درکشا، ماہولی، تل کھیرا، نمیر، منگل پیرا، منگل سرھیہ، نہری، نہدا، نرمل، نلدرگ، نورگڈہ، واکنگیرہ، ونکور، کرنول، بیجاپور، گولکنڈہ دولت آباد، ماندو، اودونی، بوزندہ، ستارہ، ماندو، ستارہ، احمد نگر، پرنیدہ، پچنیر، ونڈچھ، ایرچ، جبار، جھانسی، بریلی، مرادآباد، کمبیل، پٹیالی، سہارنپور، شاہجہانپور، فرخ آباد، اناوہ، جھانسی، ہنج، دہلی، نیرون، سیہم، راور، بہروز، دلمیلہ، برہمن آباد، اروڑ، پاٹن، اسکلنڈہ، سکہ، منصورہ، محفوظہ، کھرگاؤں، ناندو، سیلاگڈھ،

راجاؤں کے حیرت انگیز قلعے | پنجاب، راجپوتانہ، سندھ، یو۔پی۔ اور جنوبی ہند میں قلعوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا، ان میں سے اکثر و بیشتر ہندو راجاؤں کے بنائے ہوئے تھے، جس سے اندازہ ہوتا ہو کہ انھوں نے علیحدہ علیحدہ حکومتیں بنا کر ان قلعوں کو اپنا مستقر بنا رکھا تھا، اُن میں سے بعض قلعے بہت بڑے اور مستحکم تھے جن کو دیکھ کر افغان، ترک، اور مغل دنگ رہ گئے، اُن کے فنِ تعمیر کو مطالعہ کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ حربی قلعہ کی تعمیر میں ہندوؤں نے غیر معمولی ترقی کر لی تھی، اور اُن کا یہ فن دنیا کی زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ قوموں کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے، بعض قلعوں کو فتح کرنا آسان کام نہ ہوتا، سندھ میں برہمن آباد کے قلعہ کا دور چار میل تھا، محمد بن قاسم کو اسے فتح کرنے میں چھ مہینے لگے تھے، اوچہ کے قلعہ کو دیکھ کر تاج المآثر کے مصنف نے لکھا تھا کہ یہ سد سکندری سے زیادہ مضبوط تھا،[۱]

گوالیار کے قلعہ کے متعلق تاج المآثر کے مصنف کا بیان ہے کہ یہ ہندوستان کے قلعوں کے ہار کا موتی ہے، یہ اتنا اونچا ہے کہ تیز اور تند ہوا بھی اس کی اونچائی تک نہیں پہونچ سکتی، اسکی

---

[۱] ایلیٹ جلد دوم ص ۲۱۱،

فصیل پر بادل بھی نہیں پہونچ سکتا ہے، اور اس کی اونچائی پر خود آسمان متحیر ہے[۱]، یہ ایک علٰحدہ چٹان پر واقع تھا، جو ۳۴۲ فٹ اونچی تھی، یہ قلعہ ڈیڑھ میل لمبا، اور تین سو گز چوڑا تھا، دکن میں ارنگل کے قلعہ میں جو دیواریں تھیں، اسکی اندرونی دیوار پتھر کی اور بیرونی مٹی کی تھی، لیکن مٹی کی دیوار کے بارے میں امیر خسرو لکھتے ہیں کہ یہ اتنی سنگین تھی کہ لوہے کی اینٹ بھی اس کو اس سے زیادہ مضبوط نہیں بنا سکتی تھی، ہنگ مغربی اس سے ٹکرا کر واپس آجاتا، اُس کی برجیاں ثور سے زیادہ مضبوط تھیں، اور خود برج جوزا اُس کے سامنے جھکا رہتا تھا، ایسا قلعہ روئے زمین پر نہیں دیکھا گیا[۲]، چندیری کے قلعہ کے بارے میں بابر لکھتا ہے کہ یہ پہاڑ پر ہے، لیکن اس کی چار دیواری پہاڑ سے باہر ہے، اور شہر پہاڑ کے اندر ہے، اس کی ایک سمت کی فصیل دریا کے سبب سے دہری بنائی ہے، یہ دہری فصیل پہاڑ سے نیچے ہے، قلعہ میں پتھر کا ایک بڑا حوض بنا ہوا ہے[۳]،

رن تھنبھور کی اونچائی اور مضبوطی کو دیکھ کر ابوالفضل متحیر ہو گیا تھا، لکھتا ہے کہ خیال کی منجنیق بھی اس کی اونچائی تک نہیں پہنچ سکتی ہے، پھر لکھتا ہے،

"در رفعت و رصانت ممتاز است"[۴]

جہانگیر اپنی تزک میں رقمطراز ہے کہ دو پہاڑ برابر ہیں، ایک کو رن کہتے ہیں اور دوسرے کو تھنبور، قلعہ تھنبور کی اونچائی پر ہے اور ان دونوں کا نام رن تھنبور رکھا ہے، یہ قلعہ بہت ہی مستحکم ہے، جہاں پانی کی بڑی فراوانی ہے، رن پہاڑ خود ہی ایک مضبوط قلعہ ہے[۵]،

چتوڑ کے قلعہ کو دیکھ کر سلاطین، لشکری اور اہل قلم سب ہی متحیر ہو جاتے، یہ پہاڑی قلعہ ۴½ میل کی اونچائی پر واقع تھا، نیچے آٹھ میل کا دور تھا، اور قلعہ کی دیوار پانچ سو فٹ تک اونچی تھی

---

۱ ایلیٹ جلد دوم ص ۲۲۷ ۲ خزائن الفتوح ص ۹۱ ۳ تزک بابری اردو ترجمہ ص ۲۷-۴۲۵
۴ اکبر نامہ جلد سوم ص ۸۷-۳۲۹، ۵ تزک جہانگیری ص ۲۵۸،

اکبر نے جب اس کا محاصرہ کیا تو اُس کے چاروں طرف صرف فوج متعین کرنے میں اُس کو ایک مہینہ لگ گیا تھا[۱]، کالنجر کے پہاڑی قلعہ کی اونچائی کو دیکھ کر ابوالفضل نے بھی حیرت زدہ ہو کر لکھا تھا کہ یہ حصار سپہر کا ہم سنگ ہے یعنی آسمان کے برابر ہے، اور پھر حیرت میں یہ اشعار لکھے ہیں:

بر فرازش اگر کنند دعا | راہ جوید اجابت از پے آں
ہمہ امروزش از پس فردا[۲] | تا ببالا ز رفعتش ببیند

یہ قلعہ ایک پہاڑی پر واقع تھا، جو سمندر کی سطح سے ۱۲۳۰ فٹ اونچی تھی، پھر اُس کے گرد ایک گھاٹی تھی جو بارہ سو گز چوڑی تھی اس کا دور چار پانچ میل کا تھا، اس کی دیواریں ایک سو اسی فٹ تک اونچی تھیں، پورا قلعہ پتھر کی ۲۵ فٹ موٹی چٹانوں سے بنا تھا، شیر شاہ نے اُس کی تسخیر میں اپنی جان تک گنوا دی لیکن وہ خود اس پر قابض نہ ہو سکا،

رہتاس کے قلعہ کے متعلق ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ یہ بہار کے پاس واقع ہے اس کا طول چودہ کروہ، عرض تین کروہ، اونچائی پانچ کروہ ہے، اس کے اندر زراعت ہوتی ہے، اور زمین کا حال یہ ہے کہ اگر ایک کیل بھی زمین میں ٹھونکی جاتی ہے تو اندر سے پانی نکل آتا ہے[۳]،

کانگڑہ کے قلعہ کی مضبوطی کا احساس خود جہانگیر کو ہوا تھا، اُس نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ

"باستحکام، و دشوار کشائی، متانت و محکمی معروف و مشہور"

اس کی فوج نے اس کو فتح کیا، تو اُس نے بڑی خوشی منائی کہ اُس سے پہلے کوئی بھی اسکو

---

[۱] اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۱۴ [۲] اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۴۰ [۳] منتخب التواریخ جلد دوم، ص ۷۰، نیز دیکھو طبقات اکبری جلد دوم ص ۱۸۵ اس میں اس قلعہ کی اونچائی نصف کروہ بتائی گئی ہے،

تسخیر نہ کر سکا تھا[1]

آسام کے قلعوں کا ذکر کرتے وقت عالمگیر نامہ کا مصنف بھی بے حد متحیر ہو جاتا ہے، کھرگاؤں کے قلعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے، کہ یہ برہمپتر کے کنارہ واقع تھا، اس کی دیواروں کا عرض نیچے کی طرف نوگز اور اوپر کی طرف پانچ گز تھا، اور اس کا دور ایک کروہ سے زیادہ تھا، اس کی پچھمی دیوار پہاڑ کی چوٹی تک گھری ہوئی تھی، اور دکھن طرف دریائے برہمپتر سے محفوظ تھی، پورب کی طرف دریائے منا اس قلعہ کی دیوار سے گزرتا ہوا برہمپتر سے جا ملتا تھا، اور اتر کی طرف خندق کے علاوہ پہاڑ اور گھنا جنگل تھا، پھر حملہ آوروں کی روک تھام کے لئے بانس کی نوکدار سیخیں نصب کر دی گئی تھیں،

آسام ہی میں سری گھاٹ پر ایک قلعہ تھا جس میں پانچ کوس کا حصار تھا، ایک دوسرا قلعہ کوہ نانڈو کی چوٹی پر تھا، ایک تیسرا قلعہ سیملا گڈھ کا تھا، جسکی دکھنی دیوار چار کروہ تک پھیلی ہوئی تھی، اور اتری دیوار کا طول تین کروہ تھا، دونوں دیواروں کے اندر پانچ بڑی بڑی برجیاں تھیں جن میں سے ہر ایک کا دور چار سو تیس گز کا تھا، اور ہر برجی پچاس گز کے فاصلہ پر تھی اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی برجیاں جا بجا تھیں، ان برجیوں کے آگے حصار کے طور پر کنگرہ دار دیواریں تھیں، جن کے آگے پیچھے گہری خندق کھودی ہوئی تھی،[2]

دکن میں ستارہ ایک اہم قلعہ تھا، اس میں سترہ دیواریں، برجیاں اور پھاٹک تھے اس لئے وجہ سے ستارہ کہلاتا، پورندر بھی بڑا ہی مضبوط قلعہ سمجھا جاتا، یہ ایک پہاڑی پر واقع تھا جو چار ہزار پانچ سو چونسٹھ فٹ بلند تھی، اس پر دو ہرے قلعے تھے، پورندر تو پہلا قلعہ تھا، اور وجرا گڈھ دوسرا قلعہ تھا جس کا دور چار میل تھا، اور اس دور میں بڑے پیچ و خم تھے[3]

---

[1] تزک جہانگیری ص ۳۲۳ [2] عالمگیر نامہ ص ۷۰۶، ۷۱۰، [3] ہسٹری آف اورنگ زیب از جدو ناتھ سرکار، جلد چہارم ص ۷۹،

دیوگیر کا قلعہ ایک پہاڑ کی چٹان پر واقع تھا، جو زمین سے چھ سو فٹ بلند ہے، اس کی بیرونی دیوار کا حلقہ پونے تین میل تھا، سب سے اوپر ایک چبوترہ بنا ہوا تھا، جو دو سو فٹ بلند تھا، قلعہ پر چمڑے کے بنے ہوئے زینے سے چڑھتے تھے، اور چڑھنے کے بعد رات کو اس زینے کو اوپر اٹھا لیتے تھے[۵۱]

مسلمان بادشاہوں کے قلعے

سلاطین دہلی اور شاہانِ مغلیہ نے نئے قلعے بنانے کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی، لیکن پھر بھی انھوں نے کچھ قلعے بنوائے، شہاب الدین غوری نے ہندوستان میں غزنوی خاندان کے حکمرانوں کے خلاف اپنی فوج کے لئے سیالکوٹ کا قلعہ تعمیر کیا[۵۲]، بلبن نے ایٹہ ضلع میں دو چھوٹے قلعے کمپیل اور پٹیالی قزاقوں کی غارتگری کی روک تھام کے لئے بنوائے[۵۳]، اس نے ملکر کھجوری حوالی اور بھوج پور میں بھی حصار کی تعمیر کی بلبنی عہد میں اس کے فوجی سردار شیر خاں نے بھٹنیرہ اور بھنیڈہ کے حصار بنوائے[۵۴]، علاء الدین خلجی نے چنگیز خانیوں کی یورش کو روکنے کے لئے دہلی کے حصار کو از سرِ نو تعمیر کرایا[۵۵]،

سلطان محمد بن تغلق نے دولت آباد کی بنا ڈالی، فیروز شاہ تغلق نے حصار فیروز بنوایا، سکندر لودی نے آگرہ میں جمنا کے کنارے ایک قلعہ بنایا، لیکن اکبر نے اس کو منہدم کر کے سنگ سرخ سے از سر نو بنایا، جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے، یہ پندرہ سال میں تعمیر ہوا، اس میں چودہ دروازے دو ور تیجے ہیں، ۳۵ لاکھ روپیہ خرچ ہوئے[۵۶]، اس کا دور ڈیڑھ میل ہے، اس کی بیرونی اور اندرونی دو دیواریں ہیں، بیرونی دروازہ ۴۰ فٹ بلند ہے، اور بہت سی برجیاں ہیں، اس کے چاروں طرف خندق تھی، لیکن یہ ایک محل تھا، جس میں جنگی ضروریات کا بھی لحاظ رکھا گیا تھا، خالص حربی نقطۂ نظر سے یہ قلعہ نہیں بنایا گیا،

---

[۵۱] سفرنامہ ابنِ بطوطہ ص ۵، ۲، ۲، ۲۷ [۵۲] طبقاتِ ناصری ص ۱۱۲ [۵۳] برنی ص ۸۰ [۵۴] برنی ص ۶۵

[۵۵] تاریخ مبارک شاہی ص ۸۰ [۵۶] برنی ص ۳۰۲،

اکبر نے الہ آباد میں بھی گنگا کے کنارے ایک قلعہ بنایا جس کے اندر چہ وہ مختلف عمارتیں تھیں، ایک باغ بھی تھا، اس کی دیوار کا عرض چار گز تھا، اور دو میل تک پھیلی ہوئی تھی، اور اونچائی چالیس گز تھی[۱] اکبر نے لاہور کے قلعہ کی مرمت کرائی، اور اس شہر کے چاروں طرف حصار بنوایا، جہانگیر نے اس قلعہ میں مختلف عمارتیں بنوا کر اس کو محل بنا دیا، شاہجہانی عہد میں نواب بہادر خاں نے شاہجہان پور میں دو ندیوں کے سنگم پر ایک قلعہ بنایا،

شاہجہان نے دہلی میں لال قلعہ بنوایا، جو آرٹ کے لحاظ سے مغل تعمیرات کا اعلیٰ نمونہ ہے، لیکن یہ بھی ایک محل ہی تھا، پہلے کہا جا چکا ہے کہ مغل بادشاہ بڑے بڑے جنگی قلعے بنانے کی طرف مائل نہیں رہے، اس کی بڑی وجہ تو یہ تھی کہ ملک کے جتنے اہم اور بڑے جنگی قلعے تھے، وہ اُن کی فتوحات کے سلسلہ میں اُن کے قبضہ میں آگئے تھے، جن سے ضرورت کے وقت وہ جنگی کام لے سکتے تھے، اس کے علاوہ اُن کو اپنی معرکہ آرائی، نبرد آزمائی اور فوجی قوت پر اتنا بھروسہ اور اعتماد رہا کہ اُن کو کبھی خیال نہیں آیا کہ اُن کو بھی کبھی محصور ہو کر لڑنا ہوگا، وہ میدانِ جنگ میں لڑنے کے عادی رہے، اس لئے مدافعانہ جنگ کی خاطر بڑے بڑے قلعے بنانا پسند نہیں کیا،

جنوبی ہند کے قلعے | البتہ جنوبی ہند میں جب بعض مسلمان آزاد ریاستیں قائم ہوئیں، تو اُن کے حکمرانوں نے بڑے بڑے قلعے بنائے، اُن ہی میں احمد نگر، بیدر، بیجاپور اور گولکنڈہ وغیرہ کے قلعے تھے، احمد نگر کا قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ اکبر نے اپنی پوری فوجی طاقت لگا دی تھی، تو بھی چار مہینے تک اُس کو تسخیر نہ کر سکا، بیدر کے بارہ میں ہے کہ اس کا دور ۵۰۰ درع گز تھا، اونچائی میں ۱۲ درع تھا، اُس کے گرد تین خندقیں ۲۵ گز چوڑی، اور پندرہ گز گہری تھیں، جب شاہجہاں کے زمانہ میں یہ فتح ہوا، تو اس کے اندر سے ۱۲ لاکھ روپے، اور آٹھ لاکھ روپیئے کے سیسے، بارود، اور دوسرے

---

[۱] اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۶۰ - ۱۵ و خلاصۃ التواریخ از سجان رائے بٹالوی،

سامانِ جنگ ہاتھ لگے،[5]

بیجاپور اور گولکنڈہ کے حکمران اپنے اپنے قلعوں کی وجہ سے اپنے کو بہت محفوظ سمجھتے تھے، اسی لئے انھوں نے مغل بادشاہوں کے سامنے جھکنا پسند نہیں کیا، اور اُن کو زیر کرنے میں مغلیہ حکومت کی بنیاد کھوکھلی ہوگئی، شہر بیجاپور ڈھائی مربّع میل کے حصار سے گھرا ہوا تھا، اس حصار کے بعد ۴۰ سے ۵۰ فٹ تک چوڑی خندقیں تھیں، جن کی گہرائی بھی بہت تھی، خندقوں کے بعد قلعے کی دیواریں تھیں، جو کہیں ۳۰ فٹ اور کہیں ۵۰ فٹ تک اونچی تھیں، اور اُن کی چوڑائی عموماً ۲۰ فٹ تک تھی، ان پر ۹۶ چھوٹے بڑے بُرج تھے، اُن کے علاوہ پھاٹک پر بھی دس برجیاں بنائی گئی تھیں، دیوار کے ساتھ جا بجا چوڑی چوڑی فصیلیں بھی تھیں جو دس فٹ اونچی دیوار کے ذریعہ سے برجیوں سے ملادی گئی تھیں، اس دیوار میں توپیں اور بندوقیں سر کرنے کے لئے سوراخ تھے، سب سے مضبوط برج شرزی برج تھا، جو سنہ ۱۶۵ء میں تعمیر ہوا، اور اس پر ملک میدان توپ نصب تھی، اس کی جنوبی دیوار سنہ ۱۶۶۲ء میں بنی، اور سب سے بڑی توپ لنڈے قصّاب اسی کے بُرج پر رکھی ہوئی تھی، فرنگی برج پرتگیزیوں کی مدد سے سنہ ۱۵۷۶ء میں بنا، جس میں بڑی پائداری اور مضبوطی ہے، شرزی بُرج اور فرنگی برج کے درمیان منگلی دروازہ تھا، جس کو فتح کرنے کے بعد اورنگ زیب نے فتح دروازہ سے موسوم کیا، اس قلعہ میں پانچ دروازے اتنے مضبوط تھے کہ محاصرین اُن کو توڑنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے،

گولکنڈہ کا قلعہ موسی دریا سے ۱۶۰ گز پر واقع تھا، اُس کے چاروں طرف پتھر کی چوڑی دیواریں چار میل تک پھیلی ہوئی تھیں، ان دیواروں پر چھوٹے بڑے ۸۷ بُرج تھے، جو پچاس سے ساٹھ فٹ تک اونچے تھے، یہ پتھر کی چٹانوں سے بنائے گئے تھے، اُن میں سے بعض چٹان کا وزن ایک ٹن سے زیادہ تھا، اس میں آٹھ دروازے تھے، دیواروں پر توپیں نصب رہتی تھیں، جن میں بعض صنعتی

---

[5] الیٹ ج ۷، ص ۱۲۶،

لحاظ سے بہت عمدہ سمجھی جاتیں، ان دیواروں سے باہر گہری خندقیں پچاس فٹ چوڑی تھیں، فتح دروازہ سے داخل ہونے کے ساتھ جنوب مشرق کی طرف ایک لمبا احاطہ ملتا ہے، جہاں امرا کے مکانات کے علاوہ، مندر، مسجد، لشکریوں کے رہنے کے مکانات، بازار، بارود خانہ، اصطبل، اور کچھ کھیت وغیرہ تھے، یہاں حملہ کے وقت حیدر آباد کی پوری آبادی سمٹ کر چلی آتی تھی، فتح دروازہ سے باہر تیرہ سو گز آگے بھی کچھ محلسرا اور دفاتر تھے، جس کے بعد بالا حصار تھا، یہاں سے بہت ہی اونچی اور بلند دیوار پر زینے جاتے تھے، جس پر تین منزلہ اسلحہ خانہ تھا، اسی طرف اصطبل، زنانخانے، دربار کے کمرے، مسجدیں، باغ، کنوئیں اور دو سرائیں تھیں، اور ایک مندر بھی بھی تھا، پچھم طرف آگے تقریباً دو سو زینے چٹانوں کے اندر تھے، ان زینوں کے ذریعہ سے قلعہ کی بلندی پر آدمی پہونچ جاتا تھا، یہ بلند جگہ مضبوط پتھروں کے اوپر بنائی گئی تھی، اُس کی دیواروں میں چٹانیں لگی ہوئی تھیں، جن کے اوپر بڑی اونچی اور بلند منڈیریں بھی تھیں، یہی قلعہ کی جان تھی، قدیم ہند کے ڈراوڑی راجہ نے اسی مقام پر پہلے قلعہ بنایا تھا، اسی میں اُن کے پرانے مندروں کے نشان ابھی تک ہیں، اسی بالا حصار پر قطب شاہی سلاطین نے دو منزلہ محل بنایا تھا جس کی چھت پر سے میلوں کے مناظر معلوم ہوتے تھے، یہاں آکر بھی محصورین پناہ لے سکتے تھے کیونکہ بلندی کے باوجود یہاں ایک کنواں بھی تھا، اسلحہ خانہ اور انبار خانہ بھی، بالاخانہ کے مغربی سمت خندق کا پشتہ تھا، اس کے اور بیرونی دروازہ کے درمیان ۲۶۰ گز چوڑا کچھ پہاڑی اور صحرائی میدان تھا، قلعہ کے شمال مغرب کی طرف پانی کا ذخیرہ تھا، جہاں آبادی، باغات اور قبرستان بھی تھے، شمال مشرق کی طرف ایک ٹیلہ تھا، جس کو ایک دیوار سے گھیر کر قلعہ سے ملا دیا گیا تھا، اور یہ نیا قلعہ کہلاتا تھا، یہ اورنگ زیب کے پہلے محاصرہ ۱۶۵۶ء کے بعد سلطان عبد اللہ نے تعمیر کرایا، اس کے شمال، جنوب اور مغرب میں بڑے بڑے تالاب تھے، اسی لئے پانی کی کمی کبھی

محسوس نہیں ہوتی تھی، نئے قلعہ کے ارد گرد دھان کی کاشت بھی کی جاتی تھی، اورنگ زیب نے اس قلعہ کا ۱۶۸۷ء میں محاصرہ کیا، تو اس کے پاس ۱۹۰۰ برق انداز، ۲۵،۲۴۲، حشام ۱۰۶ چھوٹی بڑی توپیں، ۹۰۸۰۵ من بارود، ۱۲۴۴۴ من کے مختلف گولے، اور خندق بھرنے کے لئے پونے چار لاکھ بورے تھے، اورنگ زیب نے گویا اپنی ساری فوجی طاقت لگا دی تھی، تو یہ عظیم الشان قلعہ فتح ہو سکا تھا[۵۱]

پہاڑی قلعے بڑے اور مستحکم قلعے کسی پہاڑ پر بنائے جاتے، پہاڑ اور پہاڑی چٹانوں سے استحکام خود بخود پیدا ہو جاتا، . . . . پہاڑی چٹانوں سے جو دیواریں بنائی جاتیں، وہ بہت ہی مضبوط ہوتیں، ایسے قلعے رن تھنبور، چتور، کالنجر، اسیر گڈھ، اور دیوگیر وغیرہ کے تھے، جن کی تسخیر میں ترک اور مغل بادشاہوں کی زیادہ سے زیادہ فوجی قوتیں صرف ہوتی رہیں، اور اُن کے شاہی خزانہ پر غیر معمولی بار پڑتا رہا،

بحری قلعے قلعے دریا کے کنارے بھی بنائے جاتے، جس سے دریا خود مدافعت کا ایک اہم ذریعہ بن جاتا، بھکر (سندھ) لاہور، (راوی) آگرہ (جمنا) قنوج، الہ آباد، حاجی پور، مونگیر، (گنگا) لکھنوتی (گنگا، بھاگیرتی) سیملا گڈھ، کلیابر (برہم پتر)، سرنگاپٹم (کاویری) وغیرہ دریا ہی پر واقع تھے، اُن کی تعمیر میں انجینئرنگ کا بڑا فن دکھایا جاتا،

قلعوں کی خندقیں پہاڑ اور دریا نہ ہوتا تو پھر سطح مرتفع پر قلعہ بنایا جاتا، اور اس کی مدافعت کے لئے چاروں طرف خندق کھودی جاتی، قلعۂ میرٹھ کے اردگرد جو خندق تھی، اس کی گہرائی اور چوڑائی کو دیکھ کر صاحب تاج المآثر نے حیرت میں لکھا تھا کہ یہ خندق سمندر معلوم ہوتی تھی[۵۲] محمود غزنوی نے گجرات کے قلعہ کھندیہ کا محاصرہ کیا تو اُس کی خندقیں ناقابلِ عبور تھیں، اور اس میں موجیں ایسی اٹھتی تھیں کہ

---

[۵۱] گولکنڈہ کے محاصرہ کے لئے دیکھو مآثر عالمگیری ص ۳۰۰، ۲۸۸، اور قلعہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھو ہسٹری آف اورنگ زیب از جدوناتھ سرکار جلد ۵ ص ۶۰-۳۵۶ [۵۲] ایلیٹ جلد دوم ص ۲۱۹،

اندر جانے والے کو ہلاک کر دیتی تھیں، محمود غزنوی نے اس کو ناقابلِ عبور پایا، تو بے تاب ہوگیا، اُس غایت بہادری میں اپنا گھوڑا خندق میں ڈال دیا جس کے پیچھے اُس کے لشکری بھی اپنے گھوڑوں کے ساتھ کود پڑے[1] بعض اوقات خندق کے پانی کو زہریلا بنا دیا جاتا، آسام میں سیلاگڈھ کی خندق کے پانی میں توتیا ڈال دیا گیا تھا جس سے غنیم ڈر کر اُس کو عبور کرنے کی کوشش نہ کرتے[2] بعض اوقات قلعہ کی چاروں طرف دشوار گذار جنگل یا بانس کے درخت لگا دیے جاتے،

مٹی کے قلعے مٹی کے قلعے بھی بنائے جاتے، کول (علی گڑھ) کا قلعہ مٹی ہی کا ہے، اور اب تک اس کی دیوار کی مضبوطی میں فرق نہیں آیا ہے گو پورا قلعہ خستہ حال ہے، انگریزوں نے اُس کی دیوار پر گولہ باری بھی کی لیکن یہ مسمار نہ ہو سکیں، صوبہ قندھار میں دوکی، شال، ہشتنگ اور قلات کے قلعے مٹی ہی کے تھے،

لکڑی کے قلعے شاہجہانی عہد میں راجہ جگت سنگھ گھمرو کی مہم پر بھیجا گیا، تو جب وہ سراب پہنچا تو بڑی برفباری ہوئی، یہاں اُس نے برفباری اور غنیم کے مقابلہ کے لئے ایک لکڑی کا قلعہ بنایا، جس کی فصیل اور برجوں پر توپ اور آتش اسلحہ نصب کئے، اور تمام ناکوں پر لکڑی کے بڑے بڑے کندے اس طرح رکھ دیئے کہ دشمن اس طرف سے گذر نہیں سکتے تھے، قلعہ کے چاروں طرف توپچی اور تیر انداز بٹھا دیئے، پانی کی قلت کو دور کرنے کے لئے اس میں دو کنوئیں بھی بنوائے، (عمل صالح جلد دوم ص ۲۵۵)

گڑھ اور گڑھی چھوٹا قلعہ گڑھ کہلاتا، اس سے بھی چھوٹے کو گڑھی کہتے،

قلعہ کے پھاٹک کا پُرپیچ راستہ قلعہ کے پھاٹک پر نوکدار سلاخیں، میخیں اور کیلیں لگا دی جاتیں، تاکہ غنیم اسکو توڑنے سے زخمی ہو جائے، پھاٹک کے اندر داخل ہونے کے بعد راستے میں کچھ ایسا پیچ و خم دیدیا جاتا کہ غنیم اپنی پوری فوج کے ساتھ یکایک یورش نہ کر سکے، بلکہ اس کے پُرپیچ راستے میں اس طرح پھنس جاتے کہ اس پر اچھی طرح ضرب لگائی جا سکے،

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۲۳ [2] سیلاگڈھ کی تفصیل کے لئے دیکھو اس کتاب کا باب بحری بیڑے،

فصیل | قلعہ کی دیوار کو فصیل کہتے تھے، اور اس کے اندر جو محصور چھت ہوتی، جہاں سے توپیں چھوڑتے، اس کو بھی فصیل کہا جاتا تھا فصیل پر بڑی بڑی توپیں نصب کی جاتی تھیں بعض قلعوں میں توپیں ابھی تک ویسے ہی نصب کی ہوئی رکھی ہوئی ہیں فصیل میں جا بجا سوراخ بھی ہوتے جس سے نفط اندازی گولہ باری اور تیر اندازی بھی کی جاتی،

برج | برج گنبد کے اوپر والے حصہ کو کہا جاتا لیکن قلعہ کے چھوٹے چھوٹے گنبد نما برجوں کو برجیاں کہتے،

کنگورہ | دندانے دار یا برج نما دیوار کو کنگورہ کہتے تھے فصیل کے کٹے ہوئے طاقچے کو بھی کہتے تھے گو برہان قاطع میں ہے کہ قلعہ یا حصار، یا دیوار کی بلندی کو کنگرہ کہا جاتا ہے،

تمام قلعوں کی تفصیل پڑھ کر یا اُن کو دیکھ کر یہ کہنا پڑے گا کہ ہندوؤں نے قلعہ کی تعمیر میں جو آرٹ دکھایا، وہ مسلمانوں کے قلعوں کی تعمیر سے زیادہ ترقی یافتہ تھا، اور خود مسلمان اُن کو دیکھ کر متحیر رہے، لیکن اسی کے ساتھ ترک اور مغل بادشاہوں نے قلعہ شکنی کے جو حربی آلات استعمال کئے وہ اس قدر ترقی یافتہ اور کارآمد تھے کہ ہندوستان کا کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جہاں پہونچ کر ان بادشاہوں خصوصاً مغلوں کی فوج نے اُس کو زیر نگیں نہ کیا ہو، خواہ اس کی تسخیر میں جانی، مالی، اور فوجی نقصان زیادہ سے زیادہ کیوں نہ ہوا ہو،

چھاؤنیاں

محمد بن قاسم کے اڈے | محمد بن قاسم خود تو شیراز، مکران، قنز پور اور ارمابیل ہوتا ہوا سندھ آیا، لیکن اُس کی فوج بحرِ عرب سے دیبل آئی، اور جب عربوں کی حکومت سندھ میں قائم ہوئی تو حسب ذیل مقامات پر فوجیں رہنے لگیں،

جندور، بابی، اسکلنڈہ، سکہ، بھکر، اوچہ، ملتان، دیبل، نیرون، سیوستان، سیسم، اشیہار، راور، بہروز، وہلیلہ، برہمن آباد، ارور، منصورہ، محفوظہ،

غوری کے اڈے | محمود غزنوی کرم، توچی اور گومل کے دروں سے ہندوستان آتا، لیکن اُس کا ارادہ ہندوستان میں کوئی حکومت قائم کرنا نہ تھا، اس لئے ہندو ریاستوں کو اپنا خراج گذار بنا کر واپس چلا جاتا، اور اپنی کوئی فوج پیچھے نہیں چھوڑتا، البتہ شہاب الدین غوری کے پیش نظر ہندوستان میں ایک حکومت قائم کرنی تھی، اس لئے اُس نے جابجا فوجی اڈے قائم کئے، وہ درۂ گومل سے آیا، اور کوہ سلیمان کو پار کر کے ملتان کی طرف بڑھا جو اس زمانہ میں جنگی لحاظ سے بڑا ہی اہم مقام تھا، اس کی اہمیت اس قلعہ کی وجہ سے بھی تھی، جو بیاس فٹ بلندی پر واقع تھا، اور اس کے چاروں طرف ایک بڑی خندق تھی، پھر دریائے راوی اس کا فطری محافظ بھی تھا، اس کو فتح کرنے میں محمود غزنوی کو اپنی پوری فوجی قوت کو کام میں لانا پڑا تھا، شہاب الدین غوری ملتان کو ہر دام پر فتح کرنا چاہتا تھا، تا کہ سندھ میں اس کو ایک اہم جنگی محاذ مل جائے، اس لئے اُس نے قرامطہ سے بڑی خونریز جنگ کر کے اس کو

حاصل کیا جس کے بعد اُس نے قلعۂ اوچہ کی طرف یلغار کی، یہ ملتان سے ستر میل کی مسافت پر تھا،[1] پنجاب کے پانچوں دریا کے سنگم پر اس وقت واقع تھا، اس لئے یہ بھی ایک اہم جنگی مقام تھا، اس کی تسخیر کے بعد شہاب الدین غوری کے پاؤں سندھ میں جم گئے، لیکن پنجاب اس وقت غزنویوں کے قبضہ میں تھا، جو شہاب الدین غوری کے ہندوستان کی طرف بڑھنے میں حائل تھے، اس لئے اُس نے گجرات کی طرف ہندوستان میں داخل ہونے کی کوشش کی، وہ نہروالہ (انہلواڑہ) کی طرف بڑھا، لیکن کیادرہ کے میدان جنگ میں راجپوتوں سے اس کو شکست ہوئی، اور وہ غزنیں واپس ہوا، اس شکست کے بعد اُس نے لاہور ہی کے راستہ سے ہندوستان میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، جس کے لئے اُس نے پہلے پشاور پر قبضہ کیا، غزنویوں نے پشاور ہی کو اپنا جنگی مستقر بنا کر سندھ پر برابر یورش کی، سبکتگین نے یہاں دس ہزار سوار تعینات کر رکھے تھے، یہاں ایک قلعہ بھی تھا، جو ۹۲ فٹ زمین سے بلند تھا، شہاب الدین غوری نے اس قلعہ کو اپنے قبضہ میں کیا تو پھر پنجاب اس کی زد میں آگیا، اور یہاں سے وہ لاہور پر آسانی سے یورش کرنے لگا، اور اس کے تین حملوں کے بعد غزنوی حکمراں خسرو ملک نے اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرلیا، پنجاب میں اپنے کو محفوظ پا کر شہاب الدین غوری نے پورے سندھ کو زیر نگیں کرنے کی کوشش کی، اور طبقات ناصری کے مؤلف کے بیان کے مطابق سندھ کے سمندر تک کے علاقے کو اُس نے اپنے قبضہ میں کرلیا،[1] لیکن جب خسرو ملک نے کچھ معاندانہ رویہ اختیار کیا، تو اُس نے سیالکوٹ میں ایک بڑا قلعہ بنایا، اور یہاں حسین خرمیل کی نگرانی میں ایک فوج رکھی، تاکہ وہ چناب اور راوی کے علاقے کو محفوظ رکھے، اور اس کے کچھ دنوں ہی کے بعد غوری نے خسرو ملک کو لاہور اس کے حوالہ کر دینے پر مجبور کیا، لاہور پر تسلط کے بعد اس کا ہندوستان میں داخل ہونے کا راستہ صاف ہوگیا، اور اُس نے علی کرماخ کے ماتحت ایک جرار فوج یہاں تعینات کی،[2] لیکن لاہور سے آگے قدم قدم پر راجپوتوں کے جنگی قلعے

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۱۶ [2] ایضاً،

تھے، بھٹنڈہ، بھٹنیر، ابوہر، اور سرسا کے جنگی قلعے شمال مغرب سے آنے والے حملہ آوروں کیلئے زبردست رکاوٹیں پیدا کرتے تھے، یہ پچاس پچاس میل پر چاروں طرف واقع تھے، جو ضرورت کے وقت ایک دوسرے کو جنگی مدد پہنچا سکتے تھے، لیکن جب شہاب الدین غوری نے بھٹنڈہ پر قبضہ کرلیا، تو چوہان راجپوتوں کے علاقے میں اس کو ایک اہم جنگی مقام حاصل ہوگیا، اس لئے اس نے ضیاء الدین قاضی تولک کے ماتحت بارہ سو فوج یہاں مقرر کردی[۱]، جو پرتھوی راج کی فوج کا مقابلہ نہ کرسکی، شہاب الدین غوری اپنے فوجی افسر کی مدد کو پہونچا تو ترائین میں اس کو شکست ہوئی لیکن اس نے اس علاقہ میں ترائین کی دوسری لڑائی کے بعد سرستی، ہانسی، اجمیر، کہرام اور سمانہ جیسے اہم جنگی مقامات پر قبضہ کرکے اپنی پوزیشن مضبوط کی[۲]، ہانسی کے قلعہ میں ملک نصرت الدین کی نگرانی میں ایک لشکر رکھا[۳]، کہرام اور سمانہ میں ملک قطب الدین ایبک کو ایک فوج کے ساتھ مقرر کیا، اجمیر پرتھوی راج کے لڑکے کے حوالہ کیا، لیکن اجمیر پر سلطان کا قابو اس وقت تک پورے طور سے نہ ہوسکا، جب تک کہ ایبک نے رن تھنبور پر قبضہ کرکے وہاں قوام الملک رکن الدین حمزہ کی ماتحت ایک فوج رکھ نہ چھوڑی، ان مقامات کو محفوظ کرکے شہاب الدین غوری دوآب کی طرف بڑھنا چاہتا تھا، اُس کے لئے جمنا کے پورب جانب اس کو ایک محاذ کی تلاش ہوئی، اس کی نظر میرٹھ کی طرف اٹھی، جہاں ایک بڑا ہی مستحکم قلعہ تھا، اُس کی کھائیوں کی وجہ سے اس کی دیوار تک پہونچنا بہت مشکل کام تھا، علاء الدین خلجی کے زمانہ میں تاتاری بے شمار فوج کی مدد سے بھی اس قلعے کو فتح نہ کرسکے تھے، تیمور نے اپنی فوج کی ساری طاقت لگادی تھی، تو اُس کے اندر داخل ہوسکا تھا، شہاب الدین غوری نے اس قلعہ پر قبضہ کرلیا، تو اُس کو دوآب کے بالائی حصہ میں ایک اہم مقام حاصل ہوگیا، جس کے بعد وہ دہلی پر یلغار آسانی سے کرسکا، قطب الدین ایبک اپنی فوج لے کر کہرام سے دہلی منتقل

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۱۷ [۲] ایضاً ص ۱۲۰ [۳] ایلیٹ جلد دوم ص ۲۱۶،

ہوگیا، دواب کے اندرونی علاقہ میں داخل ہونے کے لئے کول (علی گڈھ) کا حاصل کرنا ضروری
اور جب یہ فتح ہوا تو یہاں کے قلعہ میں ایک فوج رکھی گئی، قنوج دواب کے قلب میں واقع تھا
دواب پر پورا قبضہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا تھا، جب تک قنوج پر تسلط نہ ہو، لیکن شہاب
غوری کو یہاں جے چند سے ایک زبردست مقابلہ کرنا پڑا، قنوج جب ہاتھ آیا تو یہاں گنگا کے
سات قلعے تھے، جن کی حفاظت خود گنگا کیا کرتی تھی، اس کے بعد شہاب الدین غوری کو آ
بڑھنے میں آسانی ہوئی، اس نے قنوج کے پاس ایک اور قلعہ آسنی پر قبضہ کیا، اور آگے بڑ
جونپور کے پاس قلعہ آسنی کو زیرنگیں کیا، اور یہاں سے بنارس پہونچا، جہاں سے اس کے فو
بہار کی طرف بڑھے، ان فتوحات کے بعد یہ علاقے مختلف فوجی علاقوں میں تقسیم کر دیئے گئے
(علی گڑھ) ملک حسام الدین اوغلبک کے ماتحت کیا، بنارس ایک دوسرے مشہور اور ممتاز
سردار کی نگرانی میں دیا گیا،

اسی طرح قنوج اور آسنی میں بھی فوجیں تعینات ہوئیں، اور قطب الدین ان تمام سر
کا سردار مقرر ہوا،[1] لیکن اس سلطنت کے لئے بیانہ اور گوالیار کے راجپوت راجہ سے بڑا خط
اس لئے شہاب الدین غوری نے بیانہ کو اپنی مملکت میں داخل کرنا ضروری سمجھا، بیانہ میں تھن
ایک بہت ہی مستحکم قلعہ تھا، اسی میں بہار الدین طغرل کی نگرانی میں ایک فوج رکھی گئی لیکن
کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ثابت ہوئی، اس لئے سلطان کوٹ میں ایک فوجی اڈہ بنایا گیا، جہا
گوالیار پر یلغار کرنا آسان ہوگیا، لیکن گوالیار کا قلعہ اتنا بڑا اور اونچا تھا کہ اس کی تسخیر آسا
ممکن نہ تھی، شہاب الدین غوری خود تو ناکام واپس چلا گیا، لیکن اس کے فوجی سرداروں
محاصرہ ایک سال تک جاری رکھا، اور جب یہ فتح ہوا، تو شمس الدین التتمش کی نگرانی میں

[1] الیٹ جلد دوم ص ۲۰- ۲۱۹، فرشتہ جلد اول ص ۵۸،

...ک بڑی فوج رکھی گئی[۱]

ان فتوحات کے بعد انہلواڑہ ایک خطرناک جنگی مقام باقی رہ گیا، جہاں شہاب الدین غوری کو ...ست ہو چکی تھی، اس لئے ۱۹ برس کے بعد جب قطب الدین ایبک اس کو اپنے قبضہ میں لایا تو شہاب الدین ...ری اس سے بے حد خوش تھا،

انہلواڑہ کے بعد بدایوں اور کالنجر کے قلعے فتح کئے گئے، بدایوں شمس الدین التتمش اور کالنجر ...الدین حسن ارنال کے حوالے کئے گئے، اور جب تھو بہ پر قبضہ ہوا، تو یہ بھی ہزبرالدین ہی کی نگرانی ...دیا گیا[۲]

...ر بنگال کی ...ونیاں

جب قطب الدین شمالی ہند کی فتوحات میں مشغول تھا، تو اس کے فوجی سرداروں نے بنارس کو اپنا جنگی مستقر بنا کر بہار کی طرف یلغار کی، محمد بن بختیار خلجی نے پہلے منیر ...ح کیا، پھر دو سو سواروں کیساتھ وہی ہار (بہار شریف) کے قلعہ پر حملہ کیا، اور وکرم سیلا، اور نالند ...سلا کرکے اودند اپور میں ایک قلعہ بنایا، اور یہاں ایک فوج چھوڑ کر جھارکنڈ کے دشوار جنگلوں سے ...تا ہوا بنگال کے دار السلطنت ندیا پہونچا، اس کی تسخیر کے بعد اس نے لکھنوتی (گور) میں ایک ...ومت قائم کی، جو تین سو سال تک بنگال میں مسلمانوں کی حکومت کا دار السلطنت رہا، اب یہ مالدہ ...یں محض ایک کھنڈر ہے، لیکن پہلے یہ بیس تیس میل مربع میل کا ایک شہر تھا، اس کے پچھم طرف گنگا ...تھی اور پورب طرف مہانند دریا، دکھن کی طرف گنگا اور مہانند کا سنگم تھا، اتر طرف اس کی ...صار بندی کر دی گئی تھی، اس شہر کے حصار کی بنیاد سو فٹ چوڑی تھی، دریا سے حصار تک ایک سو ...ٹ چوڑی خندق تھی، اس طرح پورا شہر ایک مضبوط حصار اور گہری کھاٹیوں سے محفوظ تھا، اس ...ہر سے دکھن طرف کچھ دور پر بھاگیرتی کے ساحل پر ایک دوسرا قلعہ تھا، جو مسلمانوں نے بنایا، یہ

---

[۱] ...تواریخ جلد اول ص ۶۲ [۲] ایلیٹ جلد دوم ص ۱۳۲ - ۱۳۱)

اوتر سے دکھن تک ایک میل لمبا تھا، اور چھ سو سے آٹھ سو گز تک چوڑا تھا، اور اس کی مضبوط فصیل ۴ فٹ اونچی اور ۸ فٹ چوڑی تھی، اس وقت اس کی آبادی چھ سے سات لاکھ تک تھی[۵۱]

لکھنوتی میں بختیار خلجی نے اپنا دارالسلطنت قائم کر لیا، تو اس نے مختلف جنگی محاذوں پر اپنی فوجیں تعینات کیں، ایک فوجی چھاونی لکھنور میں بنائی گئی، لکھنور بیر بھوم میں ہے، جو اب ناگور کہلاتا ہے، اس چھاونی میں ملک شیران مامور کیا گیا، جو اڑیسہ کی جنوب مغربی سرحد پر نگرانی کرتا تھا، اس سے بہار اور اڑیسہ میں بھی اتصال پیدا ہو جاتا تھا، ایک اور فوج دیوکوٹ میں رکھی گئی، دیوکوٹ ضلع دیناج پور میں گنگارام پور کے پاس واقع تھا، نارکوٹی یا نارکولی میں ایک اور فوج علی مردان کے ماتحت رکھی گئی، جو بعد میں لکھنوتی کا حکمراں سلطان علاء الدین مردان خلجی کے لقب سے مشہور ہوا،[۵۲]

شمال مغربی سرحد کی چھاونیاں

سلاطین دہلی کی حکومت باضابطہ قائم ہوئی، تو مذکورۂ بالا مقامات میں فوجی چھاونیاں قائم رہیں، اور حسب ضرورت فوجوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہی، اور ضرورت کے لحاظ سے بھی فوجی قلعوں اور چھاونیوں کا اضافہ بھی ہوتا، مثلاً بلبنی عہد میں میوات کے قزاقوں کی غارتگری کے انسداد کے لئے پٹیالی اور کمپیل میں قلعے بنائے گئے، اور وہاں فوجیں تعینات کی گئیں، اسی طرح غلاموں اور خلجیوں کے عہد میں تاتاریوں کے متواتر حملے ہوتے رہے، تو شمال مغربی سرحد پر قلعوں کی از سر نو تعمیر ہوئی، اور ان میں فوجوں کی تعداد بڑھائی گئی، اور ان کو یا تو شاہی خاندان یا بہت ہی ممتاز خان کی نگرانی میں رکھا گیا، بلبن کا چہیتا لڑکا محمد سلطان اور جلال الدین خلجی کا محبوب فرزند ارکلی خان ملتان میں ایک جرار لشکر کے ساتھ مامور رہا،[۵۳] اس سرحدی محاذ کی نگرانی میں کامیابی حاصل کرنا،

---

[۵۱] امپیریل گزیٹر آف انڈیا جلد سوم ص ۳۳۰ - ۳۳۳ [۵۲] طبقات ناصری ص ۱۵۷، ۱۶۲، الیٹ جلد دوم ص ۳۱۹،

[۵۳] برنی ص ۲۳۸، ۱۰۹،

ایک غیر معمولی کارنامہ سمجھا جاتا تھا، جلال الدین خلجی اور غیاث الدین تغلق ان محاذوں پر کامیابی ہی سے تخت شاہی پر بیٹھے، یہ سرحدی محاذ، ملتان، لاہور، دیبالپور، کہرام، سمانہ اور سرستی کے تھے۔

عہد تغلق کی چھاؤنیاں مسالک الابصار کے مصنف کا بیان ہے کہ سلطان محمد تغلق کے پاس نو لاکھ فوج تھی، جس میں بادشاہ کے ہم رکاب سواروں کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ دس ہزار ترکی غلام، دو لاکھ ہمرکاب غلام، دس ہزار خواجہ سرا، ایک ہزار نیزہ باز تھے، اور بقیہ فوجیں صوبوں میں رہتی تھیں، جن کے نام یہ تھے،

(۱) دہلی (۲) دیوگیری (۳) ملتان، (۴) کہرام (۵) سمانہ (۶) سیوستان (۷) اچہ (۸) ہانسی (۹) سرستی (۱۰) معبر (۱۱) تلنگ (۱۲) گجرات (۱۳) بداؤن (۱۴) قنوج (۱۵) لکھنوتی، (۱۶) بہار (۱۷) کرہ (۱۸) مالوہ (۱۹) لاہور (۲۰) کلانور (۲۱) جاجنگر (۲۲) دھور سمندر،

بعض اصطلاحات ہر صوبہ کے حاکم کے پاس ایک جرار لشکر ہوتا اس کا حاکم شاہی خاندان کا کوئی فرد ہوتا، تو اس کی ہمرکاب فوجوں کی تعداد اس کی خواہش کے مطابق ہوتی، یا اگر حاکم خان یا امیر ہوتا تو اس کے حسب مراتب فوج ہوتی، جنگی ضرورت کے وقت فوجوں میں اضافہ کرلیا جاتا، یا ہمسایہ صوبوں سے فوج طلب کرلی جاتی تھی، جو فوجیں دار السلطنت میں مقیم ہوتی تھیں، وہ حشم قلب کہلاتی تھیں، اس میں خاصہ خیل یا حشم خاص یعنی شاہی غلام، جاندار (محافظین) اور افواج قلب بھی شامل ہوتی تھیں، افواج قلب سے مراد وہ لشکری ہوتے، جو بادشاہ وقت سے وابستہ ہوکر امراء کی نگرانی میں رہتے تھے، صوبوں کے صدر مقامات میں رہنے والی فوجیں حشم اطراف کہلاتی تھیں[۱]، فوجی چھاؤنیوں کا نگہبان کوتوال ہوتا، فوجیں ہر قلعہ میں بھی ہوتیں اور اس کا نگران

---

[۱] طبقات ناصری ص ۳۲۲ و برنی ص ۵۹،

قلعہ دار کہلاتا،

شیرشاہ کی چھاؤنیاں | شیرشاہ کی فوج کا انتظام بہت ہی مرتب تھا، اس لئے اُس کی فوجیں تمام اہم جنگی مقامات پر تعینات تھیں، مثلاً ہیبت خاں نیازی تیس ہزار فوج کے ساتھ گھکر کے علاقہ میں شاہراہ کابل کی حفاظت کے لئے مامور تھا، دیپال پور اور ملتان میں فتح جنگ خاں سندھ اور شاہراہ قندھار کی نگرانی کے لئے مقرر تھا، حمید خاں کاکر ملیوت (نزد دریائے بیاس) کے قلعہ میں نگرکوٹ، جوالہ مکھی، ویدھوال اور جموں کے پہاڑے علاقے کی نگہبانی کے لئے مقیم تھا، راجپوتانہ کی حفاظت کے لئے خواص خاں جودھپور اور عیسیٰ خاں نیازی اجمیر میں متعین تھے، جنوب کی نگرانی کیلئے شجاعت خاں بارہ ہزار فوجیوں کے ساتھ ہندیہ اور ستواس میں مقرر تھا، اُن کے علاوہ فوجداروں کی نگرانی میں علاوہ سواروں کے بندوقچی بھی ہوتے، ہم صرف بندوقچیوں کی تعداد یہاں پر لکھتے ہیں، گوالیار ایک ہزار، بیانہ پانچ سو، مانڈو، سات ہزار، رنتھنبور سولہ سو، چتوڑ تین ہزار، رائے سین، ایک ہزار، چنار ایک ہزار، رہتاس دو ہزار، کالپی، بارہ ہزار، فوجدار راج محل، لکھنو، باجورہ اور دھندرہ میں بھی رہتے تھے، مرکز میں ڈیڑھ لاکھ سوار، پچیس ہزار پیدل، پانچ ہزار ہاتھی، اور کئی ہزار توپچی ہمیشہ شیرشاہ کے رکاب میں حاضر رہتے تھے،[1]

عہد مغلیہ کی چھاؤنیوں کا انتظام | مغلوں کے دور میں اُن کی فوجیں بھی دارالسلطنت کے علاوہ تمام صوبوں میں پھیلی ہوئی تھیں، اکبر کے زمانے میں حسب ذیل صوبے تھے،

(۱) آگرہ (۲) الہ آباد (۳) اودھ (۴) اجمیر (۵) احمد آباد (۶) بہار (۷) بنگال (۸) دہلی (۹) کابل (۱۰) لاہور (۱۱) ملتان (۱۲) مالوہ (۱۳) برار (۱۴) خاندیس (۱۵) احمد نگر (۱۶) اڑیسہ (۱۷) تلنگانہ (۱۸) آسام (۱۹) کشمیر (۲۰) بگلانہ (۲۱) دولت آباد،

---

[1] ایلیٹ جلد چہارم ص ۴۱۶-۱۷،

شاہجہانی عہد میں کچھ اور صوبے بڑھ گئے تھے، بادشاہ نامہ جلد دوم (ص ۱۱-۷۱۰) میں ان صوبوں کے نام یہ درج ہیں :-

(۱) شاہجہاں آباد (۲) اکبرآباد، (۳) لاہور (۴) اجمیر (۵) دولت آباد، (۶) برار (۷) احمد آباد (۸) بنگالہ (۹) الہ آباد (۱۰) بہار (۱۱) مالوہ (۱۲) خاندیس (۱۳) اودھ (۱۴) تلنگانہ (۱۵) ملتان، (۱۶) اوڑیسہ (۱۷) کابل (۱۸) کشمیر، (۱۹) ٹھٹھ (۲۰) بلخ (۲۱) قندھار (۲۲) بدخشاں، (۲۳) بگلانہ

ان صوبوں کے صدر مقام اور قلعوں کے علاوہ اُن کے ہر سرکار، ہر پرگنہ اور محال میں فوجیں رہتی تھیں، اکبری عہد کے سرکار بعض صوبوں کے پرگنے، اور فوجوں کی تفصیل ذیل میں درج ہے،

بنگال میں چوبیس سرکار اور سات سو ستاسی محل تھے، اور ۲۳ ہزار تین سو بیس سوار آٹھ لاکھ، ایک ہزار ڈیڑھ سو پیادے، ایک ہزار ایک سو ستر ہاتھی چار ہزار دو سو ساٹھ توپیں اور چار ہزار چار سو کشتیاں یہاں کی فوجی طاقت تھی،

بہار میں سات سرکار ایک سو ننانوے پرگنے تھے اور گیارہ ہزار پندرہ سو سوار چار لاکھ انچاس ہزار تین سو پچاس پیادے اور سو کشتیاں موجود رہتی تھیں،

الہ آباد میں دس سرکار، اور ایک سو تہتر پرگنے تھے، اور گیارہ ہزار تین سو چھتر سوار دو لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستر پیادے اور تین سو تیئیس ہاتھی موجود رہتے تھے،

اودھ میں پانچ سرکار اور ایک سو اڑتیس پرگنے تھے، سات ہزار چھ سو چالیس سوار اور ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار دو سو پچاس پیادے اور انسٹھ ہاتھی یہاں کی مقامی فوج تھی،

آگرہ میں تیرہ سرکار اور دو سو تین پرگنے تھے، پچاس ہزار چھ سو اکاسی سوار اور پانچ لاکھ تہتر ہزار پانچ سو ستر پیادے، اور دو سو اکیس ہاتھی یہاں رہتے تھے،

مالوہ میں بارہ سرکار اور تین سو ایک پرگنے تھے، انتیس ہزار چھ سو اڑسٹھ سوار، چار لاکھ

ستر ہزار تین سو اکسٹھ پیادے، اور نوے ہاتھی یہاں کی مقامی فوج تھی،

گجرات میں نو سرکار ایک سو اٹھانوے پرگنے تھے، بارہ ہزار چار سو چالیس سوار، اڑسٹھ ہزار ایک سو پیادے یہاں رہتے تھے،

اجمیر میں سات سرکار، ایک سو ننانوے پرگنے تھے، اور یہاں چھیاسی ہزار پانسو سوار اور تین لاکھ سینتالیس ہزار راجپوت پیادے تھے،

دہلی میں آٹھ سرکار دو سو تیس پرگنے تھے، اور اکیس ہزار چار سو نوے سوار اور دو لاکھ بیالیس ہزار تین سو دس پیادے رہتے تھے،

لاہور میں پانچ دوآبے چونتیس پرگنے تھے، چوّن ہزار چار سو اسی سوار اور چار لاکھ چھبیس ہزار چھیاسی پیادے تھے،

ملتان میں تین سرکار اور اٹھاسی پرگنے تھے، اٹھارہ ہزار سات سو پچاسی سوار، اور ایک لاکھ پینسٹھ ہزار چھ سو پچاس پیادے تھے،

کشمیر میں تیس محل تھے، اور تین ہزار دو سو دو سوار اور ستائیس ہزار سات سو پچیس پیادے[۱]،

یہ تعداد حالات کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، پھر جن صوبوں میں جہاں قلعے تھے، وہاں بھی فوجیں رہا کرتی تھیں، قلعوں کی تفصیل پچھلے باب میں آچکی ہے،

---

[۱] آئین اکبری جلد اوّل حصّہ دوم آئین ۱۸ -

خبررسانی

محمد بن قاسم کی ڈاک

جب کہیں فوج بھیجی جاتی تو اس کا پورا انتظام کیا جاتا کہ اس سے متعلق تمام چیزیں دارالسلطنت یا اُس کے صدر مقام میں پہونچتی رہیں، مقامات کی دوری خبررسانی میں حائل نہ ہوتی، حجاج بن یوسف ثقفی ہر تیسرے دن ایک خط محمد بن قاسم فاتح سندھ کے نام لکھا کرتا تھا[1]، جو ساتویں دن واسطۂ تخت عراق سے چل کر سندھ کی عرب چھاؤنی میں محمد بن قاسم کو مل جایا کرتا تھا، یہ ڈاک گھوڑوں کی تھی جو مختلف منزلوں پر بدل دیئے جاتے تھے[2]، دوسری صدی ہجری کے آخر میں جب تجارت کو زیادہ فروغ ہوا، اور بحری راستے آسانی سے طے ہونے لگے تو ڈاک کی مندرجۂ ذیل چوکیاں مقرر کی گئی تھیں،

بصرہ سے جزیرۂ خارک، اور جزیرۂ خارک سے جزیرۂ لاوان اور پھر یہاں سے سندھ[3]،

محمود غزنوی کی ڈاک کا انتظام

عہد غزنوی میں خبررسانی کے دو طریقے تھے، ایک تو پیادوں دوسرے سواروں کے ذریعے ہوتی تھی، پیادوں کی ڈاک کا نام مسرعان تھا، سواروں کی ڈاک کو خیل تاشاں کہتے تھے[4]، بعض خبررساں پیادے بڑی تیزی سے خبریں پہونچاتے تھے، خراسان پر جب ایلک خاں نے اچانک حملہ کر دیا، تو اس وقت سلطان محمود ہندوستان میں تھا، اس حملہ

---

[1] بلاذری ص ۴۴۲ [2] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۳ [3] ابن خرداذبہ ص ۵۷،

[4] فرشتہ جلد اول ص ۲۵،

کی خبر ایک خبر رساں پیادہ ہی نے سلطان محمود کو پہونچائی،[1] اہم خبریں خیل تاش ہی کے ذریعہ بھیجی جاتی تھیں، عرب سوار بہت تیز رفتار ہوتے، وہ جب کہیں بھیجے جاتے، تو تنخواہ کے علاوہ بھی اُن کے روزینے دیئے جاتے، اس ڈاک کا نگران اعلیٰ صاحب برید ہوتا، جو صوبوں کے اعلیٰ عہدیداروں اور فوجی سرداروں سے متعلق بھی تمام معلومات سلطان کو بھیجا کرتا تھا،[2] اسی لئے اس عہدہ پر وہی امیر مامور کیا جاتا، جس پر سلطان کو غیر معمولی اعتماد ہوتا، سلطان محمود کے بعض وزراء ابو العباس فضل ابن احمد اور ابو علی حسن بن محمد وزارت سے پہلے اس عہدہ پر فائز رہے، صاحب برید تمام خبریں صاحب رسالت کے پاس بھیجتا رہتا، صاحب رسالت خط و کتابت کا نگران اعلیٰ ہوتا تھا، اُن دونوں میں پہلے ہی علامات و نشانات مقرر ہو جاتے، جن کے ذریعہ سے وہ خط و کتابت کیا کرتے تھے تاکہ دوسرے اُن کو پڑھ کر راز معلوم نہ کر سکیں، جب بغاوت ہوتی تو باغی صاحب برید کو جھوٹی خبریں بھیجنے پر مجبور کرتے، یا وہ مسرعان یا خیل تاشاں کو راستے میں آگے بڑھنے سے روک لیتے، وقائع صاحب برید ایسی حالت میں خفیہ اشخاص سے کام لیتے، جو تاجروں، درویشوں اور طبیبوں کے بھیس میں سفر کرتے، اور اہم خطوط یا تو گھوڑوں کی زین، یا جوتوں کے تلے میں سی کر یا چھڑیوں اور ڈنڈوں کی تہ میں رکھ کر منتقل کرتے،[3]

دھاوہ، الاغ اور قاصد غوریوں نے بھی خبر رسانی کے یہی طریقے استعمال کئے، غلاموں کے زمانے میں دھاوہ، الاغ، اور قاصد کی اصطلاحیں ملتی ہیں، ان ہی کے ذریعہ فوج کو بھی خطوط بھیجے جاتے تھے، بلبن جاجنگر کی مہم میں تھا، تو لکھنوتی کے مقطع کو تاکید کر دی تھی کہ دہلی سے جتنی خبریں وہاں پہونچیں، اس کو ہفتہ میں تین یا چار بار جاجنگر ضرور پہونچائی جائیں، تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ جاجنگر کی مہم میں فوج دشوار گذار کوچ کی منزلوں سے بے حد پریشان

---

[1] فرشتہ جلد اول ص ۲۵ [2] بیہقی ص ۶۴۴، [3] بیہقی ص ۲۷۳، ۴۹، ۵۲۲، ۵۲۳، بحوالہ محمود آف غزنہ از محمد ناظم،

ہوگئی تھی، تو لشکریوں نے اپنی اپنی وصیتیں لکھ کر گھر بھیجیں، اور وہ الاغ اور قاصد کے ذریعہ خط و کتابت کرتے رہے[51]، الاغ گھوڑوں پر سفر کرنے والے خبر رساں قاصد کو کہتے تھے،

عہد خلجی کا نظام عہد خلجی میں علاء الدین کی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا تھا، اس لئے اسکو ڈاک اور فوجی خبر رسانی کا انتظام بہت مکمل کرنا پڑا، اُس نے ایک خاص محکمہ قائم کیا، جس کا نام محکمۂ برید رکھا، اس کا نگران اعلیٰ ملک برید ممالک کہلاتا اور اس کا معاون ملک نائب برید ممالک ہوتا[52]، برنی کا بیان ہے کہ علاء الدین خلجی جب دہلی سے کسی مہم پر فوج بھیجتا تو تلپٹ کی پہلی منزل سے منزلِ مقصود تک جا بجا تھانے قائم کرتا، اور ہر منزل پر الاغ کے گھوڑے بندھے رہتے، اور ہر ۱/۲ یا ۱/۴ کروہ پر دھاوے بیٹھے رہتے، اور ہر قصبہ اور گاؤں میں جہاں الاغ کے گھوڑے ہوتے کچھ عہدہ دار اور کیفیت نویس مقرر کئے جاتے، جو روز یا دوسرے یا تیسرے روز فوج کی خبریں سلطان کو دیتے رہتے اور سلطان کی سلامتی کی خبر فوج کو پہنچاتے رہتے، اس طرح کوئی جھوٹی افواہ نہ دار السلطنت میں پھیلتی، اور نہ فوج میں گشت کرتی، اس سے بڑا فائدہ ہوتا[53]، اسی کو طبقات اکبری کے مؤلف نے اپنی تاریخ میں دہرایا ہے، البتہ اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس ڈاک چوکی کو پہلے زمانہ میں یام کہتے تھے[54]، اور جب اس ڈاک چوکی کے انتظام میں خلل پڑ جاتا تو دار السلطنت میں بڑا انتشار پھیل جاتا، ملک کافور ارنگل کی مہم پر گیا، تو شروع میں علاء الدین کو برابر اس کی خبریں ملتی رہیں، لیکن اثنائے جنگ میں تلنگی پیادوں نے شورش برپا کی تو ڈاک چوکی اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکی، اور چند روز تک سلطان علاء الدین کو کسی قسم کی خبر نہ مل سکی، اس نے حالتِ اضطراب میں قاضی مغیث الدین بیانوی کو حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے پاس بھیجا کہ وہ اپنے نورِ باطن سے لشکر کی حالت سے مطلع فرمائیں، حضرت خواجہ نے فرمایا

---

۵۱ تاریخ فیروز شاہی ص ۸۸، ۸۷، ۵۲ ایضاً ص ۳۹۰ ۵۳ ایضاً ص ۳۳۰-۳۱،

۵۴ طبقات اکبری ص ۱۶۶،

کہ اس فتح کے علاوہ اور دوسری فتوحات بھی ہوں گی، اسی دن عصر کے وقت الاغ کے ذریعہ ڈاک بھی آگئی جس میں ارنگل کی فتح کی خوش خبری تھی،[۵۱]

سلطان قطب الدین خلجی کا نظام سلطنت بہت اچھا نہ تھا، لیکن اس کے زمانہ میں ڈاک کا انتظام خاطر خواہ رہا، ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ دولت آباد دہلی سے چالیس منزل ہے، اور تمام راستوں پر بید مجنوں اور قسم قسم کے درخت دورویہ لگے ہوئے ہیں، چلنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ باغ کے درمیان چلا جاتا ہے، اور ہر ایک کوس میں تین چوکیاں ڈاک کے ہرکاروں کی ہیں، اور ہر چوکی پر ہر چیز جس کی ضرورت مسافر کو ہوتی ہے، ملتی ہے، گویا وہ بازار میں جا رہا ہے، اور اس طرح یہ سڑک تلنگانہ اور معبر کے ملک تک چلی گئی ہے، جو دہلی سے چھ مہینے کا راستہ ہے، ہر ایک منزل پر بادشاہی محل ہے، اور مسافروں کے لئے سرائے ہے"[۵۲] ان سہولتوں کی وجہ سے سفر میں بھی بڑی آسانی ہوتی، ملک خسرو نے جب معبر میں خود مختاری کا اعلان کرنا چاہا تو سلطان قطب الدین خلجی کے امرا نے اُس کو دہلی واپس ہونے پر مجبور کیا، اور وہ پالکی پر بٹھا کر ڈاک چوکی کے ذریعہ دولت آباد سے دہلی صرف سات دن میں پہونچایا گیا،[۵۳]

عہد تغلق کا نظام

سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے لڑکے شہزادہ محمد الملقب بہ الغ خاں کو ارنگل کی مہم پر ۷۲۱ھ میں بھیجا تو فوجی ڈاک دہلی سے ارنگل ہفتہ میں دوبار آتی جاتی تھی، لیکن یکایک ایک مہینہ تک یہ ڈاک رُک گئی، کیونکہ راستہ کے تھانوں کو مفسدوں نے ختم کر دیا، اور جب خبر رُک گئی تو شرارت پسندوں نے سلطان غیاث الدین کی وفات کی افواہ پھیلادی، فوج میں بغاوت ہوگئی اور الغ خاں کو دیوگیر کی طرف مراجعت کرنی پڑی، لیکن بہت جلد الاغ کے

---

۵۱ برنی ص ۳۳۱-۳۲ - طبقات اکبری ج ۱ ص ۱۶۶، فرشتہ ج ۱ ص ۱۹ ۵۲ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص

۵۳ فرشتہ جلد اوّل ص ۱۲۶،

ذریعہ خبر پہونچی کہ سلطان غیاث الدین تغلق صحیح سلامت ہے تو یہ انتشار دور ہوا،[1]

شہزادہ الغ خان تخت پر محمد تغلق کے لقب سے بیٹھا تو اُس نے اپنی عام اور فوجی ڈاک کا انتظام بہت زیادہ مکمل کیا، ابن بطوطہ لکھتا ہے "سیوستان سے ملتان تک دس دن کا راستہ ہے، اور ملتان سے دارالخلافت دہلی تک پچاس دن کا، جو خبر اخبار نویس بادشاہ کو لکھتے ہیں، وہ اس کے پاس ڈاک کے ذریعہ سے پانچ دن میں پہونچ جاتی ہے، ڈاک کو اس ملک میں برید کہتے ہیں، یہاں ڈاک کی دو قسم ہوتی ہے، ایک گھوڑے اور دوسرے پیادوں کی، گھوڑے کی ڈاک کو الاق کہتے ہیں، ہر چار کوس پر گھوڑا بدلا جاتا ہے، یہ گھوڑے بادشاہ کی طرف سے رہتے ہیں، پیدلوں کی ڈاک کا یہ انتظام ہے کہ ایک میل میں جسکو کروہ کہتے ہیں تین چوکیاں ہرکاروں کی ہوتی ہیں، اس چوکی کو دھاوہ کہتے ہیں، ہر ایک تہائی میل پر ایک گاؤں آباد ہوتا ہے گاؤں کے باہر ہر ہرکارہ کیلئے برجیاں بنی ہوتی ہیں ہر ایک برجی میں ایک ہرکارہ کمر کسے بیٹھا رہتا ہے، ہر ایک ہرکارہ کے پاس ایک چھڑی دو گز لمبی ہوتی ہے جس کے سر پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوئے ہوتے ہیں، جب شہر سے ڈاک چلتی ہے تو وہ ایک ہاتھ میں لفافہ (مراد تھیلا) رکھ لیتا ہے، اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی، اور تمام طاقت خرچ کر کے دوڑتا ہے، دوسرا ہرکارہ اس کے گھنگرو کی آواز سُن کر تیار ہو جاتا ہے، اور لفافہ لے کر دوڑ پڑتا ہے، اس طرح جہاں کہیں خط پہونچانا ہوتا ہے، پہونچا دیتے ہیں، یہ ڈاک گھوڑوں کی ڈاک سے بھی جلد جاتی ہے"[2]

تاریخ مبارک شاہی میں ہے کہ ۷۲۷ھ میں سلطان محمد دیوگیر روانہ ہوا، تو اس نے دہلی سے دیوگیر تک ہر کروہ پر دھاوے یعنی پایک مقرر کئے، جن کے لئے جاگیریں بھی مقرر تھیں، وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ خطوط لے جاتے تھے، ہر منزل پر ایک بنگلہ اور خانقاہ ہوتی تھی، جہاں ایک شیخ مقیم رہتا، وہاں کھانے پینے، پان وغیرہ کا، سامان مہیا رہتا، سڑکوں کے دونوں کنارے درخت بھی

---

[1] برنی ص ۴۴۸ و طبقات اکبری جلد اول ص ۱۹۵ [2] ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۳ و ۴،

نصب کر دیئے گئے تھے[1]

عجیب و غریب نقارخانے ابن بطوطہ کے ہم عصر شہاب الدین دمشقی نے مسالک الابصار میں خبر رسانی کے ایک عجیب و غریب طریقہ کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ عہدِ تغلق میں ہر بارہ میل پر ایک نقارہ خانہ ہوتا تھا جہاں ہر وقت نقارچی باری باری بیٹھے رہتے جب ایک جگہ سے نقارہ کی آواز ہوتی، نقارچی سنکر اپنا نقارہ بجاتا، اور اس کے آگے منزل والے اس کی آواز سن کر اپنے آگے والے کو مطلع کرتے، اس طرح منزلِ مقصود تک یہ متواتر آواز پہونچ جاتی، قلقشندی کا بیان ہے کہ دہلی اور دولت آباد کے شہر پناہ کے کھلنے اور بند ہونے کی خبر بھی اسی طرح پہونچتی رہتی، نقارچی خاص خاص خبروں مثلاً فتح، شکست، دشمنوں کے حملے، امداد کی درخواست، بغاوت، قتل، ڈاکہ، ولی عہد کی ولادت، شادی، اور موت وغیرہ کی خبریں نشر کرنے میں کمال رکھتے تھے، اور اسی انداز سے نقارے پر ضرب لگاتے تھے[2]،

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں یہی انتظام رہا، لیکن کبھی کبھی نظم میں خلل پڑ جاتا، تو بڑی دشواری پیش آتی، مثلاً جاج نگر کی مہم میں فیروز شاہ راستہ بھول گیا، تو چھ مہینے تک پہاڑوں اور جنگلوں میں پھرتا رہا، اور وہ دہلی سے بے خبر ہو گیا، خود دہلی والے اس سے بے خبر ہو کر پریشان ہو گئے، چھ مہینے کے بعد راستہ ملا، تو ایک ہرکارہ دہلی روانہ کیا گیا، اور اس کی روانگی سے پہلے اعلان کیا گیا کہ جس کا جی چاہے اپنے اہل و عیال کو اپنی خیریت لکھ بھیجے، لشکر کے لوگوں نے خط لکھ کر فیروز شاہ کی قیامگاہ کے پاس اتنے ڈھیر لگا دیئے کہ ایک اونٹ پر لاد کر ان کو بھیجنا پڑا[3]،

سکندر لودی جب کہیں فوج بھیجتا تو دو فرمان روزانہ اس کے پاس بھیجتا، جس میں ایک صبح اور

---

[1] تاریخ مبارک شاہی ص ۹۵-۹۸۔ نیز دیکھو بدایونی جلد اول ص ۲۲۶ [2] معارف نمبر ۶ جلد ۲۶ [3] عفیف ص ۱۷۳-۱۷۲،

ایک شام کو پہونچتا، اور اُن میں وہ ضروری ہدایتیں دیتا کہ فوج کہاں قیام کرے اور کیا اور کیا نہ کرے، اور کوئی بات غلط ہوتی تو وہ فوراً تحقیقات کراتا،[۵۱]

بابری نظم | بابر ہندوستان آیا تو اُس نے آگرہ سے کابل تک پیادوں کے علاوہ گھوڑوں کی ڈاک کا بھی پورا انتظام کیا، وہ اپنی تزک میں لکھتا ہے:

"پنجشنبہ چوتھی ربیع الاوّل (۹۳۵ھ) کو یہ تجویز کی کہ چقماق بیگ شاہی تمغاچی محرّروں کو ساتھ لے کر آگرہ سے کابل تک جریب سے پیمایش کرے، اور ہر نو کوس پر ایک مینار بنا دیا جائے، جس کی بلندی بارہ گز کی ہو، اس مینار پر چوبرجی بنائی جائے، ہر اٹھارہ کوس پر چھ گھوڑوں کی ڈاک چوکی بٹھائی جائے، ان گھوڑوں کے دانہ گھاس کی یہ تجویز کی کہ اگر چوکی کا خالصہ پرگنہ میں ہو، تو دانہ گھاس وہاں سے ملے، اور اگر کسی کی جاگیر میں ہے تو جاگیردار کے ذمہ، چقماق بیگ اسی دن آگرہ سے روانہ ہوگیا، اس کوس کی پیمائش میل کے موافق مقرر کی گئی، گز ۹ مٹھی کا جریب چالیس گز کی، کوس سو جریب کا معیّن کیا گیا"[۵۲]

اس سے فوجی ڈاک کی آمد و رفت میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی، مذکورۂ بالا نظم سے پہلے بھی بابر پیام کے جلد از جلد پہونچانے پر برابر زور دیتا رہا، وہ بدخشاں سے ایک مہینہ کے اندر خبریں حاصل کر لیا کرتا تھا، اُس نے ایک بار ہمایوں کی بڑی تنبیہ کی کہ بدخشاں سے ہندوستان کا سفر ایک مہینہ سے زیادہ نہیں لیکن اس کے قاصد نے آنے جانے سے ایک سال لگایا،[۵۳]

دہلی اور کابل کے درمیان کا انتظام | اکبر نے بنگال سے کابل، اور دہلی سے دکن تک ڈاک کا بہت ہی معقول انتظام کر رکھا تھا، ہر شارع عام پر پانچ پانچ کوس کے فاصلے پر دو گھوڑے اور چند

---

۵۱ طبقات اکبری ج ۱ ص ۳۳۷-۳۸،

۵۲ تزک بابری اردو ترجمہ ص ۳۳۸، ۵۳ ایضاً،

میورے تعینات رہتے تھے، جن کو عام اصطلاح میں ڈاک چوکی کہا جاتا، جب کوئی شاہی فرمان یا فوجی سردار کا کوئی پیام ایک چوکی پر پہونچتا تو میورے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کو دوسری ڈاک چوکی پر پہونچا دیتے، چنانچہ ایک دن رات میں پچاس کوس راستہ طے ہو جاتا تھا آگرہ سے احمد آباد پانچ روز میں خبر پہونچ جاتی تھی، چار ہزار تیز رو میورے اس کام کے لئے مقرر تھے، اور اُن کی تیز رفتاری سے دس روز میں سات سو کوس طے ہو جاتے تھے،[1]

اکبر کے زمانہ میں جب بہت سی سڑکیں بن گئیں تو خبر رسانی کے نظم میں اور سہولتیں پیدا ہو گئیں، جب جہانگیر کی وفات ہوئی، تو بنارسی داس ہتہ دار وندوفیل خانہ نے شاہ جہاں کو جنیر (احمد نگر) بیس روز میں خبر پہونچائی، جہاں وہ ایک فوجی مہم میں تھا، یہ مسافت ڈیڑھ ہزار میل تھی،[2] شاہجہاں نے بھی اپنے دور میں ڈاک کا ایسا انتظام رکھا تھا کہ اس کو کابل، بلخ، بدخشاں، اور ایران سے برابر خبریں ملتی رہتی تھیں، اُس نے شہزادہ مراد کو بلخ کی مہم پر بھیجا تو دار السلطنت میں بیٹھے بیٹھے وہ کوچ اور مہم کی ہدایتیں دیتا رہتا تھا، اور شہزادہ کی سُست رفتاری اور کاہلی پر تنبیہ بھی کیا کرتا تھا،[3]

عالمگیری انتظام اورنگ زیب نے حکم دے رکھا تھا کہ ڈاک لے جانے والے ایک گھڑی میں ایک کوس جریبی راہ طے کریں، جریب ۲۵ ذراع اور ذراع ۴۲ انگلی کا ہوتا تھا، ایک کوس میں دو سو جریب ہوتے تھے، جو پانچ ہزار ذراع شاہجہانی کا ہوتا تھا، ہرکاروں کو چوکی بہ چوکی جلد از جلد اپنی اپنی حد سے پہونچانے کے لئے زمینداروں، تھانہ داروں اور فوجداروں کو محافظ سپاہی رکھنا پڑتا تھا، تاکہ ہرکارہ کے پہونچتے ہی کسی توقّف کے بغیر روانہ ہو جاتے، اگر وہ دیر کر کے پہونچتا تو اس کی سخت پرسش ہوتی، اور اس پر جرمانہ کیا جاتا،[4] ڈاک احمد آباد سے شاہجہاں آباد یا آگرہ تک

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اوّل ص ۲۰۲، [2] عمل صالح جلد اوّل ص ۲۱۲ [3] بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۲۰۲،

[4] خاتمہ مرأۃ احمدی جلد دوم ص ۱۱۷، ۱۱۸،

عام طور سے ۱۲ دن میں پہونچ جاتی، لیکن ضرورت کے وقت ایک ہفتہ میں بھی پہنچائی جاتی، ہر صوبہ میں ڈاک کی چوکیاں ہوتی تھیں، مثلاً احمد آباد سے اجمیر تک حسب ذیل چوکیاں تھیں (۱) کالی (۲) اڈالج (۳) پانسر (۴) جورنگ (۵) مہانہ (۶) بھانڈ (۷) اونجہ (۸) سید پور (۹) سلاو (۱۰) جلبودی (۱۱) پالن پور (۱۲) بھونری (۱۳) وانتی (۱۴) کبنھو دارہ (۱۵) پانتی (۱۶) بانت (۱۷) بڈھ کانم (۱۸) ڈونگری (۱۹) کودی (۲۰) بھیل مال (۲۱) سونت (۲۲) تورنا (۲۳) مودرا (۲۴) جالور (۲۵) دیباواس (۲۶) بھورانی (۲۷) کھندب، ۶۲ میورے، ان چوکیوں کے لئے مقرر تھے، ان کی مجموعی تنخواہ ۲۵۰۰ روپیہ ماہانہ تھی، احمد آباد سے بھروچ تک حسب ذیل چوکیاں تھیں (۱) بٹوہ (۲) باریجری (۳) کہنیج (۴) محمود آباد (۵) اندیج سلود (۶) نریاد (۷) بوریائی (۸) ہاڈگود (۹) باسد (۱۰) رتولی، (۱۱) برودہ (۱۲) ہتادی (۱۳) کاردال (۱۴) چرندرہ (۱۵) کرہالی (۱۶) بھروچ ان کے لئے ۳۵ ہرکارے تھے، جن کی کل تنخواہ ایک سو ساڑھے آٹھ آنے تھی[۵۱]، ہر چوکی پر دو تاریخ نویس، دو میورے اور ایک داروغہ ہوتا تھا تاریخ نویس میورے کی آمد اور روانگی درج کرتے، دو میورے ڈاک لے کر باری باری روانہ ہوتے، داروغہ ان سب کا نگران ہوتا[۵۲]، ڈاک کا مرکزی محکمہ داروغۂ ڈاک چوکی کے ماتحت ہوتا، اس کی ماتحتی میں وقائع نگار، سوانح نویس، خفیہ نویس اور ہرکارے ہوتے لیکن یہ عہدے فوجی نہ ہوتے، بلکہ انتظامی امور کے سلسلہ کے تھے، اس لئے اس کی تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، گو ان ہی کے ذریعہ لشکر کی خبریں بھی ملتی رہتی تھیں[۵۳]،

خفیہ خبر رسانی مذکورۂ بالا خبر رسانی کے علاوہ لشکر میں خفیہ خبر رسانی کا بھی انتظام تھا جس سے عموماً غنیم کی خبریں ملا کرتی تھیں، محمود غزنوی جب کسی مہم پر جاتا تو پہلے جاسوس چاروں طرف بھیج دیتا،

---

[۵۱] مرآۃ احمدی جلد دوم ص ۱۱۰ [۵۲] ایضاً ص ۱۱۷ و ۱۱۶ [۵۳] تفصیل کے لئے دیکھو راقم کا انگریزی مضمون دی پوسٹل سسٹم آف دی مسلم رولز آف انڈیا" اسلامک کلچر، حیدرآباد، جولائی ۱۹۴۴ء

جو علاقہ اور غنیم کی فوجوں سے متعلق تمام خبریں پہونچایا کرتے تھے[۱]، جاسوسوں کا رکھنا، اہم فوجی فرائض میں سے تھا جس کو نظر انداز نہ کرنے کی تاکید ہمیشہ کی جاتی، ملک کے انتظامی معاملات کے سلسلہ میں تو زمانہ میں جاسوسوں کا جال بچھا رہتا تھا، محمود غزنوی نے اس کیلئے دیوان شغل اشراف مملوکات کا محکمہ ہی قائم کر رکھا تھا، وہ بڑی بڑی امرا کو پوشیدہ تنخواہیں دیا کرتا تھا کہ وہ دوسرے امرا کے حالات سے اس کو باخبر رکھیں، کبھی عورتوں سے بھی جاسوسی کا کام لیا جاتا تھا، کبھی امرار کے ملازمین ہی جاسوس بنے رہتے ا کبھی کچھ لوگ بھیس بدل کر بیرونی ممالک چلے جاتے، اور سلطان کو وہاں کی خبریں بھیجتے رہتے، اس کو ترکستان کے خوانین کی خبریں برابر ملا کرتی تھیں، علار الدین خلجی کے عہد میں جاسوسی کے محکمہ کو اس قدر ترقی ہوگئی تھی کہ علار الدین رعایا اور فوج کی چھوٹی بڑی باتوں سے ہمیشہ باخبر رہتا[۲]، سکندر لودی کو اپنی رعایا، اور فوج سے ہر وقت اس قدر واقفیت رہتی تھی کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کوئی جن اس کا دوست ہے جو اس کو غیب کی باتوں سے بھی آگاہ کرتا ہے[۳]،

فوج کے آگے جو دستہ طلایہ یا مقدمہ پیش یا یزک کہلاتا، وہ بھی دشمنوں کی مختلف خبریں پہنچایا کرتا تھا، اچھا جاسوس وہ ہوتا، جو غنیم کی فوج کی تعداد اور اس کی جنگی تدبیروں سے اپنے فوجی سردار کو باخبر رکھتا تھا، بنگالہ کی مہم کے سلسلہ میں بابر لکھتا ہے کہ بنگالے سے دو چار جاسوس آئے، انھوں نے بیان کیا کہ بنگالیوں نے دریاے گندیک کے کنارے پر چوبیس حصے کر کے فصیل اٹھائی ہے، اور ان کا سردار مخدوم عالم ہے"، اس خبر سے بابر کو مہم میں بڑی مدد ملی، اور اس نے فوجی کارروائی کا طریقہ ہی بدل دیا، (بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۳۵۱)

۹۴۵ھ میں ہمایوں جب چنار کے محاصرہ میں تھا، تو اس کو محصورین کی قوت کا صحیح اندازہ لگانے کی فکر ہوئی، اس کے آتش اسلحہ کا نگران اعلیٰ رومی خاں بھی یہ جاننا چاہتا تھا کہ قلعہ کا

۱؎ ایلیٹ جلد دوم ص ۱۴۹ ۲؎ برنی ص ۲۸۰، ۲۸۲-۲۸۲ ۳؎ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۸۷، طبقات اکبری جلد اول ص ۳۲۷-۳۳۰

کون سا حصہ کمزور ہے جس کو مسمار کر کے وہ اندر داخل ہو سکتا ہے۔ اس کے پاس ایک حبشی ملازم خلافت نامی تھا، جس کو اس نے قلعہ کے اندر جاسوس بنا کر بھیجا، اور وہ اس طرح کہ پہلے اس کے بدن پر خوب کوڑے لگائے، جس کے نشانات نمایاں رہے اور اس کو ہدایت دی کہ وہ فریاد کرتا ہوا قلعہ والوں سے جا ملے، خلافت نے ایسا ہی کیا، محصورین نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور اس کو قلعہ کے اندر لے جا کر اس کی مرہم پٹی کی، خلافت نے ان لوگوں سے ظاہر کیا کہ وہ حصار کی جنگ سے اچھی طرح واقف ہے، اگر اس کے قلعہ کے تمام مقامات دیکھنے کی اجازت دی گئی تو وہ پھر بتا سکتا ہے کہ محاصرہ کرنے والوں پر کہاں سے زد لگائی جا سکتی ہے، محصورین اس کے فریب میں آگئے، خلافت نے قلعہ کی ایک ایک جگہ کا معائنہ اچھی طرح کیا، اور جب ساری معلومات حاصل کر لئے تو ایک رات چپکے سے قلعہ سے باہر نکل کر رومی خاں سے آملا، اور اس نے دریا کی طرف سے قلعہ شکنی کا مشورہ دیا، جس کے بعد محصورین پسپا ہوئے[1]، رانی درگاوتی نے جب اکبر سے جنگ کی تو اس نے فوج کی نگرانی اتنی ہوشیاری سے کی کہ اس کو کوئی خبر اکبر کے فوجی سردار آصف خاں کے پاس نہیں پہونچتی تھی، جس سے آصف خاں بڑی پریشانی میں مبتلا رہا[2]، یہ جاسوس عموماً بنجارے لکڑہارے اور مختلف اشیا کے تاجروں اور فقیروں اور سادھوؤں کی شکل میں غنیم کے ارد گرد چکر لگاتے، اور مفید معلومات فراہم کرتے،

---

[1] تذکرۃ الواقعات انگریزی ترجمہ ص ۱۳، ۱۲ - [2] اکبر نامہ جلد دوم ص ۲۱۳، ۲۱۲

تعداد

محمود غزنوی کی فوجوں کی تعداد

محمود غزنوی ہندوستان اپنی فوج کے ساتھ آتا تو مختلف اوقات میں اس کے ساتھ مختلف تعداد کی فوج رہتی، وہ ۳۹۱ھ (مطابق ۱۰۰۲ء) میں جے پال کے خلاف لڑا تو اس کے ساتھ پندرہ ہزار سوار تھے، اور پیدل فوج کی ایک کثیر تعداد تھی، جے پال کے ساتھ بارہ ہزار سوار، تین لاکھ پیدل اور تین سو ہاتھی تھے[1]، ۴۰۹ھ (مطابق ۱۰۱۸ء) میں محمود غزنوی متھرا اور قنوج آیا، تو اُس کے باضابطہ سپاہیوں کی کل تعداد گیارہ ہزار تھی، اور بیس ہزار رضاکار تھے[2]، سومنات کی مہم میں اُس کے ساتھ ۳۰ ہزار سوار، بیس ہزار باربرداری کے اونٹ اور سیکڑوں رضاکار تھے، لیکن جب وہ ۴۰۶ھ میں بلخ پر حملہ آور ہوا، تو اُس کے ساتھ ایک لاکھ فوجی تھے، وہ ہاتھیوں کی بھی ایک بڑی تعداد اپنے لشکر میں رکھا کرتا تھا، فتوح السلاطین میں اُس کے ہاتھیوں کی تعداد دو ہزار تک بتائی گئی ہے، غلام بھی ساتھ ہوتے، جن کی تعداد چار ہزار تک ہوتی، لشکریوں میں مختلف اقوام کے افراد مثلاً عرب، افغانی، دیلمی، خراسانی، غوری اور خلجی ہوتے، محمود کی کوشش یہ رہتی کہ ایک قوم کے افراد کی اکثریت نہ ہونے پائے تاکہ وہ اپنی اکثریت کے غلبہ میں نامناسب رویہ اختیار نہ کریں[3]،

پرتھوی راج کی فوج کی تعداد

شہاب الدین غوری اور پرتھوی راج سے پہلی بار ترائین میں مڈبھیڑ

---

[1] گردیزی ص ۶۶ [2] عتبی ص ۳۰۴ [3] الیٹ جلد دوم ص ۳۲،

ہوئی تو فرشتہ زین المآثر کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ پرتھوی راج کے لشکر میں دو لاکھ سوار اور تین ہزار جنگی ہاتھی تھے، اس کے مقابلہ میں شہاب الدین غوری کی فوج بارہ چودہ ہزار سوار سے زیادہ نہ تھی، دوسری بار دونوں کی جنگ اسی میدان میں ہوئی، تو ہم عصر تاریخوں میں پرتھوی راج کی فوج کا تخمینہ تین لاکھ سوار بتایا گیا ہے، جنگی ہاتھی، تیر انداز اور پیدل سپاہی اُن کے علاوہ تھے، ڈیڑھ سو راجے اور راج کمار اپنے اپنے دستے لیکر اور قسمیں کھا کر جنگ میں شریک ہوئے تھے، کہ ماریں گے یا مر جائیں گے لیکن میدان سے قدم نہ ہٹائیں گے، اس کے مقابلہ میں شہاب الدین غوری کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار ترکی، خلجی اور افغانی سردار اور سپاہی تھے[1] اور یہ فوج جدھر سے گذرتی، اُدھر برچھوں کی کثرت سے نیزوں کا بن نظر آنے لگتا تھا،

غلاموں اور خلجیوں کے لشکر کی تعداد

طبقاتِ ناصری کے مؤلف کا بیان ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے میں دو لاکھ پیادے اور پچاس ہزار سواروں نے دہلی میں گھر بنالئے تھے،[2] بلبن لکھنوتی کی مہم پر گیا تو اُسکی فوج کی منجملہ تعداد دو لاکھ تھی،[3] تاتاریوں کے بار بار حملوں سے عاجز ہو کر علاء الدین خلجی نے چار لاکھ چھہتر ہزار سوار کی ایک جرار فوج تیار کی جس کی وجہ سے تاتاریوں کی غارتگری سے ملک بالکل محفوظ رہا، اگر ان حملہ آوروں میں سے کوئی پہونچ جاتا تو وہ تباہ و برباد ہو کر واپس چلا جاتا،[4]

تغلقوں کے لشکر کی تعداد

محمد تغلق کی فوج میں نو لاکھ سوار تھے، کچھ تو دار السلطنت میں رہتے تھے، اور کچھ صوبوں میں مقیم ہوتے، صبح الاعشیٰ کے مصنف کا بیان ہے،

"سلطان محمد تغلق کی شاہی فوج نو لاکھ پر مشتمل ہے، جس میں ترکی، ایرانی اور ہندوستانی وغیرہ تمام قومیں ہیں، فوج نہایت زرق برق لباس میں ملبوس اور نہایت شان و شوکت

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۱۹ [2] ایضاً ص ۳۱۰ [3] برنی ص ۸۲ [4] فرشتہ جلد ۱ ص ۱۱۵،

سے عربی گھوڑوں پر سوار رہتی ہے .... ہر خان کے پاس دس ہزار سوار، ہر ملک کے پاس ایک ہزار سوار، ہر امیر کے پاس سو سوار، اور ہر سپہ سالار کے پاس ایک سو سے کم سوار ہوتے ہیں، خاص بارگاہ سلطانی میں اس سے زیادہ خوانین حاضر رہتے ہیں، اس شاہی فوج کے علاوہ ایک متعین تعداد ملازمین بارگاہ کی ہے، جو ہر وقت محل شاہی کے گرد موجود رہتے ہیں، وہ یہ ہیں، ترکی غلام دس ہزار، خزانہ دار ایک ہزار، ہمرکاب غلام دو لاکھ، خواجہ سرا دس ہزار شمقدار (؟) ایک ہزار، نیزہ باز ایک ہزار،[1]

سلطان محمد تغلق نے جب خراسان کی مہم کی تیاری کی تو برنی کا بیان ہے کہ تین لاکھ ستر ہزار سوار کے نام دیوان عرض کے دفتر میں لکھے گئے،[2] ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ وہ قراجیل کی مہم میں ایک لاکھ سوار اور پیادے شریک تھے،[3] مسالک الابصار کا مصنف رقمطراز ہے کہ دنیا کی کوئی اور سلطنت محمد بن تغلق کی فوجی قوت کے برابر نہ تھی،

فیروز شاہ لکھنوتی کی پہلی مہم میں گیا، تو اُس کے پاس نوے ہزار سوار اور ایک ہزار کشتیاں تھیں، اس کے مقابلہ میں شمس الدین اکدالہ کے پاس دس ہزار سوار، دو لاکھ پیادے، اور پچاس ہاتھی تھے[4] لکھنوتی کی دوسری مہم میں فیروز شاہ اسی ہزار سوار، بے شمار پیادے اور چار سو ستر ہاتھیوں کے ساتھ گیا،[5] وہ ٹھٹھہ کی مہم پر روانہ ہوا، تو اُس کے ساتھ نوے ہزار سوار، چار سی لاکھ پیادے، اور چار سو اسّی ہاتھی تھے، اس کے مقابلہ میں جام بابنیہ بیس ہزار سوار اور چار لاکھ پیادے جمع کر سکا،[6] ان لشکریوں کے علاوہ فیروز شاہ کے پاس ایک لاکھ اسی ہزار غلام تھے،[7]

---

[1] معارف نمبر ۶ جلد ۲۶ [2] برنی ص ۴۷۷ [3] سفرنامہ اردو ترجمہ ص ۱۶۷ [4] عفیف ص ۱۱۴، ۱۱۵ [5] ایضاً ص ۱۴۴ [6] ایضاً ص ۱۹۷،

[7] ایضاً ص ۲۷۰،

محمود تغلق تیمور کے خلاف جنگ کرنے کے لئے میدان میں اترا، تو اُس کے پاس کل دس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادے، اور ایک سو بیس کوہ پیکر ہاتھی تھے۔[1]

ابراہیم لودی کی فوج کی تعداد بابر ابراہیم لودی کی کل فوج کی تعداد پانچ لاکھ بتاتا ہے، لیکن بابر کے خلاف پانی پت کے میدان میں ایک لاکھ سوار اور پیادے اور ایک ہزار ہاتھیوں کے ساتھ اُترا، ابراہیم لودی کے لشکر جرار کے مقابلہ میں بابر کی فوج کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی،[2]

راناسانگا کی فوج کنواہہ کی جنگ میں راناسانگا دو لاکھ ایک ہزار سوار کے ساتھ لڑا، اُس کے مقابلہ میں بابر کی کل فوج آٹھ ہزار تھی،[3]

ہمایونی فوج ہمایوں شیرخاں کے خلاف قنوج کی لڑائی میں ایک لاکھ سوار کے ساتھ شریک ہوا، اس لڑائی میں شیرخاں کے ساتھ پچاس ہزار سوار تھے۔[4]

شیرشاہی فوج شیرشاہ کے پاس ڈیڑھ لاکھ سوار، پچیس ہزار پیادے، اور پانچہزار ہاتھی تھے، سرکاروں میں جو فوجیں متعین تھیں، ان کی تعداد اسکے علاوہ تھی،[5] سکندر خاں سوری جب ہمایوں سے برسرپیکار ہوا، تو اس کے پاس اسی ہزار سوار، بہت سے کوہ پیکر ہاتھی، اور توپخانے تھے، کل تعداد ایک لاکھ تھی،[6]

اکبری فوج اکبر نے ہیمو بقال سے پانی پت میں جنگ کی تو ہیمو کے پاس ایک لاکھ سوار اور ڈیڑھ ہزار جنگی ہاتھی تھے،[7] ابوالفضل کے بیان کے مطابق اکبر کے ساتھ کل دس ہزار فوج تھی، جس میں پانچ ہزار فوجی لڑائی کے کام کے نہ تھے،[8] لیکن اکبر نے بادشاہ بن کر جب منصبداری نظام قائم کیا، تو ایک

---

[1] ظفرنامہ جلد دوم ص ۱۰۰ [2] تزک بابری اردو ترجمہ ص ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۹ [3] ایضاً ص ۳۱۲-۳۱۳ اکبرنامہ جلد اول ص ۱۰۶، تاریخ فرشتہ ص ۲۰۸ [4] طبقات اکبری جلد دوم ص ۴۵ [5] ایلیٹ جلد چہارم ص ۱۷، ۱۶۴ و شیرشاہ از کالکارنجن قانونگو ص ۳۶۷ [6] طبقات اکبری جلد دوم ص ۸۳ [7] طبقات اکبری جلد دوم ص ۱۳۹ [8] اکبرنامہ جلد سوم ص ۳۷،

جرار لشکر خود بخود قائم ہوگیا، ہر منصبدار کو لشکریوں کی ایک مقررہ تعداد رکھنی پڑتی تھی، جو ضرورت کے وقت میدانِ جنگ میں لڑا کرتے تھے، منصب داروں کے ساتھ ساتھ رہنے والی فوج کی میزان تقریباً ایک لاکھ سوار ہوتی ہے، لیکن اکبر اپنے رکاب میں پینتالیس ہزار سوار، اور ۵ ہزار ہاتھی رکھا کرتا تھا[51]، اس کے علاوہ ہر سرکار اور سرکار کے ہر دستور میں ہاتھیوں، سواروں اور پیادوں کی ایک تعداد مقرر رہتی تھی، آئینِ اکبری میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے، مثلاً سرکار الہ آباد میں پانچ سو اسی سوار، سات ہزار ایک سو پیادے، سرکار غازی پور میں تین سو دس سوار، سولہ ہزار چھ سو پچاس پیادے، سرکار بنارس شرقی میں آٹھ سو بیس سوار، آٹھ ہزار چار سو پیادے، سرکار جونپور میں نو سو پندرہ سوار چھتیس سو پیادے مذکور ہیں[52]، یہ تو وہاں موجود رہتے، یا ضرورت کے وقت بھرتی کرلئے جاتے، یا دارالسلطنت طلب کرلئے جاتے، اس طرح بے قاعدہ نیم مسلح فوج کا شمار ابوالفضل نے چوالیس لاکھ بتایا ہے،

شاہجہانی لشکر عبدالحمید لاہوری نے شاہجہانی عہد کے باضابطہ لشکر کی حسبِ ذیل تعداد لکھی ہے،

سوار دو لاکھ، منصبدار آٹھ ہزار، احدی و برق انداز سوار سات ہزار، تفنگچی و توپ انداز و بان انداز چالیس ہزار، سوار و تابینان شہزادگان ایک لاکھ پچاس ہزار[53]، صوبوں اور پرگنوں میں، پھر فوجداروں، عاملوں اور کروریوں کے ساتھ جو فوجیں تھیں، وہ اُن کے علاوہ تھیں، شاہجہان نے قید ہونے سے پہلے ایک خط میں لکھا تھا کہ وہ نو لاکھ فوج کا مالک ہے،

عالمگیری فوج برنیر نے عالمگیری فوج کی تعداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

" جو فوج صوبوں میں مامور رہتی ہے اُس کی اور حاضر رکاب فوج کی حالت میں اس کے سوا

---

[51] تفصیل کے لئے دیکھو اکبر دی گریٹ از وی۔ اے، اسمتھ ص ۳۶۱ [52] دیکھو آئین اکبری جلد دوم ص ۳، ۲، ۷، [53] بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۷۱۵،

اور کچھ فرق نہیں ہے کہ صوبوں کی فوج تعداد میں زیادہ ہے اور ہر ایک صوبہ میں امرا منصبدار، روزینہ دار معمولی سوار، پیادے اور توپخانے موجود رہتے ہیں، چنانچہ ایک صوبہ دکن ہی میں بیس پچیس اور بعض اوقات تیس ہزار سوار رہتے ہیں جو گولکنڈہ کے طاقتور بادشاہ کے دھمکانے اور بادشاہ بیجاپور اور ان راجاؤں سے لڑنے کے لئے ضرورت سے کچھ زیادہ نہیں ہیں جو باہمی بچاؤ کی خاطر اپنی اپنی فوجیں لے کر بیجاپور کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں، صوبہ کابل میں جو فوج ہے اور جس کا ایران، بلوچستان، افغانستان اور پہاڑی ملکوں کی مخالفانہ حرکات کی روک تھام کے لئے رہنا ضروری ہے، بارہ یا پندرہ ہزار سے کم نہیں ہو سکتی۔ صوبہ کشمیر میں چار ہزار سے زیادہ فوج رہتی ہے، اور چونکہ کوئی صوبہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں بلحاظ اس کی وسعت اور خاص موقع کے کم یا زیادہ فوج کا رکھنا ضروری نہ ہو اسلئے کل فوج کی تعداد اس قدر ہے جس پر مشکل سے اعتبار ہو سکتا ہے، چنانچہ فوج پیادہ کو جو شمار میں کم ہے، الگ رکھ کر اور گھوڑوں کی تعداد جو صرف نام کے لئے ہے، اور جس کو سن کر ناواقف شخص دھوکا کھا سکتا ہے، چھوڑ کر میں اور دوسرے واقف کار لوگ خیال کرتے ہیں کہ سوار جو بادشاہ کے ہمرکاب رہتے ہیں، راجپوتوں اور پٹھانوں سمیت پینتیس یا چالیس ہزار سوار ہوں گے، جو صوبوں کی فوج کے ساتھ مل کر دو لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں،

"میں نے بیان کیا ہے کہ پیدل تھوڑے ہیں، چنانچہ میری دانست میں پیادہ فوج جو بادشاہ کے ہمرکاب رہتی ہے، بندوقچیوں اور توپخانہ کے پیدل سپاہیوں اور اور لوگوں سے جو توپخانہ سے متعلق ہیں، مل جل کر پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں ہے، اور اسی سے صوبوں کی فوج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، مگر میں نہیں جانتا کہ بعض لوگ پیدل فوج کی تعداد

کیوں بہت زیادہ بتاتے ہیں، شاید نفروں، خدمت گاروں بھٹیاروں اور تمام اہلِ بازار جو ساتھ رہتے ہیں، فوج ہی میں گن لیتے ہوں گے، اور واقعی اگر سب بھیڑ بھاڑ کو شامل کر لیا جائے، تب تو صرف اسی لشکر کی تعداد جو بادشاہ کی ذات خاص کے ساتھ رہتا ہے خصوصاً جب لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کا ارادہ کچھ مدت کے لئے تخت گاہ سے باہر رہنے کا ہے، دو تین لاکھ پیادوں سے کم نہیں رہتی، اور جب ان امور پر غور کیا جائے کہ کس قدر ڈیرے خیمے اور باورچی خانے اور اسباب اور ساز و سامان اور عورتیں عموماً لشکر کے ساتھ رہتی ہیں، اور ان سب کے اٹھانے کے لئے کس قدر ہاتھی، اونٹ، بیل، گھوڑے، اور حمال ضروری ہیں تو اس تعداد میں جو میں نے خیال کی ہے، مبالغہ نہیں معلوم ہوگا۔"[1]

اورنگزیب کے شہزادوں کی فوج

اورنگزیب کے لڑکوں میں تخت و تاج کی جنگ چھڑی تو جاجو کی لڑائی میں بہادر شاہ کے ساتھ اسی ہزار سوار اور اس کے مخالف بھائی اعظم شاہ کے ہمراہ پینسٹھ ہزار سوار اور پینتالیس ہزار پیدل تھے[2]، بہادر شاہ اس لڑائی کو جیت کر اپنے دوسرے بھائی کام بخش سے دکن میں لڑا تو اس کے ساتھ ایک لاکھ چالیس ہزار سوار اور ایک لاکھ اسی ہزار پیادے اور بندوقچی تھے[3]، بہادر شاہ کی موت کے بعد اس کے لڑکوں میں جو لڑائیاں ہوئیں تو ان کے پاس میدانِ جنگ میں حسب ذیل تعداد کے لشکری تھے[4]،

	سوار	پیادے،
جہاندار شاہ	بیس ہزار	تیس ہزار
رفیع الشان	آٹھ ہزار	آٹھ ہزار

---

[1] سفرنامہ برنیر اردو ترجمہ ص ۳۹۴، ۳۹۳ [2] منتخب اللباب جلد دوم ص ۵۷۹ [3] ایضاً جلد دوم ص ۶۲۱

[4] تفصیل کے لئے دیکھو لیٹر مغلز از ولیم اروِن جلد اول ص ۱۶۱،

	سوار	پیادے
جہان شاہ	پچیس ہزار	تیس ہزار
عظیم الشان	تیس ہزار	تیس ہزار

محمد شاہ اور نادر شاہ کے لشکر محمد شاہ جب کرنال میں نادر شاہ کے خلاف میدانِ جنگ میں اترا تو نادر شاہ کے پاس ایک لاکھ ساٹھ ہزار فوج تھی جس میں پچپن ہزار سوار تھے، اور ایک انگریز مورخ کا بیان ہے کہ اس فوج میں چھ ہزار مسلح عورتیں بھی تھیں، محمد شاہ کی فوج کی تعداد بتانے میں مورخین متفق نہیں ہیں، نادر شاہ کی طرف سے محمد شاہ کی فوج کی تعداد تین لاکھ بتائی جاتی ہے، جس میں دو ہزار ہاتھی تھے، اور تین ہزار توپیں تھیں، رستم علی مؤلف تاریخ ہندی نے میر فخر الدین کے حوالہ سے ہندوستانی فوج کی تعداد میں دو لاکھ سوار، بے شمار پیادے، پندرہ سو ہاتھی اور بہت سے بندوقچی بتائے ہیں[1]، اسی طرح کی اور مبالغہ آمیز تعداد بتائی گئی ہے، لیکن اصل لڑنے والی فوج کی تعداد پچھتر ہزار سے زیادہ نہ تھی، غیر لشکریوں کی بھیڑ بھاڑ البتہ بے شمار تھی،

بھاؤ صاحب کی فوج پانی پت کی تیسری جنگ میں احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ساٹھ ہزار فوج تھی، اس کے مقابلہ میں بھاؤ صاحب کے ہمراہ ایک لاکھ پانچ ہزار لشکری تھے،[2]

---

[1] الیٹ جلد ۸ ص ۰۰ [2] نیو ہسٹری آف دی مراہٹاز جلد دوم از جی۔ ایس۔ سردیسائی ص ۳۹، ۴۳۸،

ورزش

فوج کا ہر فرد اپنے جسم کو توانا، تندرست اور چست رکھنے کا ذمہ دار ہوتا تھا، اس لئے ہر سپاہی مختلف قسم کے سپاہیانہ کھیلوں سے شوق رکھتا تھا، آداب الحرب کے مؤلف کا بیان ہے کہ ہر سپاہی کیلئے چوگان بازی، نال (پتھر) اٹھانا، کشتی اور زور آزمائی کرنا، جنگ مشت یعنی گھونسہ بازی، فلاخن چلانا، لٹ بازی (پٹہ بازی) چکر اندازی اور کمند کا استعمال جاننا ضروری ہے، جب ہتھیار استعمال کرنے سے تھک جائے، تو کشتی لڑے، اور کشتی سے تھک جائے تو جنگ مشت کرے، اور جسم کے نازک حصوں پر چوٹ لگائے، ہم سہولت کی خاطر ان ورزشوں کو حسب ذیل عنوانات سے مرتب کرتے ہیں،

صید افگنی، شہسواری، چوگان بازی، شمشیر زنی، تیر اندازی، مشت بازی اور کشتی وغیرہ،

صید افگنی | سلطان بلبن اپنی فوجوں کو برابر شکار میں مشغول رکھتا تھا تاکہ امن وامان کے زمانے میں بھی اُن کی سپاہیانہ قوتیں بیدار رہیں، جاڑے کے موسم میں جب تھوڑی رات گذر جاتی، تو ایک ہزار سواروں اور ایک ہزار پیدل تیر اندازوں کے ساتھ اپنے محل سے شکار گاہ کی طرف روانہ ہو جاتا، اور جب کچھ رات باقی ہی رہتی تو واپس آجاتا، شکار گاہ میں کھانے پینے کے اخراجات شاہی خزانہ سے ادا کئے جاتے، جب بلبن کے شوق شکار کا حال ہلاکو خاں نے سُنا تو اُس نے کہا کہ بلبن تجربہ کار اور عقلمند بادشاہ ہے، بظاہر تو شکار کا شغل رکھتا ہے لیکن اس طرح سواری اور غیر معمولی مشقت اٹھانے کی ورزش کرتا ہے، اور خوانین، ملوک، لشکریوں اور گھوڑوں کو بھی پسینہ سے شل کر کے ورزش کراتا ہے تاکہ بڑی بڑی لڑائیوں

کے موقع پر یہ کاہل اور بزدل ثابت نہ ہوں، جب لشکر کو مشقت اُٹھانے اور گھوڑوں کو پسینے سے شل ہونے کی عادت رہے گی تو لڑائی میں دشمن اُن پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے، اور یہ بادشاہ شکار میں تفریح نہیں کرتا بلکہ اس طرح ملک کی حفاظت کرتا ہے، اور جب ہلاکو خاں کی اس رائے کی خبر بلبن کو ہوئی، تو اُس نے ہلاکو کی فراست کی تعریف کرکے کہا کہ سچ ہے کہ سیاست و حکمرانی کے قواعد وہی شخص کچھ خوب جانتا ہے جس نے خود بھی جہانداری اور ملک گیری کی ہو[1]،

سلطان محمد تغلق کے شکار کے بارہ میں صبح الاعشیٰ کا مصنف لکھتا ہے کہ شکار میں سلطان کی بالکل جداگانہ شان و شوکت ہوتی ہے، وہ خود تو نہایت معمولی لباس میں ملبوس رہتا ہے لیکن ایک لاکھ سوار اور دو سو ہاتھی اس کے ہمرکاب رہتے ہیں، شکار کے سلسلہ میں نقل و حرکت کرنے والے محل خاص طور پر ذکر کے لائق ہیں، یہ نہایت شان و شوکت کے ساتھ آراستہ و پیراستہ قصر ہوتے ہیں، جو میدان میں دو منزلہ کھڑے کئے جاتے ہیں، اور محل کی پوری عمارت زر کار ریشمی پردوں سے ڈھکی ہوتی ہے، اس کا سامان دو سو اونٹوں پر لادا جاتا ہے، دیگر خیمہ و خرگاہ جو شکار کے لئے مخصوص ہیں، اسکے علاوہ ہیں[2]،

فیروز شاہ تغلق بھی بڑی شان و شوکت سے شکار کے لئے جایا کرتا تھا، شمس سراج عفیف مولف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ سلطان فیروز شاہ شکار کے لئے روانہ ہوتا تو اُس کے ساتھ اُس کی فوج بھی ہوتی، خوانین، ملوک اور شہزادے بھی اُس کے ہمرکاب رہتے، اور جب یہ فوج قمرگاہ یعنی شکار گاہ کو پہونچتی، تو اُس کی صف بندی میدان جنگ ہی کی طرح ہوتی، بائیں اور دائیں جانب ایک ایک ملک خاص جھنڈے کے ساتھ متعین کر دیا جاتا، دونوں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ یعنی پانچ کوس سے دس کوس تک رکھا جاتا، دونوں طرف کی صفیں علحدہ علحدہ ہوتیں، پہلے نیزہ باز ہوتے،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۵۵ [2] صبح الاعشیٰ اردو ترجمہ معارف نمبر ۲ جلد ۲۶، مزید تفصیل کیلئے دیکھو سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۲۲۴،

پھر خیل دار سواروں کی صف ہوتی، اس کے بعد امراء، امراء کے پیچھے کچھ سوار، اور ان کے پیچھے شکاری ہوتے، یہ تمام صفیں اس طرح ترتیب دی جاتیں کہ ایک حلقہ بن جاتا، ان صفوں کے ساتھ خیمے بھی نصب کیے جاتے، اور صف بندی کے دور کی طرح خیموں کا بھی ایک دائرہ بن جاتا، جو چار پانچ کوس تک پھیلا ہوا ہوتا، اور جب اس طرح صف بندی کر لی جاتی، اور ہر قسم کے جانور حلقہ میں نظر بند ہو جاتے، تو بادشاہ شکار کرتا، اس کے ساتھ پانچ پانچ چھ چھ سو سوار، شاہزادے، خوانین اور ملوک ہوتے، فیروز شاہ نے پرندوں کے علاوہ بہت سے شیروں کا بھی شکار کیا تھا، وہ شیر کو اپنے تیر سے ہلاک کر دیتا تھا، اس کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی رہتے، جو بھینسے کی پیٹھ پر سوار ہو کر شیر کا شکار کیا کرتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ فیروز شاہ ہاتھی شیر پر چھوڑ دیتا، اور کبھی شیر سے ہاتھیوں پر حملہ کراتا تھا، کبھی کبھی بڑے جال میں شیروں کو پھنسا بھی لیا جاتا تھا، شکار کے لئے سلطان فیروز شاہ اپنی فوجوں کے ساتھ ستر ستر کوس کی مسافت طے کیا کرتا تھا،[۵]

سلاطین دہلی کے عہد میں میر شکار کا عہدہ بہت ہی معزز سمجھا جاتا تھا، اور اس پر کوئی ممتاز امیر مامور کیا جاتا، شکار عموماً کسی بڑی فوجی مہم سے پہلے یا بعد کھیلا جاتا، مہم سے پہلے شکار کھیل کر دشمنوں کو فریب دینے کی بھی کوشش کی جاتی کہ وہ اس کو بادشاہ یا سرلشکر کا محض تفریحی مشغلہ سمجھ کر جنگ کی اہمیت کو نظر انداز کر دیں، بڑی مہم کے بعد شکار محض تفریح کے لئے کھیلا جاتا تھا،

اکبر بھی بہت ہی منظم طریقہ پر شکار کھیلا کرتا تھا، شکار میں اس کے ساتھ امراء کی ایک جماعت اور کچھ فوج بھی ہوتی، شکار گاہ کو تیز اور چابک دست فوج کا ایک دستہ چاروں طرف سے گھیر لیتا، اور پھر جا بجا نگراں مقرر کئے جاتے، جو امراء ہی میں سے ہوتے، اکبر شیروں اور چیتوں کو تیر یا بندوق سے ہلاک کرنا زیادہ پسند کرتا تھا، ایک بار شکار میں ایک شیر ببر یکایک اس پر حملہ آور ہوا، لیکن اس نے

---

[۵] فیروز شاہ تغلق کے شکار کی پوری تفصیل کے لئے دیکھو تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف مقدمہ پانزدہم،

بڑی پھرتی سے اپنی کمان کھینچ کر شیر کے سر پر ایسا تیر لگایا کہ وہیں ہلاک ہو کر رہ گیا، ایک اور موقع پر ایک شیر نے ایک پیادہ کو اپنے پنجے میں دبوچ لیا، اس کے ہمراہیوں نے اس کو شیر سے چھڑانے کی ناکام کوشش کی لیکن اکبر نے پہونچ کر شیر کے جسم پر ایسی گولی ماری کہ وہ ہلاک ہو کر علیحدہ گر پڑا، اور پیادہ کی گلو خلاصی ہوئی،

بعض دلیر اور تجربہ کار شکاری بھینسے کی پشت پر سوار ہو کر شیر کا شکار کیا کرتے، ایسے شکاری بھینسے کو شیر سے لڑاتے، بھینسا اپنی سینگوں سے شیر کو اوپر اچھالتا اور گراتا اور یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتا، بھینسے کے علاوہ چیتوں سیاہ گوشوں، کتوں اور ہرنوں کو بھی خاص طور پر تربیت دے کر شکار کے لئے استعمال کیا جاتا،[۱]

اکبر جب کسی مہم پر جاتا، اور راستے میں کوئی جنگل پڑ جاتا تو اس میں فوجیوں کو ضرور شکار کھلاتا، مثلاً وہ اپنے نویں سال جلوس میں مالوہ کی مہم پر گیا، تو راستے میں ناروار کے جنگل میں ہاتھیوں کا شکار کھیلا، اسی مہم کی واپسی میں شاہی فوج مانڈو ہوتے ہوئے کھیرار پہونچی، تو وہاں کے جنگل میں ہاتھیوں کا شکار کیا، فوجیوں نے ایک جنگلی ہاتھی کو بڑی مشکل سے کمند میں پھنسایا، اکبر اسی وقت ہاتھی کی پیٹھ پر سوار ہو گیا، اور اس کو اپنے قابو میں کیا[۲]، بارہویں سال جلوس میں اکبر نے دریائے بہٹ (جہلم) کے پاس پچاس ہزار فوجیوں کے ساتھ شکار کھیلا تھا، اور یہ شکار ایک مہینہ تک ہوتا رہا[۳]،

ابوالفضل نے شاہی شکار کی بڑی اہمیت بتائی ہے، وہ لکھتا ہے کہ اکبر شکار ہی میں اپنے ہمراہیوں کے جوہر کا اندازہ کرتا تھا، اور اس کے ذریعہ حکمرانی کے بہت سے رموز سے واقف ہو جاتا تھا[۴]،

جہانگیر نے جس کو آج کل کے مؤرخین محض ایک عیش پسند حکمراں بتاتے ہیں، بارہ برس کی عمر سے

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھو آئین اکبری، آئین ۲۷، و ۲۸ [۲] اکبر نامہ جلد سوم ص ۲۳۳ [۳] اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۰۱، ۳۰۲ [۴] ایضاً ص ۳۴۸،

پچاس سال تک اٹھائیس ہزار پانچسو تیس جانور شکار میں مارے جن میں ۸۶ شیر، پنتیس ہرن، پندرہ بھیڑیے، چونسٹھ جنگلی بھینے، اڑتالیس لکڑ جکڑ، تین عقاب اور دس گھڑیال تھے[1]، ایک بار ایک شیر کو اس نے بندوق کے کندے سے مار کر گرا دیا[2]، بھیڑیے کو ایک تیر میں ہلاک کرتا تھا، حالانکہ مشہور ہے کہ بھیڑیے بیسیوں تیر کھانے کے بعد نہیں مرتے، یہ تو ایک عیش پسند بادشاہ کے کارنامے ہیں، معلوم نہیں اس کے ساتھ شکار کھیلنے والے چالاک چست اور چابکدست فوجیوں نے کتنے جانوروں کو کس کس طرح مارا ہوگا، شاہی شکار کا اہتمام میر شکار، میر توزک، میران منزل کرتے، ان عہدوں پر معزز درباری ہی مقرر کئے جاتے،

شہسواری | شہسواری میں اعلیٰ مہارت پیدا کرنا ہر سوار کے لئے ضروری سمجھا جاتا، چنانچہ اپنی فوجی ورزش میں ہر سوار، شہسواری کے خاص خاص فن کی مشق کیا کرتا تھا، سلطان التتمش کے امراء میں سے تاج الدین سنجر کرتجان کی شہسواری کا کمال یہ تھا کہ وہ دو گھوڑے ایک ساتھ دوڑاتا، اور ایک کی پیٹھ پر سے اتر کر دوسرے کی پیٹھ پر چلا جاتا، اور پھر جب گھوڑا سرپٹ دوڑتا رہتا تو پہلے گھوڑے کی پیٹھ پر چلا آتا، اسی طرح کئی کوس چلا جاتا، (طبقات ناصری ص، ۲۵)

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں ملتان کے فوجیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے، "اس جگہ بہت سی کمانیں پڑی ہوئی تھیں، جو لشکری تیراندازی کا کمال دکھانا چاہتا تھا وہ اپنی طاقت کے مطابق کسی کمان کو ہاتھ میں لے کر کھینچتا تھا، اور اگر اپنی سواری کا کمال دکھانا چاہتا تھا تو ایک چھوٹا نقارہ دیوار میں لگا ہوا تھا، وہ شخص اپنا گھوڑا دوڑا کر اپنا نیزہ اس میں لگاتا تھا، اور چھوٹی سی دیوار پر ایک انگشتری لگی ہوتی تھی، سوار اپنا گھوڑا دوڑا کر نیزے کی انی میں پرو کر انگشتری لے جاتا تھا، اور ایک گیند بھی پڑی ہوتی تھی، سوار گھوڑا دوڑا کر اس پر چوگان لگاتا تھا جس قدر کمال کوئی ان کھیلوں میں دکھاتا تھا

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۰۲ [2] ایضاً ص، ۳۶ [3] ایضاً،

اسی قدر اس کے عہدہ میں ترقی ہوتی تھی۔" (اردو ترجمہ ص ۲۳ - ۲۲)

شہسواری کے خاص خاص فن یہ تھے، گھوڑے کو زیادہ سے زیادہ تیزی سے دوڑانا، اس کو دو پاؤں پر کھڑا کر دینا، اس کو پانی میں ڈال کر کھائی یا دریا پار ہو جانا، اس پر سوار ہو کر دیواریں پھاندنا، اس پر بیٹھ کر نیزے سے کھونٹے اکھاڑنا، یا لمبے نیزے سے ہاتھی پر بیٹھے ہوئے دشمن کو زخمی کر کے ہلاک کر دینا، یا ژوپین (ایک قسم کا نیزہ) سے سوار کو مع گھوڑے کے میدانِ جنگ میں گرا دینا۔

ترائین کی جنگ میں سلطان شہاب الدین محمد غوری نے پرتھوی راج کے بھائی گوبند رائے پر جو ہاتھی پر سوار تھا، اپنے گھوڑے پر سے نیزہ کا ایسا وار کیا کہ نیزہ اس کے منہ میں گھس گیا، اور اس کے دانت ٹوٹ گئے، گوبند رائے نے ہاتھی پر سے وار کا ایسا جواب دیا کہ سلطان شہاب الدین کا بازو زخمی ہو گیا، سلطان نے گھوڑے کا رُخ موڑنا چاہا لیکن وہ زخم سے نڈھال ہو کر گھوڑے پر سے گرنے ہی کو تھا کہ ایک خلجی سپاہی اچک کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا، اور سلطان کو اپنے سینہ سے لگا کر میدانِ جنگ سے اتنی تیزی سے بھاگا کہ دشمن اُس کا پیچھا نہ کر سکے[1] ۶۱۷ھ میں جلال الدین خوارزم شاہ جب چنگیز خانیوں کے ٹڈی دل کا مقابلہ نہ کر سکا، تو ہندوستان چلا آیا، لیکن چنگیز خانی اس کا تعاقب کرتے ہوئے ہندوستان بھی آپہونچے، اور دریائے سندھ کے قریب دونوں میں سخت معرکہ ہوا، چنگیز خانیوں کے پاس کئی لاکھ فوج تھی، سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے پاس چند ہزار لشکری تھے، پھر بھی سلطان اُن سے بڑی بہادری سے لڑا، لیکن جب اس کو اپنی پسپائی یقینی نظر آئی تو جنگی گھوڑے سے اتر کر اپنے اسپ خاصہ پر سوار ہوا، اہل وعیال سے رخصت ہوا، ایک آخری حملہ کر کے چنگیز خانیوں کو پیچھے ڈھکیل دیا، اور پھر دریائے سندھ کے کنارہ پر کھڑا ہو گیا، ساحلِ دریا سے دس گز کے قریب بلند تھا، لیکن سلطان نے بڑھ کر بہادری سے ایک چابک مار کر تیز دھارے والے عمیق دریا میں اپنے گھوڑے کو کدا دیا، اور دوسرے کنارہ پر پہنچ گیا، چنگیز خانی اس بہادری کو دیکھ کر ششدر رہ گئے، (تاریخ جہاں کشا از جوینی)

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۱۹،

بعض سوار بہت ہی تیز رفتار ہوتے تھے، شیر شاہ کے زمانہ میں ایک سوار نے چتور سے گوڑ تک آٹھ سو میل کی مسافت تین روز میں طے کی تھی[۵۱]، بابر کے زمانہ میں سوار بدخشاں سے آگرہ ایک مہینہ میں پہنچ جایا کرتے تھے، تیموری عہد میں میورے بہت ہی تیز رفتار شہسوار سمجھے جاتے تھے، جہانگیر کی موت کی خبر شاہجہاں کو ایک سوار نے لاہور سے جنیر (احمد نگر) بیس[۲] روز میں پہونچائی تھی، مسافت ڈیڑھ ہزار میل کی تھی[۵۲]،

۱۰۳۵ھ میں جہانگیر نورجہاں کے ساتھ کشمیر سے کابل جا رہا تھا تو جھیلم کو عبور کرتے وقت مہابت خاں نے جہانگیر کو اپنی حراست میں لے لیا، شاہی جلو کے اکثر امراء اور لشکری جھیلم کی دوسری طرف جا چکے تھے، شاہی آقا کے حراست میں لئے جانے کی خبر پا کر بعض امراء کو بڑا طیش آیا، چنانچہ ایک امیر فدائی خاں کچھ سواروں کے ساتھ اپنے آقا کی رہائی کے لئے روانہ ہوا، مہابت خاں کے راجپوت سپاہیوں نے دریا کے پل میں آگ لگا دی، لیکن فدائی خاں نے بڑی دلیری سے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا، اس کے پیچھے اس کے ہمراہی بھی چلے، دریا میں بڑا تلاطم تھا، کچھ سوار موجوں کی تاب نہ لا سکے، اور غرقاب ہوگئے، لیکن کچھ سوار فدائی خاں کے ساتھ ساحل پر پہونچ گئے، اور پھر خود نورجہاں نے بھی اپنا ہاتھی دریا میں ڈال دیا، تو اُس کی جان نثار اور جانباز فوج بھی دریا میں کود کر ساحل پر پہونچ گئی[۵۳]،

کرنال کی جنگ میں نادر شاہ کے بعض سوار اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر الٹے منہ بیٹھ کر تیر اور بندوق چلاتے تھے، اور گھوڑوں کو تیزی سے پیچھے کی طرف بھگاتے تھے،

تیموری شہزادوں کے لئے شہسواری کی ورزش بہت ہی ضروری سمجھی جاتی تھی، چنانچہ اورنگ زیب شہزادہ سلطان محمد کو برابر تاکید کرتا تھا کہ وہ سفر کی حالت میں بھی دو گھڑی تک سواری کی مشق

---

۵۱ تاریخ شیر شاہی از عباس خاں سروانی الیٹ جلد چہارم ۵۲ شاہجہاں نامہ از محمد صالح کنبوہ جلد اول ص ۲۱۲

۵۳ اقبال نامہ جہانگیری ص ۲۴۶-۲۶۰،

ضرور کر لیا کرے،[1]

چوگان بازی سلاطین وامرا کی فوجی ورزش میں چوگان بازی بھی شامل تھی، سلطان قطب الدین ایبک چوگان کھیلتے ہی میں گھوڑے سے گر کر ہلاک ہوا[2]، سلطان علاء الدین خلجی کی چوگان بازی پر امیر خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہر میں چوگان اور گیند کا ایک منظوم مکالمہ لکھا ہے، ملک[3] کافور اور سکندر لودی[4] چوگان کے بڑے مشاق کھلاڑی تھے، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ چوگان بازی سے طاقتور انسان مشاق سوار ہوتے ہیں اور گھوڑوں میں اطاعت پذیری چستی اور چالاکی پیدا ہوتی ہے[5]، اکبر نامہ میں ہے،

" درضمن چوگان بازی کہ در آداب آویزش وتگاپوئے چقلیش نیروے سترگ بخشد، تربیت مجاہران دولت وجواہر افزائی خیول گزیدۂ نشاط سپاہیگری ست سرانجام یابد"

(جلد سوم ص ۱۷۳ و ۱۷۲)

تیموری عہد میں اس کھیل کے کھیلنے کا طریقہ یہ تھا کہ دس آدمی سے زیادہ اس کھیل میں شریک نہیں ہوتے، دو دو آدمی پہلے کھیلتے، اور ایک گھڑی گذرنے کے بعد وہ آرام لیتے، اور دوسری جوڑ میدان میں آتی، یہ کھیل دو طریقے پر کھیلے جاتے، پہلا طریقہ یہ تھا کہ گیند کو چوگان کے خم میں لیکر آہستہ آہستہ وسط میدان سے حال یک (شاید گول پوسٹ مراد ہو) لیجاتے تھے، اس طریقہ کو ہندی میں رول کہتے تھے، دوسرا طریقہ یہ تھا کہ گیند کو تاک کر چوگان زور سے مارتے، اور وسط میدان سے اس کو دور تک پھینک دیتے، کھلاڑی گیند کے ساتھ دوڑتا، اور گیند کے قریب پہونچ کر اس کو وسط میدان میں لاتا، اس طریقہ کو ہندی میں بلہ کہتے تھے، بلہ مختلف طریقوں سے کھیلا جاتا تھا، کھلاڑی یا تو اپنے داہنے ہاتھ میں چوگان پکڑتا، اور گیند پر ضرب لگاتا، اس کو داہنی جانب آگے یا پیچھے پھینکتا، یا یہ کہ بائیں ہاتھ میں

---

[1] رقعات عالمگیر، معارف پریس ص ۳۶ [2] طبقات ناصری ص ۱۴۰، [3] خزائن الفتوح انگریزی ترجمہ ص ۶۵،
[4] تاریخ داؤدی الیٹ جلد چہارم ص ۴۵۰-۴۵۵، [5] آئین اکبری - آئین ۲۹،

چوگان لے کر ایسا ہی کرتا، اور یا یہ کہ گیند کو گھوڑے کے سینہ کے سامنے لا کر اس کو دائیں یا بائیں طرف پھینکتا، گھوڑے کے سینہ کے علاوہ اس کے پاؤں کے پیچھے یا اس کے جسم کے نیچے سے بھی گیند اس کی طرف پھینکی جاتی، اگر گیند گھوڑے کے سامنے ہوتی تو بھی سوار اس کے آگے پھینکتا، یا یہ کہ گھوڑے کی پشت پر کچھ پیچھے ہٹ کر گیند کو آگے بڑھاتا، گیند کے حال میں پہونچنے کے بعد نقارہ بجایا جاتا، یہ کھیل رات کو بھی کھیلا جاتا، اور اس وقت ایک روشن گیند استعمال کی جاتی، یہ پلاس کی لکڑی کی بنائی جاتی، جو جلد آگ پکڑتی، اور دیر تک روشن رہتی ہے[1]

شمشیر زنی | ہر لشکری کی کمر میں ایک تلوار ضرور رہتی، اس لئے وہ شمشیر زنی کے مختلف طریقوں سے واقفیت رکھنے کی کوشش کرتا، جو اس کو فوجی ورزش کے سلسلے میں سکھائے جاتے، بعض فوجی تلوار لے کر صرف ایک ہاتھ سے حریف کا مقابلہ کرتے، ان کو "ایک ہاتھ" کہا جاتا، ہندوستان کے مشرقی علاقہ کے شمشیر باز ڈھال لے کر دشمنوں سے لڑتے، اُن کی ڈھال معمولی سپر سے کچھ چھوٹی ہوتی، جس کو چروہ کہتے تھے، دکنی شمشیر بازوں کی سپر اس قدر لمبی ہوتی تھی کہ ایک سوار اُن کی آڑ میں چھپ جاتا، ایسی سپر کو تلوہ کہتے تھے، شمشیر بازوں کا ایک گروہ پھرایت کہلاتا تھا، اُن کی سپر صرف ایک گز چوڑی ہوتی تھی، ایک اور گروہ بانایت کہلاتا تھا، اس گروہ کی تلوار بہت لمبی ہوتی تھی، جس کا قبضہ ایک گز سے زیادہ کا ہوتا، یہ گروہ دونوں ہاتھوں سے تلوار پکڑ کر عجیب وغریب ہنر اور کرتب دکھاتا، ایک اور گروہ بنگولی کے نام سے منسوب تھا، بنگولی ایک قسم کی تلوار تھی، جو سرے پر خم دار، لیکن قبضے کے قریب بالکل سیدھی ہوتی تھی، یہ گروہ سپر استعمال نہیں کرتا تھا[2]

فوجی ورزش میں ہر فوجی کو یہ بتایا جاتا کہ وہ تلوار لے کر اپنے حریف سے مقابلہ کرنے میں کس طرح غیر معمولی پھرتی، ہاتھ کی صفائی، پینترا بدلنے میں مستعدی اور بہادری کا جوہر دکھلا سکتا ہے،

---

[1] آئین اکبری جلد اوّل، آئین ۲۹ [2] آئین اکبری جلد دوم، آئین ۷،

اور جو فوجی ان چیزوں میں اعلیٰ مہارت دکھاتا وہ اعلیٰ مدارج طے کرتا،

گھوڑے پر بیٹھ کر شمشیر زنی کی مشق کے جو بہت سے اصول تھے، اُن کو آداب الحرب کے مصنف نے اس طرح بتایا ہے کہ جب تلوار چلائی جائے، تو دایاں ہاتھ قبضہ پر ہو اور بایاں ہاتھ اس حصہ پر ہو جس سے تلوار لٹکائی جاتی ہے، اور پھر سوار اپنے پہلو کو اچھی طرح خم کر دے، اور گھوڑے کی گردن کے پاس تلوار کو سیدھی کرے، تلوار کی ضرب لگاتے وقت کمر کو لچکائے، بغل کشادہ رکھے، اپنی تین انگلیوں کو قبضہ پر سخت کرے، اور پھر ضرب لگائے، اس وقت گرفت ایسی ہو کہ تلوار کی دھار خراب نہ ہونے پائے، اس طرح گہرا زخم آتا ہے، اور گھوڑا بھی زخمی ہونے سے محفوظ رہتا ہے تلوار چلاتے وقت گھوڑا گھومتا رہے، اور دشمن پر ضرب سر شمشیر سے لگانی چاہیے، ایسی ضرب سے ایک بالشت کا زخم لگتا ہے، (باب یازدہم)[1]

سلاطین، شہزادے اور امرا بھی شمشیر زنی کے فن میں بڑے مشاق ہوتے، سلطان محمود غزنوی ملتان کے محاصرہ میں تلوار لے کر کودا تو دشمنوں کے خون سے اس کا ہاتھ اس کی تلوار کے قبضہ میں اس طرح جکڑ گیا تھا کہ لڑائی کے بعد قبضہ گرم پانی سے دھویا گیا تو ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہوئی،[2] علاء الدین خلجی کی فوج ظفر خان کی نگرانی میں کیلی کے میدان میں تاتاریوں سے لڑی، تو ظفر خان نے جس کی شجاعت اور نبرد آزمائی اس عہد میں ضرب المثل تھی، اس لڑائی میں اپنی تلوار سے پانچ ہزار تاتاریوں کو موت کے گھاٹ اتارے،[3] غیاث الدین تغلق نے تخت نشینی سے پہلے تاتاریوں کے حملے کو روکنے کے سلسلے میں اپنی تلوار کے اعلیٰ سے اعلیٰ جوہر دکھلائے تھے، اسی لئے اس کو غازی ملک کا خطاب ملا، اس کی تلوار کے متعلق امیر خسرو رقمطراز ہیں:

سر بہ سیدان تیغش خانۂ مرگ کند و گرز دام و دانۂ مرگ

---

[1] آداب الملوک بحوالہ سلطان محمود آف غزنہ، مؤلفہ ڈاکٹر ناظم ص ۱۵۴ [2] فتوح السلاطین صفحہ ۲۵۶

سر تیغش زند بر خانماں برق — ہمین است از بود آتش فشاں برق

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

کہ ہم تیغش جہانگیر است و ہم رائے — بکیں ہم تیغ زن ہم کار فرمائے[51]

شیر شاہ نے اپنے عنفوانِ شباب میں جب وہ بہار خاں کا ملازم تھا، ایک شیر کو اپنی تلوار سے ہلاک کر دیا تھا، بہار خاں نے اس بہادری پر اس کو شیر خاں کا خطاب دیا تھا[52]، تلوار سے ایک شیر کو ہلاک کرنے کی مثالیں بہت ملتی ہیں، اکبر اپنے چھٹے سالِ جلوس میں مالوہ کی مہم سے آگرہ واپس آ رہا تھا، تو نار وار کے پاس ایک شیر بر اپنے پانچ بچوں کے ساتھ فوج میں گھس آیا، اکبر نے بڑھ کر اس کو اپنی تلوار کی ایک ضرب میں ہلاک کر دیا، بقیہ پانچ بچوں کو فوج کے اور بہادروں نے تلوار اور تیر سے مار ڈالا[53]، جہانگیر اپنے پانچویں سالِ جلوس میں شکار کے لئے گیا، تو شکار گاہ میں ایک شیر نے جہانگیر کے ایک ہمراہی انوپ رائے کو دبوچ لیا، انوپ رائے کو اس حالت میں دیکھ کر شہزادہ خرم آگے بڑھا، اور اپنی تلوار کی ایک ایسی ضرب لگائی کہ شیر زخمی ہو کر گر گیا، جہانگیر نے خرم کی اس شجاعت پر اس کو دہ ہزاری ذات پنجہزاری سوار کا منصب عطا کیا[54]، نورجہاں کے پہلے شوہر کو شیر افگن کا خطاب اس لئے ملا تھا کہ اس نے بھی ایک شیر کو اپنی تلوار سے ہلاک کر دیا تھا، اورنگ زیب اپنی تلوار سے مست ہاتھی کو پیچھے ڈھکیل دیا کرتا تھا[55]، اورنگ زیب کا لڑکا اعظم شاہ جاجو کے میدان میں اپنے بھائیوں کے خلاف لڑائی لڑنے کے لئے اترا تو بھائیوں کے پاس توپ و تفنگ زیادہ دیکھی، لیکن اپنی شجاعت اور بہادری کے نشہ میں مخمور ہو کر بار بار

---

[51] تغلق نامہ ص ۳ و ص ۸۰، [52] تاریخ شیر شاہی از عباس خاں ایلیٹ، جلد چہارم ص ۳۲۵، [53] اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۴۴، [54] تزک جہانگیری ص ۹۰ [55] بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری جلد اول حصہ اول ص ۹۰-۴۹۲،

کہتا کہ توپ و تفنگ تو بازیچۂ اطفال ہیں، بہادروں کا ہتھیار تلوار ہے، جنگ کا فیصلہ تلوار ہی سے ہونا چاہیئے،

گھمسان کی لڑائی کے موقع پر بہادر سپاہی ہاتھی اور گھوڑے کی پیٹھ پر سے نیچے اُتر آتے پھر زمین پر پاؤں جما کر کھڑے ہو جاتے، اپنی پوشاک کو دامن میں سمیٹ کر کمر سے باندھ لیتے، اور ہاتھ میں تلوار لے کر لڑنا شروع کر دیتے، دائیں بائیں آگے پیچھے بڑی پھرتی سے اپنی تلوار سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارتے، اور اپنی جان کی فکر مطلق نہ کرتے، یہ شجاعت اور بہادری کی اعلیٰ مثال سمجھی جاتی، فوجی ورزش میں اس قسم کی نبرد آزمائی اور پا مردی کی بھی مشق کرائی جاتی،

تیراندازی — تیراندازی کی مشق اس طرح کی جاتی کہ مٹی کا ایک تودہ بنایا جاتا، جو عموماً پانچ فٹ اونچا اور تین فٹ چوڑا ہوتا، اور اس تودہ پر تیرانداز کے کمال کا اندازہ ہوتا، کبھی تودہ پر ایک نشان بنا دیا جاتا، جس کو ہدف کہتے، اسی کو تاک کر ایک تیرانداز اپنا تیر چلاتا، تیر پھینکتے وقت تیراندازوں کو بتایا جاتا کہ کمان پر اُن کی گرفت بڑی مضبوط رہے، اُن کی شہادت کی انگلی انگوٹھے کے ناخن یا تیر کے دندانہ پر اچھی طرح جمی ہو، اور تیر چلاتے وقت اُن کا اگلا پاؤں مستحکم رہے، بایاں پاؤں اور بقیہ انگلیاں ڈھیلی رہیں، جسم سیدھا ہو، اور پیشانی اٹھی رہے، اور کہنی بھی سیدھی رہے، ایک ہی آنکھ سے نشانہ لگائیں، اور دونوں ہاتھ ایک ہی سمت ہوں، اگر ان تمام باتوں میں کوئی نقص رہ جاتا تو تیراندازی میں بھی نقص آجاتا، اگر دو سو گز پر کسی سوار کو تیر سے ہلاک کرنا ہوتا تو اُس کے سر کو ہدف بنایا جاتا، پھر تیر اس کے سینے پر آکر لگتا، اور اگر سوار صرف سو قدم پر ہوتا تو اُس کے سینہ پر تیر چلانے کے لئے اس کے چہرہ کو تاک کر نشانہ بنایا جاتا، اسی طرح اگر سوار صرف پچاس قدم پر ہوتا تو گھوڑے کی زین کو تاک کر تیر پھینکا جاتا، اس طرح تیر سوار کے سینہ پر آکر لگتا،[1]

---

[1] آداب الحرب کے مصنف نے تیراندازی کی مشق ان الفاظ میں لکھی ہے،

تیراندازی کی مشق کرتے وقت عموماً ایسی کمان استعمال کی جاتی جس میں لوہے کی زہ ہوتی انگلیوں کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک زہ گیر ہوتی تھی، جو ایک بڑی اور چوڑی انگوٹھی جیسی ہوتی، زہ گیر کی مدد سے تیر زیادہ سے زیادہ دور پھینکا جاسکتا تھا، تاتاری ۴۸۲ - ۴۶۲ گز تک اپنا تیر پھینک سکتے تھے،

آداب الحرب کے مؤلف نے سقراط کا ایک قول نقل کر کے لکھا ہے کہ تیر اندازی سے جسم نرم ہوتا ہے جوڑ کھلتے ہیں، بدن کا گوشت سخت ہوتا اور بڑھتا ہے، آنکھوں میں روشنی زیادہ ہوتی ہے، ہاتھ اور پاؤں سیدھے رہتے ہیں، لڑائی کا فن آتا ہے، آدمی دلیر ہوتا ہے[1]،

ہر شہزادہ کے لئے بھی دو گھڑی تیر اندازی کی مشق ضروری سمجھی جاتی تھی[2]، تیر اندازی کا ایک بڑا کمال یہ تھا کہ میدانِ جنگ میں تیر کو تیر ہی سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا، توپ و تفنگ کے بعد تیروں ہی کے ذریعہ سے غنیم کے لشکر میں رخنہ اندازی اور سراسیمگی پیدا کی جاتی تھی، میدانِ جنگ میں تیر انداز عموماً بادشاہ یا سرِ لشکر یا سپہ سالار کو اپنے تیروں کا ہدف بناتے، اگر وہ تیروں سے مارے جاتے تو فتح کا سہرا اسی تیر انداز کے سر ہوتا، بعض حکم انداز جو تیر اندازی کی ایک قسم

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۵)

"دتیر انداز را یکساں مو دو دی لیسیدہ و چہار پر باید و اندازۂ نہ مشت تیر انداز باید بقول بعضی از استاداں از زیرِ بغل تا سرِ انگشت سبابہ باید و بقول بعضے از سرِ کتف تا سرِ انگشت میانگی و بقول بعضے ہر دو مشت پیش گیرد، و بر سر بر سر انہد ز سر آرنج راست تا سر آرنج چپ بہ پیماید، اندازۂ تیر آن قدر باشد"

[1] عکسی نسخہ، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ باب ہفدہم،

[2] رقعاتِ عالمگیر معارف پریس ص ۲۷۱،

ہوتی تھی) اپنے تیر کو سپر، ڈھال، زرہ بکتر، اور خود کے اندر پیوست کر دیتے، بعض تیر ایسا زہریلا ہوتا، کہ اگر جسم سے نکال بھی لیا جاتا، تو اس کا زہر اندر اندر پھیل جاتا، بعض تیر آتشیں بھی ہوتے، عام طور سے اوزبک اور تورانی تیر اندازی میں بڑے مشاق اور ماہر سمجھے جاتے تھے، تورانیوں کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنے ہر تیر سے گھوڑے کی پیٹھ اس کے سوار سے خالی کر دیتے تھے، تیروں کا حملہ روکنے میں افغانی امتیازی حیثیت رکھتے تھے، عظیم الشان اور جہاندار شاہ کے درمیان جنگ جانشینی ہوئی تو اول الذکر کے افغانی لشکریوں کے ارد گرد تیروں کی جو بارش ہوئی تو مورخوں کا بیان ہے کہ افغانی اس کو پھولوں کی بارش تصور کر رہے تھے،

نیزہ بازی نیزہ بازی کی مشق کرتے وقت عام طور سے لشکری حسب ذیل باتیں سیکھنے کی کوشش کرتا، تیز رفتار سوار کو لمبے نیزے سے روکنا[1]، سوار کو مع گھوڑے کے زخمی کر کے زمین پر گرا دینا[2]، ہاتھیوں کو زخمی کرنا[3]، اور ہودج نشینوں پر وار کرنا[4]، پہلے ذکر آچکا ہے کہ بعض نیزہ باز اپنا گھوڑا دوڑا کر دیوار سے لگی ہوئی انگشتری کو اپنے نیزہ کی انی میں پرونے کی کوشش کرتے، جو نیزہ بازی میں اعلیٰ کمال کا ثبوت ہوتا، آداب الحرب میں ہے کہ اگر بن نیزہ اور سر سنان سے زخم لگایا جاتا، تو گہرا زخم آتا، چنانچہ اس کی بھی مشق کرائی جاتی[5]، عربوں کا نیزہ لمبا ہوتا، اور اس کا پھل تکونا، ترکوں کا نیزہ چھوٹا[6] ہوتا، اور پھل گول، نوکدار یعنی مخروطی ہوتا، راجپوتوں کا برچھا لمبا، اور اس کا پھل باڑھ دار بان کی قطع کا ہوتا، بڑے برچھے پانچ پانچ گز کے ہوتے، بڑے برچھے کے چلانے کی یہ تعریف تھی کہ خوب لچکے، یہاں تک کہ دہرا ہو جائے اور چھوٹے کی یہ تعریف تھی کہ اس میں نام کو بھی لچک نہ ہو،

تبر، گرز، جمدھر اور کھپوا وغیرہ جیسے چھوٹے اسلحہ کی بھی مشق فوجی ورزش میں اس لئے کرائی جاتی کہ

---

[1] مثال کے لئے دیکھو اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۵ [2] " " " تغلق نامہ ص ۲۰ [3] " " " فرشتہ جلد اول ص ۳۴، وبادشاہ نامہ ص ۵۰۹ [4] طبقات ناصری ص ۱۱۹ [5] عکسی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، باب ہفدہم،

جب دونوں طرف کی فوجیں گڈمڈ ہو جاتیں اور تیر اندازی، شمشیرزنی اور نیزہ بازی کا استعمال ممکن نہ ہوتا تو یہی چھوٹے اسلحہ کام دیتے، مشت بازی (یعنی Boxing) کی تعلیم بھی اسی لئے دی جاتی کہ رو در رو جنگ کرنے میں مشت بازی سے بھی کام لیا جاتا، ڈنڑ کرنا، بیٹھک لگانا اور مگدر ہلانا اور پتھر اٹھانا بھی فوجی کھیل میں داخل تھے، جو عہد قدیم سے اب تک مروج ہیں،

فلاخن اندازی فلاخن سے کنپٹی، سینے اور دل پر پتھر مارنا بھی ایک قسم کی ورزش تھی، بعض اوقات فلاخن خود اور جوشن کو توڑ دیتا تھا، رات کے وقت آواز پر فلاخن کا نشانہ لگانا خاص مہارت کا کام سمجھا جاتا تھا،

چکر اندازی چکر اندازی بھی ایک فوجی کھیل تھا، چکر مدور فولاد کا ایک ٹکڑا ہوتا تھا، اس کے وسط میں سوراخ اتنا کشادہ ہوتا تھا کہ اس میں ہاتھ اور بازو اندر چلا جاتا تھا، بیرونی حصہ تلوار کی طرح تیز ہوتا تھا، سوراخ کی گرفت میں لاکر اس کو اس طرح پھینکا جاتا کہ اس کی دھار سے دشمن کی گردن تک اُڑ جاتی تھی، چکر اندازی سے تیر اندازی میں بھی بڑی مدد ملتی تھی (آداب الحرب اورنٹیل کالج میگزین اگست ۱۹۳۹ء)

کشتی فوجی ورزش میں کشتی بھی تھی، فوجی اپنے پٹھوں اور اعضا کی توانائی کے لئے آپس میں کشتی بھی لڑا کرتے تھے[۱] اور زورآزمائی کے لئے کبھی کبھی جانوروں اور درندوں سے بھی کشتی ہوجایا کرتی تھی، سلطان قطب الدین ایبک کے حضور میں بختیار خلجی پیش ہوا، تو سلطان نے اُس کو ایک بہت ہی ہیبت ناک ہاتھی سے لڑنے کا حکم دیا، بختیار خلجی نے پہلے ہی وار میں ہاتھی کی سونڈ پر گرز کی ایک ایسی ضرب لگائی کہ ہاتھی منہ پھیر کر فرار ہو گیا، اور بختیار خلجی نے دور تک اس کا تعاقب کیا[۲]، اکبر مست ہاتھیوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا، اور جب دو ہاتھی لڑتے لڑتے اور مست ہو جاتے تو

---

[۱] تزک بابری اردو ترجمہ ص ۲۴۹ - ۲۴۷، [۲] طبقات ناصری ص ۱۳۰،

اُن کے درمیان کود کر اُن کو لڑاتا، اور ان کو قابو میں لے آتا،[1] ایک دفعہ ایک مردم خوار شیر قصبۂ باری میں گھس آیا، اکبر کو معلوم ہوا تو اپنے ہاتھی پر بیٹھ کر اس کو مارنے کے لئے روانہ ہوا شیر نے اکبر کے ہاتھی کو دیکھا تو ایک جست لگائی اور ہاتھی کی پیشانی پر ایک ایسا پنجہ مارا کہ اس کا سر زمین پر جھک گیا، اکبر سنبھلا اور شیر سے پہلوان کی طرح لڑنے لگا، اور لڑ کر اس خونخوار جانور کو پسپا کر دیا،[2] ایک بار اکبر شکار کھیلنے گیا تو اُس کے لشکر میں عادل نامی ایک فوجی تھا، عادل نے ایک شیر کو تاک کر مارا، لیکن اس کا نشانہ خطا کر گیا، شیر نے بپھر کر عادل کو دونوں پنجوں سے آدبوچا، عادل نے اپنے بائیں ہاتھ کو تو شیر کے منہ میں ڈال دیا، اور دائیں ہاتھ سے خنجر نکالنے کی کوشش کی، بدقسمتی سے خنجر قبضہ میں الجھ گیا، خنجر نکالنے میں دیر ہوئی تو شیر نے اُس کے ہاتھ کو چبا لیا، پھر بھی عادل نے خنجر نکال کر شیر کے منہ پر دو زخم لگائے، لیکن اس تصادم میں عادل کا دایاں ہاتھ شیر کے منہ میں چلا گیا، اس کشتی کو دیکھ کر اکبر کے اور ہمراہی عادل کی مدد کو بڑھے، اور شیر پر تلواروں کی پے در پے ضربیں لگائیں، اتفاق سے ایک ضرب عادل پر بھی لگ گئی، جس کے کاری زخم سے وہ چار مہینے پریشان رہ کر راہی عدم ہوا،[3] اسی طرح کا ایک واقعہ جہانگیر کے شکار گاہ میں بھی پیش آیا، جہانگیر کے ایک ساتھی انوپ رائے پر ایک شیر نے جست لگائی، انوپ رائے کی کمر میں تلوار تھی اور ہاتھ میں ڈنڈا، اُس نے دونوں ہاتھوں سے شیر کو دو ڈنڈے مارے، لیکن شیر غالب آیا اور اسکو زمین پر دے مارا، شیر اوپر تھا، اور انوپ رائے نیچے، اس طرح کہ نیچے انوپ رائے اپنے دونوں ہاتھوں کو شیر کی گردن اور پیٹھ میں حائل کئے ہوئے تھا، پھر وہ یکایک کروٹ لے کر اور زانو پر زور دے کر سیدھا کھڑا ہو گیا، اور گو اس کا سینہ زخمی ہو گیا تھا، لیکن اُس نے بڑھ کر

---

[1] اکبر نامہ جلد سوم ص ۷۰-۷۲، [2] آئین اکبری ص ۲۰-۲۷،

[3] اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۳۹،

شیر کے سر اور چہرہ پر دو کاری زخم لگائے، جن سے شیر کی دونوں آنکھیں کٹ گئیں، اور دونوں ابروؤں کی کھال آنکھوں پر لٹکنے لگی، انوپ رائے اور شیر کی اس کشتی میں شہزادہ خرم نے بھی اپنی تلوار کے جوہر دکھلائے، اُس نے شیر پر ایسی ضرب لگائی کہ شیر زخمی ہو کر علیحدہ ہو گیا، اور بالآخر وہ مارا گیا، جہانگیر نے خوش ہو کر شہزادہ خرم اور انوپ رائے دونوں کو خطاب اور منصب عطا کئے،[1]

اورنگ زیب جب چودہ برس کا تھا تو ایک بار شاہجہاں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر ہاتھیوں کی لڑائی دیکھ رہا تھا، ایک ہاتھی بہک کر اورنگ زیب کے گھوڑے کے پاس پہونچ گیا، اورنگ زیب نے اپنے برچھے سے ہاتھی کی پیشانی پر دو زخم لگائے، ہاتھی اور بھی زیادہ غضبناک ہوا، اور اس اورنگ زیب کے گھوڑے پر اس زور سے حملہ کیا کہ گھوڑا اورنگ زیب سمیت لڑکھڑا کر گر گیا، لیکن اورنگزیب لوٹ پوٹ کر پھر کھڑا ہو گیا، اور اپنی تلوار سے ہاتھی کو پیچھے ڈھکیل دیا، اس اثنا میں اور فوجی سردار اُس کی مدد کو پہونچ گئے، اور جب ہاتھی پسپا ہوا تو شاہجہاں نے اورنگزیب کو سینہ سے لگا لیا، اور اُس پر موتی اور روپے نچھاور کئے، شاہجہانی دربار کے ملک الشعرا ابو طالب کلیم نے اس واقعہ کو منظوم بھی کیا ہے،

راجہ بدن سنگھ بھدوریہ ۲۱ سنہ جلوس شاہجہانی میں ایک دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ درشن کرنے جھروکہ کی طرف جا رہے تھے، راستہ میں اُس کے ساتھیوں میں سے ایک کو ایک مست ہاتھی نے پچھاڑ دیا، بدن سنگھ جمدھر کھینچ کر اس پر جھپٹا، اور متواتر ایسے ہاتھ مارے کہ ہاتھی کا منھ پھر گیا، بادشاہ جھروکہ سے یہ حال دیکھ رہا تھا، راجہ کی اس ہمت اور جرأت کو دیکھ کر ایسا خوش ہوا کہ فوراً دربار میں بلایا، خلعت عطا کیا، اور جاگیر بھدادر کی پیشکش سالانہ مبلغ دو لاکھ روپے میں سے پچاس ہزار روپے سال ہمیشہ کے لئے معاف کر دیا،

---

[1] تزک جہانگیری ص ۹۰،

پھینکیتی بعض فوجی ورزش ایسی بھی تھی جس کا ذکر معاصر تاریخوں میں نہیں ہے لیکن عام طور سے رائج رہی، مثلاً لکڑی اور ڈنڈے کے فنِ سپہگری کو عام اصطلاح میں پھینکیتی کہتے تھے، اُس کی دو قسمیں تھیں، علی مدد اور رستم خانی، علی مدد میں پھینکیت کا بایاں قدم ایک مقام پر جما رہتا اور صرف داہیں پاؤں کو آگے پیچھے ہٹا کر پینترے بدلے جاتے، رستم خانی میں پھینکیت پینترے بدلنے میں داہنے بائیں اور آگے پیچھے جس قدر چاہتا یا جگہ پاتا ہٹتا بڑھتا، اور یکایک حریف پر آپڑتا،

پٹہ بازی اس فن کے ذریعہ سے یہ بتایا جاتا کہ دشمنوں کے نرغے میں پڑنے کے بعد محض لکڑی کے سہارے کس طرح بچ کر اور دشمنوں کو مجروح کر کے نکلا جا سکتا ہے، پٹے کو ٹیک کر کے اڑنا اس فن کا خاص کمال تھا، اور اکثر پٹہ باز تیروں کی بارش سے بھی اپنے کو محفوظ رکھ سکتے تھے،

بانک یہ چھری سے حریف کو زخمی کر دینے کا فن تھا لیکن زخمی کرنے سے پہلے پے در پے پیچ سے دونوں حریف ایک دوسرے کو کسی چیز سے باندھ دینے کی کوشش کرتے، یہ مسلمانوں خصوصاً عربوں اور ہندوؤں میں رائج رہا، مگر دونوں کی چھریاں مختلف ہوتی تھیں، ہندوؤں کی چھری سیدھی ہوتی، جس میں دونوں طرف باڑھ ہوتی، عربوں کی چھری خمدار خنجر نما ہوتی جس میں ایک ہی طرف باڑھ ہوتی، لیکن اُن کی بعض چھریاں ایسی بھی ہوتیں جن کے چاروں طرف باڑھ ہوتی، ا اُن سے ایسا چوپھانکا زخم پڑتا کہ اس میں ٹانکا لگانا مشکل ہوتا، اس کی تعلیم یوں ہوتی کہ استاد شاگرد دونوں آمنے سامنے دوزانو بیٹھتے، مگر ہندوؤں کے یہاں دونوں مقابل دو زانو بیٹھنے کے ساتھ ایک گھٹنا کھڑا رکھتے، اور عربوں والی چھری کی تعلیم میں بالکل دوزانو بیٹھتے تھے، اور چوٹوں کے ساتھ بڑے زبردست پیچ ہوتے، جن کے آگے کشتی کے پیچوں کی کچھ حقیقت نہ تھی، عربوں کے فن میں سات چوٹیں اور ہندوؤں کے فن میں نو ہوتیں، عربوں کی

بانک میں پیچ پورا بندھ جاتا، تو حریف کو زندہ چھوڑنا باندھنے والے کے اختیار سے باہر ہو جاتا اور ہندوستان والوں کے فن میں آخر تک اختیار میں رہتا کہ جب چاہیں پیچ کھول کے حریف کو بچالیں، بانک کے استادوں میں مشہور تھا کہ بانک لیٹ کے پوری ہوتی، بیٹھ کے آدھی رہتی، اور کھڑے ہو کے صرف چوتھائی رہجاتی، بنکیت صرف ایک رومال رکھتے، اور یہی حربہ ضرورت کے وقت اُن کو کام دیجاتا، ہندو اپنے جنیو سے کام لیتے، یہ فن برہمنوں کے یہاں زیادہ مقبول رہا،

بنوٹ اس فن کے ذریعہ حریف کے ہاتھ میں تلوار، لٹھ یا کوئی اور ہتھیار ہوتا ہے تو گرا دیا جاتا ہے، اور ایک رومال سے جس میں پیسہ بندھا رہتا ہے حریف کو ایسا صدمہ پہونچایا جاتا ہے کہ اس کا کام تمام ہو جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ کھڑے ہو کے مقابلہ کرنے والا صاحب فن اگر نہتا ہے تو وہ گویا کشتی لڑتا ہے، اور اگر اس کے ہاتھ میں چھری ہے تو وہ بانک کا فن دکھاتا ہے، اور اگر اس کے ہاتھ میں دو گز کا ڈنڈا یا صرف رومال ہو تو وہ بنوٹ کا مظاہرہ کرتا ہے، بنوٹ والوں کے پینترے پاؤلے کہلاتے ہیں، اور ان میں بڑی پھرتی اور صفائی ہوتی ہے، وہ خاص خاص رگوں اور پٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں، جن پر ذراسی چوٹ لگ جانے سے بھی حریف بے تاب اور بیدم ہو جاتا ہے،

بانا یہ ایک لمبی لکڑی کا نام تھا، جس کے کبھی ایک طرف لٹو اور کبھی دونوں طرف لٹو ہوتے، اس کو ہلا کر دشمنوں کے نرغے سے نکلنے کی کوشش کی جاتی لیکن یہ فن ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں رائج تھا، پھینکیتی، پٹہ بازی، بنوٹ وغیرہ کی مشق شروع میں کرائی جاتی، جس کے بعد اعلیٰ قسم کی سپہ گری کا فن سکھایا جاتا،

تعلیم و تربیت

شہزادوں کی تربیت | شہزادوں اور امراء کے لڑکوں کی فوجی تعلیم و تربیت کے لئے آج کل کی طرح کوئی ادارہ تو نہ تھا لیکن نجی طور پر فن سپہگری میں اُن کی تربیت باضابطہ طور پر ہوتی تھی، مثلاً بلبن نے اپنے شہزادوں کو شہسواری اور تیر اندازی کی پوری تعلیم دلائی اور رموز جہانبانی اور اصول حکمرانی کے لئے اُستادوں سے آداب السلاطین اور مآثر السلاطین جیسی کتابیں پڑھوائیں[1]، اسی قسم کی تعلیم مغل شہزادے بھی پاتے رہے، مثلاً اکبر نے اپنے پوتے شہزادہ خرم کو میر مراد جوینی سے تیر اندازی کی اعلیٰ تربیت دلائی، اس کو بندوق کی نشانہ بازی سکھانے کے لئے راجہ سلی واہن کو مامور کیا[2]،

تیموری شہزادوں کی تعلیم و تربیت کا اندازہ اورنگ زیب کے حسب ذیل رقعہ سے ہوگا، جو اُس نے اپنے لڑکے محمد سلطان کو لکھا تھا:۔

"حضر یا سفر جہاں بھی رہو، طلوع آفتاب سے ۲، منٹ پہلے بستر پر سے اٹھو، ۴۰، منٹ ضروریات سے فارغ ہونے اور غسل کرنے میں صرف کرو، پھر کمرہ سے باہر آکر فجر کی نماز ادا کرو، نماز کے بعد کلام پاک کی تلاوت کرو، پھر اندر جاکر ناشتہ کرو، اگر کوچ کر رہے ہو تو طلوع آفتاب کے ۴۰ منٹ تک گھوڑے کی سواری کی مشق کرو، اور اگر شکار کھیلنے لگو تو اپنی منزل پر واپس آنے میں وقت کی پابندی کا خیال رکھو، جہاں پہونچ کر اگر کچھ

---

[1] برنی ص ۴۵-۱۴۰-۱۴۴ [2] اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۱۷، ۱۱۵

وقت مل جائے، اور تمھاری طبیعت راغب ہو، تو کچھ عربی پڑھو، ورنہ کچھ دیر آرام کرو، دوپہر میں جب آفتاب ڈھل جائے تو خیمہ سے باہر آکر ظہر کی نماز باجماعت ادا کرو، کھانے اور قیلولہ میں دو گھنٹے سے زیادہ نہ لگاؤ، پھر عصر کی نماز پڑھو، اگر کھانے کے بعد قیلولہ کی ضرورت نہ سمجھو تو پھر کچھ کتابت کی مشق کرو، اور فارسی نثر اور شاعری کا مطالعہ کرو، عصر کے بعد تھوڑی دیر عربی پڑھو، اس کے بعد منتخب لوگوں کی ایک مجلس کرو جس میں مغرب کی نماز کے بعد تک شریک رہو، پھر کچھ کلام پاک پڑھو، اور نو بجے بستر پر چلے جاؤ، اور اگر سفر میں ہو، اور کہیں مقیم ہو، تو مذکورۂ بالا کام وقت پر انجام دیتے رہو، البتہ شہسواری کے بجائے ۴۸ منٹ تک تیر اور تفنگ چلانے کی مشق کرو، طلوع آفتاب کے ایک گھنٹہ چوبیس منٹ کے بعد ۴۸ منٹ کے لئے دربار کرو، اگر کوئی ضروری کام ہو تو اس کے بعد ہی ایک گھنٹہ کے لئے دربار خاص کرو، اور اگر کوئی کام نہ ہو، تو عربی پڑھو،

کوچ میں کلام پاک دو اور قیام میں تین سورہ پڑھو، اگر کوچ کی منزل طویل ہو تو گھوڑے پر سفر کرو، اور فجر کی نماز کے بعد ہی روانہ ہو جاؤ، ناشتہ راستہ میں کرو، یا نہیں تو روانگی سے پہلے کچھ کھالو، نو بجے کے بعد کوچ کرنا مناسب نہیں، اگر راستہ میں شکار کھیلو، تو اگلی منزل پر فوج کو مختصر راستہ سے میر بخشی کی نگرانی میں روانہ کردو، اور چند ہمراہیوں کے ساتھ شکار کھیلو، ......

اسلحہ اچھی طرح زیب تن کرو، جب تک تمھارا پسینہ خشک نہ ہو اپنا جنگی لباس نہ اتارو، دو ہزاری منصبداروں سے کم تر منصبداروں کو اپنی فوج کے سامنے سے گذرنے نہ دو، دائیں بائیں، اور عقب میں معتمد منصبدار مامور کرو، اور ان کے ساتھ دو سے زیادہ خدمتگار نہ ہوں ...... فوج کے آگے زیادہ بھیڑ نہ ہو، اس سے ترتیب اور تنظیم بگڑ جاتی ہے،

.........فوجی عہدیداروں سے بے تکلفی نہ برتو، ان سے صرف ضروری باتیں کرو،
بلکہ ان سے کسی خوش اسلوبی سے باتیں کرنے سے پرہیز کرو، اس طرح اُن کے دلوں
میں خوف اور احترام قائم رہتا ہے۔[1]

نظری تعلیم | ایک اچھے فوجی رہنما اور سردار پیدا کرنے کی اہمیت پر برابر زور دیا گیا پہلے کہا جا چکا ہے
کہ اُن کی تعلیم کے لئے کوئی کالج یا تعلیمی ادارہ تو نہ تھا، لیکن نظری تعلیم کیلئے اُنکے سامنے فنون جنگ پر کتابیں
سامنے ہوتیں اور عملی تعلیم میدان جنگ میں حاصل کرتے، شاہنامہ فردوسی، تاریخ خلفاء عباسیہ از امام ثعلبی، مآثر الوزراء، آداب الحرب
الشجاعہ از فخر مدبر، فتاویٰ جہانداری از ضیاء الدین برنی، تاریخ جہانگشا از جوینی، اور تزوک تیموری
میں فنون جنگ کی ایسی نظری تعلیم موجود تھی، جن سے فوجی سردار مستفید ہوا کرتے تھے،

بادشاہ وقت کے اوصاف | فتاویٰ جہانداری میں بادشاہ وقت کے لئے یہ ہدایتیں درج ہیں'
(۱) وہ اپنی فوج کی سالانہ بھرتی سے بالکل باخبر رہے کہ کتنے سپاہی بھرتی ہوئے، اور وہ
کہاں کے رہنے والے ہیں (۲) وہ اس کی پوری واقفیت رکھے کہ اُس کی فوج کی تنخواہوں میں
کتنی رقم خرچ ہوتی ہے، اور خشک سالی میں اس کے لشکر کے ساز و سامان میں کس قدر صرف
کیا جارہا ہے تاکہ ہر لشکری کا خاندان آسودہ حال رہے (۳) وہ سال میں دو مرتبہ گھوڑوں اور
اسلحہ کا معائنہ کرکے اُن کی فہرست تیار کرائے، وہ معائنہ خود کرے تاکہ لشکریوں کی طرف سے بددیانتی
اور جھوٹ کا خطرہ نہ رہے، معائنہ اس طرح ہو کہ لشکری گھوڑوں کو بار بار دکھانے میں فریب نہ
دے سکیں (۴) وہ سواروں کی شہسواری کا بھی امتحان لیتا رہے تاکہ ضرورت کے وقت نقلی اور
غیر تربیت یافتہ سوار اپنے کو پیش کرکے دھوکہ نہ دے سکیں (۵) وہ ایسے فوجی سرداروں کو سرداری

---

[1] اس خط کا اقتباس اسٹیڈیز ان موغل انڈیا از جدو ناتھ سرکار ص ۵، ۶، ۷، اور رقعات عالمگیر
معارف پریس ص ۶، ۷، سے لیا گیا ہے،

کے لئے منتخب کرے، جو اچھے خاندان کے ہوں، ممتاز، بہادر اور صالح ہوں،

فوجی سرداروں کی خصوصیات ایک اچھے فوجی سردار یعنی سر لشکر کی خصوصیات یہ بتائی گئی ہیں، :

(۱) اس میں خوفِ خدا ہو (۲) وہ ہر حال میں بادشاہِ وقت کا وفادار ہو (۳) اس میں دماغ کا توازن ہو تاکہ اس کا ہر حکم متوازن اور صائب سمجھا جائے (۴) وہ اعلیٰ خاندان کا ہو تاکہ اس کا وقار قائم رہے (۵) اس میں جذبۂ وفاداری ہو تاکہ وہ مختلف حالات میں بدلتا نہ رہے (۶) وہ لڑائیوں کا تجربہ رکھتا ہو، اگر اس کو تجربہ نہ ہوگا تو وہ اپنی فوج کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے، (۷) وہ ایک اچھے قبیلہ کا ہو تاکہ اس کے قبیلہ سے زیادہ سے زیادہ افراد فوج میں شریک ہو کر اس کو پوری تقویت پہنچاتے رہیں۔ (۸) وہ بہادر ہشیار اور معاملہ فہم ہو، (۹) وہ فیاض بھی ہو، ایک بخیل فوجی سردار سے اس کی فوج خوش نہیں رہ سکتی ہے، (۱۰) وہ ذہن کا صاف اور زبان کا سچا ہو تاکہ اس کے لشکری اس کے فعل و قول پر اعتماد رکھیں،

عارض کے اوصاف ایک عارض کے یہ اوصاف بتائے گئے ہیں :

وہ اپنے سپاہیوں سے اسی طرح محبت رکھتا ہو جس طرح ماں باپ اپنے بچوں سے رکھتے ہیں، وہ لشکریوں کے جرائم کی پردہ پوشی تو کرتا ہو لیکن ان کو سزا بھی اس طرح دیتا ہو، جیسے کوئی شفیق باپ اپنے نالائق بچوں کو سزا دیتا ہے، سزا دینے میں زیادہ بے رحم نہ ہو، اور سزا دینے کے بعد رحم اور مصالحت کے لئے بھی تیار رہتا ہو، چھوٹے اور بڑے جرائم میں امتیاز کرتا ہو تاکہ محض تھوڑے سے قصور پر وفادار اور جانباز عہدیدار اپنے وقار سے محروم نہ ہو جائیں، لیکن جو مجرم ہوں، اور جو اس کے وقار کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کرتے ہوں تو اُن کو کوڑے لگوائے، اور سہم الحشمان کے حوالے کرکے اُن کو قید میں ڈال دے، وہ بادشاہ وقت کو فوج کے تمام جرائم اور عیوب سے واقف رکھے، لیکن بادشاہ کو موت کی سزا دینے سے حتی الوسع روکتا رہے، وہ بادشاہ کو فوج کا دشمن

نہ بنائے، اور اس طرح فوج کو بادشاہ کا دشمن ہونے سے بچائے، وہ لشکریوں کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھے، وہ اُن کی خوشی پر خوش ہو، اور اُن کے غم و ملال پر مغموم اور ملول ہو، اور اُن کو زیادہ سے زیادہ راحت پہونچانے میں اس کو ذہنی سکون ہو، وہ ہر حال میں کوئی بات ایسی نہ کرے، جس سے اس کے وقار میں کمی پیدا ہو، اس کی سطوت ہر حال میں قائم رہے، اور اس پر ایسا اعتماد ہو کہ لشکری اپنے کو اس کا غلام سمجھیں، فوج میں ہزاروں آدمی ہوتے ہیں، ان کے مزاج میں ایک دوسرے سے بڑا اختلاف ہوتا ہے، اس لئے مذکورۂ بالا باتوں پر عمل کرنے کے لئے بزرجمہر ہی کا دل و دماغ ہونا چاہیئے،

فوجی سرداروں کی خوبیاں | آدابُ الحرب میں ایک اچھے فوجی سردار (لشکر کش) کی یہ خوبیاں بتائی گئی ہیں:

"وہ نیک کردار اور حق شناس ہو، اور جو جس کام کے لائق ہو اس سے وہی کام لیتا ہو، اور اس کی خدمت اور اطاعت گذاری پر اس کو انعام دیتا ہو، اور اس کا دل بڑھاتا ہو، خود بھی بادشاہ وقت کا اطاعت گذار ہو، اور دوسروں کو بھی فرماں بردار بننے کی تلقین کرتا رہتا ہو، جاسوسوں اور مخبروں کی بڑی تعداد رکھتا ہو، اور اپنی اور دشمن کی فوج کے تمام حالات سے باخبر رہتا ہو، کسی حال میں بھی اپنے دشمن کو کمزور اور اپنے کو قوی تر نہ سمجھتا ہو، جنگ کے وقت لشکریوں کی ہمت بڑھاتا ہو، اور اُن کو ہر قسم کی عزت سے نوازتا ہو، لڑتے وقت صف آرائی میں کوئی خلل پڑ جائے، تو اُس کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا ہو، کوئی دشمن کے سپاہی کو زیر کرتا ہو، یا قید کر لیتا ہو، یا سوار کو اس کے گھوڑے کیساتھ اسیر کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہو، یا زخمی کر دیتا ہو، یا اپنی جگہ پر جم کر قدم جمائے رہتا ہو، یا دشمن کو اپنی جگہ سے مار بھگاتا ہو، یا ہاتھی کو گرفتار یا زخمی

کر لیتا ہو، یا غنیم کے علم پر قبضہ کر لیتا ہو تو فوجی سردار کا فرض ہے کہ اُس کی جرأت اور شجاعت کے مطابق اس کو انعام و اکرام دیتا رہے، لیکن اسی کے ساتھ جو لشکری جھوٹ بولتا ہو یا جو اپنی مقررہ جگہ چھوڑ دیتا ہو، یا جو دشمن کی طرف بغیر پیکان کے تیر پھینکتا ہو، یا جو تیر پر کچھ لکھکر دشمن کو خبریں پہنچاتا ہو، یا جو دشمن کی طرف اسلحہ یا دکھانے کی چیزیں بھیجتا ہو، یا جو دشمن کو اپنے لشکر کا حال اُس کی تعداد اور جنگ کی تدبیروں سے آگاہ کرتا ہو، یا جو اپنی طاقت سے باہر طاقت آزمائی کر کے قصداً دشمن کے ہاتھ گرفتار ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو، تو ایسے تمام لشکریوں کو فوجی سردار بر وقت سزا دے"[1]

شہزادوں کو نصیحتیں مذکورۂ بالا تمام اوصاف فوجی عہدیداروں میں پیدا کئے جانے کی کوشش کی جاتی، اور جن میں یہ ہوتے وہی کامیاب سمجھے جاتے، پھر وقتاً فوقتاً بادشاہ یا فوجی سردار فوج کو جو نصیحتیں یا ہدایتیں دیتا وہ فوج کی تعلیم و تربیت کے لئے مشعل ہدایت اور روایت بن جاتیں، مثلاً بلبن نے اپنے لڑکے بغراخان کو نصیحت کی کہ فوج کو تنخواہ برابر ملتی رہنی چاہئے لیکن نہ اتنی زیادہ کہ آسودہ حال ہو کر باغی بن جائے، اور نہ اتنی کم کہ محتاجی میں زندگی گذارے، فوج کا روزانہ معائنہ اور جائزہ لیتے رہنا چاہئے تاکہ اس کی ضرورتوں سے ہمیشہ باخبر رہے، اس کو اس بات پر بھی نظر رکھنی چاہئے کہ دیوان عرض پرانے لشکری کی پرورش پوری توجہ سے کرتا ہو، اور نئے سوار کے ساتھ عنایتوں سے پیش آتا ہو، اور وہ اس کے سامنے لشکر کی پوری کیفیت روزانہ پیش کرتا رہتا ہو (برنی ص ۱۰۲-۱۰۱)

فوجی عہدیداروں کو ہدایتیں عماد الملک راوت عرض ہر سال تنہائی میں دیوان عرض کو اپنے پاس بلاتا، اُن کو خلعت اور تیس ہزار تنکے دیتا، تاکہ اپنے ماتحتوں میں تقسیم کر دیں، پھر

---

[1] آداب الحرب تفصیل کے لئے دیکھو عکسی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ باب سی و هفتم،

اُن کے ہاتھ پر بوسہ دیتا اور کہتا کہ

"میں تم سے التماس کرتا ہوں کہ تم بادشاہ پر جو کہ فوج کا آقا ہے مجھ پر کہ عارض ہوں اور فوج پر کہ رعایا اور ملک کی محافظ ہے، یہ عنایت کرو کہ کوئی چیز رشوت کے طور پر فوج سے نہ لو، اگر تم اپنے نائب سے کچھ لوگے تو یہ نائب جو کچھ تم کو دیں گے وہ فوج کی تنخواہ سے وصول کریں گے، جس میں سے ½ یا ⅓ تو تم کو دیں گے، اور ½ خود رکھ لیں گے، اس طرح فوج ہلاک ہو جائے گی، اس لئے فوج کی تنخواہ میں سے ایک جیتل بھی لینا روا نہ رکھو اور نہ اُس کو کوئی تکلیف پہونچے، اور نہ اس پر ظلم ہو، (برنی ص ۱۱۶-۱۱۵)

علاء الدین خلجی نے ملک کافور کو ارنگل کی مہم پر روانہ کیا تو اس نے اس کو خاص طور پر ہدایت کی کہ وہ ایک اجنبی ملک میں خود رائے اور ضدی بن کر لشکر کشی نہ کرے، بلکہ تمام فوجی سرداروں سے تعاون حاصل کرتا رہے، اور اُن کی عزت و حشمت کا لحاظ رکھے، لشکریوں کے ساتھ نہ اخلاق سے پیش آئے، اور اُن کو کوئی شکایت کا موقع نہ دے، اُن کے چھوٹے چھوٹے قصوروں کو نظر انداز کرتا رہے، اور اس کے کسی قول و فعل سے فتنہ پیدا نہ ہونے پائے، اگر کوئی سوار نیا گھوڑا یا قرض مانگے، تو دینے میں تامل نہ کرے، غرض کہ فوجی سرداروں سے اس طرح نرمی بھی نہ کرے کہ وہ گستاخ ہو جائیں، اور نہ اتنی درشتی اور سختی سے پیش آئے کہ دشمن ہو جائیں، (برنی ص ۳۲۷)

چنگیز اور تیمور کے اصول مغل ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ فنِ جنگ میں چنگیز خان اور تیمور کی روایت لائے، ان دونوں کو اب تک محض ایک وحشی اور سفاک فاتح سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، لیکن جس پیمانے پر یہ دونوں لڑائیاں لڑتے رہے، دنیا کے کسی فاتح نے نہیں لڑیں، اس لئے وہ محض وحشی نہیں سمجھے جا سکتے، بلکہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ فنونِ جنگ کے بہترین ماہر اور میدانِ جنگ میں اعلیٰ ترین فوجی سردار تھے، دونوں میں لشکر کو حرکت میں لانے کی غیر معمولی

صلاحیت تھی، چنگیز جب لڑائی شروع کرنے کو ہوتا تو جتنی دور دور کی باتیں ہوتی تھیں سب تفصیل کے ساتھ اس کے ذہن میں آجاتی تھیں، پھر بھی ہفتوں اپنے فوجی سرداروں کو پاس بٹھا کر لڑائی کے تمام پہلوؤں پر بحث کرتا رہتا، جب لڑنا ضروری نہ ہوتا تو لڑائی سے بچتا، لیکن جب لڑتا، تو پھر میدان میں کشتوں کی ہولناک تعداد نظر آتی، تیمور میں چنگیز خان کی طرف احتیاط نہ تھی، وہ ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا، اور اس پر غالب آکر دکھا دیتا، کوئی مسئلہ ایسا نہ ہوتا، جو اُسے متردد کردیتا، اُس کو اپنی جنگی قابلیت پر غیر معمولی بھروسہ تھا، اور اُس کو دشمن کی قوت توڑنے کے لئے ٹھیک بات ٹھیک وقت پر انجام دینے کی غیر معمولی صلاحیت تھی،

چنگیز خاں کی طرح تیمور بھی میدانِ جنگ میں اپنی سرداری کی غیر معمولی قابلیت کا اظہار کرتا، جس طرح شہد کی مکھیاں مل کر کام کرتی ہیں، اسی طرح اس کی فوج بھی لڑائی میں مل کر کام کرتی تھی، اور جس کسی کے ذمہ جس قدر کام ہوتا تھا، وہ اس کو پورے طور پر انجام دیتا تھا، چنگیز خاں کے لشکر کی صفیں ایک دوسرے سے دور دراز فاصلہ پر رہا کرتی تھیں، مگر اس مسافت کے باوجود حکم ہوتے ہی فوراً مل کر ترتیب جنگ میں آجاتی تھیں، تیمور جس وقت دیکھتا تھا کہ مقابلہ ایک سخت دشمن سے ہے تو صرف ایک لشکر لے کر اس کے مقابلہ میں چل پڑتا تھا، ہیرلڈ لیمب نے اپنی کتاب "تیمور جس نے دنیا ہلا ڈالی" میں لکھا ہے کہ

> "تاتاریوں اور مغلوں کے آلاتِ حرب یورپ والوں سے بہتر ہوتے تھے، اس کے علاوہ فوجی قواعد کی پابندی، لڑائیوں کے داؤں پیچ سے عمر بھر کی واقفیت، پھر فوجی افسروں کی لیاقت و کیاست اُن سب باتوں نے مغلوں اور تاتاریوں کو یورپ والوں سے کہیں آگے بڑھا دیا تھا، ...... یہی وجہ تھی کہ یورپ کی فوجیں جب کبھی مغلوں اور تاتاریوں کے مقابلہ میں آئیں یورپ کے حق میں ایک مسلسل تباہی کے سوا کچھ نتیجہ نہ نکلا..."

.....تاتاری بڑے اچھے شہسوار اور آتش انداز بھی ہوتے، اور سواروں کے ذریعہ غنیم کے دائیں بائیں بازو اور عقب پر جس تیزی سے یلغار کرتے، اس کا مقابلہ غنیم کی فوجیں مشکل سے کرسکتی تھیں،" (اردو ترجمہ ص ۳۸۴)

اچھے فوجی سردار ہونے کے شرائط

چنگیز اور تیمور کے فنونِ جنگ ہی کے مطابق بابر اور اس کے جانشین عملی تعلیم پاتے رہے، اور ہندوستان آکر موقع بموقع حالات کو سامنے رکھکر اس میں ترمیم کرتے رہے، اچھا فوجی سردار وہی سمجھا جاتا جو حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھتا تھا:

۱- کوچ سے پہلے فوج کا معائنہ اچھی طرح کر لیتا ہو تاکہ اس کو آلاتِ حرب اور فوجی سازو سامان کی فراوانی یا کمی اور لشکریوں کی خوبیوں اور کمزوریوں کا پورا اندازہ ہو،

۲- کوچ سے پہلے رسد کی فراہمی کا مکمل انتظام رکھتا ہو،

۳- دارالسلطنت سے خبر رسانی کا پورا اہتمام رکھتا ہو، اور اس کے جاسوس ہر طرف پھیلے ہوں، تاکہ غنیم کی خبر اس کو برابر ملتی رہے،

۴- کوچ میں تیزگامی سے کام لیتا ہو، تاکہ رفتار کی سستی سے غنیم فائدہ نہ اٹھالیں،

۵- جنگ کے لئے میدان یا محاذ خاطر خواہ منتخب کرتا ہو،

۶- میدانِ جنگ میں لشکر کی صف آرائی میں انتہائی احتیاط، عالی دماغی، اور دوراندیشی سے کام لیتا ہو، ہر صنف کے لئے مناسب فوجی سرداروں کا انتخاب کرے، اور اس وقت ہوش و حواس میں خلل نہ آنے دے، بلکہ اپنی باتوں اور تقریروں سے اُن کی حمیت اور غیرت کو ابھارتا رہے، اور اپنی فوج کی ہر صف کو ایک ہتھیار کی طرح ہاتھ میں رکھے، اور ہر صف سے خاص خاص اوقات میں کام لے،

۷- غنیم کے طریقہ جنگ کا گہرا مطالعہ کرکے فیصلہ کرے، کہ اپنی کون سی صف کو آگے بڑھائے

اور کون سے رخنہ کو تدبیر سے بند کرے،

۸- اگر کسی صف کا سردار غلطی کرتا ہو یا بغیر حکم کے حرکت کرتا ہو، تو اس کو فوراً اپنی جگہ سے ہٹا دے، اور دوسرے کو مامور کرے، کوئی لشکری اپنے فرائض انجام دینے میں کوتاہی کرتا ہو، تو اس کو سخت سزائیں دے، اور اگر غداری کرتا ہو تو قتل کر دے،

۹- فوج کا کوئی بازو کمزور ہوتا ہوا نظر آئے تو فوج محفوظ یا دوسرے بازو کو اس کی مدد کے لئے پوری جنگی احتیاط کے ساتھ بھیجے،

۱۰- وہ حتی الوسع اپنے کو قتل ہونے سے بچائے، تاکہ بدنامی نہ ہو اور لشکر میں بددلی نہ پیدا ہو، تیمور کا قول تھا کہ مخالفوں پر غالب آنا نہ لشکر کی کثرت سے اور نہ اُن سے مغلوب ہونا فوج کی کمی سے ہوتا ہے، بلکہ فتح اور غلبہ حاصل کرنا محض جنگی تدبیر، عزم صحیح، احتیاط، انجام بینی اور دور اندیشی پر منحصر ہے،

۱۱- وہ لڑائی کے وقت اپنے ماتحت فوجی سرداروں سے مشورہ بھی کرتا رہے، تیمور کا قول تھا کہ جو مشورے محض زبان سے دئے جائیں، وہ صرف سُن لئے جائیں، لیکن جو مشورے تہِ دل سے دئے جائیں، ان کو کان اور دل دونوں میں جگہ دی جائے،

عام سپاہیوں کی تعلیم عام سپاہیوں کی تعلیم بھی ہوا کرتی تھی، یہ تعلیم عموماً شہسواری، شمشیر زنی تیر اندازی، اور نیزہ بازی میں ہوتی، اچھا شہسوار وہی سمجھا جاتا، جو ضرورت کے وقت گھوڑے کو دریا میں ڈال دیتا، اور اس کو صحیح سالم عبور کر لیتا، یا اپنے سنان سے سوار کو مع گھوڑے کے میدان جنگ میں گرا دیتا، اسی قسم کی شہسواری کی تعلیم دیجاتی، بعض سپاہی گھوڑے کی پیٹھ پر اپنے منہ پھیر کر تیر اور بندوق چلا سکتے تھے، اور دوسرے ہتھیاروں کی مشق کا ذکر پہلے ہم باب فدرہ بر میں کر چکے ہیں، جس سے ان اسلحہ کی استعمال کی تعلیم کی بھی وضاحت ہو جائے گی،

تیراندازی پر افغان، ترک اور مغل زیادہ زور دیتے، غنیم کی صفوں میں اس سے انتشار پھیلانے میں بڑی مدد ملتی، تیر اندازی کی مشق کس طرح کرائی جاتی، اس کا ذکر گذشتہ باب میں آچکا ہے، تاتاریوں کی تیر اندازی یورپ والوں سے زیادہ بہتر تھی، اور اُن کے تیر اس بلا کے ہوتے تھے کہ غنیم کے گھوڑے دست بدست لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتے، اُن کے تیر لوہے کو چھید دیتے تھے، اور بعض تیروں میں آتش گیر مادہ بھی ہوتا، تاتاریوں کی تیر اندازی کی ساری روایتیں مغل ہندوستان ساتھ لائے، اور تیر و کمان اُن کے بہت ہی پسندیدہ ہتھیار رہے، وہ لڑائی جب تک بالکل گھسان کی نہ ہوتی، اور سوار و پیدل بالکل گڈمڈ نہ ہو جاتے، اُن کے ہاتھ سے کمان و تیر بالکل نہ چھوٹتے تھے، تیر اندازی کا فن روز بروز ترقی کرتا گیا، جہانگیر کا ایک فوجی سردار نجم باقر ثانی اس میں اس قدر ماہر تھا کہ شیشے کے ایک شمع دان پر مکھی کے برابر موم لگا دیتا، اس پر چاول اور اس کے اوپر سیاہ مرچ چپکا دیتا، پہلے تیر سے سیاہ مرچ کو علیحدہ کر دیتا، دوسرے سے چاول کو اڑا دیتا، اور تیسرے تیر سے موم علیحدہ کرتا، اور شمع دان کے شیشہ کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا، (مآثر الامراء جلد اول ص ۱۱۴) ہر تیر سے گھوڑے کی پیٹھ کو خالی کرا لینا کوئی بڑی بات نہ تھی، اچھے تیر انداز تیر ۲۸۴ گز تک پھینک سکتے تھے،

آداب حرب کے مصنف کا بیان ہے کہ سپاہیوں کو نیزے، کمان اور تیر کے بنانے اور مرمت کرنے کی تعلیم باضابطہ دی جاتی تاکہ ضرورت کے وقت وہ ان چیزوں کو بنا سکیں، اور اُن میں کوئی نقص پیدا ہو جائے، تو درست کر سکیں، سوار کو اپنے زین کی مرمت کرنے، گھوڑے کو آختہ کرنے یا کوئی گھوڑا تندخو اور شریر ہو تو اُس کے جسم سے خون نکالنے کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، اور اُس کے لئے ضروری سامان میدان جنگ میں ساتھ رہتا تھا،

باضابطہ تعلیم کی کمی

لیکن موجودہ زمانہ کی طرح حکومت کی طرف سے کوئی باضابطہ فوجی تعلیم کا

انتظام نہ تھا، تاریخ فرشتہ اور تزک جہانگیری کی روایت کے مطابق ایک مثال اس کی تو ملتی ہے کہ مالوہ کے فرمانروا غیاث الدین بن سلطان محمود خلجی نے پانچ سو ترکی کنیزوں کو مردانہ لباس پہنا کر تیراندازی، نیزہ بازی، تفنگ اندازی اور شمشیر بازی کی تعلیم دی، لیکن کسی زمانہ میں حکومت کی طرف سے فوجی تعلیم باضابطہ نہیں دی گئی، عام طور سے لوگ فوجی تعلیم کا سامان خود کرتے، شمشیر بازی، تیراندازی، نیزہ بازی، شہسواری، اور مشت بازی وغیرہ کا کوئی استاذ فن مل جاتا تو اُس سے تعلیم و تربیت حاصل کر لیتے، اور جب اُن میں سپاہیانہ اوصاف پیدا ہو جاتے، تو فوج میں داخل ہو جاتے، اور پھر سپاہی بن کر وہ تمام سپاہیانہ مشق اور ورزش کرتے جس کا ذکر گذشتہ باب میں کیا جا چکا ہے، اور ان ہی ورزشوں کے ذریعہ اُن کی سپہگری کے تمام جوہر برقرار رہتے، اور یہ سپہگری کا زمانہ تھا، اس لئے سپاہی بننے کے شوق میں لوگ اپنے میں سپاہیانہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے، اور جب جنگ میں شریک ہوتے، تو اُن کو طرح طرح کے تجربات حاصل ہوتے رہتے جن سے اُن کا سپاہیانہ جوہر نمایاں ہوتا رہتا، لیکن اچھے سپاہی کو بنانے اور پیدا کرنے کی کوئی منظم کوشش نہیں رہی جس سے حکومت اور لشکر دونوں کو آخر میں ناقابلِ تلافی نقصان پہونچا،

بے ضابطہ تعلیم کے نقصانات

باضابطہ فوجی تعلیم و تربیت نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات معمولی سبب کی بنا پر لشکر میں کوئی انتشار پھیل جاتا تو اُس کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا، خصوصاً شکست و ہزیمت کے موقع پر لشکری نظم و ترتیب سے مراجعت کرنا مطلق نہ جانتے تھے، اور وہ ایسے موقع پر بھیڑ بکری کے گلہ بن جاتے، چونسا کی جنگ ہارنے کے بعد ہمایوں کے لشکر میں کچھ ایسی بھگدڑ مچی کہ اس کو اپنی بیگمات کو بھی اپنے ساتھ لینے کی مہلت نہ ملی، اور وہ شیر خاں کے ہاتھوں قیدی بن گئیں، اسی کے بعد ہمایوں شیر خاں سے قنوج میں لڑا، تو اس کو جو بھی ملا اُس نے فوج میں بھرتی کر لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میدان جنگ میں یہ غیر تربیت یافتہ سپاہی ایسے گڈمڈ ہو گئے کہ آزمودہ کار سپاہی بھی اس انتشار

میں اپنی سپہگری کا جوہر نہ دکھلا سکے، اور اس انتشار میں شیر خان کے لشکریوں نے لڑنے کے بجائے قتلِ عام سے کام لیا، اس جنگ میں ہمایوں کے ایک ایک ہزار سواروں کے دستہ سے بمشکل سات آٹھ سوار جان بچا کر بھاگ سکے، ہموگڈھ کی جنگ میں دارا کو شکست محض ایک معمولی غلطی کی وجہ سے ہوئی، وہ اپنے ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہوا، تو وہ اپنے لشکریوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا، پھر ایسی بھگدڑ مچی کہ دارا کو اپنے خیمہ کا قیمتی سامان اور کنیزیں چھوڑ کر بھاگنا پڑا،

فوجی تعلیم کے نہ رہنے کی وجہ سے لشکریوں میں ذہنی اتحاد پیدا نہ ہونے پاتا جس سے ان کی وفاداری ہمیشہ مشکوک رہتی، اکبر ہی کی فوج میں سے شہزادہ سلیم نے تیس ہزار سوار ایک ہزار ہاتھی اور دو ہزار کشتیاں لے کر اکبر کے خلاف بغاوت کی، پھر خود شہزادہ خرم نے جہانگیر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، تو جہانگیر ہی کے منصبدار اس کے ساتھ تھے، کھجوہ کی جنگ میں جسونت سنگھ اپنے تمام لشکریوں کے ساتھ اورنگ زیب کو چھوڑ کر شجاع سے جا ملا تھا، اور اورنگ زیب کے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کے کیمپ کو لوٹ کر اس کو تباہ اور برباد کر دیا،

اتحاد مقصد پیدا کرنے کی تدبیریں | لیکن اچھا فوجی رہنما وہی سمجھا جاتا جو اپنی ہوشیاری، تدبر کی مصلحت کوشی اور عاقبت اندیشی سے کام لے کر اتحادِ مقصد پیدا کرتا رہتا،

جوشِ جہاد | اور اس کا سب سے بڑا وصف یہ ہوتا کہ وہ اپنے لشکریوں کے کبھی مذہبی و ایمانی، کبھی قومی، کبھی نسلی اور کبھی قبائلی جذبات کو ابھار کر اُن کے سپاہیانہ جوہر سے فائدہ اٹھاتا، محمود غزنوی ہی انہیں ہم مذہبوں کے خلاف ایران، ماوراء النہر، وماوند کے پہاڑی علاقے، اور جیحون کے ساحل پر برابر لڑتا رہا، لیکن جب ہندوستان پر حملہ آور ہوتا تو اپنے لشکریوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے کی کوشش کرتا اور اس کی فوج میں کچھ ایسے لشکری بھی بلا تنخواہ ہوتے جو صرف جہاد کی خاطر جانیں قربان کرنے کیلئے پیش پیش ہوتے، ترائین میں شہاب الدین غوری کی فوج پرتھوی راج سے دوسری بار لڑنے کو آئی تو

اس کی فوج میں راجہ جمون کا بیٹا بھی ہندو لشکریوں کے ساتھ تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پرتھوی راج کے ساتھ کچھ افغان اور اجیر سپاہی بھی تھے، لیکن دونوں طرف سے کچھ مذہبی جذبات ایسے ابھارے گئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اسلام اور ہندو مذہب کی جنگ ہے، سلطان علاء الدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی سے معرکہ آرا ہو کر اور اس کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا، لیکن جب اُس کی فوج دکن کی تسخیر کو روانہ ہوتی، تو اُس کو اسلام کی جنگ سے تعبیر کیا جاتا، اور اس کی فتح و نصرت کو اسلام کی فتح و نصرت قرار دیا جاتا، بابر جب اپنے ہم مذہب ابراہیم لودی سے پانی پت میں لڑا تو وہ لڑائی کے بعد خوش تھا کہ ہر جگہ کشتوں کے پشتے لگے ہوئے تھے، اور وہ غایت خوشی میں لکھتا ہے کہ ہندوستانیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اس معرکہ میں پچاس ساٹھ ہزار لشکری کام آئے، خود رانا سانگا نے ابراہیم لودی کے خلاف بابر کی ہم نوائی کی تھی، لیکن جب کنواہہ میں رانا سانگا اور بابر کی مڈبھیڑ ہوئی تو دونوں طرف سے یہ رنگ آمیزی کی گئی کہ معلوم ہو رہا تھا کہ اسلام اور ہندو مذہب میں ٹکراؤ ہے، اورنگ زیب دارا سے یہ کہکر جنگ کرنے کو چلا کہ وہ شرعی اور اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا، لیکن سموگڈھ کی لڑائی کے بعد وہ کھجوہ میں شجاع سے لڑا، تو دارا کی فوج کے تمام راجپوت سردار اورنگ زیب کی حمایت میں لڑے، اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے وہ راجپوت سرداروں کو مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے بھی بھیجا کرتا تھا،

نسلی اور قبائلی جوش جلال الدین خلجی نے خلجی سرداروں کو اُبھار کر خلجی خاندان کی حکومت قائم کی، غیاث الدین تغلق نے قرونہ ترکوں کے جذبات اُبھار کر اپنی خاندانی حکومت کی بنیاد ڈالی، اسی طرح سادات اور لودیوں کی حکومتیں قائم ہوئیں، شیر شاہ نے افغانوں کے جذبات ابھار کر مغلوں کا استیصال کرنے کی کوشش کی،

تخت و تاج کی حمایت کا جوش اور جب نسلی اور قبائلی جذبات اُبھار کر اتحاد مقصد پیدا نہ ہوتا تو

تخت وتاج کی مرکزی حیثیت کی اہمیت دے کر فوجی سرداروں کے جذبات سے فائدہ اٹھایا جاتا،
میوار کے راناؤں اور مغل بادشاہوں میں بڑی کشمکش اور آویزش رہی، راناؤں کی طرف سے راجپوتوں کے مذہبی اور نسلی جذبات ابھارے جاتے تھے، اور مغل بادشاہوں کی طرف سے تخت وتاج کی مرکزیت پر زور دیا جاتا تھا جس سے وہ بہت سے راجپوت سرداروں کو متاثر کرکے اُن کو راناؤں کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجتے رہے، یہی کیفیت مرہٹوں کے ساتھ رہی، مرہٹوں نے ہندو مذہب کے احیاء اور تجدید کے نام پر اپنے مذہبیوں کو ابھارا اور مغلوں نے ایک مرکزی حکومت کے فوائد کے روشن پہلو دکھا کر مرہٹوں کے ہم مذہبوں کو اپنے اردگرد جمع کیا،

جوشِ شجاعت وپامردی اور جب کسی قسم کے جذبات کے اُبھارنے کا موقع نہ ہوتا تو فوجی سردار اپنی شجاعت، دلیری، بہادری، پامردی اور نبرد آزمائی کا اعلیٰ نمونہ دکھا کر اپنے لشکریوں کی ہمت بڑھاتے جس کی مثالیں بکثرت ہیں، جیسا کہ گذشتہ صفحات سے بھی اندازہ ہوا ہوگا،

۳۹۸ھ میں محمود غزنوی نے جب خراسان میں ایلک خاں سے جنگ کی تو ایلک خاں کے سپاہیوں نے بڑی مردانگی سے محمود کی فوج کا مقابلہ کیا، اور قریب تھا کہ محمود کے لشکر پر ضرب کاری لگائے کہ محمود اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور سربسجود ہوکر بڑی الحاح وزاری سے خدا کی بارگاہ میں فتح ونصرت کی دعا مانگی، پھر ایک ہاتھی پر سوار ہوکر دشمنوں پر ٹوٹ پڑا، اُس کے پیچھے اس کے لشکر کے دُور ہاتھی بڑھے، پہلے ہی حملہ میں محمود کے ہاتھی نے ایلک خاں کے علمبردار کو سونڈ میں لپیٹ کر دور پھینک دیا، اس کے بعد وہ ترکوں کے لشکر کی طرف بڑھا، محمود کی اس شجاعت کو دیکھ کر اس کے اور لشکری پوری دلیری کے ساتھ بڑھے، اور اپنے یلغار سے دشمن کو پسپا کرکے چھوڑا (گردیزی ص ۶۹) مختلف لڑائیوں میں اس کے جسم پر ۲۰ زخم لگے تھے، وہ محض اپنی جانبازی سے اپنے لشکر میں نئی زندگی اور نئی سرگرمی پیدا کر دیتا جس سے اس کی فوج ہمیشہ ناقابلِ تسخیر بنی رہی،

جلال الدین خلجی کہا کرتا تھا کہ میں اپنی تلوار سے بیس بائیس آدمی کو تنہا دوڑا سکتا ہوں، اور ہر میدان ایک بڑی جماعت مجھ پر چالیس بار بھی حملہ کرے تو میرا بال بیکا نہیں کر سکتی، علاء الدین خلجی کا فوجی سردار ظفر خاں میدانِ جنگ میں اپنے حریفوں سے کشتی لڑکر اپنی بہادری کا جوہر دکھانا پسند کرتا تھا، قتلغ خواجہ نے علاء الدین کے زمانہ میں ہندوستان پر یلغار کیا تو اس کے پاس پانچ ہزار سوار تھے، ظفر خاں اُن سے لڑنے کے لئے ایسا بے چین ہوا کہ صرف آٹھ سو سوار لے کر اُن کے مقابلہ کے لئے پہونچ گیا، اور جب لڑائی شروع ہوئی تو اپنے ہر تیر سے غنیم کے ایک سوار کو ہلاک کرتا تھا، صرف اس کے تیروں سے میدان جنگ کی زمین چھلنی ہو گئی تھی، اس کا گھوڑا دشمنوں نے ہلاک کر دیا، تو برنی کا بیان ہے کہ اس "صف شکن روزگار" نے پا پیادہ لڑنا شروع کیا، اور جب دشمن ہار کر بھاگے تو اُس نے اٹھارہ کوس تک اُن کا پیچھا کیا، لیکن ایک جگہ اُن کے نرغہ میں آکر مارا گیا، مگر اس کی ہیبت تاتاریوں پر مدتوں تک اس طرح طاری رہی کہ جب اُن کا گھوڑا پانی نہیں پیتا تھا تو کہتے کہ کیا تو نے ظفر خاں کو دیکھ لیا ہے، (برنی ص ۲۶۱)

"جہانگیر کے امرار میں اسلام خان چشتی میدانِ جنگ میں ہاتھی سے لڑ جاتا، اور اس کو زمین پر دے مارتا (مآثر الامرا، ج ا ص ۱۲۰-۱۱۹) میدانِ جنگ میں جو فوجی سردار عین لڑائی کے شباب پر اپنی مردانگی کے جوہر دکھا کر اپنے لشکریوں کی ہمت بڑھاتے، اس کو حقیقت مردانہ کہا جاتا، مغلوں کے عہد میں ذوالفقار علی خان، ممتاز خاں، سید حسین علی خان اور سید عبداللہ خان نے میدانِ جنگ میں جو اس قسم کی بہادری دکھائی اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں،

انفرادی جانبازی قلعوں کے محاصروں میں اس قسم کی انفرادی جانبازی زیادہ موثر اور مفید ہوتی

چانپانیر کے قلعہ کی فصیل پر بیرم خاں اور ہمایوں دونوں نے چڑھ کر اپنی فوج کو قلعہ پر یلغار کرنے کی ہمت دلائی، شاہجہانی امرا میں اصالت خاں بیجاپور کے قلعہ کے محاصرہ میں محض اپنی

جرأت اور جسارت سے ایسی جگہ پہونچ گیا، جہاں بارود کا ذخیرہ تھا، اور وہ یکایک پھٹا تو اصالت خاں ہوا میں معلق اُڑ گیا جس سے اس کا ہاتھ اور چہرہ جل گیا، اور وہ مرتے مرتے بچا، (مآثرالامراء جلد اص ۲۱۴) شاہجہانی عہد میں میر محمد باقر اعظم خاں دھارواڑ کے قلعہ کی تسخیر میں ایک دریچہ کی راہ سے اندر گھس گیا، اور وہاں پہونچکر محصورین سے جنگ کرنے لگا، (مآثرالامراء ج اص ۲۰۶) عالمگیری عہد میں گولکنڈہ کے قلعہ کی تسخیر میں سید رستم خاں دکنی نے تو اپنی جان کی بازی لگا دی تھی، اور اس کا چہرہ جھُلس کر بدنما ہو گیا تھا (ایضاً ج اص ۵۰۳)

مسلمانوں اور راجپوتوں کے فنونِ جنگ کا موازنہ

اس کتاب کے گذشتہ ابواب میں جو تفصیلات لکھی گئی ہیں، اُن سے اندازہ ہوا ہوگا کہ لڑائی خاص خاص ضوابط و قوانین کے ماتحت لڑی جاتی تھی، اور یہ تمام ضوابط و قوانین ایک اعلیٰ متمدن قوم ہی کے ہو سکتے تھے، عرب، افغان، ترک اور مغل ہندوستان آئے تو انھوں نے ایک دو جنگ لڑنے کے بعد محسوس کیا کہ بھیم، ارجن اور یدھشٹر کی سرزمین میں اُن کو قدم قدم اور چپہ چپہ پر جنگ کرنی ہوگی، تب کہیں اُن کی حکومت قائم ہو سکیگی، اور جہاں بکرماجیت، چندر گپت، سمندر گپت، اور ہرش وردھن جیسے تلوار کے دھنی گذر چکے ہیں وہاں ملک گیری آسان کام نہیں، اس ملک کی عزت و ناموس کے محافظ راجپوت تھے جو اپنی آن کی خاطر جان دینا ضروری سمجھتے تھے، اگر کوئی راجپوت دوڑتا ہوا میدانِ جنگ میں نظر آتا اور اُس کے سامنے نیزہ حائل ہو جاتا تو وہ اس کو پسند کرتا کہ نیزہ اس کے سینہ میں پیوست ہو جائے، لیکن نیزہ کے ڈر سے راہ چھوڑنا پسند نہیں کرتا، ایسے راجپوتوں ہی سے عربوں، ترکوں، اور مغلوں کو برابر لڑنا پڑا، اور انھوں نے یہاں کی سرزمین کو اپنے خون سے ارغوانی اور گلابی بنا لیا، تب جاکر یہاں اُن کے قدم جم سکے،

لیکن خود بہادر اور جانباز راجپوتوں کو بھی معلوم ہوا کہ جن حریفوں

سے اُن کا مقابلہ پڑا، وہ اُن سے دلیری، بہادری، جانبازی اور سرفروشی میں کسی لحاظ سے کم نہیں بلکہ وہ اپنے آلات حرب، آتشیں اسلحہ، فوجی قیادت، صف آرائی کی تنظیم و ترتیب اور طریقۂ جنگ میں کہیں برتر ہیں، عرب یہاں آئے تو ایران اور عراق کے فنون جنگ کی تعلیم پاکر آئے، اس لئے یہاں کی جنگ میں اُن کو فوقیت حاصل رہی، محمود غزنوی وسط ایشیا میں لڑتا، اور وہاں کے ترقی یافتہ فن جنگ سے جو تجربے حاصل کرتا، اُن سے ہندوستان کی لڑائیوں میں فائدے اٹھاتا، اور آخر میں اس نے افغانی، تورانی، اور ہندوستانی فنون جنگ کی آمیزش سے جو طریقۂ جنگ اختیار کیا، وہ ناقابل تسخیر رہا، اور جب مغل ہندوستان آئے تو چنگیز خانیوں اور تاتاریوں کے فن جنگ کی تمام روایتیں اپنے ساتھ لائے، اسی لئے میدان جنگ میں اُن کی فوجوں کی ترتیب اور تنظیم ایسی ہوتی، کہ محض اسی کی بدولت فتح و کامرانی اُن کے ہم کنار ہوتی، راجپوت اپنی بہادری پر زیادہ بھروسہ کرتے، اسی لئے وہ جنگی تنظیم اور ترتیب کا زیادہ خیال نہ کرتے، اُن کے یہاں جے پال، پرتھوی راج، کھانڈے رائے جے چند، رانا کمبھا وغیرہ سر کو ہتھیلی پر رکھ کر لڑنے والے اور خون میں نہانے والے جیسے فوجی سردار تو بہت پیدا ہوئے لیکن محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، التمتش، علاء الدین خلجی، ظفر خان، الپ خان، بابر، بیرم خاں، اکبر، عبدالرحیم خانخاناں، مہابت خان، شہزادہ خرم، اورنگ زیب، میر جملہ اور شائستہ خاں جیسا جنرل پیدا نہ ہوسکا، رانا سانگا، رانا پرتاب اور رانا امر سنگھ کی قربانی، بہادری، اور اولوالعزمی کے قصے آج بھی راجپوتوں کی غیرت، حمیت، اور عزت نفس پر تازیانے لگاتے ہیں، لیکن وہ اعلیٰ قسم کی جنگی و حربی تنظیم و ترتیب سے ناواقف ہوکر لڑے، اس لئے میدان جنگ میں ناکام رہے، راجپوتوں میں کچھ قدامت پرستی کا لحاظ اور نسلی پندار ایسا رہا کہ وہ اپنے مخصوص فن جنگ کو چھوڑنے کے لئے آخر وقت تک تیار نہیں ہوئے، وہ توپوں کے دہانے میں گھس کر، محاصرین کی آتش باری میں جل کر اور آگ میں کود کر فنا ہو جانا پسند کرتے، لیکن اپنا خاص انداز جنگ،

بدلنے کو آمادہ نہ ہوتے، شہاب الدین غوری اور اس کے جانشینوں سے لڑنے کے بعد بھی جب راجپوت کنواہہ کے میدان میں بابر سے لڑنے کو اُترے، تو اُن کے ستر ہزار سواروں اور ایک لاکھ چالیس ہزار پیادوں کے لئے صرف چار صفیں دائیں، بائیں، مرکز اور آگے میں تھیں، لیکن اسی میدان میں بابر صرف آٹھ ہزار لشکر کے ساتھ اُترا تو اُس کی مختلف صفیں یہ تھیں، قراول، ہراول، طرح، برانغار، یسار برانغار، یمین برانغار، جرانغار، یسار جرانغار، یمین جرانغار، اوج برانغار، اوج جرانغار، تولقمہ اوج برانغار، تولقمہ اوج جرانغار، طرح برانغار، طرح جرانغار، قول، دست راست قول، دست چپ قول، طرح قول، یعنی فوج محفوظہ، اس لڑائی میں رانا سانگا جس ہوش ربا بے جگری اور دلیری سے لڑا ہے، اس کی داد خود بابر نے دی، رانا سانگا اپنی فوج کے دل بادل کو لے کر بڑھا تو معلوم ہوتا تھا کہ اس فوج کی بے پناہ بہادری کے سیلاب میں بابر کا لشکر خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے گا، لیکن میدانِ جنگ میں بہادری کا غیظ و غضب اتنا کام نہیں کرتا جتنی کہ جنگی تدابیر مؤثر ہوا کرتی ہیں، رانا سانگا کی فوج نے جرأت و بہادری تو دکھائی، لیکن بابر کی فوجی صفیں تنظیم کے ساتھ حرکت کرتی رہیں، اور اس کے توپچی پورے ضبط و نظم کے ساتھ گولہ باری کرتے رہے، اور تولقمہ کے سوار چکر کاٹ کر غنیم پر ضابطگی کے ساتھ حملہ آور ہوتے رہے یہاں تک کہ بابر کی فوج کی باقاعدگی رانا سانگا کی بے قاعدگی پر غالب آئی،

راجپوتوں نے ترکوں اور مغلوں سے حصار میں محصور ہو کر تو ان گنت لڑائیاں لڑیں لیکن وہ میدان میں اُتر کر لڑنا زیادہ پسند نہیں کرتے تھے، اور مغلوں سے میدان میں اُن کی مڈبھیڑ صرف پانچ بار ہوئی، ایک انہلواڑہ، دو ترائین، ایک کنواہہ، اور ایک ہلدی گھاٹ میں، گو مؤخر الذکر بڑے پیمانہ کی جنگ نہ تھی، ان میں سے دو میں تو راجپوت فاتح رہے، اور تین میں ہارے لیکن شہاب الدین غوری سے میدان میں لڑنے کے تقریباً ۳۳۳ برس بعد کنواہہ کے میدان میں

راجپوت اترے تو اُن کو میدانی جنگ کا وہ تجربہ نہیں تھا جو مغلوں کو تھا، جو برابر میدانوں اور صحراؤں میں لڑنے کے عادی رہے اسی لئے راجپوتوں کو میدان کی لڑائی لڑنے میں وہ مہارت حاصل نہیں تھی، جو ہونی چاہیے لیکن جب راجپوتوں نے مغلوں سے گھل مل کر ان کے طریقۂ جنگ سے پوری واقفیت حاصل کرلی، تو اُن میں راجہ بھگوان داس، راجہ ٹوڈرمل، راجہ مان سنگھ، رائے رایاں راجہ بکرماجیت، سربلند رائے، راؤ امر سنگھ راٹھور، راجہ چھترسال ہاڈا، راجہ جسونت سنگھ کچھواہہ، راجہ جے سنگھ سوائی جیسے فوجی سردار پیدا ہوئے، جن پر مغل بادشاہوں کو ناز رہا، اور پھر راجپوت سواروں اور لشکریوں نے راجپوت منصبداروں کی نگرانی میں گجرات، بہار، بنگال حتیٰ کہ بلخ، قندھار، اور بدخشاں جاکر انھوں نے ویسی ہی اعلیٰ خدمات انجام دیں، جیسی خود مغل اور اُن کے ہم مذہبی لشکری دیتے رہے،

راجپوتوں کی سپہ گری کا سب سے تاریک پہلو یہ ہے کہ وہ کسی ایک قائد کے ماتحت ہو کر اپنی ساری فوجی قوتوں کو اکٹھا کرنے کے عادی نہیں رہے، اُن کے یہاں مرکزی قیادت کا کبھی تخیل ہی نہیں رہا، اسی لئے وہ برابر علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں منقسم رہے، کبھی جذباتی طور پر اُن کی نسلی غیرت وحمیت کو بھڑکا کر کسی میدان جنگ میں ان کو ملایا جاتا تو وہ اپنی اپنی فوج کو لے کر جنگ میں شریک ہو جاتے، اور اپنی ذاتی بہادری اور انفرادی جانبازی کے نمونے تو دکھا دیتے لیکن غنیم کے طریقۂ جنگ کا گہرا مطالعہ کر کے اپنی اجتماعی قوت سے ان پر ضرب کاری لگانے کی کوئی کاوش نہ کرتے، اسی لئے جنگ ہارتے، بلکہ جیت کر ہار جاتے، ترکوں، اور مغلوں کی مذہبی زندگی میں امامت اور اقتدار کا جز بہت ہی اہم رہا، وہ روزانہ پانچوں وقت کی نماز باجماعت میں ایک امام کی آواز پر رکوع اور سجود کرنے کے عادی رہے، ہر فرد واحد اپنے کو ایک وسیع تر ملی اور روحانی وجود سے منسلک پاتا تھا، اس لئے غیر شعوری طور پر اُن میں اجتماعی زندگی کا ایک خاص مزاج خود بخود موجود رہتا، جن سے جنگی ترتیب وتنظیم میں خاص طور پر فائدے پہونچتے رہے، وہ ایک فوجی سردار کی قیادت آسانی سے قبول کر لیتے، اور اس کے حکم پر منظم طریقہ

سے متحرک ہوتے، اور میدانِ جنگ میں مرتب طریقہ سے صف آرا بھی ہوجاتے،

ترکوں اور مغلوں کو راجپوتوں پر جذباتی طور سے ایک اور فوقیت حاصل تھی، وہ مذہب کے نام پر جتنے ابھرتے، اتنے راجپوت نہیں ابھر سکے ہندوستان کے ترک اور مغل حکمرانوں میں شاید ہی کوئی ایسا حکمران گذرا ہے جس کی زندگی خالص اسلامی طرز کی ہو یا سچے اسلامی عقائد پر مبنی ہو، لیکن اسی کے ساتھ اکبر کے سوا شاید ہی کوئی ایسا حکمراں تھا، خواہ وہ کتنا ہی رند مشرب کیوں نہ ہو جو ضرورت کے وقت اپنے سپاہیوں کے مذہبی جذبات کو نہ ابھارتا ہو، وہ کسی راجہ کے خلاف لشکر کشی کرتا تو اس کے اسباب ذاتی یا سیاسی بھی ہوتے، تو بھی اس کو وہ جہاد کا رنگ ضرور دیدیتا، اور اپنے لشکریوں کی تمام مجاہدانہ اسپرٹ کو ابھار کر ان کو میدانِ جنگ میں اتارتا، اور یہ لشکری بھی مذہبی جذبات سے مغلوب ہوجاتے اور غازی کا درجہ یا شہادت کی سعادت حاصل کرنے کی خاطر بڑی سر فروشی سے کام لیتے، اور جب یہ جذبہ ابھر جاتا تو یہ بہتر سے بہتر آلاتِ حرب اور عمدہ سے عمدہ فوجی تنظیم سے زیادہ مفید اور کارگر ثابت ہوتا، جنگ ختم ہونے کے بعد مورخین اسی جذبہ کو اپنی تاریخوں کے صفحوں پر برقرار رکھتے، اور ان بادشاہوں کی لڑائیوں کو مجاہدانہ انداز میں پیش کرتے، جن کو پڑھ کر آنے والی نسلوں میں وہی مذہبی جوش وخروش پیدا ہوتا رہتا، راجپوتوں میں اس قسم کے مذہبی جذبات ابھارنے والا کوئی فوجی سردار نہ ہوتا، یا اگر ابھارتا بھی تو اس پیمانہ پر نہ ابھرتے، جو ترکوں اور افغانوں میں ابھرا کرتے تھے، راجپوت سردار عموماً نسلی عزت قبائلی حمیت یا عورتوں کی عزت وآبرو کی حفاظت کا حوالہ دے کر اپنے لشکریوں کو ابھارتے، لیکن یہ اتنا مفید اور موثر ثابت نہ ہوتا،

اس کے علاوہ راجپوتوں نے فنِ سپہگری اپنے ہی تک محدود رکھا، چھتریوں کے علاوہ دوسروں کو سپاہی بن کر میدانِ جنگ میں اتارنا پسند نہیں کرتے تھے، وہ سپہگری کو اپنا ہی اجارہ سمجھتے تھے، اسلئے وہ ہار جاتے، تو ملک کے دوسرے باشندوں کو فاتح کو حکمران تسلیم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوتا،

ملک کے عام باشندوں میں وہ قومی خودداری نہیں پیدا کرائی گئی تھی، جو آج کل ہے، اس لئے وہ قومی آن کی خاطر جان دینا ضروری نہیں سمجھتے تھے،

مرہٹوں نے راجپوتوں کی ناکامی سے سبق لیا

مرہٹوں نے مغلوں کے زمانے میں عروج حاصل کیا تو وہ اپنے ہم مذہب راجپوتوں کی کمزوریوں کے "تلخ نتائج" سے بے خبر نہیں تھے، اس لئے انھوں نے ایک مرکزی قیادت قائم کرنے کی کوشش کی، اور اپنے "پیشوا" کے اردگرد جمع ہوئے، پھر سیواجی اور اس کے جانشینوں کو ہندو دھرم ادھارک یعنی ہندو مذہب کا محافظ قرار دے کر ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو بھی ابھار کر فائدہ اُٹھایا، اس کے علاوہ مرہٹے مغلوں کے دربار اور فوج میں رہ چکے تھے، اس لئے ان سے مقابلہ کرنے کے لئے اُن ہی کے حربے اور طریقے اختیار کئے، اور جب انھوں نے اپنی فوج اعلیٰ پیمانہ پر مرتب کی، تو اپنے حریف ہی کے نظام فوج کی بہت سی باتیں لیں، اور مغل سلطنت سے ٹکرا کر اُن کی سلطنت کی بنیاد ہلادی، باجی راؤ میں ایک فوجی سردار کی حیثیت سے وہی تمام باتیں تھیں، جو ایک اچھے مغل فوجی سردار میں ہوا کرتی تھیں، وہ اپنی فوج کو تیزی سے حرکت میں لاسکتا تھا، لڑائی سے پہلے وہ اپنے مغل حریفوں کے طریقۂ جنگ کا جائزہ لے لیا کرتا تھا، اور اپنے لشکریوں کا اعتماد پیدا کرنے کی خاطر اُن کی پوری دلجوئی کیا کرتا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ مغل سلطنت کے نظام الملک جیسے فوجی سردار سے بازی لے گیا،

مرہٹوں کے فوجی نظام میں بہت سی اصطلاحات بھی مغلوں کی فوج کے رہیں مثلاً سیواجی کی فوج کے دو حصے تھے، سلح دار اور بارگیر۔ سلح دار گھوڑے اور اسلحہ اپنے ساتھ لاتے تھے، اس لئے اُن کی تنخواہ زیادہ ہوتی تھی، بارگیر کو سب کچھ حکومت کی طرف سے ملتا تھا، سیواجی کے مختلف فوجی عہدیداروں کے نام جملہ دار، حولدار کارکن قلعہ دار تھے، سپہ سالار سرنوبت، واقعہ نویس، واک نویس، فردنویس، فرنویس، چھٹی نویس، چٹ نیس، کہلاتا، سوار کو پاگا کہتے، جو پائگاہ کی خرابی ہے، ترکوں اور مغلوں کے عہد میں گھوڑوں کی نسل جہاں تیار ہوتی، اس کو پائگاہ کہتے، سیواجی کے ایک فوجی سردار کا نام

ہیبت داؤ تھا، اور اس کا خطاب سر لشکر تھا، سیواجی کے لڑکے راجہ رام اپنے فوجی عہدیداروں کو شمشیر بہادر سینا خاص خیل جیسے خطابات دیا کرتا تھا[۵۱]، سیواجی کے فوجی عہدیدار بھی یک ہزاری اور ہفت ہزاری کہلاتے[۵۲]، پہلے ذکر آچکا ہے کہ سیواجی کے زمانے میں اس کے بحری بیڑہ کا سردار دولت خاں تھا، ۱۷۶۱ء میں مرہٹے احمد شاہ ابدالی سے معرکہ آرا ہوئے تو اُن کے توپخانہ کا سردار ابراہیم خاں گاردی تھا،

---

۵۱ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء،

۵۲ سیواجی اینڈ ہز ٹائمس از جدوناتھ سرکار ص ۳۷۶،

زوال

اور

اس کے اسباب

فوجی کارناموں پر ایک نظر

گذشتہ صفحات میں جن فوجوں کا ذکر کیا گیا ہے، اُن کے جنگی کارنامے بہت ہی شاندار اور تابناک کہے جا سکتے ہیں، وہ کبھی کشمیر کی حسین وادیوں میں پہونچیں، کبھی اراکان کے دشوار گذار دلدل اور دریائی جنگل سے گذریں، کبھی کوہ وندھیا کے پرپیچ اور تنگ راستوں کو طے کیا، کبھی تبت و ترکستان کی سرحد تک پہونچ کر اپنی شجاعت اور مردانگی کے جوہر دکھائے، کبھی قراجیل کے ہولناک دروں میں موت اور ہلاکت سے سینہ سپر ہوئیں، کبھی ان کا دل بادل دریائے سرخاب اور کوہ ہندوکش کے برفستانی علاقوں سے گذرا، اور ان ہی کی نبرد آزمائی اور سپہگری سے نہ صرف کشمیر سے راس کماری تک ہندوستان کو جغرافیائی وحدت حاصل ہوئی، بلکہ ان کی وجہ سے ہندوستان کا پرچم کابل، قندھار، تبت، بلخ اور بدخشاں پر بھی لہرایا،

ان فوجوں کی بدولت حکومتوں نے جو اندرونی امن و امان قائم کیا، یا اُن کی وجہ سے جو اقتصادی، تمدنی، معاشرتی، اور لسانی انقلاب رونما ہوا، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ اے۔ ایم۔ ہنیکر نے ان حقیقتوں کو سامنے رکھکر بہت صحیح لکھا ہے کہ ہندوستان کی مغل حکومت اپنے دور کی طاقتور ترین اور متمدن ترین حکومتوں میں سے تھی، (اے سروے آف انڈیا، ص ۲۲) اور اگر یہ حکومت طاقتور ترین کے

ساتھ متمدن ترین بھی نہ ہوتی تو اتنے دنوں تک قائم نہیں رہ سکتی تھی، اور پھر ظاہر ہے کہ ایسی حکومت کی فوج کی تاریخ صرف غارتگری اور ظلم و تعدی سے ہی وابستہ نہیں ہوسکتی ہے، جنگ کے میدان میں تو اس کی خونریزی اور ہولناکی ناگزیر ہوتی تھی، جیسا کہ اب بھی ہوا کرتی ہے لیکن جنگ کے بعد اس میں برائیاں کم اور اچھائیاں زیادہ رہیں، ورنہ محض جور و جفا، اور ظلم و ستم کے سہارے اس کی حکومت کی مدت اتنی طویل نہیں ہوسکتی تھی، اور اس حکومت کے افراد کی یادگاریں اب بھی اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ جس سرزمین کو انھوں نے اپنے خون سے سینچا، اس کو وہ گل و گلزار بنانے کی بھی کوشش میں لگے رہے،

زوال کے اسباب اُن کے عروج و کمال کے بعد اُن کے زوال کی کہانی لکھی جائے تو ایک اور ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے لیکن یہاں پر مختصراً اُن کے زوال پر تبصرہ کرنا ضروری ہے، آخر اُن پر زوال کیوں آیا؟ ان کے زوال کے داخلی اور خارجی اسباب دونوں تھے،

داخلی اسباب ہندوستان کے مسلمان حکمران اور اُن کے لشکری اپنے کو مجاہد، غازی، بُت شکن، حامی دینِ متین، اور علمبردار اسلام تو کہتے رہے لیکن عملاً اُن کا وہ اُسوہ نہ تھا، جو صحیح معنوں میں اسلامی لشکر کے سردار کا رہا، خلافتِ راشدہ کے فوجی قائدین میں حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو صحیح معنوں میں اسلام کا فوجی سردار تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن سلاطین دہلی یا شاہان مغلیہ میں کوئی بھی فوجی سردار ایسا نہیں گذرا جس میں مذکورۂ بالا فوجی رہنماؤں کا ہلکا سا بھی پرتو رہا،

حضرت خالدؓ کی مثال حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اس وقت سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کیا، جب اُن کی سپہ گری اور نبرد آزمائی کی شہرت اپنے شباب پر تھی، اُن کے ایسا سپہ سالار اس وقت تک عالم اسلام میں کوئی نہیں ہوا، ان ہی کی تلوار سے عراق و شام فتح ہوئے، جس وقت وہ معزول کئے گئے تو معزولی کی علامت کے طور پر اُن کے سر سے ٹوپی اتار لی گئی اور ان کی سرتابی کی سزا کے لئے ان ہی کے عمامہ سے اُن کی گردن باندھ دی گئی لیکن حضرت خالدؓ نے مطلق دم نہیں مارا، اور جب حمص پہونچے تو اپنی معزولی

پر ایک تقریر کرتے ہوئے کہا کہ امیر المومنین عمرؓ نے مجھکو شام کا حاکم مقرر کیا، اور جب مین نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا، اس تقریر پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا، اور بولا اے سردار چپ رہو، ان باتوں سے فتنہ پیدا ہوتا ہے، حضرت خالدؓ نے کہا ہاں! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے، اور جب حضرت خالدؓ مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمر! خدا کی قسم تم میرے معاملہ میں ناانصافی کرتے ہو، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو اور مین تمھاری عزت بھی کرتا ہوں، اور یہ کہکر تمام عہدیداروں کو لکھ بھیجا کہ مین نے خالد کو ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا، لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ اُن کے مفتوں ہوتے جاتے ہین، اس لئے میں نے اُن کا معزول کرنا مناسب سمجھا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے[1]، حضرت خالدؓ اس کے بعد خاموش رہے، اور انھوں نے حضرت عمرؓ کے خلاف کوئی جارحانہ یا معاندانہ روش اختیار نہیں کی،

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے کسی فوجی سردار نے یہ مثال پیش نہیں کی، بلکہ اُن میں سے کسی کو معزول کیا جاتا یا اُن کی امیدوں سے کم اس کو نوازا جاتا، تو کبھی وہ علم بغاوت لہراتا، اور خم ٹھونک کر میدان میں صف آرا ہو جاتا، اور خونریز لڑائی لڑتا، اور کبھی دربار کی . . . ریشہ دوانیوں میں لگ جاتا، جس سے بعض اوقات پوری مملکت میں ایک انتشار پھیل جاتا،

حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح کا نمونہ

نجی اور معاشرتی زندگی میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے یہ نمونہ پیش کیا تھا کہ جب ایک بار رومی سفیر اُن کی لشکر گاہ میں آیا، تو اُس کو حضرت ابو عبیدہؓ تک پہونچنے میں سخت دشواری پیش آئی، اس نے اپنے سپہ سالار اعظم کو جس شان و شوکت سے دیکھا تھا وہ اس کو یہاں بھی تلاش کر رہا تھا، لیکن اُس کو یہاں ہر چیز میں یکرنگی اور یکسانیت نظر آ رہی تھی، اُس نے حیران ہو کر مسلمانوں سے پوچھا کہ تمھارا سردار کہاں ہے؟ حضرت ابو عبیدہؓ سامنے ہی زمین پر بیٹھے تھے، کندھے پر کمان لٹک رہی تھی

---

[1] الفاروق از مولانا شبلی ص ۱۶۲،

اور ہاتھ میں تیر تھا جس کو وہ الٹ پلٹ کر رہے تھے، مسلمانوں نے سفیر سے کہا "یہ بیٹھے ہیں" سفیر کو یقین نہ آیا تو اُس نے حضرت ابو عبیدہؓ سے پوچھا "کیا واقعی آپ ہی سپہ سالار اعظم ہیں؟" حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا: ہاں! سفیر نے کہا کیا آپ کا خیال ہو کہ اگر آپ قالین پر بیٹھیں تو خدا آپ سے ناخوش ہو جائے گا، اور آپ کو اپنے فضل و کرم سے محروم کر دے گا؟ حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا، میرے پاس قالین اور مال و دولت کہاں؟ اسلحہ جنگ کے سوا میرے پاس کوئی چیز نہیں، کل مجھے ایک ضرورت پیش آئی تو مجبوراً مجھے ایک بھائی (حضرت معاذؓ) سے قرض لینا پڑا،

حضرت ابو عبیدہؓ کی سادہ زندگی کا اندازہ اس سے بھی ہو گا کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد جب حضرت عمرؓ وہاں پہونچے تو اسلامی لشکر کے فوجی رہنماؤں نے باری باری ان کو اپنے اپنے خیمے میں مدعو کیا، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اُن کی دعوت نہیں کی، حضرت عمرؓ نے ان سے کہا تمام لوگوں نے میری دعوت کی، لیکن تم نے مجھے مدعو نہیں کیا، حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا "اس خیال سے آپ کی دعوت نہیں کی، کہ شاید آپ کو میرے ہاں آنسو بہانے پڑیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا "ایک روز اپنے یہاں ضرور مدعو کرو" اور جب دعوت میں حضرت عمرؓ فاتح شام کے خیمہ میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ گھر میں گھوڑے کے نمدے کے سوا کوئی چیز نہیں، یہی نمدہ ان کا بستر تھا، اور گھوڑے کا زین تکیہ، ایک طاق میں روٹی کے کچھ سوکھے ٹکڑے پڑے تھے، فاتح شام نے وہی ٹکڑے، تھوڑا سا نمک اور مٹی کے گلاس میں پانی لاکر اُن کے سامنے زمین پر رکھ دیا، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے اختیار رونے لگے، اور حضرت ابو عبیدہؓ کو سینے سے لگا کر کہنے لگے، تم ہی میرے بھائی ہو، تم پر دنیا کے حادثہ کا اثر نہیں ہوا، حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا "میں کہتا تھا کہ آپ کو میرے یہاں آکر آنسو بہانا پڑیں گے"

ایک بار حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجا لیکن انہوں نے تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی، اور اپنے لئے ایک حبہ بھی نہ چھوڑا حضرت

عمرؓ نے سنا تو فرمایا کہ "الحمد للہ کہ اسلام میں ایسے لوگ ہیں"؟ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے حضرت ابوعبیدہؓ کا لقب امین الامت پڑ گیا تھا،

حضرت سعید بن عامر کی سادگی

حضرت سعید بن عامرؓ نے بھی اپنی نجی زندگی میں ایک مثالی نمونہ پیش کیا تھا، ان کو حمص کا حاکم اور سپہ سالار مقرر کیا گیا، تو اپنی تنخواہ میں سے معمولی طور پر کھانے پینے کا سامان خرید لیتے اور باقی تنخواہ خیرات کر دیتے، بیوی پوچھتیں کہ تنخواہ کی باقی رقم کیا ہوئی تو کہتے قرض دے دیا ہے، قرآن مجید نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قرض حسنہ قرار دیا ہے، حضرت سعیدؓ ابن عامر کی مراد قرض دینے سے یہی ہوتی، اور وہ برابر عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کرتے رہے، ایک بار حضرت عمرؓ شام کے دورے پر تشریف لے گئے، حمص پہونچ کر شہر کے فقراء و مساکین کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا، فہرست مرتب ہو کر سامنے آئی تو دیکھا کہ سب سے اوپر حمص کے حاکم حضرت سعید بن عامرؓ کا نام موجود ہے، حضرت عمرؓ نے تعجب سے پوچھا کہ یہ سعید بن عامر کون ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا "ہمارے حاکم" فرمایا کہ اُن کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے، وہ اس فہرست میں کیسے آ سکتے ہیں، لوگوں نے عرض کیا "یہ درست ہے لیکن اُن کو جو کچھ ملتا ہے، وہ حاجت مندوں پر صرف کر دیتے ہیں، اُن کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا، یہ سُن کر حضرت عمرؓ رونے لگے، اور قاصد کے ہاتھ ایک ہزار دینار اُن کے پاس بھیجے، اور پیام دیا، کہ یہ رقم اس لئے بھیجی گئی ہے کہ وہ اس کو اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں، لیکن جب حضرت سعید بن عامرؓ کی نظر دیناروں پر پڑی تو بے اختیار اُن کی زبان سے نکل گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، اُن کی بیوی کچھ دور تھیں، اُن کے کان میں یہ آواز پڑی تو دوڑی ہوئی آئیں اور پوچھا خیریت تو ہے" خدانخواستہ امیر المومنین کی وفات ہو گئی؟ بولے نہیں، اس سے بھی بڑا واقعہ ہے" بیوی نے پوچھا کیا خدا کی کوئی نشانی نمودار ہوئی ہو؟ فرمایا اس سے بھی بڑا حادثہ پیش آیا ہے، کہنے لگیں کیا قیامت کے آثار نمودار ہیں، بولے نہیں، اس سے بھی بڑی بات ہو گئی ہے، دیکھو میرے پاس

دنیا آگئی ہے اور میرے گھر میں فتنہ داخل ہوگیا ہے،

ہندوستان کے فوجی امرار کا عیش وتنعم

یہ نمونے ہندوستان کے مسلمان فوجی سرداروں میں نہیں ملتے، اُن کے یہاں دولت ثروت اور امارت تو اس طرح آگئی تھی کہ وہ فوجی سردار نہ تھے، بلکہ فوجی امرا تھے، اور اُن کے یہاں رفتہ رفتہ عیش وتنعم اتنا آیا کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاتا تھا، علاء الدین خلجی کے عہد میں راوت عرض عماد الملک کے دسترخوان پر پچاس طشتوں میں بہترین کھانے آتے، جہانگیری عہد کے ایک فوجی سردار باقرخان نجم ثانی کے باورچی خانہ کے لئے دو سو بکرے، چالیس اونٹ اور تہرا گائیں روزانہ ذبح ہوتی تھیں[1]، خانِ خاناں آصف خاں کے لڑکے اعتقاد خان کے یہاں کھانوں کے اتنے اقسام ہوتے کہ کوئی اور امیر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، اور اس عیش وعشرت کا نتیجہ یہ تھا کہ بقول مصنف مآثر الامرار اس ثروت کی بدولت وادعیش دیا کرتا تھا، لیکن فوج اور فوج کشی سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا، (ج ا ص ۲۳۲) جہانگیر کا ایک دوسرا فوجی سردار اسلام خاں چشتی بنگال میں رقص وسرود کے ارباب کمال پر نو لاکھ ساٹھ ہزار سالانہ خرچ کیا کرتا تھا[2]، حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دے دیئے تھے، پرچہ نویسوں نے حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا، اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی، دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں، لیکن تیموری عہد کے فوجی امرار بات بات پر شعرار کو لاکھوں روپے انعام میں دیتے، سونے میں تلوا دیتے، بلکہ بعض اوقات فوجی کیمپ کا سارا سامان انعام میں دیدیتے ہیں[3]

---

[1] مآثر الامرار، جلد اول ص ۴۱۱، [2] ایضاً ص ۱۱۹، [3] حاجی محمد جان قدسی نے پہلی دفعہ شاہجہانی عہد کے ہفت ہزاری منصب دار خواجہ عبد اللہ خان زخمی کی مدح میں اس کے فوجی کیمپ میں قصیدہ پڑھا تو عبد اللہ خاں نے اپنا خیمہ اور اس کے تمام متعلقات اور لشکر کی تمام چیزیں اسی کو انعام میں دیدیں، (مرأۃ الخیال ص ۱۳۷)

یہ چیزیں تہذیبی اور تمدنی نقطۂ نظر سے بڑی قابلِ قدر رہیں، لیکن رفتہ رفتہ فوجی امراء میں جو امارت کی شان پیدا ہوتی گئی، اس سے ان کے سپاہیانہ مزاج میں فرق آ تا گیا،

اسلامی لشکر کی سادگی: حضرت عمرؓ فاروق کے عہد میں اسلامی لشکر کی سادگی کا یہ حال تھا کہ قادسیہ کی جنگ کے موقع پر ساسانیوں نے کوئی گفتگو کرنی چاہی تو سعد بن ابی وقاص نے اپنے کچھ فوجی افسروں کو سفیر بنا کر اُن کے دربار میں بھیجا، وہ گھوڑے اُڑاتے ہوئے مداین پہنچے، تو راہ میں جدھر سے اُن کا گذر ہوتا تھا، تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی، یہاں تک کہ آستانۂ سلطنت کے قریب پہونچ کر ٹھہرے، لیکن اُن کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑے پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا، تاہم بے باکی اور دلیری اُن کے چہروں سے ٹپکتی تھی، اور تماشائیوں پر اس کا اثر پڑتا تھا، گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے، اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے، چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہونچی تو اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے، معلوم ہوا کہ اسلام کے سفرا آئے ہیں، یہ سُن کر بڑے سر و سامان سے دربار سجایا، اور اُن کو طلب کیا، یہ عربی جبے پہنے، کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے، ہاتھوں میں کوڑے لئے، موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے، تو اس ہیئت کذائی کے باوجود یزدگرد پر ایک ہیبت طاری ہوگئی، ان سفراء کی گفتگو ناکام رہی، اور یزدگرد کے فوجی سپہ سالار رستم کی طرف سے لڑائی شروع ہوگئی، لیکن رستم نے پھر ایک بار سعد بن ابی وقاص سے صلح کی گفتگو کرنی چاہی، اور جب ربعی بن عمر گفتگو کے لئے روانہ ہوئے تو اُن کی عجیب و غریب ہیئت تھی، انھوں نے عرق گیر کی زرہ بنائی، اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا، کمر میں رسی کا پٹکا باندھا، اور تلوار کے میان پر چیتھڑے لپیٹ لئے، اور گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے، ادھر ایرانیوں نے بڑی شان و شوکت سے دربار سجایا، دیبا کا فرش زرین گاؤ تکیے، اور حریر کے پردے لگائے، صدر میں مرصع تخت رکھا، ربعی آئے تو فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اُترے، اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا، درباری دم بخود تھے، دستور کے مطابق ہتھیار

رکھوا لینا چاہا، لیکن ربعی نے کڑک کر کہا کہ میں بلایا ہوا آیا ہوں تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں الٹا پھر جاتا ہوں، درباریوں نے رستم سے عرض کی، اس نے اجازت دی، ربعی نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے، لیکن برچھی ہاتھ میں تھی، اس سے عصا کا کام لے رہے تھے، اس کی ہرانی کو اس طرح فرش پر چبھوتے جاتے تھے کہ پر تکلف فرش اور قالین جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے، تخت کے قریب پہنچ کر زمین پر نیزہ مارا، جو فرش کو آر پار کر کے زمین میں گڑ گیا، درباری بار بار ربعی کے معمولی ہتھیاروں کے دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ان ہی ہتھیاروں سے ایران کی فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو درباریوں کی آنکھوں میں بجلی کوندگئی، اور جب اُس کی کاٹ کی آزمائش کے لئے ڈھالیں پیش کی گئیں، تو ربعی نے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے، ربعی کا نامہ و پیام بھی کامیاب نہیں رہا تو مغیرہ گئے، اس دن ایرانیوں نے اور بھی زیادہ دربار کو سجایا، تمام درباری تاجِ زریں پہن کر کرسیوں پر بیٹھے خیموں میں دیبا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا، خدام قرینے سے دو رویہ پرے جما کر کھڑے ہوئے مغیرہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے، اور ساری آرائش کو حقارت کی نظر سے دیکھا، اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر جا بیٹھے، اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہوا، یہاں تک کہ چوبداروں نے بازو پکڑ کر اُن کو تخت سے اتار دیا، لیکن مغیرہ نے بڑی بے باکی سے اُن کو مخاطب کر کے کہا:

ہم پہلے صرف تمہارے قصے سنتے تھے، لیکن آج مجھے تم سے زیادہ احمق کوئی قوم نظر نہیں آتی، ہم عرب لوگ مساویانہ برتاؤ کرتے ہیں، کوئی کسی کو غلام نہیں بناتا، میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہماری طرح ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے ہو گے، اس لئے یہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے خود مجھے بتا دیا کہ تم میں بعض لوگ بعض لوگوں کے خدا ہیں، اب تمہاری سلطنت قائم نہیں رہ سکتی، میں نے اس راز کے انکشاف کے لئے خود کوئی کوشش نہیں کی تم نے

بلایا تو مجھے معلوم ہوا کہ اب تم لوگ مغلوب ہو گے، کیونکہ اس طرز عمل سے کوئی ملک قائم نہیں رہ سکتا"

اور جب اس تقریر کا ترجمہ سنایا گیا تو پورا دربار ہم زبان ہو کر بول اُٹھا کہ خدا کی قسم یہ عرب سچ کہتا ہے، رستم بھی شرمندہ ہوا، اور اس نے بے تکلفی کے طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے، اور ہاتھ میں لے کر کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا؟ .... مغیرہ نے کہا کہ آگ کی لو گو چھوٹی ہو پھر بھی آگ ہے، رستم نے اُن کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا کہ کس قدر بوسیدہ ہے، انھوں نے کہا کہ ہاں لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے، مغیرہ کی گفتگو بھی ناکام رہی[1]، اور اس کے بعد قادسیہ کی جنگ ہوئی، عربوں کے فوجی قائدوں نے ان ہی بوسیدہ تلواروں سے جنگ کی، اور فتح حاصل کی، جس کے بعد اسلام کی تاریخ کا ایک شاندار دور شروع ہوا،

ہندوستانی لشکر کا تزک و احتشام

لیکن اسلام نے جن چیزوں کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے کی تلقین کی، ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں نے ان ہی کو اپنے لئے طرۂ امتیاز بنایا، بادشاہ اور حتیٰ کہ فوجی امرا اپنے سپاہیوں کے لئے خدا بن گئے تھے، اور نہ صرف دربار میں اُن کی شان و شوکت ایرانی طرز پر قائم ہوئی، بلکہ خود فوجی کیمپ میں وہی تزک و احتشام نظر آتا، اور کیمپ ایک چلتا پھرتا محل ہو گیا تھا، جس کے ساتھ آبدار خانہ، تنبول خانہ، میوہ خانہ، رکاب خانہ، توشک خانہ، خوشبو خانہ، آفتابچی خانہ، اور خدا جانے کیا کیا نہ ہوتا، اور اُن کے میدان جنگ کی راوٹیوں میں بھی دیبا، حریر، زربفت اور مخمل وغیرہ کی آنکھیں خیرہ کر دینے والی زینت و آرایش ہوتی، جس سے تمدنی ذوق کی نفاست اور لطافت کا اندازہ تو ضرور ہوتا، لیکن سپہگری کے ساتھ ان عیاشانہ لوازم کو بھی نباہنے کے لئے اکبر، شاہجہان اور عالمگیر جیسے فوجی قائد کا ہر زمانہ میں ہونا ضروری تھا، لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا، آگے چل کر

---

[1] الفاروق ص ۱۰۳-۱۰۲،

عالمگیر کے جانشینوں میں جھوٹی نمود و نمایش ہی صرف سرمایۂ سلطنت بن کر رہ گئی جس نے نہ صرف اُن کی سپہگری بلکہ اخلاقی زندگی کو بھی کھوکھلا بنا دیا،

اسلامی لشکریوں کے اوصاف

ان حکمرانوں کے عام لشکریوں میں بھی وہ اوصاف نہ تھے، جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہئے تھے، حضرت ابو عبیدہؓ کی سپہ سالاری میں اسلامی لشکر کا مقابلہ عیسائیوں سے یرموک کے میدان میں ہوا، تو اس موقع پر عیسائیوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس ایک قاصد بھیجا، کہ اپنے کسی معزز افسر کو بھیج دو، کہ ہم اس سے صلح کی گفتگو کریں، قاصد اسلامی لشکر میں پہونچا تو شام ہو چکی تھی، تھوڑی دیر میں مغرب کی اذان ہوئی، تو تمام لشکری بڑے ذوق وشوق سے تکبیر کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے، اور جس محویت، سکون و وقار، ادب، اور خضوع سے انھوں نے نماز ادا کی، اس کو دیکھ کر قاصد متحیر رہا، اور پھر جب اُن سے باتیں کیں، تو اُن کی صداقت سے ایسا متاثر ہوا کہ اسی وقت کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہوگیا، اور وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا نہیں چاہتا تھا، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا گمان ہوگا، اس لئے اُس کے واپس جانے پر یہ کہکر مجبور کیا، کہ کل میرا سفیر جو یہاں سے جائے گا، اُس کے ساتھ چلے آنا[1]،

اسی طرح قادسیہ کی جنگ کے موقع پر ایک بار فجر کی اذان ہوئی، تو تمام لشکری اس تیزی سے نماز ادا کرنے کے لئے دوڑے، کہ ایرانیوں کو دھوکا ہوا کہ وہ حملہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن رستم نے دیکھا کہ وہ ایک روحانی آواز پر اس قدر جلد جمع ہو جاتے ہیں، تو خود بخود بول اٹھا کہ عمر میرا کلیجہ کھا گیا، اسی جنگ میں جب ایک ایرانی گرفتار ہوا، اور اُس نے اسلامی لشکر کے اخلاقی منظر کو دیکھا تو مسلمان ہو گیا اور کہا کہ جب تک تم میں یہ وفا، یہ صداقت، یہ اصلاح، یہ مواسات ہیں، تم لوگ شکست نہیں کھا سکتے[2]

---

[1] الفاروق ص ۱۴۲، [2] طبری ص ۲۲۹۱ بحوالہ اسوۂ صحابہ ص ۴۲۳، جلد دوم،

ہرقل جب شام سے قسطنطینہ جا رہا تھا تو اسلامی فوج سے ایک رومی قیدی بھاگ نکلا، اور ہرقل نے اس سے مسلمانوں کے حالات پوچھے تو اُس نے کہا کہ وہ لوگ دن کو شہسوار اور رات کو راہب ہوتے ہیں، جس قوم سے معاہدہ کرتے ہیں، اس سے ہر چیز بہ قیمت لے کر کھاتے ہیں، اور جس شہر میں داخل ہوتے ہیں، امن و امان کے ساتھ داخل ہوتے ہیں، ہرقل نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو وہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے کی زمین تک کے مالک ہو جائیں گے[1]

ہندوستان کے لشکریوں میں دینداری اور طہارت کی کمی

ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں اور انکے لشکریوں نے اپنی روزمرہ زندگی میں مذکورۂ بالا دینداری، طہارت، صدق و وفا کی پاسداری کا اس حد تک لحاظ نہ رکھا، اور انھوں نے اور ان کے لشکریوں نے اپنے کردار، اخلاق اور بلندی سیرت کے وہ مثالی نمونے پیش نہیں کئے، جن کی تعلیم اسلام نے دی تھی:

لیکن اُن کی تلوار اسلام کی تلوار سمجھی گئی، اور ان کی تلوار کے خلاف ہندوستان کے باشندوں کے جو جذبات ابھرے، وہ اسلام کی طرف منتقل ہوگئے، اور اُن کے تکدر، اشتعال اور آزردگی کو دور کرنے میں علماء، صلحاء اور صوفیائے کرام ہی کی کوششیں زیادہ کارگر ہوئیں،

اسلامی تعلیمات

ہندوستان کے مسلمان حکمران اور ان کے لشکری اگر واقعی اسلام کی صحیح تعلیمات کے پابند ہوتے، تو اُن کی تلوار اتنی ہیبت ناک نہیں سمجھی جاتی، جتنی کہ سمجھی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی مہم پر فوج بھیجتے تو سردار فوج کو حکم دیتے کہ کسی بوڑھے کو، بچے کو، کمسن کو، عورت کو قتل نہ کیا جائے (ابوداؤد، بحوالہ سیرۃ النبی جلد اوّل ص ۴۴۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی حکم تھا کہ اسیران جنگ میں کسی کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچنے پائے، اسیران بدر کو جب آپ نے صحابہ کے حوالہ کیا، تو تاکید کی کہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے، چنانچہ صحابہ خود کھجور وغیرہ کھا کر

---

[1] اسوۂ صحابہ جلد دوم ص ۲۳۲،

بسر کر لیتے تھے، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے، غزوۂ حنین میں چھ ہزار قیدی تھے، سب چھوڑ دیئے گئے، اور آپ نے اُن کے پہننے کے لئے مصری کپڑے کے چھ ہزار جوڑے عنایت فرمائے، حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہوکر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزت و حرمت سے مسجد کے ایک گوشہ میں اُس کو ٹھہرایا، اور فرمایا کہ کوئی تمھارے شہر کا آجائے تو میں اُس کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں، چنانچہ چند روز کے بعد سفر کا ساز و سامان کر کے ایک شخص کے ساتھ یمن بھجوا دیا، (سیرۃ النبی جلد اول ص ۴۴۳)

لوٹ مار کی ممانعت دورانِ جنگ میں دشمن کے مال اور جائداد کا لوٹنا بھی عام رواج ہے، خصوصاً جب کھانے پینے کے انتظام میں کمی آجائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت کی، اور اس طریقہ کو روک دیا، ابوداؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے، اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی، اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا، سب ٹوٹ پڑے، اور بکریاں لوٹ لیں، رسول اللہؐ کو خبر ہوئی، آپ موقع پر تشریف لائے تو گوشت پک رہا تھا، اور ہانڈیاں اُبال کھا رہی تھیں، آپ کے ہاتھ میں کمان تھی، آپ نے اس سے ہانڈیاں الٹ دیں، اور سارا گوشت خاک میں مل گیا، پھر فرمایا لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے۔ (سیرۃ النبی جلد اول ص ۴۴۴)

حضرت ابوبکرؓ کی ہدایتیں حضرت ابوبکرؓ جب شام فوج بھیج رہے تھے، تو رخصت کرتے وقت امیر عسکر سے فرمایا:-

"تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنھوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دیا ہے اُن کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت، بچے اور بڈھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے سوا بیکار نہ ذبح کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا، اور بزدل نہ ہونا وغیرہ وغیرہ"

(تاریخ الخلفاء ص ۹۶ بحوالہ خلفائے راشدین دار المصنفین ص ۵۳)

عبادتگاہوں کا احترام | حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے، وہاں کے لوگوں کو تقریباً وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے، چنانچہ اہلِ حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اس کے الفاظ یہ تھے:

"ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کئے جائیں گے، اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا، جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس اور گھنٹے بجانے کی ممانعت نہ ہوگی، اور نہ صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے"

(کتاب الخراج بحوالہ خلفائے راشدینؓ دار المصنفین ص ۵۷)

جزیہ کی واپسی | حضرت عمرؓ فاروق اعظم کے زمانہ میں مسلمانوں نے حمص پر قبضہ کیا تو وہاں کے عیسائیوں نے انطاکیہ پہونچ کر اپنی فوج کو از سرِ نو مرتب کیا، اور انھوں نے روم، قسطنطنیہ، آرمینیہ ہر جگہ سے فوجیں بلا کر ایک ٹڈی دل اسلامی لشکر کے خلاف روانہ کیا، اس وقت مسلمانوں کی فوج کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ تھے، انھوں نے اپنے فوجی سرداروں کو بلا کر مشورہ کیا کہ اس سیلاب کو کیسے روکا جائے، یزید بن ابوسفیان نے کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں، اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں، لیکن ایک دوسرے فوجی سردار شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ ایسا کرنا مناسب نہیں کیونکہ شہر والے تمام عیسائی ہیں، ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل وعیال کو دشمن کے حوالہ کردیں، یا خود مار ڈالیں، حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ پھر اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں، شرجیل نے اٹھ کر کہا کہ اے امیر! تم کو ہرگز یہ حق نہیں ، ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، اس لئے نقضِ عہد کیونکر ہو سکتا ہے، حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کی، آخر میں یہ رائے طے پائی کہ حمص چھوڑ کر دمشق کو محاذ بنایا جائے" جب یہ طے پا چکا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے، بلا کر کہا "عیسائیوں سے جزیہ یا خراج اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم ان کو ان کے ...... دشمنوں سے بچا سکیں،

لیکن اس وقت ہماری حالت ایسی ہے۔۔۔ کہ ہم اُن کی حفاظت نہیں کر سکتے، اس لئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب اُن کو واپس دے دو، اور اُن سے کہدو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے، اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے، تم کو واپس کیا جاتا ہے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول کی گئی تھی، واپس کردی گئی، عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے، یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا انھوں نے کہا توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں حمص پر کسی اور کا قبضہ نہیں ہو سکتا، یہ کہکر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا، حضرت ابو عبیدہؓ نے صرف حمص والوں کے ساتھ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے، ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے، واپس کردی جائے،[۱]

عدل وانصاف حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق قتل عام تو ایک طرف ہرے بھرے درختوں تک کے کاٹنے کی اجازت نہ تھی، مفتوحہ قوم کے ساتھ عدل وانصاف کی پوری تاکید کی جاتی، حضرت عمرؓ کا ایوانِ عدل مسلمان، یہودی اور عیسائی سب کے لئے یکساں تھا، قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتل مقتول کے ورثہ کو حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا سپرد کر دیا گیا، اور اس نے اس کو مقتول عزیز کے بدلہ میں قتل کر دیا،[۱]

اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک پیر کہن سال کو گداگری کرتے دیکھا، پوچھا تو بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اُس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، حالانکہ میں بالکل مفلس ہوں، حضرت عمرؓ اس کو اپنے گھر لے آئے، اور کچھ نقد دے کر مہتمم بیت المال کو لکھا کہ اس قسم کے ذمی مساکین کے لئے بھی وظیفہ مقرر کر دیا جائے واللہ یہ انصاف نہیں کہ اُن کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں اُن کی خبر گیری نہ کریں،[۲] حضرت عمرؓ

---

[۱] الفاروق حصہ اوّل ص ۱۳۸ - ۱۳۷، [۲] کتاب الخراج ص ۷۲، بحوالہ خلفائے راشدین ص ۱۴۴،

ہی کے زمانہ میں عربسوس کے عیسائیوں کو اُن کی متواتر بغاوتوں کے باعث جلاوطن کیا گیا، مگر اس طرح ان کی تمام املاک کی دوچند قیمت دی گئی[1]، اسی حسنِ سلوک کی وجہ سے عیسائی مسلمانوں کی اعانت کرنے میں دریغ نہیں کرتے، فتوحاتِ شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور خبر رسانی کی خدمت انجام دی، حملۂ مصر میں قبطیوں نے مفید کام کئے، اسی طرح عراق میں عجمیوں نے اسلامی لشکر کے لئے پل باندھے اور غنیم کے راز سے مطلع کرکے نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں[2]،

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی لشکر کی بے عنوانیاں

اگر ہندوستان کے مسلمان حکمران اور اُن کے لشکری مذکورۂ بالا اسلامی اصولوں اور روایتوں کی پابندی کرتے، تو اُن کی تلوار بھی پیامِ رحمت بن جاتی، اور پھر اُن کو چپہ چپہ پر تلوار اٹھانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی، لیکن اگر انھوں نے جنگ کے موقع پر یا اُس کے بعد سفّاکی دکھلائی تو اس زمانہ میں کیا بلکہ موجودہ تہذیب دور میں بھی اس قسم کی بے عنوانیاں لوازمِ جنگ بن گئی ہیں، جن سے کوئی قوم بھی خالی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی ہے، پھر بھی اس قسم کی سفّاکیوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اسی طرح اگر مسلمان لشکریوں نے مندروں اور عبادتگاہوں کو منہدم کیا تو یہ اُن کی جنگی بے اعتدالیاں تھیں، جن کا کوئی لگاؤ اسلامی جہاد سے نہ تھا، اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ مسلمان بادشاہوں کے لشکر میں زیادہ تر وسط ایشیا کے لشکری تھے، جو اپنی نسلی اور قبائلی خصوصیات کے ساتھ جنگ کرتے رہے، اسی لئے اُن سے وہ جنگی حرکتیں صادر ہوتی رہیں، جن کی اسلام نے مخالفت کی، اسلام لانے کے بعد ان میں بڑی تہذیب اور شائستگی پیدا ہو گئی تھی، پھر بھی اُن کی کچھ نسلی خصوصیات رہ گئی تھیں، اور یہ اسلام ہی کا فیض ہے کہ چنگیز خاں کی نسل سے بابر، ہمایوں، جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر جیسے فرمانروا گزرے جنھوں نے تہذیبی، تمدنی، اور ثقافتی دنیا میں مثالی نمونے پیش کئے،

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۶۳ [2] بلاذری ص ۱۲۰

اتحاد و اتفاق کی کمی | اسلام کا مقصد دلوں کو ملانا تھا، اسلام نے اتحاد و اتفاق کا نمونہ پیش کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ جو کام زمین کے کل خزانے کے صرف کر دینے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا تھا، وہ اسلام کے ذریعہ ممکن ہو سکا، اور یہ اتحاد بڑی سے بڑی مادی طاقت کا مقابلہ کرتا رہا، لیکن ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں میں اتحاد و اتفاق کی بڑی کمی رہی، ایک بار حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی کہ قریش نے مختلف مجلسیں قائم کر لی ہیں، اور باہم مل جل کر نہیں بیٹھتے، تو اُن کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے مجلسیں قائم کر لی ہیں، اور اب یہ امتیاز قائم ہو گیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کا دوست ہے، اور وہ فلاں کا ہم نشیں ہے، خدا کی قسم یہ تمہارے مذہب کو، تمہارے شرف کو، اور تمہارے تعلقات کو بہت جلد برباد کر دے گا، اور گویا میں اُن لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو اس کے بعد کہیں گے کہ یہ فلاں کی رائے ہے، اور اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے، ایک ساتھ نشست و برخاست کرو کیونکہ وہ ہمیشہ تمہاری محبت کو قائم رکھے گا اور دشمن تمہارے اجتماع کو دیکھ کر مرعوب ہوں گے"[1]

ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے کبھی اس کی منظم کوشش نہیں کی، کہ ان کی اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے، اُن کی معاشرت میں تفریق و تقسیم کی بیگانہ وشی نہ ہونے پائے اور ہر حال میں اُن کی یکجہتی، یگانگت، اور موانست باقی رہے، وہ یا تو میدان جنگ میں لڑتے، اور لڑنے کے بعد ملکی نظم و نسق میں مشغول ہو جاتے، اور اس مشغولیت میں بھی درباری ریشہ دوانیوں میں لگے رہتے اور ان تمام باتوں سے فرصت مل جاتی، تو اپنی تہذیبی اور تمدنی زندگی کو آراستہ کرنے میں لگ جاتے اور اس میں شک نہیں کہ جس طرح ان کے جنگی کارنامے نمایاں ہیں، اسی طرح اُن کی تہذیبی زندگی بھی جلوۂ صد رنگ سے معمور ضرور ہے، قطب مینار، فتح پور سیکری، آگرہ کا قلعہ اور تاج محل ان کی تہذیبی زندگی

---

[1] اسوۂ صحابہ ص ۲۲۳،

شہادت آج بھی دے رہے ہیں لیکن اگر وہ اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں کے اخلاق، کردار اور سیرت کا بھی قطب مینار اور تاج محل بناتے رہتے تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی،

خارجی اسباب | داخلی اسباب سے کم خارجی اسباب نہ تھے، ان میں سب سے اہم سبب قانونِ وراثت کا نہ ہونا تھا، ہندوستان میں مسلمانوں نے جو حکومتیں قائم کیں، وہ خالصتہ اسلامی حکومتیں نہیں کہی جاسکتی ہیں تخت سلطنت پر بیٹھنے والے مسلمان ضرور رہے لیکن انھوں نے اپنا طرز حکومت خلفاے راشدین رض کے طرزِ حکومت کے مطابق قائم نہیں کیا، اسی لئے وہ اسلامی عقائد کے پابند ہونے کے باوجود اسلامی طرزِ حکومت کے پیرو نہیں کہلائے جاسکتے،

وراثت کے جھگڑے | اسلام نے حکمرانی میں خاندانی وراثت کو جائز قرار نہیں دیا ہے، سلاطینِ دہلی کے عہد میں امرا جن میں فوجی امرا بھی شامل تھے، خاندانی وراثت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اسی لئے بعض سلاطین کے جانشین اُن کے لڑکے نہیں ہوتے، یہ فوجی امرا، اپنے قبائلی روایات سے بھی متاثر تھے، انکی کوشش ہوتی، کہ انتخاب شاہی خاندان کے افراد میں سے ہو، اس لئے اصولی حیثیت سے سلطان انتخاب ہی کے ذریعہ تخت نشین ہوتا، امرا، علما، اور فضلا کسی ایک پر متفق ہو جاتے تو اسکے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا جاتا، اور سب اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے، اور اگر شاہی خاندان میں کوئی فرد جانشینی کے لئے نہ ملتا، یا کوئی نا اہل اور نالائق فرد تخت نشین ہو جاتا، تو فوجی امرا میں سے کوئی آگے بڑھتا اور اپنے کو سلطان تسلیم کراتا، لیکن اس کے لئے اس کو لڑائیاں لڑنی پڑتیں، اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہوتا، کہ تخت و تاج کے لئے وہی حکمراں مل جاتا، جو واقعی اہل اور لائق ہوتا، لیکن یہ پڑھ کر دکھ ہوتا ہے کہ صرف حصولِ تخت و تاج کے لئے سلاطینِ دہلی کے پورے دور میں چودہ ۱۴ لڑائیاں لڑی گئیں،

مغلوں کی حکومت تو بالکل خاندانی ہو گئی، سلاطینِ دہلی کے عہد میں انتخاب کا جو غیر واضح

اور جاجلانہ اصول تھا، وہ بھی جاتا رہا، اور ایک ہی خاندان میں حکومت تقریباً ۳۳ سال تک رہی، لیکن اکبری عہد سے جانشینی کے لئے شہزادوں میں باہمی لڑائیوں کی جو روایت قائم ہوئی، وہ آخر آخر وقت تک رہی، جہانگیر، شاہجہان، عالمگیر اور بہادر شاہ کس کو جانشینی کی لڑائی نہیں لڑنی پڑی؟ اور آخری دور میں تو صرف جانشینی کی لڑائیاں ہی رہ گئی تھیں، عالمگیر کی وفات ۱۷۰۷ء میں ہوئی، اور نادر شاہ کا حملہ ۱۷۳۹ء میں ہوا، اس اکتیس سال کے عرصہ میں سات لڑائیاں صرف جانشینی کے لئے ہوئیں، بہادر شاہ نے دو، جہاندار شاہ نے تین، فرخ سیر اور محمد شاہ نے ایک ایک لڑیں بہادر شاہ اول کے عہد سے تو صرف خانہ جنگی ہی ہوتی رہی، یہ لڑائیاں لڑی جاتیں، تو تخت و تاج کی بنیاد ہل جاتی، کوئی لائق جانشین مل جاتا، تو پوری سلطنت کو اپنی زیرکی، ہوشمندی، اور مآل اندیشی سے سنبھال لیتا، اور پھر اس کی آن بان قائم کر دیتا، لیکن کمزور اور نااہل جانشینوں کو اپنی جگہ خالی کرنی پڑتی، ابراہیم لودی اپنے حریف بابر پر غالب نہ آسکا، سلیم شاہ سوری، ہمایوں سے بازی نہ لے جاسکا، اور آخری دور میں اکبر اور عالمگیر کے نالائق جانشینوں کی باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے تو حکومت محض شام غریباں بن کر رہ گئی تھی،

قانونِ وراثت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہر فوجی سردار کی نظر کسی نہ کسی شہزادہ کی طرف اٹھتی تھی، اور وہ اس کو اپنی بساط سیاست کا ایک مہرہ بنانا چاہتا تھا، اس لئے ہر شہزادہ کے اردگرد کچھ فوجی امرار جمع ہو جاتے جو اس کے دربار کو اپنی چاپلوسی، مداحی، اور ریشہ دوانی سے سازشوں کا اڈہ بنا دیتے، اور آخر میں یہ سازش میدانِ جنگ کی لڑائی میں تبدیل ہو جاتی،

ان لڑائیوں میں بڑے بڑے جانباز، آزمودہ کار اور لائق فوجی سردار مارے جاتے، عالمگیر کی وفات کے بعد اس کے شہزادہ معظم اور شہزادہ اعظم میں جاجو کے میدان میں جنگ ہوئی، تو اس میں جو فوجی سردار مارے گئے ان کے کچھ نام یہ ہیں،

نورالدین علی خاں، مرزا نامدار خاں، سید حسین خاں، سید ابو سعید، عنایت خاں، امان اللہ خاں، تربیت خاں، مراتب خاں، محمد باقر، محمد اسحاق، ابراہیم خان، احمد خاں، دریا خاں، سید عبداللہ صفوی خان، ظفر علی خاں، شیخ حبیب اللہ دلاور خان، ابراہیم بیگ بابری، حضرت قلی سیستانی، صلابت خاں، عاقل خان، شبراتی خان، یوسف محمد بیگ خاں، زماں خاں عالم دکھنی، راؤ دلپت بندیلہ، بھارتی چند، بھیم سین،

فرخ سیر کے عہد سے محمد شاہ کے دور تک امیر الامرا سید حسین علی خاں، اور قطب الملک سید عبداللہ خاں، اپنی مردانگی، جانبازی دلیری اور پامردی میں بے مثال فوجی قائد گذرے، لیکن دونوں خانہ جنگی کے سلسلہ میں لقمۂ اجل ہوئے، خانہ جنگی کی جنگ میں ان سرداروں کی موت سے پوری فوج کو بڑا نقصان ہوتا رہتا، لائق سردار میدان جنگ میں کام آجاتے، تو پھر فوج کی کارکردگی کو برقرار رکھنے والا کوئی نہ ہوتا،

نفاق پروری

جو سردار جانشینی کی جنگ میں نہ مارے جاتے، چاہے وہ مخالف جماعت ہی کے کیوں نہ ہوتے، دربار سے کسی نہ کسی طور پر ضرور منسلک ہو جاتے، اور میدان جنگ کی کدورت دربار کے دیوان عام اور دیوان خاص میں ظاہر ہوتی رہتی جس سے دربار سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا مستقل مرکز بن جاتا، جہاندار شاہ سے بہادر شاہ ظفر تک دربار کی تاریخ نفاق پروری ریشہ دوانیوں اور ہلاکت خیز فتنہ انگیزیوں سے پر ہے،

باہمی کشمکش

انتظامی اور فوجی عہدوں سے ملے جلے ہونے سے ایک بڑا فائدہ تو یہ ضرور ہوتا رہا کہ امرا میں سپہ گری اور سیاسی ہوشمندی کی بڑی جامعیت پیدا ہوتی رہی، جانباز فوجی قائد اعلیٰ قسم کا سیاسی مدبر بھی ہوتا، اور قطب الدین ایبک سے عالمگیر عہد تک ایسی بہت سی جامع شخصیتیں پیدا ہوئیں لیکن اس کا تاریک پہلو یہ بھی تھا کہ جو امراء دربار کی باہمی کشمکش میں شکست کھا جاتے تو وہ میدان جنگ میں

پہونچ کر موقع پاتے ہی انتقام لیتے، نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو کرنال کے میدان میں نظام الملک نے سعادت خاں اور خان دوراں کو خاطر خواہ مدد اس لئے نہیں پہونچائی کہ دربار میں وہ دونوں ان سے چشمک کی بنا پر بازی لے جاتے تھے، اور وہ ان دونوں کی پسپائی کو اپنی فتح و کامرانی تصور کرتا تھا، سلاطین دہلی کے زمانہ سے عالمگیری عہد تک جو بھی فوجی سردار غیر معمولی جنگی کامیابی حاصل کرتا، اس کے شاہی آقا اور معاصر امرا، اس کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگتے کہ کہیں وہ سیاسی اقتدار کا دعویدار بھی نہ ہو جائے، اس لئے اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے اس کو حوصلہ فرسا آزمائشوں میں مبتلا کر دیا جاتا،

امارت کے برُے نتائج فوجی قیادت اور امارت لازم ملزوم بن گئیں تو امارت سپہگری پر غالب آگئی، کیونکہ امارت کے ساتھ دولت کی فراوانی نے اچھائیاں کم اور برائیاں زیادہ پیدا کیں، فوجی امرا میں نہ صرف راحت پسندی اور تن آسانی آنے لگی، بلکہ جاہ و حشمت کی بے جا ہوس سے اُن میں رشک و حسد اور نفاق روز بروز بڑھتا گیا، جس سے اُن کے اچھے اوصاف زائل ہوتے گئے، اور اُن کا کردار بگڑتا گیا، اور ان ہی کے ہاتھ میں معاشرتی زندگی کی بھی قیادت تھی، اس لئے عام معاشرتی زندگی بھی روز بروز بگڑتی چلی گئی، اور بگڑی ہوئی معاشرت پر سیاست کی بنیاد مستحکم نہیں ہو سکتی ہے، معاشرت بگڑی تو سیاست بھی بگڑی اور پھر سلطنت کے بگڑنے میں کیا دیر لگتی ہے،

بابر نے اپنی بے سروسامانی میں اپنے میں جو آہنی عزم پیدا کیا تھا، وہی اس کے فوجی سرداروں میں بھی پایا جاتا تھا، ہمایوں نے اپنی غریب الوطنی میں صبر، استقلال اور ہمت کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا، وہ اُس کے ہمراہیوں میں بھی پیدا ہوا، اکبر نے اپنی بہادری اور شجاعت اپنے فوجی منصبداروں میں بھی سرایت کر دی تھی، جہانگیر نے اپنی محبت و شفقت سے اپنے زیادہ تر فوجی امرا کو اپنا دلدادہ بنا رکھا تھا، شاہجہاں کی ہوشمندی، اولوالعزمی، اور فیاضی نے اُس کے فوجی سرداروں کو تاج و تخت کے گرد جمع کر رکھا تھا، عالمگیر

کی بیدار مغزی اور ہوشمندی سے فوجی امراء بے قابو نہیں ہونے پائے لیکن جب بادشاہ وقت میں خود اچھی قیادت کی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی تو امراء میں بگڑنے کے تمام جراثیم پہلے ہی سے پیدا ہو چکے تھے بادشاہ وقت کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو وہ خود بھی ڈوبے اور اپنے ساتھ ایک عظیم الشان حکومت کو بھی ڈبوئے

ہندوستانی فوجی امراء کے گھروں میں دولت آئی تو عیش و عشرت اُن کی کنیز بن گئی، اُن کے درباروں میں اُن کے شاہی آقاؤں ہی کی شان و شوکت نظر آتی، اور یہ عشرت اور شوکت اُن کو اگر برباد نہ کرتی تو اُن کی اولاد کو تو یقیناً بالکل ناکارہ بنا دیتی، کیونکہ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ خانخاناں منعم خان، خانخاناں عبدالرحیم، خانخاناں مہابت خان، خانخاناں آصف خاں، اور خانخاناں معظم خان نے اپنی نبرد آزمائی اور کارکردگی سے سولھویں اور سترھویں صدی میں مغل سلطنت کو بام عروج پر پہنچا دیا، لیکن اُن میں سے کسی کے لڑکے اور پوتے نے ان کی شہرت اور ناموری حاصل نہیں کی، عہد مغلیہ کے امراء کے حالات مآثر الامراء کی تین جلدوں میں ہیں، لیکن بہت کم امراء ایسے ہیں جن کے کردار و سیرت کی بلندی کی تعریف اس کے مؤلف نے کی ہے، زیادہ تر اُن کی زندگی کے تاریک پہلو ہی پر ماتم کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ روز بروز ناکارہ ہوتے جا رہے تھے،

بیرونی ممالک سے اہلِ دماغ کے نہ آنے کے نتائج

لیکن فوج اور سلطنت کا کام اس وقت تک سنبھلتا رہا، جب تک ترکستان ایران اور افغانستان سے اچھے اچھے دماغ آتے رہے، لیکن سترھویں صدی کے اواخر میں خود ان ممالک میں اچھی صلاحیت اور لیاقت کے لوگ مفقود ہو گئے، اس لئے اُن کا کوئی خاطر خواہ گروہ ہندوستان نہیں آیا، اور جو آیا بھی وہ دربار کے ہندوستانی اور غیر ہندوستانی امراء کی سازشوں میں گھر کر فروغ نہ پا سکا، فوج میں ہندوستان کے شمال مغربی سرحد کے پار کے لوگ لشکری کی حیثیت سے کافی تعداد میں رہا کرتے تھے لیکن ہندوستانی اور غیر ہندوستانی کی تفریق میں اُن کی بھرتی دن بدن کم ہوتی گئی، اور فوج کا زیادہ حصہ ہندوستانیوں ہی پر مشتمل رہنے لگا جس سے فوج کی کارکردگی کی

کیفیت پر بڑا اثر پڑا، لشکر میں نومسلموں کے علاوہ مسلمانوں کے ہندوستانی عناصر تو وہی تھے جو نسلاً افغانی یا تورانی تھے لیکن یہاں آکر اُن کے وہ سپاہیانہ اوصاف باقی نہیں رہ گئے تھے جو اُن کے پرانے وطن کے لوگوں میں پائے جاتے تھے، اس کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہو کہ یہاں آکر انھوں نے دولت پائی تو وہ جفاکش نہ رہے، یا یہ کہ یہاں کی آب و ہوا نے اُن کو راحت پسند بنا دیا، اور راحت پسندی کے ساتھ نمود و نمایش کے زیادہ عادی ہو گئے۔ جو حکومت کی بنیاد کو کھوکھلی کرنے میں بہت معاون ہوا کرتی ہے،

فوجی کیمپ میں راحت پسندی یہ راحت پسندی اور نمود و نمایش فوجی کیمپ اور میدانِ جنگ میں بھی نظر آنے لگی تھی، فوجی کیمپ میں حرم کی بیگمات اور شہزادیاں بھی ساتھ رہتی تھیں، بعض فوجی امرا کے ساتھ ناچنے والی کنیزیں بھی ہوتیں، خیمہ و خرگاہ اور دوسرے ساز و سامان کی اور بھی فراوانی ہوتی، کیمپ کے یہ عیاشانہ لوازم غیر معمولی فوجی قیادت کے زمانہ میں تو غنیم کو مرعوب کرتے رہے لیکن جب قیادت میں پرانی آن بان باقی نہیں رہی تو یہی شوکت و شان وبال جان بن گئی، کیمپ ایک متحرک محل بن گیا، جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں بڑی دیر لگتی، فوج کی تیز گامی اور بادپائی پر اثر پڑتا، اور غنیم فائدے اٹھاتے رہتے مرہٹوں نے مغلوں کے آخری دور میں جب اپنی فوج کی تنظیم کی، تو اُن کی نقل و حرکت میں آسانی اس لئے ہوتی کہ اُن کے ساز و سامان کے پُرشکوہ مظاہرے نہ ہوتے،

غیر ترقی یافتہ اسلحۂ جنگ مغل جب تک ہندوستان میں لڑتے رہے، وہ اپنی توپوں اور آتشیں اسلحہ کو بہت ترقی یافتہ سمجھتے رہے لیکن اُن کو بلخ، قندھار اور بدخشاں کی مہم میں اندازہ ہوا کہ اُن کی توپیں زمانہ کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتی ہیں، اور اُن کی توپیں بہت بڑی سہی لیکن قزلباشوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں کمتر اور فروتر تھیں، یا پھر جس تیزی اور چالاکی سے آتشیں اسلحہ اور آتشگیر مادے استعمال کر سکتے تھے، یا اپنی مجروح توپوں کی مرمت کر سکتے تھے، ہندوستانیوں میں اس طرح کی مہارت نہ تھی،

اس تجربہ کے بعد مغلوں کو اپنی توپوں کو ترقی دینے کا موقع تھا لیکن انھوں نے قندھار، بلخ اور بدخشاں

پر سے اپنے اقتدارِ اعلیٰ کا دعویٰ واپس لینا پسند کرلیا، لیکن اپنی توپوں کو موثر اور بہتر بنانا گوارا نہیں کیا، چنانچہ نوّے سال کے بعد نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا، تو مغلوں کی بڑی بڑی توپیں جن کو پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار بیل کھینچتے تھے محض نمایشی بن کر رہ گئیں، اور ایرانیوں کی ترقی یافتہ ہلکی توپوں نے ڈھولنا کی پیدا کردی کہ مغل فوج کو سپر ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، اور جب انگریز ہندوستان آئے تو اُن کی توپوں کے مقابلہ میں مغلوں کی توپیں اور بھی ناکارہ ثابت ہوئیں،

طریقۂ جنگ میں ترقی نہیں ہوئی

مغلوں کو اپنے سواروں کے طریقۂ جنگ پر بڑا ناز تھا، وہ ہندوستان میں اپنے حریفوں کو ان سواروں کی تیز گامی اور چابکدستی کی بدولت شکست دیتے رہے لیکن نادر شاہ کے مقابلہ میں جب اُن کی فوج میدانِ جنگ میں اتری تو اُن کو محسوس ہوا کہ اُن میں اور ایرانی فوج کی تنظیم و ترتیب اور سواروں کے ماہرانہ ربط و میل میں وہی فرق ہے، جو پرتھوی راج کو شہاب الدین غوری اور رانا سانگا کو بابر کے سواروں کی تنظیم و ترتیب اور طریقۂ جنگ میں فرق محسوس ہوا تھا، فنونِ جنگ بہت ترقی کر گئے تھے لیکن ہندوستان کے حکمران اُن کو اختیار کرنے میں بہت پیچھے رہ گئے تھے،

تاریخ کی نیرنگیاں

مسلمان حکمرانوں کی حکومت کے زوال میں ہندوستان کی تاریخ کی نیرنگیوں کو بھی دخل ہے، یہاں کسی کی حکومت بہت دیرپا نہیں رہی، موریا خاندان تقریباً ۱۴۰ سال حکمراں رہا، پارتھیوں نے ۱۹۰ برس تک حکومت کی، کشاں ۲۰۵ سال سے زیادہ حکمرانی نہیں کرسکے، گپت خاندان کا راج ۳۰۵ برس تک رہا، سلاطینِ دہلی کی مدت ۳۲۱ سال رہی، البتہ مغل بادشاہوں کا دورِ حکومت بڑا طویل رہا، اور یہ طویل مدت اُن کی طاقت اور حشمت کے علاوہ اُن کی مقبولیت کی بھی دلیل سمجھی جاسکتی ہے، اُن کے بعد تو انگریزوں کی باضابطہ حکومت ۹۰ سال سے زیادہ نہ رہ سکی،
